سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مفصل و مستند تصنیف

علامہ علی ابن برہان الدین حلبیؒ کی مایہ ناز عربی تصنیف کا اردو ترجمہ

اعظم السیر

مع اضافات

مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل دیوبند

زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : ۴۲۰ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

...... ملنے کے پتے ......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, UK

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست عنوانات سیرت حلبیہ جلد دوم نصف آخر

آنحضرت ﷺ کے سامنے کس کس کے سر لائے گئے

ایک قول کے مطابق اس روایت سے کہ ابو جہل کا سر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لاکر پیش کیا گیا علامہ زہری کے قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی سر کبھی نہیں لایا گیا۔ ایک سر حضرت ابو بکرؓ کے سامنے لایا گیا تھا مگر اس بات کو انہوں نے بھی ناپسند کیا تھا۔

اس کے جواب میں علامہ بیہقی کا قول ہے کہ ابو جہل کا سر لائے جانے کی جو روایت ہے اس میں کلام کیا گیا ہے اور اس کو صحیح جو مانا گیا ہے تو وہ اس طرح کہ ایک جگہ سے سر اٹھا کر دوسری جگہ تو لایا جا سکتا ہے مگر ایک شہر سے دوسرے شہر میں لانا درست نہیں ہے یعنی دار الکفر سے دار الاسلام میں لانا درست نہیں ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو حضرت ابو بکرؓ نے ناپسند کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی تھی کہ کسی کا سر دار الکفر سے دار الاسلام میں لایا جائے۔

شافعی علماء میں علامہ ماوردی اور امام غزالی نے اس بات کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے کہ اس طرح کفار کے لئے کوئی فریب اور مکر مقصود ہو۔

کتاب نور میں یہ ہے کہ ہمیں ایسے بہت سے لوگوں کے نام معلوم ہیں جن کے سر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے گئے ایسے لوگ یہ ہیں۔ ابو جہل، سفیان ابن خالد، کعب ابن اشرف، مرحب یہودی، ایک روایت کی بنیاد پر اسود عنسی، عصماء بنت مروان، رفاعہ ابن قیس یا قیس ابن رفاعہ، اور عقبہ ابن ابی وقاص کا سر جس نے غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت توڑ دیئے تھے اور آپ کے ہونٹوں کو زخمی کر دیا تھا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے ابو جہل کی گردن پر جو پیر رکھا اور پھر اس کا سر کاٹا تو اس میں ان کے خواب کی تعبیر کی تصدیق ہے جو انہوں نے ابو جہل کے متعلق دیکھا تھا اور اس سے کہا تھا کہ اگر میرا خواب سچا ہے تو میں تیری گردن کو اپنے پاؤں سے پامال کروں گا اور تجھے بکرے کی طرح ذبح کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو لوہے میں غرق یعنی زرہ بکتر میں سر سے پیر تک ملبوس پایا۔ وہ زخمی حالت میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ ابن مسعودؓ نے اس کے خود کو گردن پر سے سرکایا اور پھر اس پر وار کیا جس سے اس کا سر کٹ کر ایک طرف جا پڑا۔

روایت میں خود کے نچلے حصہ کے لئے **سابغة البیضه** کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس لفظ کے معنی ہیں وہ چیز جو گردن کو ڈھک لے اسی لئے کہا جاتا ہے **بیضه لها سابغ**

طبرانی کی کتاب معجم الکبیر میں خود ابن مسعودؓ ہی کی روایت ہے کہ جب میں ابو جہل کے پاس پہنچا تو وہ زمین پر پڑا تھا اور اس کے پاس اس کی تلوار بھی تھی جو نہایت عمدہ قسم کی تھی جبکہ میری تلوار نہایت گھٹیا قسم کی تھی۔ میں اس کی کھوپڑی پر ٹھوکریں مارنے لگا اس وقت مجھے وہ ضربیں یاد آرہی تھیں جو مکے میں ابو جہل میرے

سر پر مارا کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کی تلوار اٹھالی۔ اسی وقت ابو جہل نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا۔

"شکست کس کو ہوئی ہے۔ کیا تو مکے میں ہماری بکریوں کا چرواہا نہیں تھا۔"

فرشتوں کے لگائے ہوئے زخم...... غرض اس کے بعد ابن مسعودؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے جسم پر جو ہتھیار وغیرہ تھے وہ اتار لئے۔ اس کے بعد ابو جہل کی لاش پر ان کی نظر پڑی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کے جسم پر زخم کا کہیں نشان نہیں ہے بلکہ جلنے کے نشانات ہیں یعنی اس کی گردن پر ہاتھوں پر اور مونڈھوں پر ورم سا ہے اور ایسے آثار ہیں جیسے یہ حصے آگ کا کوڑا لگنے سے سیاہ ہو گئے ہیں یعنی اس کے جسم پر زخموں کے وہ اندرونی حصے تھے وہ ایسے نہیں تھے جیسے آدمی کے ہاتھ سے زخم لگتے ہیں۔

لہٰذا اس تشریح کے بعد یہ بات اب اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں رہی جس میں تھا کہ ابن جموح نے اس کی ٹانگ کاٹ دی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عفراء کی جس ضرب سے وہ زمین پر گر پڑا تھا اس سے بدن کے اندر کوئی زخم نہیں پڑا تھا۔

غرض اس کے بعد ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو یہ حیرت ناک بات بتلائی تو آپ نے فرمایا۔

"یہ ملائکہ اور فرشتوں کے لگائے ہوئے زخموں کے نشانات ہیں۔"

(ی) فرشتے یہ نہیں جانتے تھے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ان کو اس کا طریقہ بتلایا۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ الآیہ پ۹ سورہ انفال ع ۲ آیت ۱۲

ترجمہ: سو تم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

چنانچہ اسی وجہ سے مشرک مقتولین میں جن کو فرشتوں نے مارا تھا ان کے بدن پر جلنے کے جیسے نشانات دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ نشانات فرشتوں کی لگائی ہوئی ضربوں کے ہیں اور ان کو فرشتوں نے مارا ہے

فرشتوں کی ضرب ...... بعض روایتوں میں ابو جہل کے جسم پر سبزی مائل نشانات کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اکثر گہرا سبز رنگ جس کو کاہی سبز کہتے ہیں سیاہی مائل ہوتا ہے اور اس کو سیاہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ پھر سر یا ہاتھ کٹ جانے کے باوجود گردن اور پوروں پر ان نشانات کا باقی رہنا بظاہر اسی لئے تھا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ سر اور ہاتھ فرشتوں نے ان کے تن سے جدا کئے ہیں۔ نیز اکثر حالات میں تو فرشتوں کی ضربیں گردن اور جوڑوں کے اوپر ہی ہوتی تھیں لیکن اس کا اثر مونڈھوں پر بھی ظاہر ہو جاتا تھا جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا لہٰذا اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ اسی لئے ان ضربوں کے آثار چہرے اور ناک پر بھی مل جاتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہ سے روایت ہے کہ ہمیں اپنے سامنے کسی مشرک کی لاش پڑی نظر آتی تو دیکھتے کہ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی ہے اور چہرہ ایسے پھٹا ہوا ہے جیسے کسی کوڑے کی ضرب سے پھٹا ہو اور وہ جگہ سبزی مائل ہو گئی ہے (یعنی جیسے سخت چوٹ کی وجہ سے نیل پڑ جاتا ہے)۔

بعض مفسروں نے گردنوں کے لفظ کی تفسیر سر سے کی ہے مگر یہ بات غیر مناسب ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اور وجہ گزشتہ سطروں میں بیان کی گئی ہے (۔ یعنی فوق الاعناق سے مراد گردنوں کے اوپر کے بجائے سر لیا گیا ہے جو درست نہیں ہے)۔

سہل ابن حنیف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے دیکھا کہ ہم میں سے کوئی بھی مسلمان مشرک کے سامنے پہنچ کر اس کو قتل کرنے کے لئے تلوار بلند کرتا مگر تلوار کے اس تک پہنچنے سے پہلے اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر جاتا تھا۔

اب اس موجودہ اور گزشتہ روایت کے درمیان اس طرح موافقت پیدا ہو جاتی ہے کہ کبھی تو فرشتوں کی ضرب سے گردن علیحدہ ہو جاتی تھی اور کبھی نہیں ہوتی تھی مگر دونوں حالتوں میں گردن پر سیاہ نشان ضرور ہوتا تھا تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ یہ فرشتوں کی لگائی ہوئی ضرب ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

حضرت ابن مسعودؓ ایک دوسری روایت میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں ابو جہل کے پاس پہنچا اور وہ زمین پر پڑا ہوا اپنی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو قریب آنے سے روک رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے خدا کے دشمن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تجھے رسوا کیا۔ اس نے کہا۔

"اس سے زیادہ اور کیا بات ہے کہ ایک شخص کو اسی کی قوم نے قتل کر دیا۔"

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر میرے ہاتھ میں جو چھوٹی سی تلوار تھی میں اس سے اس کے کچو کے لگانے لگا آخر اس کے ہاتھ پر میری تلوار لگی اور اس کی تلوار چھوٹ کر گر گئی۔ میں نے فوراً اس کی تلوار اٹھا کر اس کو قتل کر دیا۔ پھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو خوشی کی وجہ سے اپنے آپ کو انتہائی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ پھر میں نے آپ کو یہ خوش خبری سنائی تو آپ نے وہی جملہ فرمایا جو پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اس موقعہ پر آپ کا ایک دوسرا جملہ بھی گزرا ہے جو آپ نے تین مرتبہ فرمایا تھا۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس خبر پر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے تین مرتبہ حلف لیا اور پھر یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔

"حمد ہے اس خدائے پاک کی جس نے اسلام اور مسلمانوں کو یہ عزت عطا فرمائی۔"

ابو جہل کی تلوار ابن مسعود کا انعام ...... پھر آپ سجدے میں گر گئے اور آپ نے شکرانے کے پانچ سجدے کئے جیسا کہ ذکر ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز شکرانہ پڑھی۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ میرے ساتھ ابو جہل کی لاش دیکھنے کے لئے تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر آپ نے بھی وہی جملہ فرمایا کہ اے خدا کے دشمن! حمد ہے اس خدائے پاک کی جس نے تجھے رسوا اور ذلیل کیا۔ یہ شخص اس امت کا فرعون تھا۔ ایک روایت میں آپ کے یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ اور کافروں کے گروہ کا سر غنہ تھا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کی تلوار مجھے عنایت فرمائی یہ تلوار لمبائی میں چھوٹی اور چوڑائی میں زیادہ تھی۔ اس پر چاندی کا کام تھا اور اسکا دستہ بھی چاندی کا تھا۔ یعنی اس کی تلوار ابن مسعودؓ سے چھوٹی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں آنحضرت ﷺ کے ابو جہل کی لاش کے پاس جانے کا ذکر ہے بظاہر آپ کے قدموں میں ابو جہل کا سر لائے جانے کے بعد آپ اس کی لاش تک تشریف لے گئے کیونکہ اس کا قتل بہت بڑا معاملہ تھا۔

ادھر اس روایت میں ابن مسعودؓ نے نہ تو ابو جہل کا سر کاٹنے کا ذکر کیا اور نہ ہی اسکو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آنے کا ذکر کیا ہے مگر اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے (جیسا کہ ظاہر ہے)۔

ایک مرتبہ مکے میں ابو جہل نے رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑ کر کھینچا۔ آپ نے اس کو یہ جواب دیا جو قر آن پاک میں فرمایا گیا ہے۔

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی الآیہ پ ۲۹ سورہ قیامہ ع ۲ آیت ۳۴، ۳۵

ترجمہ: تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے پھر مکرر سن لے کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔

یعنی اس کے لئے وعید یعنی دھمکی پر دھمکی ہے۔ اس پر ابو جہل نے جواب دیا۔

"تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں اس وادی کے لوگوں میں سب سے زیادہ باعزت اور بلند مرتبہ آدمی ہوں!"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی الآیہ پ ۲۹ سورہ قیامہ ع ۲ آیت ۳۱ تا ۳۳

ترجمہ: تو اس نے نہ تو خدا اور رسول کی تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن خدا اور رسول کی تکذیب کی تھی اور احکام سے منہ موڑا تھا اور پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت گزشتہ آیت کی طرح عدی ابن ربیعہ کے سلسلے میں ہی نازل ہوئی تھی جب کہ اس نے آپ سے قیامت کے دن کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے اس کو روز قیامت کے متعلق بتلایا تو عدی نے کہا۔

"اگر اس دن کو میں خود اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تب بھی تمہاری تصدیق نہیں کروں گا۔ کیا اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو جوڑ کر پھر انسان بنائے گا!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اس سے پہلے اسی سورت میں ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ الآیہ پ ۲۹ سورہ قیامہ ع ۱ آیت ۳

ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز نہ جمع کریں گے۔

فرعون امت ابو جہل ...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اور اس امت کا فرعون ابو جہل ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ بہت بری حالت میں قتل کرایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کو ابن (عفراء) اور فرشتوں نے قتل کیا اور ابن مسعود نے اس کو ہلاک کیا۔"

جہاں تک ابن عفراء کا تعلق ہے تو یہ حضرت معاذ ابن عمرو ابن جموح بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے بھائی معاذ ابن حرث بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کو ابو جہل کا قاتل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کو زخمی کر کے ادھ مرا کر دیا تھا (اگرچہ وہ اس کے بعد مرا نہیں تھا مگر مردوں کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا) جیسا کہ بیان ہوا۔

دو کمسن مجاہد ...... مسلم میں حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے دوران جبکہ میں اپنی صف میں کھڑا ہوا جنگ میں مصروف تھا میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اپنے آپ کو دو انصاری نوجوانوں کے درمیان پایا جو دونوں ابھی کمسن تھے۔ اسی وقت ایک نے ان میں سے مجھے آنکھ سے اشارہ کیا اور کہا۔

"اے چچا! کیا آپ ابو جہل ابن ہشام کو پہچانتے ہیں۔"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ تمہیں اس سے کیا کام ہے۔"

اس نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے وہ موت کے گھاٹ اتر جائے جس کا وقت آچکا ہے۔"

اسی وقت دوسرے نے مجھے آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے وہی بات کہی جو پہلے نے کہی تھی میں اس بات پر اور ان دونوں کے اس جذبے پر حیران ہو رہا تھا کہ دونوں اپنے اس ارادہ کو ایک دوسرے سے چھپا رہے تھے۔ یعنی دونوں کا مقصد ایک تھا مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے اس ارادہ سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ اکیلے ہی یہ کارنامہ انجام دے سکے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اتفاق سے ابو جہل پر میری نظر پڑ گئی جو لوگوں کو جوش دلاتا ہوا ادھر سے ادھر پھر رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔

"وہ دیکھو۔ یہی تو وہ شخص ہے جس کے متعلق تم پوچھ رہے تھے!"

یہ سنتے ہی وہ دونوں اپنی تلواریں بلند کر کے اس کی طرف بڑھے اور اس پر وار کئے یہاں تک کہ ابو جہل کشتہ ہو کر گر پڑا۔ یعنی انہوں نے ادھ مرا کر کے ڈال دیا جس سے وہ بے حس و حرکت ہو کر زمین پر گر پڑا یہ دونوں سمجھے کہ وہ مر چکا ہے) اس کے بعد یہ دونوں کمسن مجاہد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہمت افزائی...... "تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے۔"

اس پر دونوں نے اپنے متعلق کہا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ آخر آپ نے فرمایا "کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں۔"

انہوں نے کہا نہیں۔ تب آپ نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور دونوں تلواروں کو خون آلود دیکھ کر فرمایا۔

"تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے!"

پھر آپ نے فیصلہ دیا کہ ابو جہل کے جسم کے کپڑے اور زرہ بکتر وغیرہ ان دونوں کو دی جائیں البتہ ابو جہل کی تلوار کے متعلق آپ نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ لہذا اب یہ حدیث اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں رہی جس کے مطابق ابو جہل کی تلوار آپ نے حضرت ابن مسعودؓ کو عنایت فرمائی تھی۔

عفراء کے بیٹے ابو جہل کے قاتل ...... یہ دونوں کمسن غازی معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء ابن حرث تھے اب یوں کہنا چاہئے کہ معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن حرث دونوں ہی معاذ ابن عفراء ہوئے یعنی پہلے معاذ اپنے باپ عمرو ابن جموح کی نسبت سے مشہور ہوئے اور دوسرے معاذ اپنی ماں کی نسبت سے مشہور ہوئے جو عفراء تھیں۔ اب جہاں تک علامہ ابن حجر کا یہ قول ہے کہ معاذ ابن عمرو ابن جموح کی ماں کا نام عفراء نہیں تھا تو ممکن ہے یہاں ان کا مقصد ابن جموح کے مقابلے میں ابن عفراء رہے ہوں اور یہ بات اس کلام کے لحاظ سے ہو جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے۔

اس بات پر کتاب نور کے کلام سے بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا جو امام نووی سے نقل کیا گیا ہے کہ عمرو ابن جموح اور ابن عفراء نامی دونوں شخص یعنی معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہم ابو جہل کے قتل میں برابر کے

شریک تھے۔ یہاں اشکال اس لئے نہیں ہوتا کہ دوسرے معاذ جو ہیں وہ ابن حرث ہیں۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ ان دونوں کے باپ یعنی عمرو ابن جموح اور حرث نے عفراء نامی عورت سے شادی کی اور دونوں ہی نے اس عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچوں کا نام معاذ رکھا۔ چنانچہ آگے آنے والی امتاع کی روایت سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحمت فرمائے کہ وہ دونوں ہی اس امت کے فرعون کے قتل میں شریک ہیں۔"

ابو جہل کے قتل میں ملائکہ کی شرکت ...... پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے ساتھ اور کون شریک تھا تو آپ نے فرمایا کہ ملائکہ۔ یہ نہیں فرمایا کہ عمرو ابن جموح۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ عفراء کے سات بیٹوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی جن میں سے تین تو اس کے پہلے شوہر حرث ابن رفاعہ سے تھے جن کے نام معوذ، معاذ اور عامر تھے اور چار بیٹے عفراء کے دوسرے شوہر بکر ابن عبدیالیل سے تھے جن کے نام یہ ہیں، خالد، اساس، عاقل اور عامر اور ان میں سے معاذ، معوذ اور عاقل غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

یہاں پہلے شوہر کی اولاد میں عامر (یعنی عامر ابن حرث ابن عفراء) کا جو ذکر آیا ہے پیچھے اس کے بجائے عوف ابن حرث ابن رفاعہ گزرا ہے جو واضح ہے یعنی پیچھے ایک روایت گزری ہے جس میں ہے کہ عوف ابن حرث ابن عفراء نے آنحضرت ﷺ سے حق تعالیٰ کی ہنسی کے متعلق سوال کیا تھا۔

بہر حال ان بعض علماء نے یہ نہیں لکھا کہ اسی عفراء نامی عورت کی اولاد میں معاذ ابن عمرو ابن جموح بھی تھے۔ اب اس بات سے ابن حجر اور امام نووی کے گزشتہ قول کی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

(غرض یہ ذکر چل رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کے قتل کی اطلاع پا کر اس کے جسم پر کا سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء ابن حرث کو دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا) ایک قول یہ ہے کہ آپ نے معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیئے جانے کا فیصلہ دیا۔ یعنی اس قول میں معاذ ابن عفراء ابن حرث کا ذکر نہیں ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ معاذ ابن عمرو نے ہی ابو جہل کی مدافعت کی قوت کو ختم کیا تھا (جس سے وہ ناکارہ ہو کر مردوں کی طرح گر گیا تھا) لہٰذا ان ہی کو ابو جہل کے جسم پر کا سامان دیئے جانے کا حکم دیا گیا۔ مگر اس بات سے آنحضرت ﷺ کے اس گزشتہ قول کی مخالفت نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ تم دونوں ہی نے اس کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ شاید آپ نے دوسرے کی دلداری کے لئے یہ بات فرمادی ہو تاکہ دوسرے کا دل بھی بڑھے اور جہاد کی ترغیب بھی ہو کیونکہ بہر حال ابو جہل کے قتل میں شرکت تو اس کی بھی یقیناً تھی اور اس نے بھی وار کر کے اس کو مزید زخمی کیا تھا۔

ادھر اس بات سے اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ابو جہل کے جسم پر کا ساز و سامان دونوں قاتلوں کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی لئے ہمارے یعنی شافعی فقہاء کا قول ہے کہ جسم پر کا سامان اس کو دیا جاتا ہے جو زخمی کر کے دشمن کی قوت اور مدافعت ختم کر دے اس کو نہیں جو اس ادھ مرے دشمن کی گردن کاٹ کر اسے قتل کر دے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کے جسم پر کا سامان اس کو ادھ مرا کرنے والوں یعنی دونوں ابن عفراء کو دیا۔ ابو جہل کے قاتل حضرت ابن مسعود کو نہیں دیا۔

مگر جہاں تک اس گزشتہ قول کا تعلق ہے کہ یہ سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیا گیا تو ہمارے بعض فقہاء نے بھی یہ بات کہی ہے اور یہی بات بخاری میں بھی ہے جو مال غنیمت کا پانچواں حصہ فرض ہونے کے باب میں بیان ہوئی ہے کہ معاذ ابن عمرو ابن جموح اور معاذ ابن عفراء نے ابو جہل کو قتل کیا اور پھر ان دونوں کے درمیان اس سلسلے میں جھگڑا ہوا۔ یہ اس بناء پر کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کی تلواریں دیکھیں تو دونوں کو خون آلود پایا اور فرمایا کہ دونوں ہی نے ابو جہل کو قتل کیا ہے اور اس کے بعد آپ نے معاذ ابن عمرو ابن جموح کو ابو جہل کے جسم کا سامان دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ معاذ ابن عمرو نے ابو جہل کی مدافعت اور قوت ختم کی اور دوسرے نے اس کے بعد اس کو مزید زخمی کیا۔ آپ نے دونوں کو اس کا قاتل دلداری کے طور پر فرمایا۔ یہاں تک بخاری کا حوالہ ہے اور یہ اختلاف قابل غور ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے یہ بات کہ آپ نے دونوں کی تلواروں کو خون آلود پایا۔ تو یہ راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ یہ واقعہ کعب ابن اشرف یہودی کے قتل کے موقعہ پر پیش آیا تھا (جس کا بیان آگے آئے گا) راوی کو اس روایت سے مغالطہ ہوا اور اس نے یہ بات ابو جہل کے قتل میں بیان کردی۔ ادھر ابن مسعودؓ کی گزشتہ روایت سے بھی اس مغالطہ کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے ابو جہل کے بدن کے اندرونی حصوں میں زخم کے نشانات نہیں دیکھے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحمت فرمائے کہ ان دونوں نے اس امت کے فرعون کے قتل میں شرکت کی جو کفر کے سرغنوں کا سردار تھا اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ان دونوں کے ساتھ اور کس نے ابو جہل کو قتل کیا تو آپ نے وہی فرمایا کہ فرشتوں نے ور ابن مسعود نے اس کا کام تمام کیا۔ اب آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا جانا کہ ان دونوں کے ساتھ اور کس نے شرکت کی اور خود آپ کا ان دونوں کے بارے میں شرکت کا لفظ استعمال کرنا۔ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کے ساتھ ان کے علاوہ کسی اور نے بھی اس کام میں شرکت کی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے۔

کتاب روض الانف کی شرح میں ہے جو ہماری یعنی شوافع کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے کہ عبداللہ بن رواحہ اور عفراء کے دونوں بیٹے ابو جہل کو مقابلے کے لئے للکار کر یعنی مبارزت کے ساتھ لڑے اور پھر جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کے اس قتل کو درست قرار دیا اور اسی سے انہوں نے یہ دلیل پیدا کی کہ ایک طاقت ور کا کسی ایسے کافر کو للکار کر اس سے لڑنا جائز ہے جس نے مبارزت یعنی مقابلے کے لئے للکارا نہ ہو۔

اب جہاں تک اس گزشتہ واقعہ کا تعلق ہے جس میں آپ نے حضرت حمزہ علی اور عبیدہ رضی اللہ عنہم کو عتبہ و شیبہ ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا تو وہ ایک ایسے کافر کے معاملے میں تھا جس نے مبارزت اور مقابلہ طلب کیا تھا چنانچہ پیچھے اس سلسلہ میں بیان ہوا ہے کہ عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے ساتھ اپنی صف سے نکل کر آیا اور مقابلہ کے لئے للکارا جس پر تین انصاری نوجوان معاذ و معوذ اور عوف ابن عفراء جو تینوں سگے بھائی تھے آگے بڑھے۔ ایک قول ہے کہ عوف کے بجائے عبداللہ ابن رواحہ تھے۔ مگر عتبہ وغیرہ نے ان سے مقابلہ کرنا گوارا نہیں کیا تب آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ وغیرہ کو بھیجا۔ مگر میرے نزدیک شرح روض الانف میں جو عبداللہ ابن رواحہ اور دونوں ابن عفراء کی ابو جہل سے جس مبارزت کا ذکر کیا ہے اس

میں ابو جہل کا نام غلط فہمی کی وجہ سے ذکر ہو گیا ہے بلکہ اصل میں یہ وہی مقابلہ ہے۔ جس کے لئے عتبہ نے للکارا تھا اور پہلے یہ تینوں بڑھے تھے تو گویا ان تینوں نے مبارزت اور مقابلہ کی دعوت نہیں دی تھی بلکہ مقابلے کے لئے ان کو پکارا گیا تھا۔ مگر یہ مقابلہ واقع نہیں ہو سکا کیونکہ للکارنے والوں نے اس سے لڑنا پسند نہیں کیا تھا) ویسے بھی تین آدمیوں کا ایک شخص کو مقابلے کے لئے للکارنا سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کے قتل پر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کو قتل فرمادیا۔ پس شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے اپنا وعدہ سچا فرمادیا اور اپنے دین کی مدد فرمائی۔ واللہ اعلم۔

بدر میں شریک ملائکہ کی ہیئت ...... بدر کے دن جو ملائکہ مجاہدوں کی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے ان کے سروں پر سفید عمامے تھے جن کے پلّے انہوں نے اپنی پشت پر لٹکا رکھے تھے سوائے جبرئیل علیہ السلام کے کہ وہ زرد رنگ کا عمامہ اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک قول کے مطابق سرخ رنگ کا تھا بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ بعض فرشتوں کے عمامے سبز تھے۔ بعض کے زرد اور بعض کے سرخ تھے۔ اسی طرح بعض کے عمامے سفید تھے اور بعض کے سیاہ تھے۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔

ایک روایت ہے کہ جس روز فرعون کو غرق کیا گیا اس روز جبرئیل علیہ السلام کا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا۔

(قال) ایک روایت میں ہے کہ ان کے سروں پر سیاہ عمامے تھے۔ ابن مسعود کے نزدیک بدر کے دن ملائکہ کی پیشانیوں پر سبز زرد اور سرخ عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے دونوں شانوں کے بیچ میں پشت پر ڈال رکھے تھے (ی) نیز ان کے رنگ سیاہ اور سفید بھی تھے۔ بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ بدر کے دن فرشتے اس حالت میں نازل ہوئے کہ ان کے عمامے زرد تھے۔ اور جہاں تک سیاہ و سفید رنگ کے عمامے کی روایت ہے تو ضعیف ہے۔

ابن اسحاق نے ابن عباس کی روایت نقل کی ہے انہوں نے بھی وہی بات کہی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کے عمامے سفید تھے مگر جبرئیل علیہ السلام کا عمامہ اپنے نور کی وجہ سے زرد رنگ کا تھا۔ جبکہ غزوہ احد کے دن ان سب کے عمامے سرخ رنگ کے تھے۔ اسی طرح غزوہ حنین میں بھی سرخ رنگ کے تھے کتاب جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ بدر کے دن سیاہ تھے) احد کے دن سرخ تھے۔ بہر حال ان باتوں سے اس قول کی تردید نہیں ہوتی جس میں بدر کے دن زرد عمامے بتلائے گئے ہیں۔

ایسے ہی وہ روایت ہے کہ بدر کے دن حضرت زبیرؓ زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ آج میرے پاس جو فرشتے نازل ہوئے وہ ابو عبداللہ یعنی زبیرؓ کے عمامے جیسے عمامے باندھے ہوئے تھے۔ بہر حال ان باتوں سے گزشتہ روایتوں کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے ان میں سے اکثر کے عماموں کا رنگ زرد ہی رہا ہو۔

بدر میں حضرت زبیرؓ کی سر فروشی...... ایک روایت میں ہے کہ بدر کے دن حضرت زبیرؓ نے نہایت زبردست جنگ کی کہ ان کے جسم پر اتنے بڑے اور اتنے زیادہ زخم پائے گئے کہ کمر کے زخم میں سے ہاتھ ڈال کر گردن میں سے نکل آتا تھا۔

گزشتہ قسط میں قرآن پاک کی یہ آیت ذکر ہوئی ہے۔

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۵

ترجمہ: تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو کہ ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔

یہاں مُسَوِّمِینَ کا ترجمہ کیا گیا ہے خاص وضع والے۔ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ نشانی کرنے والے۔ اسی لفظ کے متعلق ایک مرتبہ علامہ سیوطیؒ سے پوچھا گیا کہ سمۃ اور خاص وضع سے کیا مراد ہے جو اس وقت فرشتے اختیار کئے ہوئے تھے۔

فرشتوں کے گھوڑوں کی نشانی...... علامہ نے جواب میں کہا ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت علیؓ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ نشانی یہ تھی کہ ان فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر سفید اون یعنی داغ تھے (۔ گویا اس روایت کے مطابق وہ فرشتے اس نشانی کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ مگر مکحول وغیرہ سے روایت ہے کہ اس نشانی سے مراد خود فرشتوں کے عمامے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ وہ فرشتے سفید عمامے باندھے اور ان کے پلے لٹکائے ہوئے تھے۔ مگر اس سند میں ایک راوی ضعیف ہے ان ہی سے ایک روایت کے مطابق سیاہ عمامے تھے۔ مگر اس سند میں ایک راوی متروک ہے۔ اس کے بعد ابن ابو حاتم نے کہا ہے کہ سیاہ اور سفید والی روایت ضعیف ہے۔ یہاں تک ابن ابو حاتم کا حوالہ ہے۔ بہر حال اس حوالے کو اگر درست مانا جائے تو ہمارے گزشتہ قول کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ وہی جواب دیا جائے گا جو پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

انصار اور مہاجرین کے جنگی نعرے...... غزوہ بدر میں انصاریوں کا شعار یا نشان جسے نعرہ کہنا چاہئے اَحَد اَحَد تھا جو اس لئے متعین کیا گیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں یا بے حد گھمسان کی لڑائی کے دوران اس نعرہ سے پہچانا جا سکے کہ یہ انصاری ہیں۔ اسی طرح مہاجر مسلمانوں کا نعرہ یا نبی عبدالرحمٰن تھا۔

حضرت زید ابن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نعرہ یعنی مہاجرین کا یا خود آنحضرت ﷺ کا یا منصور امت تھا تا کہ دوسروں کے ساتھ مغالطہ نہ پیدا ہو۔ ایک قول کے مطابق آپ کا نعرہ اَحَد اَحَد تھا۔

اسی طرح قبیلہ خزرج کا نعرہ یا نبی عبداللہ تھا اور قبیلہ اوس کا نعرہ یا نبی عبیداللہ تھا۔ ابن سعدؓ سے یہ روایت ہے کہ غزوہ بدر میں سب کا مشترکہ نعرہ یا منصور امتؑ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں اور گزشتہ روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہاں سب یا جمیع سے مراد مجموع ہے یعنی تمام مہاجرین کا نعرہ یہی تھا۔ مگر اس صورت میں گزشتہ تمام روایتوں کو درست ماننے کی صورت میں ان کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔

اس روز فرشتوں کے گھوڑے سیاہ و سفید رنگ کے تھے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس روز فرشتوں کی پیشانیاں یعنی فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیاں سفید اون یعنی سفید رنگ کی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ان گھوڑوں میں سے اکثر کی پیشانیاں اور دمیں سرخ رنگ کی تھیں۔ اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مراد بظاہر یہ ہے کہ کچھ ایسے تھے اور کچھ ایسے تھے۔

پھر اسی وقت آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کے نشان لگاؤ کیونکہ فرشتوں نے بھی نشان لگائے ہیں۔ اس طرح یہ پہلا دن تھا کہ جب گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر اون باندھا گیا مگر مجھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اون کس رنگ کا تھا۔

جبرئیل علیہ السلام کا گھوڑا...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے

یہ روایت بیان کی کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر میں اور میرا ایک چچازاد بھائی جنگ میں شریک تھے اس وقت ہم دونوں مشرک تھے ہم ایک پہاڑ کے سامنے پہنچے اور اس پر چڑھ گئے جہاں سے ہم میدان بدر کو دیکھ رہے تھے ہم وہاں اس کا انتظار کر رہے تھے کہ کس کو فتح ہوتی ہے تاکہ جو بھی مال غنیمت لوٹنے والا لشکر ہو ہم اسی کے ساتھ شامل ہو کر مال لوٹیں۔ اچانک ایک بادل ہمارے قریب آیا پھر اس میں سے ہم نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ ساتھ ہی مجھے کسی کے بولنے کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا۔

"حیزوم۔ آگے بڑھ!"

(حیزوم جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے) اس وحشت ناک آواز پر میرے چچازاد بھائی کا تو سینہ پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ مر گیا اور خود میں بھی خوف و دہشت کی وجہ سے موت کے کنارے پر پہنچ گیا تھا مگر پھر سنبھل گیا۔

حیزوم یا حیات کا مظہر گھوڑا...... یہاں فرشتے کی جو آواز سنائی دی تھی وہ یہ کلمہ تھا اقدم حیزوم یہ اقدم کا کلمہ گھوڑوں کو ڈپٹنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور حیزوم جس کو کہیں حیزون بھی کہا گیا ہے جبرئیل علیہ السلام کا گھوڑا ہے اور غالباً زندگی کا مظہر یہی ہے اور ان دونوں لفظوں میں سے ایک تو اس کا نام ہے اور دوسرا لقب ہے۔ اس گھوڑے کو حیات یا زندگی کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ جس چیز کو بھی چھو دیتا ہے اس چیز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے یہی وہ گھوڑا یا زندگی کا سرچشمہ ہے جس کا ہلکا سا اثر یعنی اس گھوڑے کی گرد یا یادہ مٹی جس پر اس کا کھر پڑا تھا سامری کو حاصل ہوئی تھی۔ یہ سامر ایک گاؤں یا جتھے کا نام تھا اسی کی نسبت سے اس شخص کو سامری کہا جاتا ہے۔

غرض سامری نے اس گھوڑے کی وہ خاک قدم اپنے اس بچھڑے کے اندر ڈال دی جو اس نے قبطیوں کے زیورات سے بنایا تھا۔ (قبطی مصر میں نصرانیوں کی ایک جماعت کا نام تھا) اس مٹی کے اس بچھڑے میں ڈالنے کا اثر یہ ہوا کہ اس بچھڑے سے ایک غراہٹ کی آواز آنے لگی۔ چنانچہ جب بھی اس کے اندر سے آواز آتی تو سامری کے چیلے اس بچھڑے کے سامنے سجدے میں گر جاتے اور جب وہ بچھڑا خاموش ہوتا یہ لوگ اٹھ جاتے۔ کتاب نہر میں ہے کہ اس بچھڑے میں زندگی پیدا ہو گئی تھی۔

حیزوم کی خاک قدم اور سامری کا بچھڑا...... ایک قول یہ ہے کہ جب سامری نے وہ بچھڑا بنایا تو اس میں آواز پیدا کرنے کے لئے اس نے بچھڑے کو کھوکھلا کر کے اس میں ایک طرح کی کارگیری کی تھی یعنی اس کے کھوکھلے پیٹ میں اس نے مشک کی قسم کے کھوکھلے خانے بنا دیئے تھے اور ان کو اس طرح بنایا تھا کہ ان میں سے ہو داخل ہو سکے چنانچہ جب ہوا ان کھوکھلے خانوں میں داخل ہوتی تو ایک گونج دار سی آواز اسی بچھڑے کے پیٹ میں سے نکلی تھی۔

زمین پر رحمت یا مصیبت کے لئے جبرئیل کے نزول...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے حیزوم کی آواز یعنی ہنہناہٹ جو ہے وہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتا ہے اور جب جبرئیل علیہ السلام اس پر سوار ہو کر زمین پر اترتے ہیں تو تمام فرشتے جان لیتے ہیں کہ اس پر ان کا نزول رحمت کے لئے ہو رہا ہے اور جب وہ اپنے پر پھیلا کر یعنی اڑتے ہوئے زمین پر اترتے ہیں تو سب فرشتے جان لیتے ہیں کہ وہ عذاب کے لئے اتر رہے ہیں۔

بدر میں جبرئیل کے نزول کا مقصد...... اب گویا غزوہ بدر کے دن جبرئیل علیہ السلام کا اپنے گھوڑے

حیزوم پر سوار ہو کر نازل ہونا مسلمانوں کے لئے رحمت خداوندی کی علامت تھا اگرچہ ان کا یہی نزول کافروں کے لئے عذاب تھا۔ اور اگر وہ صرف عذاب دینے کے لئے اترتے ہیں تو اپنے پر پھیلا کر اڑتے ہوئے ہی اترتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ممکن ہے کہ حیزوم وہ گھوڑا نہ ہو جو سر چشمہ حیات و زندگی ہے بلکہ زندگی کا گھوڑا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو۔ علامہ سہیلی کا قول یہی ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حیات نامی گھوڑا بھی جبرئیل علیہ السلام کا ہی گھوڑا ہے۔

زندگی اور موت کے مظہر ...... علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ واہی روایتوں کے مطابق موت ایک مینڈھے کی شکل میں ہے جس چیز کو بھی اس کی ہوا لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور زندگی ایک ابلق یعنی سیاہ و سفید گھوڑی کی شکل میں ہے اور کتاب عرائس کے مطابق اس کی ایک ٹاپ یعنی قدم اتنا لمبا ہوتا ہے جتنی دور تک آدمی کی آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ یہی حیات وہ گھوڑی ہے جس پر جبرئیل اور انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے ہیں۔ یعنی تمام ہی انبیاء اس پر سوار ہوئے ہیں جیسا کہ عرائس میں ہے یہ گھوڑی جس چیز کے پاس سے گزر جاتی ہے اور جس کو بھی اس کی ہوا چھو جاتی ہے اس چیز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک مرسل اثر یعنی صحابی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا

"غزوہ بدر کے دن فرشتوں میں سے کس نے اقدم حیزوم یعنی حیزوم آگے بڑھ۔ کہا تھا۔"

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔

"اے محمد! آسمان کے تمام رہنے والوں کو میں نہیں جانتا!"

اب ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس روایت سے ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ حیزوم جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ کسی دوسرے فرشتے نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کو اقدم حیزوم کہہ دیا ہو اور کہنے والے کا پتہ نہ چلا ہو کہ کون ہے۔ ابن کثیر اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے کہ یہ جملہ کہنے والا کون ہے۔ یہ سمجھے ہوں کہ وہ گھوڑا کہنے والے کا ہی رہا ہو گا۔

ہاں اگر یہ روایت اس روایت کے بعد واقع ہوئی ہے جو اس کے بعد ذکر ہونے والی ہے تو علامہ ابن کثیر نے جو کچھ سمجھا ہے وہ درست ہو سکتا ہے۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں ایک لفظ اور رہا ہو جو روایت میں ذکر ہونے سے چھوٹ گیا ہو یعنی روایت کے الفاظ یہ رہے ہوں کہ۔ بدر کے دن فرشتوں میں سے کس نے اپنے گھوڑے کے لئے یہ کہا تھا کہ اقدم حیزوم۔ تو بھی علامہ ابن کثیر کا ایسا سمجھنا صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ بات قابل غور ہے۔

بادلوں پر فرشتے ...... ایک روایت میں اسی گزشتہ واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب کہ ہم اس پہاڑ پر تھے اچانک ایک بدلی آئی ساتھ ہی ہمیں لوگوں کے بولنے اور ہتھیاروں کے کھنکھنانے کی آواز آئی۔ پھر ہم نے کسی شخص کو اپنے گھوڑے کو اس طرح ڈپٹتے سنا کہ حیزوم آگے بڑھ۔ اس کے بعد وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب آکر اتر گئے۔ اس کے بعد ایک دوسری بدلی آئی اور اس میں سے جو فرشتے اترے وہ آنحضرت ﷺ کے بائیں جانب صف آرا ہو گئے۔ اب جو ہم نے ان آنے والوں کی تعداد دیکھی تو معلوم ہوا کہ قریشی لشکر سے دوگنے ہیں۔

یہ ہیبت ناک منظر دیکھ کر میرا چچازاد بھائی تو اسی دم ہلاک ہو گیا اور میں موت کے منہ سے بال بال بچا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حیرت ناک واقعہ کی اطلاع دی اور مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ اس شخص کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ کتاب نور میں ہے کہ یہ شخص صحابہ میں سے ہیں۔ گزشتہ سطروں میں جو پہلی روایت بیان ہوئی ہے اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے ان کے اسلام اور مسلمان ہونے کا ثبوت ملتا ہو سوائے اس کے کہ اس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے اس معجزے کو ابن عباسؓ سے بیان کرنا اس شخص کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

یہاں یہ شبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا کہ ہم مشرک تھے اس بات کی دلیل ہے کہ اس واقعہ کو ابن عباسؓ سے ذکر کرنے کے وقت وہ شخص مسلمان ہو چکا تھا (لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ راوی مسلمان ہے)۔

وہ بادل..... حضرت عباسؓ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس بادل نے میدان تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ کیا تھا وہی وہ بادل ہو گا جس پر جلوہ فگن ہو کر قیامت کے دن حق تعالیٰ آئیں گے اور وہی وہ بادل تھا جس پر سوار ہو کر بدر کے دن فرشتے آئے تھے۔

آندھی کی صورت میں مدد خداوندی...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے دوران اس قدر زبردست آندھی آئی کہ ایسی شدید ہوا میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ایسی ہی شدید آندھی آئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر تیسری دفعہ ایسی ہی طوفانی ہوا چلی اور اس کے تھوڑی دیر بعد پھر ایسی ہی خوفناک ہوا چلی۔ یعنی پہلی مرتبہ میں جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ یعنی آپ کے قول کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ آنحضرت ﷺ کے آگے آکر اترے۔ دوسری دفعہ میں میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے دائیں جانب آکر اترے۔ اور تیسری دفعہ میں اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے جلو میں آکر آنحضرت ﷺ کے بائیں جانب اترے۔ مگر اس روایت میں چوتھی مرتبہ کی آندھی کے متعلق کوئی تشریح نہیں ہے کہ وہ کس کی آمد تھی۔

کتاب امتاع میں اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اسرافیل علیہ السلام اپنی صف کے بیچ میں تھے مگر دوسرے فرشتوں کی طرح وہ نہیں لڑ رہے تھے۔ اب اس روایت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام دونوں ہی خود بھی لڑ رہے تھے۔

مددگار فرشتوں کی تعداد...... ادھر پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں ایک قول کے مطابق ان فرشتوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہیں ہوئی تھی اور دو ہزار کی روایت ضعیف روایت ہے جو حضرت علیؓ کی ہے۔ لہذا حضرت علیؓ کی یہ روایت بھی ضعیف ہو گی۔ نیز گزشتہ اس قول کو اہمیت دینے کی ضرورت نہیں کہ بدر کے دن ابتداء میں تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ امداد کی گئی تھی اور ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے یعنی صحابہ نے ثابت قدمی اور صبر سے کام لیا تو ان کو مزید پانچ ہزار فرشتوں کی مدد دی جائے گی۔ اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ مگر اس قول کو اہمیت دینے کی ضرورت یوں نہیں کہ یہ واقعہ غزوہ احد کے سلسلے کا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ اس سلسلے کی مزید تفصیلات آگے احد کے بیان میں آئیں گی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ فرشتوں نے سوائے غزوہ بدر کے کسی اور غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ یعنی اس

کے علاوہ دوسرے غزوات میں جنگ کئے بغیر شامل رہے عملی طور پر انہوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی۔ مگر آگے بعض روایتیں ذکر ہوں گی جن میں ہے کہ فرشتوں نے غزوہ احد اور غزوہ حنین میں بھی جنگ کی تھی۔ چنانچہ مسلم میں سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو شخص دیکھے جو سفید کپڑوں میں تھے اور ان دونوں کو میں نے نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد دیکھا۔ یعنی یہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ جو زبردست جنگ کر رہے تھے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ فرشتوں کی عملی جنگ صرف غزوہ بدر میں ہی مخصوص نہیں تھی اور یہی بات درست ہے سوائے ان لوگوں کے جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کی عملی جنگ صرف غزوہ بدر ہی کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ امام نووی کا قول صاف طور پر ان لوگوں کے قول کی تردید کرتا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: ان روایتوں اور اقوال میں اس طرح موافقت ممکن ہے کہ بدر کے دن کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ فرشتوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ سب کی طرف سے جنگ کی جبکہ دوسرے غزوات میں فرشتوں کی جنگ صرف آنحضرت ﷺ کی طرف سے تھی۔ اس طرح دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

موافقت کی یہی صورت غزوہ احد کے بیان میں ہے جو علامہ بیہقی کے حوالے سے بھی بیان کی گئی ہے مگر اس کے بعد ہی یہ روایت ہے کہ اس دن یعنی غزوہ احد میں فرشتوں نے عبدالرحمٰن ابن عوف کی طرف سے جنگ کی۔ اب اس بات کو تسلیم کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فرشتے غزوہ احد میں بھی جنگ میں عملی حصہ لیتے تو ان کے لگائے ہوئے زخموں کے نشان اس دن بھی لوگوں کے جسموں پر اسی طرح ظاہر ہوتے جیسے غزوہ بدر میں ظاہر ہوئے تھے۔

اس سلسلے میں ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غزوہ احد میں فرشتوں کے جنگ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے عملی طور پر جنگ کئے بغیر مسلمانوں کی دشمن سے مدافعت کی جبکہ غزوہ بدر میں جنگ سے مراد ان کی عملی جنگ ہے۔ واللہ اعلم

<u>جنگ کے دوران معجزات نبوی ﷺ</u> ...... غزوہ بدر کے دوران حضرت عُکاشہ (اس کو عُکاشہ بھی پڑھا جاتا ہے) ابن محصن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک لکڑی کا تنہ دیا اور فرمایا کہ عکاشہ اس سے لڑو۔ حضرت عکاشہ نے وہ لکڑی آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے لے کر جیسے ہی بلند کی وہ اسی دم ایک نہایت لمبی بے حد مضبوط اور سفید چمک دار اور آبدار تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہ وہ تلوار لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس تلوار کا نام عون تھا اور بدر کے بعد ہمیشہ یہ تلوار حضرت عکاشہ کے پاس رہی پھر وہ تمام غزوؤں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے اور اسی تلوار سے جنگ کرتے رہے۔ عکاشہؓ کے انتقال کے بعد یہ تلوار انکی اولاد در اولاد وراثت میں ایک سے دوسرے کے پاس پہنچتی رہی۔

یہ نام عکاشہ لفظ عکش سے نکلا ہے جس کے معنی حملہ کرنا ہیں۔ عکاشہ مکڑی کو بھی کہتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ آگے غزوہ احد کے بیان میں بھی آئے گا جو عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پیش آیا تھا۔

اسی طرح سلمہ ابن اسلم کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کے گچھے کی جڑ دی

اور فرمایا کہ اس سے لڑو۔ انہوں نے جیسے ہی اس کو اپنے ہاتھ میں لیا وہ ایک نہایت بہترین تلوار بن گئی اور اس غزوہ کے بعد ہمیشہ ان کے پاس رہی۔

(قال) حضرت خبیب ابن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر خبیب نے (غالباً اسی نام کا کوئی مشرک شخص تھا) میرے دادا پر ایک وار کیا جس سے ان کی ایک پسلی الگ ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے زخم پر لعاب دہن لگا کر اس ٹوٹے ہوئے عضو کو وہیں اگا یا جس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح جم گیا اور ٹھیک ہو گیا۔

حضرت رفاعہ ابن مالک سے روایت ہے کہ غزوہ بدر میں میرے ایک تیر آ کر لگا جس سے میری آنکھ پھوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے میری آنکھ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا جس سے وہ اسی گھڑی ٹھیک ہو گئی اور پھر کبھی اس آنکھ میں مجھے کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوئی۔

قلیب بدر یعنی مشرک مقتولوں کی مشترکہ قبر یا کنواں ...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو ان جگہوں سے اٹھالیا جائے جہاں جہاں آپ نے ان کی قتل گاہوں کی پہلے ہی خبر دیدی تھی جبکہ اس وقت تک جنگ بھی شروع نہیں ہوئی تھی چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بدر میں قتل ہونے والے مشرکوں کی قتل گاہیں دکھادی تھیں۔

۔ آپ یہ قتل گاہیں دکھاتے ہوئے فرماتے جاتے تھے کہ کل انشاء اللہ یہ عتبہ ابن ربیعہ کی قتل گاہ ہو گی۔ یہ شیبہ ابن ربیعہ کی قتل گاہ ہو گی۔ یہ امیہ ابن خلف کی قتل گاہ ہو گی۔ یہ ابو جہل ابن ہشام کی قتل گاہ ہو گی اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہو گی۔

آپ اپنا دست مبارک زمین پر رکھ کر یہ نشان دہی فرماتے جاتے تھے۔ اور پھر اگلے دن غزوہ بدر میں جو لوگ مرے ان کی لاشیں اس جگہ سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں تھیں جہاں جہاں آپ نے اپنا دست مبارک رکھا تھا۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت سے یہ بات ذکر ہو چکی ہے۔ نیز یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کی رات کا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں پہنچ چکے تھے کیونکہ ظاہر ہے میدان جنگ میں پہنچے بغیر یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر ان جگہوں کی نشان دہی فرمادی تھی۔

ادھر اسی سے وہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے جو بعض حضرات نے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قتل گاہوں کی نشاندہی دو مرتبہ فرمائی ایک دفعہ تو غزوہ سے ایک دن یا اس سے زائد پہلے اور دوسری مرتبہ خاص غزوہ بدر کے دن۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

اب اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ خاص غزوہ بدر کے دن سے مراد یہ ہے کہ آپ دن کے وقت میدان بدر میں پہنچے تھے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ نشاندہی رات کے وقت کی گئی تھی تو وہ اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آپ میدان بدر میں رات کے وقت پہنچے تھے۔ بہر حال یہ مسلمہ ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک رکھ رکھ کر ان جگہوں کی نشاندہی فرمائی تھی۔

امیہ ابن خلف کا انجام ...... غرض آپ نے صحابہ کو ان مشرکوں کی لاشیں اٹھانے کا حکم فرمایا کہ ان سب کو ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ صحابہ نے سب کو اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا سوائے امیہ ابن خلف کے کہ اس کی لاش اس کی زرہ کے اندر ہی پھول کر اس میں پھنس گئی۔ صحابہ نے اس کو ہلا کر زرہ نکالنی چاہی مگر اس کے

نتیجہ میں اس کے بدن کے ٹکڑے علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس کو اسی حالت میں ایک جگہ ڈال کر اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے تاکہ لاش چھپ جائے۔

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حربی کو دفن کرنا ضروری نہیں ہے چنانچہ یہی بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے کہی ہے۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ حربیوں کی لاشوں کو کتوں کو کھلا دینا بھی جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نزدیک لاش کی پردہ پوشی کا اہتمام ...... کتاب دار قطنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ غزوہ میں جب بھی آپ کا کسی انسانی لاش کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ اس کو دفن کرنے کا حکم دیتے اور یہ نہیں پوچھتے تھے کہ وہ مومن تھا یا کافر تھا۔

غزوہ بدر میں چونکہ مشرکوں کی لاشیں بہت زیادہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے گوارا نہیں فرمایا کہ اپنے صحابہ کو ان سب کے دفن کا حکم فرما کر تکلیف میں ڈالیں۔ اس کے مقابلے میں ان لاشوں کو کھینچ کر ایک کنویں میں لاڈالنا بہت آسان تھا (اس لئے آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا)۔ یہ کنواں بنی نجا کے ایک شخص کا کھودا ہوا تھا اور گویا جیسا کہ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ اس کنویں کا وجود مشرکوں کے لئے ایک پیشگی بدشگونی تھی۔

جب حضرت ابو حذیفہ کے باپ عتبہ کو گڑھے میں ڈالا گیا تو ابو حذیفہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس تبدیلی کو محسوس فرما کر کہا۔

"شاید تمہیں اپنے باپ کا خیال ہو رہا ہے۔"

ابو حذیفہ نے عرض کیا۔

"خدا کی قسم نہیں۔ بلکہ دراصل میں اپنے باپ کو ایک ذی رائے بلند مرتبہ اور رودار آدمی سمجھتا تھا اسی لئے میری تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا مگر جب میں نے اس حالت میں ان کی موت دیکھی تو مجھے اس سے بہت افسوس ہوا۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابو حذیفہ کے لئے دعائے خیر فرمائی اور ان کی تعریف فرمائی۔

اقول مولف کہتے ہیں: ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو حذیفہؓ کو اس بات سے منع فرمادیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو قتل نہ کریں کیونکہ ابو حذیفہ نے ایسا ارادہ کیا تھا۔ واللہ اعلم

مقتولین بدر سے آنحضرت ﷺ کا خطاب ...... غرض مشرکوں کی لاشوں کے گڑھے میں ڈالے جانے کے بعد ایک قول کے مطابق تین دن بعد آنحضرت ﷺ اس گڑھے کے کنارے پر آکر کھڑے ہوئے یہ رات کا وقت تھا۔ صحیحین میں حضرت انسؓ سے یوں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب غزوہ میں فتح حاصل ہوئی تھی تو آپ اسی مقام پر تین رات قیام فرمایا کرتے تھے۔ تیسرے دن آپ نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور وہاں سے کوچ کے وقت آپ صحابہ کے ساتھ آکر اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہوئے۔ وہاں آپ نے لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے فلاں ابن فلاں۔ اور اے فلاں ابن فلاں! کیا تم نے دیکھ لیا کہ اللہ اور اسکے رسول کا وعدہ سچا تھا۔ میں نے تو اس وعدہ کو سچ پایا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا تھا!"

بعض سندوں کے ساتھ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ان لوگوں کے نام لے کر پکارے اور اس طرح فرمایا کہ اے عتبہ ابن ربیعہ اے شیبہ ابن ربیعہ اے امیہ ابن خلف اور اے ابوجہل ابن ہشام وغیرہ وغیرہ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں یافلاں ابن فلاں ہی کہا گیا تھا مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔لہذا یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

اس سلسلے میں ایک شبہ یہ کیا گیا ہے کہ امیہ ابن خلف کو تو اس گڑھے میں نہیں ڈالا گیا تھا جیسا کہ بیان ہوا (پھر آپ نے دوسروں کے ساتھ اس کا نام لے کر بھی کیوں پکارا۔"

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جہاں اس کو دبایا گیا تھا وہ جگہ اس گڑھے سے قریب ہی تھی۔

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"تم لوگ نبی کا خاندان ہوتے ہوئے بہت برے ثابت ہوئے۔تم مجھے جھٹلاتے تھے جبکہ لوگ میری تصدیق کر رہے تھے۔تم نے مجھے وطن سے نکالا جبکہ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔تم نے میرے مقابلہ میں جنگ کی جبکہ غیروں نے میری مدد کی!"

یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا۔

"یارسول اللہ! آپ ان مردوں سے بات کر رہے ہیں جو بے روح لاشے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جو گلی ہوئی لاشیں ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ جو گل سڑ چکی ہیں!"

آپ نے فرمایا۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو تم لوگ اتنا نہیں سن رہے ہو جتنا یہ سن رہے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔جو کچھ میں نے کہا انہوں نے اس کو سنا ہے مگر یہ لوگ اب جواب نہیں دے سکتے!"

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان مردوں میں جان ڈال دی تھی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنیں اور خود پر پھٹکار اور حسرت وافسوس کریں۔

کیا مقتولین نے آپ ﷺ کی آواز سنی تھی ......اقول۔مولف کہتے ہیں:ان کے زندہ کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے قریبی تعلق پیدا کر دیا گیا جس سے وہ زندوں کی طرح ہو گئے مقصد وہی تھا جو بیان ہوا۔کیونکہ جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کا جسم سے کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے یا کم از کم اتنا ہی کہ اس جسم کی وجہ سے وہ باقی رہتی ہے چاہے وہ تعلق کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔کیونکہ چاہے جسم کو مٹی کھا کر فنا کر دے یا درندے یا مردار خوار پرندے کھالیں یا آگ میں جل کر نیست ونابود ہو جائے مگر روح فنا نہیں ہوتی وہ باقی رہتی ہے (اور جب روح باقی رہتی ہے تو جو جسم اس کا مسکن رہا ہے اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور باقی رہتا ہے) چنانچہ اسی تعلق کے واسطہ سے مردہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اس کی قبر پر جاتا ہے۔مردہ اس آنے والے سے انسیت محسوس کرتا ہے اور جب وہ سلام کرتا ہے تو مردہ جواب دیتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (کیونکہ اگر روح کا جسم سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو مردے کے کسی کو دیکھنے یا سننے یا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) مگر اس تعلق کے باوجود مردہ اس کی وجہ سے ایسا زندہ نہیں کہلاتا جیسا وہ اپنی دنیا کی زندگی میں تھا بلکہ وہ زندہ اور مردہ کی اس درمیانی کیفیت میں رہتا ہے جس کی روح کا اس کے جسم سے تعلق باقی نہ رہا ہو۔عام طور پر تو

یہی ہوتا ہے مگر کبھی یہ تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو وہ شخص ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا وہ دنیا کی زندگی میں تھا۔ مگر شاید اس کے باوجود بھی اس کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فعل اور حرکتیں کر سکے۔ لہٰذا اب یہ بات سعد کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں میں قدرت اور اختیاری فعل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھی۔ یہاں تک سعد کا حوالہ ہے۔

شہید اور نبی اس دار فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں...... یہ تمام گفتگو انبیاء اور ان شہداء کے علاوہ ہے جو کسی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک انبیاء علیہم السلام اور شہداء کا تعلق ہے تو ان کی روحوں کا ان کے جسموں سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اسی طرح زندہ رہتے ہیں جیسے اپنی دنیا کی زندگی میں زندہ تھے اور انہیں اپنے اختیاری فعل کرنے کی قدرت بھی رہتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقی نے جو کتاب قبروں میں انبیاء کی زندگی کے موضوع پر لکھی ہے اس میں حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ میری موت کے بعد میرا علم ایسا ہی رہے گا جیسا میری زندگی میں ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث بیان کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یقیناً آسمان سے اس دنیا میں آئیں گے اس وقت وہ اگر میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے خطاب کرتے ہوئے یا محمدؐ کہیں گے تو میں ان کو جواب دوں گا۔ اسی لئے امام سبکی نے کہا ہے کہ انبیاء اور شہداء کی زندگی موت کے بعد بھی ان کی دنیا کی زندگی کی طرح ہی ہوتی ہے۔ اس بات کی شہادت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے ملتی ہے (جو حدیث میں بتلایا گیا ہے) کیونکہ نماز کے لئے ضروری ہے کہ زندہ جسم ہو (اس کے بغیر نماز نہیں پڑھی جاسکتی) اسی طرح شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء کی جو صفات اور مصروفیات دیکھی اور بتلائی ہیں وہ سب بھی زندہ جسم والوں کی صفات ہیں۔ مگر اس زندگی کے حقیقی اور اصلی زندگی ہونے کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ روح کے ساتھ بدن کھانے پینے کا اسی طرح محتاج ہو جیسا وہ دنیا میں رہتا تھا۔ البتہ جہاں تک ادراکات اور فہم و حواس کا تعلق ہے جیسے علم ہے اور سننے کی قوت ہے تو یہ بلا شک ثابت ہے کہ ان میں اور تمام مردوں میں یہ ادراکات اسی طرح برقرار رہتے ہیں۔ یہاں تک امام سبکی کا کلام ہے۔ یہاں تمام مردوں میں کفار کے مردے بھی شامل ہیں۔

برزخ میں شہیدوں کا کھانا پینا ...... اب جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ شہید عالم برزخ میں کھاتے پیتے ہیں تو ان کا یہ کھانا پینا ضرورت مندی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صرف ان کا اکرام اور اعزاز ہے مگر یہ صرف شہداء کی خصوصیت ہے (کہ وہ عالم برزخ میں کھاتے پیتے ہیں) انبیاء کی نہیں۔ لیکن اس بات میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی مفضول یعنی نچلے درجہ کی چیز کو بھی کوئی ایسی خصوصیت حاصل ہوتی ہے جو فاضل یعنی اونچے درجہ کی چیز میں نہیں ہوتی (اس سے دونوں کے مقام میں کوئی فرق نہیں آتا) مثلاً سامنے کی بات ہے کہ پیغمبروں پر نماز پڑھنا واجب ہے جبکہ شہیدوں پر حرام ہے۔

اس تفصیل سے ان بعض حضرات کی تردید ہو جاتی ہے جو قبروں میں انبیاء کی حیات کے متعلق اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۷ آیت ۱۲۹

ترجمہ: اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

تو بعض علماء نے اس آیت سے دلیل لیتے ہوئے کہا ہے کہ کھانے پینے کا جو اکرام اور اعزاز شہیدوں کو حاصل ہے (وہ انبیاء کو بھی حاصل ہے!) انبیاء اس اعزاز کے لئے زیادہ مقدم ہیں کیونکہ وہ اپنے مرتبہ میں کہیں زیادہ بلند اور بالاتر ہیں۔ نیز یہ کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کو نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت کا مقام بھی حاصل نہ ہو لہذا آیت کا جو اشارہ اور مفہوم ہے اس میں انبیاء بھی شامل ہیں۔

نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا تھا کہ میں نے خیبر میں جو کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف مجھے اب تک محسوس ہوتی ہے (یہ زہر خورانی کا واقعہ ہے جس کی تفصیل آگے خیبر کے واقعات میں آئے گی) اور اس وقت اس زہر کی وجہ سے رگیں کٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی ہیں (جس سے آپ کی شہادت ثابت ہوئی) لہذا یہ بات قرآن پاک سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اب یا تو یہ کہ آپ ﷺ آیت کے عام مفہوم اور معنی کے مطابق حیات ہیں (یعنی شہداء کی طرح کھاتے پیتے بھی ہیں) اور یا صرف حیات کی حد تک اس آیت کے مفہوم میں شامل ہیں (کہ حیات کامل ہے مگر کھانا پینا نہیں ہے)۔

یہاں تردید کی وجہ یہ ہے کہ اولیت اور تقدیم کبھی کبھی موثر نہیں رہتی بلکہ قیاس کی اصل ہی یہ ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ کبھی کبھی مفضول یعنی نچلے درجہ کی چیز میں وہ خصوصیت پائی جاتی ہے جو فاضل یعنی بلند درجہ کی چیز میں نہیں ہوتی۔ جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو اگرچہ ان میں نبوت اور شہادت دونوں فضیلتیں جمع ہیں مگر آیت میں شہادت سے مراد وہ شہادت ہے جو کسی معرکہ اور جنگ میں نصیب ہوئی ہو محض شہادت مراد نہیں ہے (جیسے بعض بیماریوں میں موت شہادت کے درجے کی ہوتی ہے) اب جہاں تک معرکہ میں حاصل ہونے والی شہادت کا تعلق ہے تو وہ شہادت انبیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔

پھر یہ کہ جو بات ثابت ہے وہ قبروں میں انبیاء کی زندگی ان کا نماز پڑھنا اور حج کرنا ہے اور جہاں تک قبروں میں روزے رکھنا یا کھانا پینا ہے تو اس بارے میں میرے سامنے کوئی حدیث یا صحابی کا قول نہیں ہے۔ جہاں تک انبیاء کو شہیدوں پر قیاس کرنے اور اس بناء پر قیاس کرنے کا تعلق ہے کہ وہ مرتبہ میں یقیناً شہداء سے زیادہ ہوتے ہیں تو اس کا جواب وہی ہے کہ کبھی فاضل کو وہ خصوصیت حاصل نہیں ہوتی جو مفضول کو حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک وفات کے بعد انبیاء کے حج کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکے اور مدینے کے درمیان سفر میں تھے کہ ایک وادی سے ہمارا گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے۔ لوگوں نے عرض کیا وادی ازرق یعنی نیلی وادی تب آپ نے فرمایا۔

"میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالے لبیک پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔

اس کے بعد ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ہم ثنیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا۔

"میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں جو سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اونی جبہ پہنے ہوئے ہیں اور تلبیہ یعنی لبیک پڑھتے ہوئے اس وادی میں سے گزر رہے ہیں!"

ایک روایت میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یوں ہے کہ وہ اونٹ پر سوار تھے اور ایک روایت کے مطابق بیل پر سوار تھے۔ مگر اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے بار بار حج کیا ہو یا ایک دفعہ اونٹ پر سوار ہوئے ہوں اور دوسری دفعہ بیل پر سوار ہوں۔

کیا انبیاء و شہداء کو جنسی لذت بھی میسر ہے ...... واضح رہے کہ شہداء کو رزق پہنچائے جانے یعنی ان کے کھانے پینے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہم بستری بھی کرتے ہیں کیونکہ ہم بستری سے بھی لذت حاصل ہوتی ہے جیسے کھانے اور پینے سے لذت ملتی ہے۔

میں نے اس سلسلے میں شیخ ابوالموہب شاذلیؒ کی کتاب اہل السر المصون فی کشف عورات اہل الجون دیکھی جس میں انہوں نے لکھا ہے۔

حق تعالیٰ نے شہیدوں کے متعلق بتلایا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ علماء نے اس بات کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے یعنی اس زندگی کو حقیقی زندگی تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ حقیقت میں کھاتے ہیں پیتے ہیں اور نکاح کرتے ہیں۔ اور جو شخص اس کے خلاف معنی لیتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ کھانے پینے اور نکاح کرنے سے حقیقت میں کھانا پینا اور ہم بستری کرنا مراد نہیں بلکہ اس سے وہ لذت مراد ہے جو کھانے پینے اور ہم بستری کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ شخص بلاوجہ آیت کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر ایک دوسرے اور دور از کار معنی پیدا کر رہا ہے جبکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد شیخ ابوالموہب نے انبیاء علیہم السلام کو بھی شہیدوں پر قیاس کیا ہے اور وہی دلیل دی ہے جو پیچھے ذکر ہوئی کہ ان کا مرتبہ چونکہ شہیدوں سے بھی بلند تر ہے اس لئے یہی خصوصیات ان کو بھی حاصل ہیں نیز یہ کہ تمام پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ ساتھ شہید کا مقام بھی حاصل ہے۔ مگر اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے کہ انبیاء کو شہیدوں پر قیاس کرنا یہاں درست نہیں ہے۔

پھر میں نے اس سلسلے میں شیخ شمس رملی کا فتویٰ دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزے رکھتے ہیں اور حج کرتے ہیں۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حضرات نکاح یعنی ہم بستری بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ ان حضرات کو ان کے نماز روزے اور حج کا ثواب اور جزاء بھی ملتی ہے۔ اگرچہ وہ اب ان فرائض کے مکلف نہیں ہیں یعنی ان پر اس کی پابندی اور ضرورت نہیں ہے کیونکہ موت نے ان پر سے یہ پابندی ختم کر دی ہے لیکن ان کو ان عبادتوں کا ثواب ان کے اعزاز اور درجات کی بلندی کے لئے ملتا ہے۔ یہاں تک شیخ رملی کا فتویٰ ہے۔

غالباً شیخ رملی نے بھی نماز اور حج کے علاوہ انبیاء کے لئے کھانا پینا جو ثابت کیا ہے اس کے لئے انہوں نے بھی اس قیاس کو ہی دلیل بنایا ہے جو شہیدوں پر کیا گیا ہے اور پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ اس بارے میں جو شبہ ہے وہ ذکر ہو چکا ہے۔

ادھر شیخ نے انبیاء کے نکاح کرنے کے سلسلے میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ آیا وہ ان کے ہم زمانہ علماء کے درمیان پیدا ہوا ہے یا ان سے پہلے علماء کا اختلاف ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نکاحوں کی غرض ...... انبیاء کے نکاح کے سلسلے میں جو اختلاف ہے وہ اس بنیاد پر

ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وفات کے بعد انبیاء نکاح یعنی ہم بستری نہیں کرتے۔ یعنی اس ارشاد کی جو حکمت بیان کی گئی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء اس لذت سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ وہ ارشاد یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"تمہاری دنیا میں سے مجھے جو چیزیں محبوب اور پسندیدہ ہیں وہ عورتیں اور خوشبو ہیں۔"

اس ارشاد میں آپ نے نہ تو یہ فرمایا کہ اپنی دنیا میں سے اور نہ یہ فرمایا کہ اس دنیا میں سے۔ کیونکہ آپ نے اس لفظ تمہاری سے یہ اشارہ فرمایا کہ عورتیں اور خوشبو لوگوں کی دنیا ہیں کیونکہ وہ ان دونوں چیزوں کو اپنے لطف و عیش اور سرمستی کے لئے حاصل کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ لطف و عیش کی تمنا سے پاک اور بری ہیں۔ آپ عورتوں کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ وہ ہر وقت کی شریک حیات ہونے کی وجہ سے آپ کی خوبیوں آپ کے باطنی معجزات اور پوشیدہ احکام کو امت تک پہنچائیں کیونکہ عام حالات میں ان صفات اور خوبیوں سے بیویوں کے علاوہ دوسرے لوگ واقف نہیں ہوسکتے تھے۔ اسی طرح بیویوں کے ذریعہ دوسرے دینی فائدے بھی لوگوں کو حاصل ہوتے تھے۔

اور خوشبو آپ کو اس لئے پسندیدہ تھی کہ آپ فرشتوں سے ملاقات فرماتے تھے اور فرشتے خوشبو کو پسند کرتے ہیں اور بدبو سے نفرت کرتے ہیں۔

<u>حیات النبی ﷺ</u> ...... اب وہ علماء کہتے ہیں کہ حقیقی اکرام اور اعزاز کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کو برزخ میں وہی لذتیں اور خوشیاں حاصل ہوں جو آپ کو دنیا میں حاصل تھیں تاکہ برزخ میں بھی آپ کے حالات وہی رہیں جو دنیا میں تھے (۔ مگر اس حکمت سے تو اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ برزخ میں انبیاء نکاح نہیں کرتے)۔

ادھر ایک اشکال یہ ہے کہ یہ حکمت آپ کے اس قول کے مطابق نہیں رہتی جس میں ہے کہ مجھے چار چیزوں میں لوگوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ان چار چیزوں میں آپ نے کثرت جماع کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

اس تعلق میں وہ دوسروں ہی کی طرح ہوتے ہیں اور اپنے مقامات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم زیادہ ہوتے ہیں اور جسم میں روح کی اسی واپسی کو زندگی کے دوبارہ لوٹ آنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ قتادہ سے روایت ہے کہ روح دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ نیز بعض علماء نے کہا ہے کہ انبیاء اور شہداء کی روحیں اپنے جسموں سے نکل جانے کے بعد جسم کے قبر میں پہنچنے پر دوبارہ اس میں لوٹ آتی ہیں اور ان کو اپنی قبروں سے باہر نکلنے اور بلند و پست فضاؤں میں گھومنے پھرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو آپ کی برتر صفات کے ساتھ دیکھنا آپ کا حقیقت میں ادراک اور دیکھنا ہے اور ان برتر صفات کے بغیر دیکھنا آپ کا مثالی ادراک اور دیکھنا ہے۔

اسی کو روح کے جسم کی طرف لوٹائے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب بھی کوئی شخص مجھے سلام کرتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو میرے جسم میں لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس شخص کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری روح کے جسم سے تعلق کو زیادہ مضبوط فرماتا ہے اور یہ بات اس مسلمان کے اعزاز کے طور پر کی جاتی ہے تاکہ آنحضرت ﷺ اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں تو اس حالت میں کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق آپ کے جسم مبارک سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

روح کو اگر غیر عرضی یعنی غیر مادی چیز مانا جائے تو اگرچہ اس کا اپنا علیحدہ مقام ہوتا ہے (جو جسم کے

مقام سے الگ ہو تا ہے) مگر پھر بھی جسم سے اور اس چیز سے اس کا تعلق رہتا ہے جو اس کے ذریعہ باقی رہتی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ مثلاً سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر زمین سے اس کا تعلق ہے۔ روح اور جسم کا یہ تعلق جب کمزور ہو جاتا ہے تو اسی کو روح کے پرواز کرنے یا نکل جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت میں اگر روح کو عرضی یعنی کسی دوسری چیز سے اس کے وجود کو وابستہ اور پابند مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ موت کے وقت زائل ہو جاتی ہے اور پھر دوبارہ آجاتی ہے۔

میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام النفحة العلوية فی الاجوبة الحلبية من الاسئلة القروية ہے اس کتاب میں اس موضوع پر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ مصر کے بعض دیہاتیوں نے مجھ سے روح کے متعلق کچھ سوالات کئے تھے ان کے جوابات کے سلسلے میں ہی یہ کتاب مرتب کی گئی تھی۔ اس میں میں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو طول طویل جوابات علامہ سیوطی نے دیئے ہیں اور ان پر لمبی بحثیں کی ہیں اور ان پر جو واضح قسم کے شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں یہ جوابات زیادہ بہتر ہیں۔

حضرت عمار ابن یاسر کی ایک حدیث میں نے دیکھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے تمام بندوں کی باتیں سننے کی قوت عطا فرمائی ہے جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ اس کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے۔ میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس گناہ درود بھیجے گا۔

علامہ ذہبی نے اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مضمون اور اس سند کے ساتھ یہ روایت تنہا اسی راوی نے بیان کی ہے (یعنی یہ حدیث اور یہ سند اور کسی راوی نے بیان نہیں کی ہے) واللہ اعلم

پیچھے بیان ہوا ہے کہ **رسول** اللہ ﷺ نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر جس میں غزوہ بدر کے مشرک مقتولین کی لاشیں ڈالی گئی تھیں یہ فرمایا تھا۔ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ان مردوں نے سن لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس قول کا انکار کیا ہے کہ آپ نے ایسے نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ۔ انہوں نے یہ جان لیا ہے کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ حق تھا!

حضرت عمرؓ کے سوال پر اسی وقت آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو یہ لوگ تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس جملہ سے آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہا کرتا تھا وہی حق اور سچائی تھی۔ آپ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس وقت اس طرح اپنے کانوں سے میری آواز سن رہے ہیں جیسے اس دنیا میں سنا کرتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے اپنی دلیل کے طور پر باری تعالیٰ کا یہ ارشاد تلاوت کیا۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ الآیہ پ ۲۰ سورہ نمل ع ۶ آیت ۸۰

ترجمہ: آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اسی طرح حضرت عائشہؓ نے اپنی دلیل کے طور پر دوسری آیت پر پڑھی۔

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ الآیہ پ ۲۲ سورہ فاطر ع ۳ آیت ۲۲

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔

(تو گویا حضرت عائشہؓ اس سے انکار کرتی ہیں کہ اس وقت ان مردوں نے آنحضرت ﷺ کی آواز سنی تھی) اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کہ اس موقعہ پر ان مردوں کی سماعت یعنی سننے کی طاقت حقیقی طور پر باقی رہی ہو کیونکہ جب ان کفار کی روحوں کا تعلق ان کے جسموں سے اتنا قوی اور مضبوط ہو گیا کہ وہ اسی طرح زندہ ہو گئے تھے جیسے دنیا کی زندگی میں تھے۔ اور اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی آواز سن سکیں۔ تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کہ انہوں نے اپنے ہی کانوں سے یہ آواز سنی ہو کیونکہ ان کے سننے کی قوت کی جگہ یعنی کان موجود تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے جسم اور روح کے اسی تعلق کی بنا پر قبر کے اندر جسم میں یہ طاقت آجاتی ہے کہ وہ منکر نکیر کے سوالوں کے جوابات دینے کے لئے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔

جہاں تک ان دونوں آیتوں کا تعلق ہے جو پیچھے بیان ہوئیں تو ان میں اگرچہ مردوں کے سننے کی نفی کی گئی ہے مگر اس سے وہ سننا مراد ہے جو انسان کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے (یعنی کچھ سن کر اسے سمجھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یا نصیحت حاصل کرتا ہے جو اس کے کام آسکے۔ یہی سننے کا فائدہ ہے۔ ان آیتوں میں اسی کی نفی کی گئی ہے کہ آپ مردوں کو اپنی بات سنا کر ان کے لئے کوئی فائدہ اور نفع نہیں پہنچا سکتے)۔

اسی بات کو علامہ جلال سیوطی نے نظم کیا ہے اور اپنے ان شعروں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سماع موتی کلام الخلق قاطبة
جاء ت به عندنا لآ ثار فی الکتب

ترجمہ: مردوں کا سننا تمام لوگوں کا متفقہ فیصلہ ہے جس کی دلیل میں بہت سی روایتیں کتابوں میں موجود ہیں۔

وایۃ النفی معنا ھا سماع ھدی
لا یقبلون ولا یصغون للادب

ترجمہ: اور وہ آیت جس سے اس بات کا انکار ثابت ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مردے کلام ہدایت کو نہیں سن سکتے گویا وہ ہدایت قبول نہیں کرتے اور گوش ہوش کو اس طرف متوجہ نہیں کر سکتے۔

کیونکہ حق تعالیٰ نے زندہ کافروں کو ایسے مردوں سے تشبیہ دی ہے جو قبروں میں ہوں کہ قبر کے مردوں کو اگر اسلام کی طرف بلایا جائے تو وہ اس تبلیغ اور دعوت سے کوئی نفع اور فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔

فتح کی خوشخبری کے پیغامبر...... غرض غزوہ بدر سے فارغ ہوتے اور اسلام کی پہلی اور عظیم الشان فتح حاصل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو خوشخبری دیکر عالیہ کے مقام کی طرف بھیجا جو مدینے منورہ کے قریب اس سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی طرح حضرت زید ابن حارثہؓ کو آپ نے سافلہ کے مقام کی طرف یہ خوشخبری دے کر بھیجا۔ حضرت زیدؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنی قصوی پر سوار کر کے بھیجا اور ایک قول ہے کہ عضباء نامی اونٹنی پر بھیجا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی اور مسلمانوں کو جو عظیم فتح نصیب فرمائی ہے اس کی اطلاع لوگوں کو پہنچا دیں چنانچہ عالیہ کے علاقوں میں حضرت عبداللہ ابن رواحہ اور سافلہ کے علاقوں میں حضرت زید ابن حارثہؓ نے جا کر اعلان کیا۔

"اے گروہ انصار! تمہیں خوشخبری ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی سلامتی اور مشرکوں کے قتل اور گرفتاری کی

فتح کی خبر پر کعب یہودی کا پیچ و تاب...... ساتھ ہی یہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ قریشی سرداروں میں سے فلاں اور فلاں قتل ہو گئے اور فلاں فلاں گرفتار ہو گئے۔

ان دونوں کے منہ سے یہ اعلان سن کر اللہ کا دشمن کعب ابن اشرف یہودی ان کو جھٹلانے لگا۔ وہ کہنے

لگا۔

"اگر محمد ﷺ نے ان بڑے بڑے سورماؤں کو مار ڈالا ہے تو زمین کی پشت پر رہنے سے زمین کے اندر رہنا۔ یعنی زندہ رہنے سے موت بہتر ہے۔"

صاحبزادی حضرت رقیہ کی وفات...... حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ فتح کی یہ خبر ہمیں اس وقت ملی جبکہ ہم مدینہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کو دفن کر کے قبر کی مٹی برابر کر رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو جب حضرت رقیہؓ کی تعزیت پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے شریف بیٹیوں کا دفن ہونا بھی عزت کی بات ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ بھلائیوں میں سے ہے بیٹیوں کا دفن ہونا۔"

اس سلسلے میں علامہ باخرزی کا قول بھی قابل تحسین ہے۔

القبر اخفی سترة للبنات
ودفنها یروی من المکرمات

ترجمہ: قبر لڑکیوں کے لئے سب سے بہترین پردے کی جگہ ہے اور ان کا دفن کرنا بھی ایک باعزت کام مانا گیا ہے۔

اما رایت الله عز اسمه
قدوضع النعش بجنب البنات

ترجمہ: کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے لڑکیوں کے جنازے پر مزید ستر پوشی کے لئے گہوارہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔

بیوی کی وفات پر حضرت عثمانؓ کی دل گرفتگی . یہ حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کی بیوی تھیں حضرت عثمانؓ کے ان سے ایک بیٹا تھا اسی لئے بیٹے کے نام سے پھر حضرت عثمان کا لقب پڑ گیا تھا اس سے پہلے حضرت عثمان کا لقب ابو عمرو تھا حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ کی بہن سے وحی کے آنے پر ہوا۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کو بہت غمگین اور اداس دیکھا تو فرمایا۔

"کیا بات ہے تم مجھے بہت رنجیدہ اور مغموم نظر آتے ہو۔"

حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! کیا مجھ سے بڑا صدمہ بھی کسی پر پڑا ہوگا! آپ کے اور میرے درمیان سے سسرالی رشتہ ختم ہو گیا۔"

دوسری صاحبزادی کا حضرت عثمانؓ سے نکاح......ابھی حضرت عثمانؓ آپ سے بات ہی کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دے رہے ہیں کہ میں اس کی یعنی رقیہ کی بہن ام کلثوم کو اسی کے مہر پر اور اسی کی طرح تم سے بیاہ دوں!"

چنانچہ پھر آپ نے حضرت ام کلثومؓ کو ان سے بیاہ دیا۔ حضرت ام کلثوم کا نکاح کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ ایک دفعہ ان کے پاس گئے اور فرمایا۔

"بیٹی! ابو عمرو یعنی عثمان کہاں ہیں۔"

حضرت ام کلثومؓ نے عرض کیا کہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا۔"

حضرت ام کلثوم نے عرض کیا۔

"ابا جان! وہ بہت اچھے اور بلند مرتبہ شوہر ثابت ہوئے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ کا مقام...... آپ نے فرمایا۔

"بیٹی کیوں نہ ہوں۔ وہ دنیا میں تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں!"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ میرے صحابہ میں سب سے زیادہ میرے اخلاق و عادات سے مشابہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔

"اگر آپ زمین والوں میں یوسف صدیق علیہ السلام کا شبیہ اور ہم شکل تلاش کرنا چاہیں تو عثمان ابن عفان کو دیکھ لیں!"

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوتی اس لئے ان کو ذی النورین یعنی دو نور والے کہا جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک یہ شرف اور اعزاز حضرت عثمان غنیؓ کے سوا کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوا کہ اس کے گھر میں نبی کی دو بیٹیاں رہی ہوں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"وہ شخص وہ ہیں جن کو آسمانوں میں ذی النورین کہا جاتا ہے۔"

پھر ۹ھ میں آنحضرت ﷺ کی ان دوسری صاحبزادی یعنی حضرت عثمانؓ کی بیوی ام کلثومؓ کی بھی وفات ہو گئی اس وقت آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"عثمان کی شادی کر دو۔ اگر میرے کوئی تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں اس کو بھی عثمان سے بیاہ دیتا بیٹی کا نکاح میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر کیا تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔

"اگر میرے چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں ایک کے بعد ایک سب کو تم سے ہی بیاہتا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہتی۔"

حضرت عثمانؓ کی والدہ اروی بنت عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کی پھوپی یعنی آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔

فتح کی خبر اور منافقین...... غرض جب حضرت زید ابن حارثہؓ نے مدینے کے سافلہ کے علاقہ میں آکر فتح کی خوش خبری سنائی تو ایک منافق شخص نے کہا۔

"اصل بات یہ ہے کہ تمہارے ساتھی یعنی صحابہ شکست کھا کر اس بری طرح تتر بتر اور منتشر ہو گئے ہیں کہ اب کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے۔ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں اور ان کے صحابہ شکست کھا گئے ہیں۔ دیکھو یہ محمد ﷺ کی اونٹنی ہے جس پر زید ابن حارثہ بیٹھ کر آئے ہیں۔ (یعنی اگر محمد ﷺ زندہ ہوتے تو اپنی اونٹنی پر

خود سوار ہوتے) مگر یہ زید ایسے بدحواس ہو رہے ہیں کہ انہیں خود بھی پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں!"

اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کی باتیں سن کر میں تنہائی میں اپنے والد حضرت زیدؓ کے پاس آیا اور ان سے اس منافق کی افواہوں کے بارے میں پوچھا۔ اس پر انہوں نے مجھے پوری تفصیل بتلائی۔ اس پر اسامہ نے (انتہائی مسرت کی وجہ سے) کہا

"کیا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔"

حضرت زیدؓ نے کہا۔

"ہاں بیٹے! خدا کی قسم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے!"

اسامہ کہتے ہیں۔ اب میرے دل کو اطمینان ہو گیا تو میں اسی منافق شخص کے پاس واپس آیا اور اس سے بولا۔

"او آنحضرت ﷺ کے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے! رسول اللہ ﷺ کو یہاں آنے دے ہم تجھے آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ اس وقت تیری گردن مار دی جائے گی۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا۔

"یہ باتیں تو میں نے لوگوں کو کہتے سنیں اور وہی خود بھی بیان کر دیں۔"

یہ باتیں اسامہ نے اس وقت سنی تھیں جبکہ اپنے والد سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی (اسی لئے یہ وحشت ناک افواہ سن کر وہ فوراً اپنے والد حضرت زید ابن حارثہ کے پاس گئے اور ان سے صحیح حالات معلوم کئے)۔

مال غنیمت کی تقسیم ...... غرض فتح کے ان پیغامبروں کو بھیجنے کے بعد آنحضرت ﷺ خود میدان بدر سے مدینہ واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں جب آپ صفراء کی گھاٹی میں پہنچے تو وہاں آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ اس مال میں ایک سو پچاس اونٹ اور دس گھوڑے تھے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان ہتھیار، کپڑے اور بے شمار کھالیں اور اون وغیرہ تھی جو مشرک اپنے ساتھ تجارت کے لئے لے کر آئے تھے۔ اس تقسیم کے وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا۔

"جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کے جسم کا سامان اسی کو ملے گا اور جس نے جس شخص کو گرفتار کیا وہ قیدی اسی کا ہے۔"

جیسا کہ بیان ہوا۔ غالباً یہ اعلان آنحضرت ﷺ کی طرف سے دو مرتبہ کرایا گیا ایک مرتبہ جنگ کے وقت تاکہ مجاہدین کو جہاد کی ترغیب ہو اور دوسری مرتبہ مال غنیمت تقسیم کئے جانے کے وقت یہی اعلان دہرایا گیا۔

تقسیم پر مسلمانوں میں اختلاف ...... چنانچہ مرنے والوں کے جسموں کے ساز و سامان اور قیدیوں کے علاوہ جو مال بچا وہ مسلمانوں میں برابر تقسیم کیا گیا۔ تقسیم کے وقت اس بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے دشمن سے جنگ کی اور ان کی پیش قدمی کو روکا وہ کہتے تھے کہ مال غنیمت کے ہم سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ دوسری طرف جن لوگوں نے مال غنیمت کو جمع کیا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم اس کے حقدار ہیں۔ اسی طرح جن صحابہ نے عریش یعنی اس چھپر میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور نگہبانی کی تھی وہ کہتے تھے کہ ہمارے مقابلے میں دوسرے اس کے حقدار نہیں ہیں۔

"حضرت سعد ابن معاذ اس عریش کے دروازے پر محافظ تھے جس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کچھ انصاریوں کے ساتھ مقیم تھے۔ حضرت عبادہؓ ابن صامت سے روایت ہے کہ دشمن جس وقت شکست کھا کر بھاگا تو صحابہ کی ایک جماعت نے اس کا پیچھا کیا ایک جماعت مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مشغول ہو گئی اور اس نے تمام مال ایک جگہ جمع کیا اور صحابہ کی تیسری جماعت دشمن کے پسپا ہونے کے وقت اس عریش کے گرد آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے ٹھہر گئی کہ مبادا دشمن اچانک دوسری طرف سے آنحضرت ﷺ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرے۔ غالباً یہ جماعت ان لوگوں کے علاوہ تھی جو حضرت سعد ابن معاذ کی سربراہی میں پہلے سے عریش کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔

غرض اب ان لوگوں نے جنہوں نے مال غنیمت اکٹھا کیا تھا دعویٰ کیا کہ اس کے حقدار سب سے زیادہ ہم ہیں۔ ادھر ان کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے انہوں نے ان کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ تم سے زیادہ ہم اس کے حقدار ہیں۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ دشمن کے پسپا ہونے کے وقت ایک جماعت آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے عریش کے گرد پہرہ دے رہی تھی۔ تو اس قول سے حضرت سعدؓ کی اس گزشتہ روایت کی تردید نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ جب مشرک پسپا ہوئے تو آنحضرت ﷺ ننگی تلوار لئے ان کے تعاقب میں تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے کہ سیھزم الجمع ویولون الدبر کیونکہ یہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر کے لئے مشرکوں کے تعاقب میں نکلے ہوں اور اس کے بعد فوراً ہی واپس عریش میں تشریف لے آئے ہوں اور اس وقت ان حضرات نے عریش کے گرد آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا ہو!"

<u>آسمانی فیصلہ</u>...... غرض صحابہ کے درمیان مال غنیمت کی تقسیم کے وقت پیدا ہونے والے اختلاف پر حق تعالیٰ نے یہ سورہ انفال نازل فرمائی۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ الآیہ پ ۹ سورہ انفال ع آیت ۱

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے خاص غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

یہاں نفل (انفال) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نفل کا لفظ مال غنیمت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جس طرح یہاں ہوا ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا۔ یہاں حق تعالیٰ نے نفل کے بجائے اس کی جمع انفال کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی ہیں غنیمتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مال سے مسلمانوں کے مال میں اضافہ ہوا ہے اور یہ اس کے علاوہ ہے۔ اسی طرح انفال کے علاوہ فئی کا لفظ ہے جو سورہ حشر میں ذکر ہوا ہے سورہ حشر غزوہ بنی نضیر کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ وہاں فئی کا لفظ بھی مال غنیمت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

فئی کے معنی لوٹائی ہوئی چیز کے ہیں مال غنیمت کو حق تعالیٰ نے اس لئے فئی فرمایا ہے کہ خدا نے اس مال و دولت کو کفار سے لے کر مومنوں کے پاس لوٹا دیا کیونکہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کی (یعنی مومنوں کی) اعانت اور مدد کے لئے مال کو پیدا فرمایا ہے کیونکہ مخلوق کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے پاس وہ چیز لوٹادی جس کے وہ مستحق تھے جیساکہ اگر کسی شخص کی میراث غصب کرلی گئی ہو اور وہ اس کو دلادی جائے چاہے اس سے پہلے بھی وہ میراث اس کے قبضے میں نہ رہی ہو (مگر اس کا مستحق وہی ہوگا)۔

اسی بنیاد پر بعض علماء کا قول ہے کہ فئی کے مستحق صدقہ کے مستحق لوگوں سے علیحدہ ہیں اور صدقہ کے مستحق فئی کے مستحقوں سے علیحدہ ہیں۔ صدقہ سے یتیموں، مسکینوں اور کمزوروں کی امداد کی جاتی ہے۔

پھر جب وہ یتیم بالغ ہو جائے تو وہ صدقہ کے بجائے فئی یعنی مال غنیمت کا مستحق ہو جاتا ہے اور صدقہ کے استحقاق سے نکل جاتا ہے۔

لہذا حق تعالیٰ نے وہ مال ان مشرکوں کے ہاتھوں سے نکال کر اپنے رسول کے ہاتھ میں دیدیا۔ یعنی اس نے جہاں چاہا اس مال کو پہنچادیا۔ لہذا یہ آیت جو اوپر تحریر ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مال غنیمت خاص رسول اللہ ﷺ کا تھا اس میں سے کوئی چیز ان لوگوں کی نہیں تھی جنہوں نے جہاد کیا تھا۔ مگر پھر اس کے بعد اس آیت کا حکم حق تعالیٰ کے اس دوسرے ارشاد سے منسوخ ہو گیا جو یہ ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْئٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

الآیہ پ ۱۰ سورہ انفال ع ۵ آیت ۴۱

ترجمہ: اور اس بات کو جان لو کہ جو شئے کفار سے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے اور ایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا ہے اور ایک حصہ یتیموں کا ہے اور ایک حصہ غریبوں کا ہے اور ایک حصہ مسافروں کا ہے۔

<u>غازیوں اور بیت المال کے حصے</u>...... اب گویا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکالنے کے بعد باقی چار حصے سر فروشوں اور غازیوں کے ہیں۔ گویا یہ پانچواں حصہ جو ہے اس کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک رسول اللہ ﷺ کا ہوگا جس میں سے آپ جو چاہیں کریں اور اس پانچویں حصے کے باقی چار حصے ان لوگوں کا حق ہوں گے جن کا آیت پاک میں ذکر کیا گیا ہے اور باقی چار عدد پانچویں حصے مجاہدین اور غازیوں کا حق ہوں گے۔

آگے حضرت عبداللہ ابن جحش کے نخلہ کے سریہ میں بیان ہوگا کہ جو مال غنیمت حضرت عبداللہؓ لے کر آئے آپ نے ان کو اسی طرح تقسیم فرمایا کہ آپ نے اس کا پانچواں حصہ تو اللہ کے لئے نکالا اور باقی چار حصے غازیوں میں تقسیم فرمائے۔ ایک قول یہ ہے کہ خود حضرت عبداللہ نے ہی اس مال کے اسی طرح پانچ حصے کر دیئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے اس کو درست قرار دیا تھا۔

اس طرح یہ مال غنیمت اسلام کا پہلا غنیمت ہے اور یہی وہ غنیمت ہے جس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا تو گویا اس غنیمت کے پانچ حصے سورہ انفال کی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کئے گئے جس میں غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جیساکہ بتایا گیا۔ یہ آیت غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جن کا حکم پہلے نازل ہو گیا اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس امت کے لئے مال غنیمت کو حلال کئے جانے کی ابتدا غزوہ بدر میں ہی ہوئی جیساکہ بخاری و مسلم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ غنیمت کو حلال کئے جانے کا حکم حق تعالیٰ کے اس ارشاد

میں دیا گیا ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ الآیہ پ ۱۰ سورہ انفال ع ۹ آیت ۶۹

ترجمہ: سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

لہٰذا اس حکم کے ذریعہ مال غنیمت مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نخلہ کے معرکہ کی غنیمت کی تقسیم کو غزوہ بدر سے اپنی واپسی تک روکے رکھا تھا (یعنی اگر غزوہ بدر کے مال غنیمت کو وہ پہلی غنیمت مانا جائے جو مسلمانوں کے لئے حلال کی گئی) مگر یہ بات اس گزشتہ قول سے کمزور ہو جاتی ہے کہ نخلہ کے مال غنیمت کو غزوہ بدر سے پہلے فوراً آنحضرت ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا یا عبداللہ ابن جحش نے تقسیم کیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو درست قرار دیا تھا۔ یہ بات علم میں آچکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے مال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرمایا تھا۔ یعنی اس میں ایک دوسرے کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں فرمایا تھا۔ پیدل کو پیدل کے برابر اور گھوڑے سوار کو گھوڑے سوار کے برابر رکھا تھا۔ مگر یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس دن گھوڑے سوار کو پیدل پر فضیلت حاصل تھی (یعنی اس کا حصہ زیادہ تھا) اس کا جواب آگے آئے گا۔

اس سے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق اس روز اسلامی لشکر میں پانچ یا دو گھوڑے تھے بخلاف اس قول کے جس کے مطابق بدر میں صرف ایک ہی گھوڑا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ (اس قول کی تائید اس لفظ سے ہوتی ہے کہ گھوڑے سوار کو گھوڑے سوار کے برابر حصہ ملا جس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار ایک سے زائد تھے)۔

یہاں تک کہ خود آنحضرت ﷺ کا بھی ایک ہی حصہ لگا یعنی جتنا دوسرے گھوڑے سواروں کو ملا اتنا ہی آپ کو بھی ملا (یعنی ایک گھوڑے سوار کے برابر حصہ ملا) یہ وضاحت اس قول کی بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس غزوہ بدر میں دو گھوڑے تھے۔ البتہ آپ کو جو چیز زائد ملی وہ ذوالفقار نامی تلوار تھی جو آپ نے اپنے لئے منتخب فرمائی تھی جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

اب حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جو یہ قول ہے کہ کیا آپ گھوڑے سوار کو بھی اتنا ہی دے رہے ہیں جتنا کمزور کو دے رہے ہیں جس سے وہ ناراض ہو رہے ہیں۔ تو اس میں گویا گھوڑے سوار سے ان کی مراد قوی ہے چنانچہ مسند امام احمد میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! گھوڑے سوار جس کی قوم کو ضرورت ہوتی ہے کیا اس کا اور دوسرے کا حصہ برابر ہوگا!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارا برا ہو۔ کیا تم اپنے کمزور لوگوں کے بغیر فتح پا سکتے ہو۔"

اب گویا مسند امام احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے سوار سے حضرت سعدؓ کی مراد قوی ہے کیونکہ انہوں نے اس کے مقابلہ میں پیدل کہنے کے بجائے کمزور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا جب یہاں گھوڑے سوار مراد نہیں تو اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ گھوڑے سوار کو اس کے گھوڑے کے دو حصے دیئے گئے اور

خود سوار کو پیدل کی حیثیت سے ایک حصہ دیا گیا۔

معذورین کا حصہ...... آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت میں ان لوگوں کے حصے بھی نکالے جو غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے جیسے وہ لوگ جن کو خود آنحضرت ﷺ نے ان کے کسی عذر کی وجہ سے غزوہ میں شرکت سے منع فرمادیا تھا جیسے حضرت عثمان ابن عفان کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے ان کی بیوی یعنی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کی بیماری کی وجہ سے مدینے میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ بیان ہوا اس وجہ سے کہ خود حضرت عثمانؓ کے چیچک نکلی ہوئی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو اصحاب بدر میں شمار فرمایا۔

اسی طرح حضرت ابولبابہ تھے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینے والوں کے پاس چھوڑا تھا۔ اسی طرح حضرت عاصم ابن عدی تھے کہ ان کو آپ نے قبا اور عالیہ والوں کے پاس چھوڑا تھا۔

اسی طرح آپ نے ان لوگوں کا حصہ بھی لگایا جن کو آپ نے جاسوس کے طور پر دشمن کی خبریں لانے کے لئے بھیجا تھا اور وہ لوگ اس وقت واپس آئے جبکہ غزوہ بدر ختم ہو چکا تھا۔ یہ لوگ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ اور سعید ابن زید تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

ان کے علاوہ حرث ابن حاطب تھے کہ ان کو بنی عمرو ابن عوف کے واقعات کے سلسلے میں آپ نے بھیجا تھا۔ اسی طرح خوات ابن جبیر اور حرث ابن صمہ تھے کہ وہ لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے مگر روحاء کے مقام پر دونوں کے چوٹ آگئی اور وہ چلنے کے قابل نہ رہے اس لئے آپ نے ان کو واپس فرمادیا جیسا کہ بیان ہوا۔

مگر ان کے مسئلہ میں علامہ سیوطی نے تامل کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے خصائص صغری میں بیان کیا کہ آپ نے غزوہ بدر میں غیر حاضر لوگوں میں حضرت عثمان کا ایک حصہ لگایا۔ ان کے علاوہ غیر حاضر لوگوں میں آپ نے کسی اور کا حصہ نہیں نکالا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے ابن عمر سے بیان کیا ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ مال غنیمت میں کا یہ حصہ صرف حضرت عثمانؓ کے لئے خاص ہے کیونکہ وہ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی یعنی اپنی بیوی کی تیمار داری کر رہے تھے۔ یہاں تک علامہ خطابی کا حوالہ ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے چودہ ایسے شہیدوں کا حصہ بھی نکالا جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے غالباً یہ حضرات جنگ کے دوران شہید نہیں ہوئے بلکہ زخمی ہو کر غزوہ ختم ہونے کے بعد ان کی وفات ہوئی لہذا یہ بات ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے قول کے خلاف نہیں رہتی جس کے مطابق وہ حضرات جو غزوہ کے دوران شہید ہو جائیں مال غنیمت میں سے ان کا حصہ نہیں نکالا جاتا۔

شمشیر ذوالفقار...... آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں کے اپنے حصے سے زیادہ وہ تلوار لی جس کا نام ذوالفقار ہوا۔ یہ تلوار منبہ ابن حجاج کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے بیٹے عاص کی تھی وہ بھی بدر کے دن ہی قتل ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا نبیہ کی تھی۔ مگر ابی العباس ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ تلوار ابو جہل کی تھی۔

اب یہ بات ممکن ہے کہ اصل میں یہ تلوار ابو جہل کی ہی رہی ہو اور پھر اس نے اس کو منبہ ابن حجاج یا ان دونوں میں سے کسی کو دیدی ہو جن کا گزشتہ سطروں میں ذکر ہوا۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے برعکس بھی ممکن ہے (کہ اصل میں منبہ کی رہی ہو اور اس نے ابو جہل کو دیدی ہو) کیونکہ گزشتہ سطروں میں بیان ہو چکا ہے کہ ابو جہل کی تلوار حضرت ابن مسعودؓ کو ملی تھی۔ بہر حال اس تفصیل کے ساتھ گزشتہ روایتوں میں کوئی

مخالفت باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابو جہل کا اونٹ بھی اپنے لئے لے لیا تھا (جو آپ کے حصے کے علاوہ تھا) یہ اونٹ مہری یعنی نہایت بہترین اور بے حد تیز رفتار تھا۔ (تیز رفتار اونٹ کو مہری کہتے ہیں۔ یہ لفظ مہر ابن حیدان کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کہ تیز رفتاری اور بھاگنے میں کوئی دوسرا اونٹ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا)۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سب غزوؤں میں اسی اونٹ پر سوار ہو کر شرکت فرمائی یہاں تک کہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ نے اس کو قربانی کے لئے حرم میں بھیج دیا۔ جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

اپنے حصہ سے زیادہ آپ نے جو چیزیں لیں۔ یعنی غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس صورت میں جبکہ آنحضرت ﷺ بھی لشکر کے ساتھ ہوں تو اس کو صفی اور صفیہ کہتے ہیں وہ چیز چاہے غلام ہو یا باندی۔ سواری ہو یا تلوار یا زرہ بکتر۔

مگر کتاب امتاع میں محمد ابن ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ہر مال غنیمت میں صفی ہوتی تھی چاہے آپ اس لشکر کے ساتھ رہے ہوں یا غیر حاضر رہے ہوں۔ (یعنی ہر مال غنیمت میں آنحضرت ﷺ کو اپنے لئے کسی بھی چیز کے انتخاب کا حق تھا جس کو صفی کہتے ہیں اور جو آپ کے حصے کے علاوہ ہوتی تھی)۔

مگر بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ یہ صفی اور انتخاب کی چیز جب آنحضرت ﷺ پسند کر لیتے تھے تو اس کے برابر چیز آپ کے حصے میں سے کم کر دی جاتی تھی۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ چیز آپ کے حصے کے علاوہ ہوتی تھی۔

اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ چیزیں جن کے متعلق یہ اختلاف ہوا پانچواں حصہ نکالنے کی آیت کے نزول کے بعد کی ہیں جبکہ یہ بات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ لہذا اب یہ بات اس گزشتہ تفصیل کے خلاف نہیں رہی کہ آپ نے تقسیم سے پہلے جو چیزیں لے لی تھیں وہ آپ کے اس حصے سے زائد تھیں جو سب لوگوں کے حصوں کے برابر تھا (یعنی مال غنیمت کے حصے کئے جانے اور اسے تقسیم کرنے سے پہلے آپ نے اپنے لئے صفی کا انتخاب فرما لیا تھا)۔

جاہلیت میں تقسیم غنیمت کے طریقے ...... جاہلیت کے زمانے میں جب سردار خود لشکر کے ساتھ ہوتا تھا اور اپنے حصے سے زائد کوئی چیز چھانٹ لیتا تھا تو اس کو مرباع کہتے تھے یہ لفظ ربع یعنی چوتھائی سے بنا ہے کہ سردار مال غنیمت کا چوتھا حصہ لے لیتا تھا۔

مرباع کے بارے میں یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ چوتھائی ہی ہوتا تھا۔ بخلاف اس کے پانچواں حصہ اور اس کے بعد کے حصے ہوتے تھے۔ دوسری طرف صفایا یعنی صفی ہوتے تھے۔ صفی وہ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار اپنے اختیار کے تحت مال غنیمت میں سے چن لیتا تھا۔ تیسری چیز نشیطہ ہوتی تھی۔ نشیطہ اس مال کو کہتے ہیں جو لشکر کو اس کی اصل منزل اور مقصد تک پہنچنے سے پہلے راستے میں حاصل ہو جاتا تھا۔

اس طرح سردار قوم کے لئے ایک چیز اور ہوتی تھی جو صرف اسی کا حق سمجھی جاتی تھی اس کو نقیعہ کہتے ہیں نقیعہ وہ اونٹ ہوتا تھا جس کو قوم کا سردار مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے چھانٹ کر ذبح کرتا تھا اور اس سے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ یہ سب تفصیلات علامہ تبریزی کی کتاب شرح حماسہ میں درج ہیں۔

(قال)اسلام آنے کے بعد جہاں جاہلیت کے زمانے کی اور رسمیں اور قاعدے قانون ختم ہوئے وہیں نقیعہ اور نشیطہ کے قاعدے بھی ختم کردیئے گئے (اسلام نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے وقف لیااور باقی سب کے لیئے رکھا)۔

نضر ابن حرث کا قتل ...... غرض غزوہ بدر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دے کر صفراء کے مقام پر نضر ابن حرث کو قتل کرایا۔

کتاب امتاع میں ہے کہ نضر ابن حرث جنگی قیدی کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا۔ اس پر نضر نے لیسر سے کہا جو اس کی برابر میں کھڑے تھے۔

"خدا کی قسم یہ محمد ہی میرے قاتل ہوں گے کیونکہ انہوں نے جن نظروں سے مجھے دیکھا ہے ان میں موت پوشیدہ ہے!"

لیسر نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ صرف تمہارا خوف اور دہشت ہے!"

پھر نضر نے حضرت مصعب ابن عمیر سے کہا۔

"مصعب! تم رشتے کے لحاظ سے ان کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اس لئے اپنے ان صاحب یعنی آنحضرت ﷺ سے کہو کہ میرے دوسرے ساتھیوں یعنی قیدیوں کی طرح مجھے بھی سمجھیں۔ خدا کی قسم یہی میرے قاتل ہوں گے!"

حضرت مصعب نے کہا۔

"تو اللہ کی کتاب کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہتا تھا۔ تو خدا کے رسول کے متعلق کیا کیا کہا کرتا تھا اور تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو بڑی بڑی اذیتیں دیتا تھا۔"

علامہ سیوطی کی کتاب اسباب نزول میں اس کے سلسلے میں ایک روایت ہے جس کو علامہ نے درست قرار دیا ہے حضرت مقداد نے نضر ابن حرث کو گرفتار کیا تھا۔ اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے نضر کے قتل کا حکم دیا تو مقداد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ میرا قیدی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ یہ اعلان فرماچکے تھے کہ جس شخص نے جس قیدی کو گرفتار کیا ہے وہ اسی کا غلام ہوگا) حضرت مقداد کی یہ بات سن کر آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کے بارے میں بدزبانی کیا کرتا تھا۔

نضر کے قتل پر بہن کا مرثیہ اور آنحضرت ﷺ کا تاثر...... غرض صفراء کے مقام پر آپ کے حکم سے نضر ابن حرث کو ہلاک کردیا گیا اس کی موت پر اس کی بہن نے اس کا مرثیہ لکھا تھا۔ ایک قول ہے کہ بیٹی نے لکھا تھا۔ یہ اس کے بعد فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئی تھیں۔ ان کے کہے ہوئے مرثیہ کے چند مصرعے یہ ہیں۔

امحمد یاخیر ضن ء کریمہ حماسہ میں اس مصرعہ کو میں نے اس طرح دیکھا ہے۔

امحمد ولات ضمن ء نجیبۃ . فی قومہا والفحل فحل معرق

ترجمہ: محمد ﷺ اپنے قبیلے میں ایک شریف ترین انسان ہیں اور جواں مرد وہی ہے جو قبیلے کا شریف ترین انسان ہو۔

ماکان ضرك لومننت وربما . من الفتی وهوا المغیظ المحنق

ترجمہ: اے محمد اگر اس مقتول پر رحم کھا کر اس کو چھوڑ دیتے تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا کیونکہ شریف آدمی بھی ایسے شخص پر بھی احسان کر دیتا ہے جو اس کے نزدیک گردن زدنی ہو۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہ شعر سنے تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اگر اس کو قتل کرانے سے پہلے میں یہ شعر سن پاتا تو اس کو معاف کر دیتا۔"

مطلب یہ ہے کہ ان شعروں کو بطور سفارش کے قبول کر کے اس کو امان دیدیتا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نضر کے قتل کرانے پر نادم ہوئے یا پچھتائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ بھی حکم فرماتے تھے اور جو کچھ کرتے تھے وہ حق اور صرف حق ہوتا تھا۔

اسی نضر ابن حرث کے ایک بھائی تھے جن کا نام نضیر تھا یہ سب سے بوڑھے مہاجر تھے۔ ایک قول ہے کہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہونے والوں میں سے تھے۔ غالباً اسی بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سو اونٹ مرحمت فرمائے۔ اس پر ایک شخص نضیر کے پاس سو اونٹوں کی خوش خبری لے کر آیا تو انہوں نے کہا۔

"میں یہ اونٹ نہیں لوں گا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں آنحضرت ﷺ یہ سو اونٹ مجھے اس لئے دے رہے ہیں کہ اسلام پر میرا دل جم جائے۔ مگر میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں کوئی رشوت قبول کروں!"

ان سے کہا گیا کہ یہ تو آنحضرت ﷺ کا عطیہ ہے۔ اس پر انہوں نے یہ سو اونٹ قبول کر لئے اور ان میں سے دس اونٹ خوشخبری لانے والے کو دیئے اور باقی نوے اونٹ آنحضرت ﷺ کے عطیہ کے طور پر اپنے پاس رکھے)۔

عقبہ ابن معیط کا قتل...... غرض صفراء کے مقام پر نضر ابن حرث کو قتل کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے آگے روانہ ہوئے اور عرق ظبیہ کے مقام پر آپ نے عقبہ ابن معیط کو قتل کئے جانے کا حکم دیا۔ یہ عرق ظبیہ ایک درخت تھا جس کے نیچے مسافر سائے میں آرام کرتے تھے۔

جب عقبہ کو قتل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا تو اس نے کہا کہ اے محمد! ایک بے دین کا ٹھکانہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا جہنم۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب عقبہ کو قتل کے لئے لایا گیا تو اس نے فریاد کرتے ہوئے مسلمانوں سے کہا۔

"اے گروہ قریش! مجھے کس وجہ سے تمہارے سامنے یوں بے کسی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارے کفر اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میرے منہ پر تھوکنے کی وجہ سے!"

یہ عقبہ آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے یہاں ایک دعوت کا اہتمام ہوا اس نے رسول اللہ ﷺ کو بھی دعوت میں بلایا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ اس وقت تک اس کا کھانا نہیں کھائیں گے جب تک کہ یہ کلمہ شہادت نہیں پڑھے گا۔ یعنی مسلمان نہیں ہو جائے گا۔ عقبہ نے کلمہ شہادت پڑھ دیا (تاکہ

مہمان کی بات پوری ہو جائے) ابی ابن خلف عقبہ کا دوست تھا اس نے عقبہ کو بہت ملامت کی اور کہا کہ تو بے دین ہو گیا ہے۔ عقبہ نے کہا۔

انہوں نے اس کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت میرے گھر میں تھے اس لئے مجھے شرم آئی کہ وہ بغیر کھائے چلے جائیں! اس لئے میں نے ان کی خواہش کے مطابق شہادت کا کلمہ کہہ دیا مگر میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔"

اس پر ابی ابن خلف نے کہا۔

"اچھا تو اس وقت تک تم پر میری صورت دیکھنا حرام ہے جب تک کہ تم ان کی گردن کو پامال نہ کرو اور ان کے منہ پر نہ تھوکو اور ان کی آنکھوں پر تھپڑ نہ مارو!"

چنانچہ اس کے بعد ایک دن عقبہ نے آنحضرت ﷺ کو دار الندوہ میں دیکھا۔ آپ اس وقت سجدہ میں تھے۔ عقبہ نے وہی سب کیا جو ابی ابن خلف نے اس سے کہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے عقبہ سے فرمایا۔

"مکے سے باہر میں تجھ سے جب بھی ملوں گا تو اسی حالت میں ملوں گا کہ تلوار سے تیرا سر قلم کروں گا!"

کشاف میں یہ تفصیل اسی طرح ہے۔ غرض جب عرق ظبیہ کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے عقبہ کو قتل کرنے کے لئے بلوایا اور عقبہ نے فریاد کی تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تجھے تیری ان بیہودگیوں کی وجہ سے قتل کیا جارہا ہے۔ ایک روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ

"تیرے کفر، تیری بد تمیزیوں اور تیری اس سرکشی کی وجہ سے جو تو نے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں کی۔"

اسی عقبہ کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا الآیہ پ ۱۹ سورہ فرقان ع ۳ آیت ۲۷

ترجمہ: اور جس روز ظالم یعنی آدمی غایت حسرت سے اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھاوے گا اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دین کی راہ پر لگ جاتا۔

ابن قتیبہ نے روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کے قتل کا حکم دیا اور اس نے فریاد کی کہ اے گروہ قریش! مجھے تمہارے سامنے کیوں اس بے کسی کے ساتھ قتل کیا جارہا ہے جبکہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں تو اس کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"اے محمد! میں تمہیں خدا کا اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم صرف صفوریہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی ہو!"

یعنی تم سے قبیلے یا خاندان کی کوئی رشتہ داری نہیں ہے کہ تم صلہ رحمی کا واسطہ دے رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقبہ ابن معیط قبیلہ قریش سے نہیں تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقبہ کے باپ معیط کا والد امیہ اپنے چچا ہاشم کے ساتھ ملک شام کو گیا تھا

جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ پھر وہ وہیں صفوریہ کے مقام پر رہ پڑا۔ وہیں ایک یہودی عورت سے اس کے تعلقات ہوگئے اور امیہ نے اس کے ساتھ زنا کیا جبکہ اس کا شوہر بھی تھا جو صفوریہ کے یہودیوں میں سے تھا۔ اس زنا کے نتیجہ میں اس عورت کے یہاں اپنے شوہر کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کو ابو عمرو کہا جاتا تھا یہی ابو عمرو عتبہ کا باپ معیط تھا لہذا جاہلیت کے زمانے کی رسم کے مطابق وہ بچہ باپ کے حوالے کیا گیا۔ امیہ اس کو لے کر مکے آگیا یہاں اس نے بچے کا نام ذکوان رکھا اور اس کا لقب ابو عمرو رکھا حالانکہ وہ اس کا ناجائز بیٹا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ ابو عمرو۔ امیہ کا غلام تھا پھر اس نے اس غلام کو منہ بولا بیٹا بنالیا۔ اس کے بعد جب امیہ کا انتقال ہوا تو جاہلیت کے دستور کے مطابق ابو عمرو اپنے باپ کی بیوی کا مالک ہوگیا۔

اسی دوسرے قول کی تائید بعض مورخوں نے بھی کی ہے کہ امیر معاویہ کی خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ ان کے پاس ایک شخص آیا انہوں نے اس سے اس کی عمر پوچھی تو اس نے بتایا کہ دو سو چالیس سال۔ امیر معاویہ نے پوچھا کہ تم نے زمانے میں کیا کیا دیکھا تو اس نے کہ۔

"مصیبتوں اور بلاؤں کے دور بھی اور فراغت کے دور بھی۔ باپ مرگئے اور بیٹے جانشین بنتے گئے۔ اگر مرنے والے نہ مرتے تو یہ دنیا انسانوں سے بھر جاتی اور اگر اولادیں نہ پیدا ہوتیں تو آج دنیا ویران ہو چکی ہوتی!"

پھر امیر معاویہ نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ کیا تم نے عبدالمطلب کو بھی دیکھا ہے۔ اس نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے ان کے بڑھاپے کا زمانہ دیکھا ہے جب کہ وہ بھاری بھرکم باوقار اور شاندار آدمی تھے۔ ان کے دس بیٹے ان کے گرد اس طرح رہتے تھے جیسے چاند اور ستارے ہوتے ہیں۔"

پھر امیر معاویہ نے بوڑھے سے اپنے دادا امیہ ابن عبد شمس کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے ان کو بھی دیکھا ہے۔ اس نے کہا۔

"ہاں۔ میں نے ان کو دیکھا ہے وہ کمزور نظر کے اور گہرے رنگ کے ایک بد شکل آدمی تھے اور ان کو ان کا غلام ذکوان راہبر کے طور پر لے کر چلتا تھا!"

امیر معاویہ نے یہ سن کر کہا۔

"تیرا برا ہو۔ خاموش ہو جا۔ تو ذکوان کو ان کا غلام کہتا ہے حالانکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ذکوان امیہ کا بیٹا تھا۔"

اس پر اس بوڑھے نے کہا کہ یہ بات تم خود ہی تو کہتے ہو۔

غرض عرق ظبیہ کے مقام پر اسکو آنحضرت ﷺ کے حکم پر حضرت عاصم ابن ثابت نے قتل کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ نیز عقبہ کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو ایک درخت پر لٹکا کر پھانسی دی گئی تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: محمد ابن صہیب ہاشمی نے کہا ہے کہ اسلام آنے کے بعد یہ عقبہ پہلا شخص ہے جس کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ مگر علامہ ابن جوزی نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ اسلام میں وہ پہلا شخص جس کو پھانسی دی گئی خبیب ابن عدی ہیں۔

مگر ان دونوں اقوال سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ خبیب ابن عدی کو جن لوگوں نے پہلا

پھانسی پانے والا قرار دیا ہے وہ اس لحاظ سے ہے کہ یہ مسلمانوں میں پہلے شخص ہیں جن کو سولی پر لٹکایا گیا اور عقبہ مشرکوں میں ایسا پہلا شخص ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا میں وہ پہلا شخص جس نے جان لینے کے لئے پھانسی کا طریقہ ایجاد کیا وہ فرعون ہے یہاں غالباً موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کا فرعون مراد ہے ابراہیم علیہ السلام کا فرعون مراد نہیں ہے جو فرعونی سلسلے کا پہلا فرعون ہے۔ نہ ہی یوسف علیہ السلام کا فرعون مراد ہے اور نہ یعقوب علیہ السلام کے زمانے کا فرعون مراد ہے جو فرعونی سلسلے کا دوسرا فرعون تھا۔

ایک قول ہے کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے کا جو فرعون تھا وہی موسیٰ علیہ السلام کا فرعون تھا۔ یعنی یوں کہنا چاہئے کہ فرعون یوسف موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا اور پھر موسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں وہ ہلاک ہوا۔

ابن قتیبہ نے سعید ابن جبیر سے روایت بیان کی ہے کہ طعیمہ ابن عدی کو بھی عقبہ ابن معیط اور نضر ابن حرث کیساتھ ہی شامل کیا جاتا ہے کیونکہ طعیمہ بھی اسی طرح ان کے ساتھ بے کسی میں قتل کیا گیا (یعنی جس طرح غزوہ بدر سے واپسی کے دوران راہ میں نضر ابن حرث اور عقبہ ابن معیط قتل کئے گئے اسی طرح اسی راستے میں طعیمہ کو بھی قتل کیا گیا)۔

مگر اس روایت کو ماننے میں تامل ہوتا ہے کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ طعیمہ کو حضرت حمزہؓ نے جنگ کے دوران ہلاک کیا تھا۔ ادھر آگے غزوہ احد میں بیان آرہا ہے کہ غزوہ بدر میں اسی طعیمہ کو قتل کرنا غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کے قتل کئے جانے کا سبب بنا۔

مدینے میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری ...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ قیدیوں سے ایک دن پہلے مدینے پہنچے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں مدینے پہنچا تو مجھے بھوک لگی تھی۔ اسی وقت ایک یہودی عورت نے میرا استقبال کیا جو اپنے سر پر بکری کا بھنا ہوا گوشت ایک پیالے میں اٹھائے ہوئے تھی اس نے کہا۔

"اے محمد! اس خدائے پاک کا شکر ہے جس نے آپ کو صحیح سلامت رکھا۔ میں نے منت مانی تھی کہ اگر آپ صحیح سلامت مدینے پہنچے تو میں اس بکری کو ذبح کروں گی اور اس بکری کا گوشت بھون کر آپ کے لئے لاؤں گی اور اس سے آپ کی تواضع کروں گی۔"

زہر خورانی کی کوشش ...... اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس بکری کو بولنے کی قوت عطا فرمادی اور اس نے کہا۔

"اے محمد ﷺ! میرا گوشت نہ کھایئے کیونکہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

مگر خیبر کے موقع پر جب اسی طرح ایک یہودی عورت آپ کے لئے بکری کا بھونا ہوا گوشت لائی تھی تو اس نے آپ کو اس میں ملے ہوئے زہر کی خبر نہیں دی یہاں تک کہ اسے منہ میں رکھنے کے بعد آپ کو پتہ چلا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی۔ وہیں یہ بھی ذکر آئے گا کہ آپ نے اس عورت سے گوشت میں زہر ملانے کا سبب بھی پوچھا تھا مگر یہاں آپ نے نہیں پوچھا۔

آنحضرت ﷺ جب مدینے کے قریب پہنچے تو مسلمان آپ کا استقبال کرنے اور فتح پر آپ کو مبارک

باد دینے کے لئے شہر سے باہر آئے یہ لوگ آپ سے روحاء کے مقام پر ملے۔ جب مسلمان مبارک باد دینے لگے تو غازیوں میں سے حضرت سلمہ ابن سلامہ ابن وقش نے ان سے کہا۔

"تم کس چیز پر ہمیں مبارک باد دے رہے ہو۔ خدا کی قسم ہمارا تو بوڑھی عورتوں سے سابقہ پڑا ایسا لگتا تھا جیسے مشرکین رسیوں میں بندھے ہوئے اونٹ تھے جن کو ہم ذبح کرتے چلے گئے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور آپ نے فرمایا۔

"وہی لوگ تو مکے کے بڑے بڑے سردار اور اشراف تھے!"

مدینے میں استقبال ...... غرض اس کے بعد جب آپ مدینے میں داخل ہوئے تو شہر کی بچیوں نے آپ کا استقبال اس طرح کیا کہ ان کے ہاتھوں میں دف تھے اور وہ یہ گیت گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا . من ثنیات الوداع

ترجمہ: ہمارے سامنے ثنیات دواع کی طرف سے بدر کامل طلوع ہوا ہے۔

وجب الشکر علینا . مادعا للہ داع

اس نعمت کے بدلے میں ہم پر ہمیشہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

پھر آپ کو حضرت اسید ابن حضیر ملے اور انہوں نے کہا۔

"اس خدائے پاک کا شکر و احسان ہے جس نے آپ کو کامیاب و کامران فرمایا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں۔"

غزوہ بدر سے واپسی میں ایک جگہ اچانک لوگوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ موجود نہیں ہیں۔ سب لوگ وہیں رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ تشریف لائے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو کھو دیا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"ابوالحسن کے پیٹ میں اچانک درد ہو گیا تھا۔ میں ان کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔"

پھر آنحضرت ﷺ کے مدینے پہنچنے کے اگلے دن بدر کے جنگی قیدی مدینے پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اور ہدایت کی کہ ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرو!"

مکے میں شکست کی اطلاع ......دوسری طرف جنگ بدر میں قریش کی شکست کے بعد مکے میں جو شخص سب سے پہلے یہ خبر لے کر پہنچے وہ ابن عبد عمرو تھے جو اس وقت تک کافر تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی پکار پکار کر لوگوں سے کہنا شروع کیا۔

"عتبہ و شیبہ قتل ہو گئے۔ ابوالحکم یعنی ابو جہل اور امیہ بھی قتل ہو گئے اور سرداران قریش میں سے فلاں فلاں بھی قتل ہو گئے!"

قاصد کے ہوش و حواس پر شبہ ...... ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ فلاں فلاں لوگ گرفتار ہو گئے۔ یہ وحشت ناک خبر صفوان ابن امیہ نے بھی سنی جس کو بطحا کا سردار کہا جاتا تھا اور جو قریش کے سب سے زیادہ فصیح لوگوں میں سے تھا۔ یہ اس وقت حرم میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ (اس نے ابن عبد عمرو کا یقین نہیں کیا بلکہ وہ سمجھا کہ شاید یہ شخص پاگل ہو گیا ہے) اس لئے اس نے لوگوں سے کہا۔

"اگر یہ شخص صحیح الدماغ ہے تو اس سے ذرا میرے بارے میں تو پوچھنا۔"

چنانچہ لوگوں نے ابن عبد عمرو سے پوچھا کہ صفوان کا کیا ہوا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔
"وہ تو یہ سامنے حجر اسود میں بیٹھا ہوا ہے مگر میں نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل ہوتے خود دیکھا ہے!"
ابن عباس کے غلام عکرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو رافع نے ان سے بتایا تھا کہ میں پہلے عباس ابن عبدالمطلب کا غلام تھا۔ یعنی بعد میں حضرت عباسؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہبہ کر دیا تھا آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں اس پر تفصیلی بحث آئے گی (حضرت عباسؓ قریش کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے)۔
غرض حضرت عباس اور ان کی بیوی ام فضل اس وقت مسلمان ہو چکے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد ام فضل پہلی عورت ہیں جو مسلمان ہوئیں جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت عباسؓ کی اولاد ان ہی کے پیٹ سے تھی جو یہ ہیں۔ عبداللہ، عبید اللہ، عبدالرحمٰن، فضل، قثم و معبد اور ام حبیب۔ ام حبیب کے بارے میں ایک کمزور قول ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے سامنے گھٹنیوں چل رہی تھیں تو آپ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔
"اگر اس کے بالغ ہونے کے وقت تک میں زندہ رہا تو میں اس سے شادی کروں گا۔"
مگر پھر ام حبیب کے بالغ ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔
علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ صحابیات میں اس لقب یعنی ام فضل نام کی صرف یہی خاتون تھیں جن سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔
غرض ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں بھی مسلمان ہو چکا تھا اور ہم اپنا اسلام قریش سے چھپایا کرتے تھے کیونکہ حضرت عباس اپنی قوم کو اپنا مخالف بنانا پسند نہیں کرتے تھے اس لئے کہ حضرت عباسؓ بہت دولت مند آدمی تھے اور ان کی دولت کا اکثر حصہ تجارت کے سلسلے میں قریش کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ اس بات کا جواب آگے آئے گا کہ مسلمان ہونے کے باوجود حضرت عباسؓ کیوں گرفتار کئے گئے اور ان کی جان کی قیمت یعنی فدیہ کیوں لیا گیا۔
آگے یہ بھی بیان آئے گا کہ انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے دن کیا تھا۔
غیر انسانی مخلوق کے متعلق خبر اور ابو رافع کی تصدیق...... ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ جب مکے میں یہ خبر پہنچی کہ میدان بدر میں قریش کو ذلت ناک شکست اٹھانی پڑی تو ہمیں اس سے بہت خوشی ہوئی خدا کی قسم ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابو لہب گھسٹتا ہوا آیا اور آکر ہمارے پاس بیٹھ گیا۔ اسی وقت وہاں ابو سفیان ابن حرث آیا جو جنگ بدر میں قریش کے ساتھ شریک تھا۔ ابو لہب نے اسے دیکھتے ہی کہا۔
"میرے پاس آؤ۔ تمہاری کیا خبریں ہیں۔"
ابو سفیان نے کہا۔
"خدا کی قسم بس یوں سمجھ لو کہ جیسے ہی دشمن سے ہمارا ٹکراؤ ہوا تو گویا ہم نے اپنی گردنیں ان کے سامنے پیش کر دیں اور انہوں نے جیسے چاہا ہمیں قتل کرتے رہے اور جیسے چاہا گرفتار کرتے رہے۔ پھر بھی میں لوگوں یعنی قریش کو الزام نہیں دوں گا کیونکہ ہمارا جن لوگوں سے پالا پڑا وہ سفید رنگ کے تھے اور سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار آسمان و زمین کے درمیان پھر رہے تھے۔ خدا کی قسم ان کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔"
ابو رافع کہتے ہیں میں نے یہ سنتے ہی کہا۔

"تب تو خدا کی قسم وہ فرشتے تھے!"

ابو لہب کی ابو رافعؓ پر دست درازی ...... میری بات سنتے ہی ابو لہب نے غصہ میں ہاتھ اٹھا کر پوری طاقت سے میرے منہ پر تھپڑ مارا اور اس کے بعد ابو لہب نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور میرے سینے پر چڑھ کر بے تحاشہ مجھے مارنے لگا۔ ام فضل یعنی میری مالکن بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے ایک لکڑی کا پایہ اٹھایا اور اتنی زور سے ابو لہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ام فضل نے ڈپٹ کر ابو لہب سے کہا۔

"تو اس کو کمزور سمجھ کر مار رہا ہے کہ اس کا آقا یعنی عباسؓ یہاں موجود نہیں ہیں!"

اس طرح ابو لہب ذلیل و خوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

ابو لہب کی عبرت ناک موت ...... جنگ بدر میں قریش کی اس ذلت ناک شکست کے حادثہ کے بعد ابو لہب سات دن بھی زندہ نہیں رہ سکا یہاں تک کہ وہ پھنسی یعنی طاعون کی گلٹی کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ یعنی اس مرض میں گرفتار ہونے سے پہلے سات ہی دن وہ ٹھیک رہا۔

یہ گلٹی مسور کی دال کے دانے جیسی پھنسی ہوتی ہے جو طاعون کی بیماری کی علامت ہے۔ وہ اسی مرض میں مر گیا۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اس کو دبانے کے لئے کوئی گڑھا بھی نہیں کھودا بلکہ اس کو اس کے گھر کے پاس کوڑی پر پھینک کر اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے اور اس کو ڈھانپ دیا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ طاعون کی بیماری نہایت گندی بیماری ہے اور عرب کے لوگ اس بیماری سے بہت ڈرتے تھے وہ اس کو بے حد متعدی اور چھوت کی بیماری سمجھتے تھے۔ اسی لئے جب ابو لہب کو یہ بیماری ہوئی تو اس کے بیٹے بھی اسے چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ چنانچہ وہ اس بیماری میں مرا تو کوئی شخص اس کے پاس نہیں تھا۔ تین دن تک اس کی لاش گھر میں پڑی سڑتی رہی کوئی شخص نہ تو اس کے پاس جانے کی ہمت کرتا تھا اور نہ اس کو دفن کرنے کی جرات کرتا تھا۔ آخر اسی حالت میں اس کی لاش سڑنے لگی اور شدید بدبو پھیلنے لگی۔ اس وقت اس کے بیٹوں کو ڈر ہوا کہ لوگ ان کے باپ کی لاش سڑنے کے لئے چھوڑنے پر برا بھلا کہیں گے اسی لئے انہوں نے اتنا کیا کہ اس کو کھینچ کر کوڑی پر ڈال دیا اور اس پر پتھر پھینک پھینک کر اسے ڈھک دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور ایک لکڑی کے ذریعہ اس کی لاش کو دھکیلتے ہوئے لے گئے پھر لکڑی مار کر اس کو گڑھے میں گرا دیا اور پھر دور کھڑے ہو کر اس گڑھے میں پتھر پھینکے یہاں تک کہ اسے پاٹ دیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب نور میں ہے کہ وہ قبر ابو لہب کی قبر نہیں جو باب شبیکہ کے باہر ہے اور جس پر اب پتھر مارے جاتے ہیں بلکہ وہ قبر ان دو آدمیوں کی ہے جنہوں نے کعبے میں پاخانہ ڈال کر اس کو آلودہ کیا تھا۔ یہ واقعہ عباسی خلافت کے دور کا ہے۔ کہ ایک دن لوگ صبح کو اٹھ کر کعبہ میں گئے تو دیکھا کہ وہاں گندگی پڑی ہوئی ہے۔ لوگوں نے یہ حرکت کرنے والے شخص کی تلاش شروع کی اور پوشیدہ طور پر اس کے لئے گھات لگائی۔ آخر وہ دونوں آدمی چند دن بعد پکڑے گئے۔ ان دونوں کو اس جگہ پھانسی پر لٹکایا گیا اور ان ہی دونوں پر آج تک پتھر مارے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

یہاں پڑھنے والوں کو یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں حج کے دوران کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ تین جگہیں مکہ کے باہر منیٰ میں ہیں اور ان کو جمرات کہا جاتا ہے)۔

مکے میں شکست پر صف ماتم...... غرض جب قریش کی اس ذلت ناک شکست کی خبر پھیلی تو کفار مکہ نے مہینوں اپنے مقتولوں کا نوحہ و ماتم کیا۔ عورتوں میں آہ و فغاں کا شور مچ گیا۔ انہوں نے اپنے بال بکھیر لئے وہ اپنے آدمیوں کے گھوڑوں اور سواریوں کے پاس جاتیں ان پر ماتمی کپڑے ڈھانپ دیتیں پھر ان سواریوں کے گرد نوحہ و شیون کرتیں اور اسی حالت میں گلیوں اور سڑکوں میں نکل آتیں۔

قریش کی طرف سے نوحہ و ماتم پر پابندی...... آخر لوگوں نے عورتوں کو نصیحت کی اور مشورہ دیا کہ ایسا مت کرو۔ یہ باتیں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں تک پہنچیں گی تو ہمارا مذاق اڑائیں گے لوگوں نے عورتوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

ابتداء اسلام میں اسود کی دریدہ دہنی اور دعاء رسول کا اثر...... ہم اپنے مقتولوں پر آنسو نہیں بہائیں گے بلکہ ان کے خون کا انتقام لیں گے۔

اسود ابن زمعہ ابن عبدالمطلب کی جنگ بدر میں تین اولادیں ہلاک ہوئیں تھیں دو بیٹے اور ایک پوتا۔ وہ ان پر رونا اور آنسو بہانا چاہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس کی آنکھیں جاتی رہی تھیں کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزرا یہ اسود جب بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو دیکھتا تو ان کا مذاق اڑاتا اور کہتا۔

"دیکھو یہ تمہارے سامنے روئے زمین کے بادشاہ پھر رہے ہیں جو قیصر و کسریٰ کے ملکوں کو فتح کریں گے۔"

یہ آنحضرت ﷺ سے ایسی باتیں کہتا جن سے آپ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے اس کو اندھا ہو جانے کی بددعا دی۔ اس کی تفصیل اور اندھے ہونے کا واقعہ گزشتہ قسطوں میں بیان ہو چکا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسود کو یہ بددعا دی تھی کہ وہ اندھا ہو جائے اور اس کی اولاد ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کے اندھا ہونے کی دعا قبول فرمائی اور اس کے بعد جنگ بدر کے موقعہ پر اس کو یہ صدمہ پہنچا کہ اس کے بیٹے کی موت کی خبر آئی یعنی زمعہ کی جوان تین لوگوں میں سے ایک تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے قریشی لشکر کے سواروں کو زاد راہ دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ دوسرے اسود کے بھائی عقیل اور حرث تھے کیونکہ وہ دونوں کفر کی حالت میں غزوہ بدر کے موقعہ پر قتل ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

غرض چونکہ جنگ بدر کے بعد مشرکوں کی طرف سے اپنے مقتولین پر ماتم سرائی کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی اس لئے یہ اسود ابن زمعہ رونا چاہنے کے باوجود نہیں رو سکتا تھا۔ ایک رات جبکہ وہ اپنے گھر میں پڑا ہوا تھا اس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سنی تو فوراً اپنے غلام سے کہا۔

"ذرا دیکھو تو کیا رونے اور ماتم کرنے کی اجازت ہو گئی ہے۔ کیا قریش نے اپنے مقتولوں پر رونا شروع کیا ہے۔ شاید میں بھی رو سکوں کیونکہ ایسا لگتا ہے جیسے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے!"

غلام فوراً دیکھنے گیا کہ کیا ماجرا ہے مگر اس نے واپس آکر کہا۔

"کوئی عورت اپنے اونٹ کے گم ہو جانے پر رو رہی ہے۔"

اسود نے یہ سنا تو فوراً یہ شعر پڑھے۔

اتبکی ان یضل لھا بعیر
ویمنعھا من النوم السھود

ترجمہ: کیاوہ عورت اس لئے رو رہی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ زات رات بھر بے خواب اور بے چین رہتی ہے۔

فلا تبکی علی بکر و لکن
علی بدر تقا صرت الجدود

ترجمہ: اسے چاہئے کہ وہ لونٹ کو رونے کے بجائے جنگ بدر کو روئے جس نے خوشیوں اور مسرتوں کو کاٹ ڈالا ہے۔

یہاں پہلے شعر میں سہود کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی بے خوابی کے ہیں۔ اسی طرح بکر نوجوان لونٹ کو کہتے ہیں۔ جدود جد کی جمع کے معنی خوشی اور نشاط اور خوش بختی کے ہیں۔ ان دو شعروں کے بعد ایک شعر اور ہے۔

الاقد ساد بعد ھمو رجال
ولا لا یوم بدر لم یسودوا

ترجمہ: کیا اس آفت کے اور لوگوں کو تباہ کرنے کے بعد کچھ لوگ سردار نہیں بن گئے۔ اگر جنگ بدر نہ ہوتی توان کو سرداری کہاں سے ملتی۔

اس شعر میں اس نے ابوسفیان پر طنز کیا ہے کیونکہ قریش کا سردار و سرغنہ وہی بن گیا تھا۔

مدینے میں مشرک قیدیوں کے متعلق مشورہ...... (قال) جنگ بدر کے بعد جو مشرک قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان کے متعلق بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ یہ اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے قیدیوں کے بارے میں سوال فرمایا۔ آپ نے فرمایا تھا۔

"ان قیدیوں کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تمہیں قابو عطا فرمایا ہے!"

مگر یہ بات اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ جس نے جس شخص کو گرفتار کیا ہے وہ اسی کا ہوگا (کیونکہ جب یہ واضح اعلان موجود تھا تو اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی) اس سلسلے میں ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قیدی کا گرفتار کرنے والے کا ہونے سے مراد یہ تھی کہ اس کو اختیار ہے چاہے وہ اس قیدی کو قتل کردے اور چاہے اس سے جان کی قیمت لے کر اسے چھوڑ دے۔

یہ بات غالباً اس گزشتہ روایت کے خلاف بھی نہیں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے نضر ابن حرث کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت مقداد نے جنہوں نے نضر کو گرفتار کیا تھا رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو میرا قیدی ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا تھا کہ یہ شخص کتاب اللہ کے بارے میں بیہودہ باتیں کرتا تھا۔

صدیق اکبر کی طرف سے جان بخشی کا مشورہ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔

ایک روایت میں حضرت علیؓ کے بجائے عبداللہ ابن جحش کا نام ہے۔ غرض آپ نے ان حضرات سے

مشورہ فرمایا کہ آیاان قیدیوں کو قتل کرنا مناسب ہو گایاان کا فدیہ یعنی جان کی قیمت لینی مناسب ہو گی اس پر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

یار سول اللہ۔ یہ لوگ آپ کے خاندان اور قوم کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہ لوگ آپ کے دادھیالی اور آپ کے خاندان کے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح اور ان لوگوں پر کامیابی عطا فرمائی ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو زندہ رہنے دیں اور ان لوگوں سے فدیہ لے لیں۔ اس صورت میں ہم جو کچھ ان سے لیں گے اس سے کفار کے مقابلے میں ہماری قوت میں اضافہ ہو گا۔ اور پھر یہ بھی امید ہے کہ (آپ کے اس احسان کے نتیجہ میں) ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت میسر ہو جائے اور اس طرح یہ لوگ ہمارا زور بازو بن جائیں۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"اے ابن خطاب! تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو۔"

فاروق اعظمؓ کی طرف سے قتل کا مشورہ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یار سول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ کو وطن سے نکالا اور آپ سے جنگ کی۔ اس لئے ابو بکرؓ کی جو رائے ہے میں اس سے متفق نہیں ہوں بلکہ میری رائے یہ ہے کہ ان قیدیوں میں جو میرے رشتے دار ہیں ان کو میرے حوالے فرمادیجئے تاکہ میں ان کی گردن ماردوں۔ علیؓ کا جو بھائی عقیل ہے اس کو علیؓ کے حوالے فرمائیے تاکہ اس کی گردن وہ ماردیں۔ حمزہؓ کا جو بھائی ہے یعنی عباس اس کو حمزہ کے حوالے کیجئے کہ اس کی گردن وہ ماردیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ مشرکوں کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی محبت نہیں ہے۔ میری رائے یہ نہیں ہے کہ آپ ان کو قیدی بناکر رکھیں بلکہ ان کی گردنیں ماردیجئے یہ قریش کے سرغنے اور ان کے سرگروہ ہیں۔

ابن رواحہ کی طرف سے آگ میں جلانے کا مشورہ...... عبداللہ ابن رواحہ نے کہا تھا۔

"کوئی ایسی وادی تلاش کرو جس میں بہت زیادہ لکڑیاں یعنی خشک درخت اور ٹہنیاں ہوں اور وہاں ان سب کے اوپر آگ دہکادو۔"

حضرت عباس نے جو اس وقت خود قیدی تھے اور یہ باتیں سن رہے تھے ابن رواحہ کا یہ مشورہ سن کر فوراً کہا۔

"تیرے رشتے دار خود برباد ہو جائیں۔"

صدیق اکبر و فاروق اعظم کے متعلق ارشادات رسول...... غرض یہ مشورے سن کر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ آپ گھر میں چلے گئے۔ اب لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہونے لگیں کسی نے کہا کہ آپ حضرت ابو بکرؓ کا مشورہ مانیں گے کسی نے کہا عبداللہ ابن رواحہ کا مشورہ مانیں گے مگر یہ کسی نے نہیں کہا کہ آپ حضرت عمرؓ کا مشورہ مانیں گے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کے قلب اتنے نرم و ملائم بنادیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے دل اتنے سخت فرمادیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابو بکر! فرشتوں میں تمہاری مثال میکائیل علیہ السلام کی سی ہے جو رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں!"

غالباً میکائیل علیہ السلام رحمت کے بغیر کبھی زمین پر نہیں اترتے۔ لہٰذا اب یہ بات اس روایت کے

خلاف نہیں رہی جس کے مطابق حضرت جبرئیل ؑ کبھی رحمت لے کر بھی نازل ہوتے ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ میری امت میں میرے امتی کے ساتھ سب سے زیادہ نرم دل ابو بکرؓ ہیں۔ غرض پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اور (اے ابو بکر) پیغمبروں میں تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جو یہ فرماتے تھے کہ جس نے میری پیروی اور اطاعت کی وہ مجھ سے وابستہ ہے اور جس نے میری خلاف ورزی کی تو اے اللہ اس کے لئے تو معاف فرمانے والا اور رحمت والا ہے۔ اور اے ابو بکر۔ پیغمبروں میں ہی تمہاری مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اگر تو ان (سرکشوں کو) عذاب دیتا ہے تو بہر حال وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرماتا ہے تو بڑا غالب حکمت والا ہے جس کو چاہے معاف کر دے تیری معافی حکمت سے خالی نہیں ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے جو یہ ہے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ الآیہ پ ۷ سورہ مائدہ ع ۱۶ آیت ۱۱۸

ترجمہ: اگر آپ ان کو سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

ایک قول ہے کہ اس آیت میں فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ مشکلات فواصل میں سے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ کے بعد فَاِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ہونا چاہئے جس کے معنی ہیں کہ۔ کیونکہ آپ نہایت معاف فرمانے والے اور نہایت رحمت والے ہیں۔

اس سلسلے میں عزیز اور حکیم کی تفسیر کرتے ہوئے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ عزیز کے معنی ہیں وہ ذات جس کے اوپر کوئی دوسرا غالب نہ ہو اور عذاب کے مستحق شخص کو صرف وہی ذات معاف کر سکتی ہے جس کے اوپر کوئی دوسری ایسی طاقت نہ ہو جو اس کے حکم اور فیصلہ کو ختم کر سکے۔ اور حکیم سے مراد وہ ذات ہے جو ہر کام کو اس کی صحیح جگہ میں کرے (یعنی انتہائی حکمت اور دانائی والا کہ اس کا کوئی کام غلط نہ ہو۔ لہذا اس تفسیر کے بعد ظاہر ہے کہ اس آیت میں عَزِيْز اور حَكِيْم کے لفظ ہی آنے چاہئیں۔

غرض آنحضرت ﷺ نے پھر حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور اے عمر! ملائکہ میں تمہاری مثال جبرئیل علیہ السلام کی سی ہے جو جب بھی زمین پر اترتے ہیں تو اللہ کے دشمنوں کے حق میں سختی اور شدت و مصیبت لے کر اترتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ زیادہ تر جبرئیل علیہ السلام سختی و شدت لے کر ہی اترتے ہیں۔ لہذا یہ بات اس قول کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ کبھی کبھی جبرئیل علیہ السلام رحمت لے کر بھی اترتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ پھر آپ نے آگے فرمایا۔

"اور (اے عمر) پیغمبروں میں تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا کہ

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا الآیہ پ ۲۹ سورہ نوح ع ۲ آیت ۲۶

ترجمہ: اے میرے پروردگار کافروں میں سے زمین پر ایک بھی باشندہ مت چھوڑ۔

اور نبیوں ہی میں تمہاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ الآیہ پ ۱۱ سورہ یونس ع ۹ آیت ۸۸
ترجمہ: اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو زیادہ سخت کر دیجئے جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کے مستحق ہو کر اس کو دیکھ لیں۔
علامہ جلال سیوطی نے خصائص صغریٰ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے صحابہ میں وہ بھی ہیں جو جبرئیل علیہ السلام سے مشابہ ہیں اور وہ بھی ہیں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت یوسفؑ اور لقمان حکیم اور صحاب لیس سے مشابہ ہیں۔ یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے۔
گزشتہ روایت میں حضرت ابو بکرؓ کو میکائیل علیہ السلام کے مشابہ بھی قرار دیا گیا ہے مگر علامہ سیوطیؒ نے میکائیل علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کیا۔ ادھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آپ کے صحابہ میں یوسف علیہ السلام سے مشابہ کون ہے۔ مگر ہم نے گذشتہ سطروں میں قریب ہی میں ذکر کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام سے مشابہ حضرت عثمان ہیں۔ مگر پھر بھی یہ بات قابل غور رہتی ہے کہ آپ کے صحابہ میں لقمان حکیم اور صاحب لیس سے مشابہ کون لوگ ہیں۔
غرض حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق یہ ارشاد فرمانے کے بعد پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔
"اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہاری رائے کی مخالفت نہ کرتا اور ان میں سے کوئی بھی اس کے بغیر نہ بچتا کہ یا تو اس کو فدیہ دینا پڑتا (یعنی اپنی جان کی قیمت ادا کرنی ہوتی) اور یا اس کی گردن ماردی جاتی۔
آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک اور موقعہ پر بھی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی رائے میں ایک دوسرے میں اختلاف ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ بنی تمیم پر دو آدمیوں میں سے ایک کو بنی تمیم کا والی بنانا چاہتے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائیں مختلف رہیں کہ ان میں سے ایک نے کسی کی تائید کی اور دوسرے نے کسی اور کے نام کی رائے دی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کو ان لوگوں پر عامل یعنی امیر بنائیے۔ اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں کو ان کا عامل بنائیے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"اگر تم دونوں ایک رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہارے مشورے پر عمل کرتا مگر کبھی کبھی میرے لئے تم دونوں کا مشورہ مختلف ہو جاتا ہے۔
تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
آیت ۱
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ الآیہ پ ۲۶ سورہ حجرات ع ۱
ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور رسول کی اجازت سے پہلے تم سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب اقوال کو سننے والا اور تمہارے سب افعال کو جاننے والا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے متعلق قرآن پاک سے جو مثالیں دیں ان سے یہ

دلیل لی جاتی ہے کہ قرآن پاک سے مثال دینا جائز ہے یعنی یہ بات اس صورت میں جائز ہے کہ مذاق کے معاملے اور لغویات میں یہ مثال نہ دی جائے۔ ورنہ قرآن پاک کی آیات سے مثال دینا جائز ہے۔

ادھر بدر کے قیدیوں کے متعلق حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے درمیان جو رائے کا اختلاف ہوا ہے تو اس سے اس گزشتہ قول پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس میں صحابہ کو مختلف انبیاء سے نسبت دی گئی ہے مگر رائے کا اختلاف صرف ان ہی دونوں حضرات کا قابل ذکر سمجھا گیا ہے) کیونکہ اس قول میں صحابہ سے مراد صرف یہی دونوں حضرات ہیں۔

اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مشورہ میں حضرت علیؓ کو یا حضرت عبداللہ ابن جحش کو بھی شریک کیا گیا مگر ان کی رائے کا کوئی ذکر نہیں ہے تو ممکن ہے ان کی رائے حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ میں سے کسی ایک کے موافق رہی ہو یعنی انہوں نے ان میں سے کسی کی رائے کی تائید کی ہو اسلئے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ ادھر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کی رائے علیحدہ سے ذکر کی گئی ہے حالانکہ وہ مشورہ میں شامل بھی نہیں تھے (مگر اس کا جواب بھی وہی ہے کہ ان کی چونکہ ایک علیحدہ اور مستقل رائے تھی اس لئے اس کو علیحدہ بیان کیا گیا)۔

امام احمدؒ نے یوں لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور وہی جملہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر تمہیں قابو عطا فرمایا ہے (لہٰذا بتاؤ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے) اس پر حضرت عمر نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں مار دی جائیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قابو عطا فرمایا ہے اور یہ لوگ کل تک تمہارے بھائی بند تھے!"

اس پر پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے وہی مشورہ دیا کہ ان کی گردنیں اڑا دیجئے۔ آپ نے پھر ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور تیسری مرتبہ وہی جملہ فرمایا اور لوگوں سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ مانگا۔ تب حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہماری رائے ہے کہ آپ ان کو معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ لے لیں!"

قیدیوں کی جان بخشی اور فدیہ کا اعلان...... یہ رائے سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے غم کا غبار چھٹ گیا اور آپ نے ان لوگوں کی جان بخشی فرما دی اور ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا اگلے دن حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں رو رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ دونوں کس لئے رو رہے ہیں۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس بات پر رو رہے ہیں۔ تاکہ اگر رونے کی بات ہے تو میں بھی روؤں ورنہ آپ کی گریہ وزاری میں شرکت کے لئے رونے کی کوشش کروں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

جان بخشی پر عتاب خداوندی...... "ابن خطاب! تمہاری رائے کی مخالفت کرنے میں اللہ تعالیٰ کا زبردست عذاب ہمارے سامنے پیش کیا گیا۔ اگر یہ عذاب خداوندی نازل ہوتا تو سوائے ابن خطاب کے یعنی سوائے تمہارے کوئی نہ بچتا!"

مسلم اور ترمذی میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"تمہارے ساتھیوں پر فدیہ لینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب پیش کیا گیا اس پر روتا ہوں۔"

یعنی چونکہ تمہارے ساتھیوں نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی رائے دی تھی اس لئے اس کے نتیجہ میں ان کا عذاب میرے سامنے اس درخت سے بھی قریب پیش کیا گیا۔ آپ نے یہ بات اس درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمائی جو آپ کے قریب تھا۔ اس عتاب کے سلسلے میں جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ الآیات پ ۱۰ سورہ انفال ع ۱۰ آیت ۶۷ تا ۷۰

ترجمہ: نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح کفار کی خوں ریزی نہ کر لیں۔ تم تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کی مصلحت کو چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔ سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔ اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہو گا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے دنیا میں اس سے بہتر تم کو دیدے گا اور آخرت میں تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ پیغمبروں کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے کیونکہ ان آیات میں جو عتاب ہے وہ نہ تو اس بات پر عمل کرنے سے ہو سکتا ہے جو وحی کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور نہ صحیح فیصلے پر ہوتا ہے بلکہ جب فیصلے میں غلطی ہوتی ہے تو اس پر ان کو چھوڑا نہیں جاتا بلکہ صحیح بات کی طرف تنبیہ کی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں علامہ سبکی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ما کان لنبی غیرک یعنی آپ کے سوا یہ شان کسی نبی کی نہیں رہی۔ مگر اس سلسلے میں جو اشکال ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔

بعض علماء نے کچھ اس طرح لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ جو نبی گزرے ہیں ان کے حق میں یہ جائز تھا کہ وہ کسی غلطی پر برقرار رہ جائیں کیونکہ غلطی کرنے والے کے بعد جو نبی آنے والا ہے وہ اس کی غلطی کو واضح کر سکتا ہے جبکہ اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جو آپ کی غلطی کو واضح کر سکے لہذا آپ کے لئے کسی غلطی پر برقرار رہ جانا جائز یا ممکن نہیں ہے (مگر یہ اسی اجتہاد کی صورت میں ہے جس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے)۔

مگر اس بارے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ دوبارہ اس عالم میں آنے

والے ہیں اور ان پر وحی بھی نازل ہو گی۔ (لہٰذا ان بعض علماء کا یہ قول سرے سے ہی غلط ہو جاتا ہے)۔

بعض علماء نے انبیاء سے غلطی کے سرزد ہونے اور پھر اس پر برقرار جانے کے سلسلے میں کلام کیا ہے کہ یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہے کیونکہ غلطی کو محسوس کر لینے والا جو ہو گا اس کے وجود سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غلطی کرانے والے اسباب ان میں موجود نہ ہوں۔ اس طرح اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ غلطی کو محسوس کریں ان سے غلطی کا واقع ہونا اور اس پر عمل کر لینا ممکن ہے۔ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے اجتہاد صرف جنگ کے وقت ہی جائز نہیں تھا بلکہ مطلقاً یعنی کسی وقت بھی جائز تھا۔

ان آیات میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے آنحضرت ﷺ نے صرف حضرت عمرؓ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ عمرؓ کے سوا سب اس عذاب کی لپیٹ میں آ جاتے (کیونکہ حضرت عمرؓ کی پہلے ہی یہ رائے تھی قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کے بجائے قتل کر دیا جائے) بہر حال صرف حضرت عمرؓ کو مستثنیٰ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی تمام صحابہ حضرت ابو بکرؓ کی اس رائے سے متفق تھے کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ نیز یہ کہ سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی مخالفت کی تھی کہ قیدیوں کی گردنیں مار دی جائیں۔ ادھر گزشتہ صفحات میں یہ بات حضرت سعد ابن معاذؓ کے متعلق بھی گزر چکی ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر کے دوران حضرت عمرؓ سے بھی پہلے اس بات کو ناپسند کیا تھا کہ مشرک قیدیوں کو زندہ چھوڑا جائے۔ کیونکہ پیچھے گزرا ہے کہ جب مسلمان مشرکوں کی شکست کے بعد ان کو گرفتار کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذ کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر مسلمانوں کے اس فعل کی وجہ سے ناگواری کے آثار تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایسا لگتا ہے تمہیں مسلمانوں کی یہ حرکت ناگوار ہے کہ وہ مشرکوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا بے شک یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ پہلی جنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکوں سے لڑنے کا موقع عطا فرمایا اور فتح عطا فرمائی۔ اس لئے میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان سب کا خون بہا دیا جائے بہ نسبت اس کے کہ ان کو زندہ رکھا جائے۔ چنانچہ اسی بناء پر آگے آنے والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے ابن خطاب یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا۔

اس بارے میں ایک شبہ یہ ہوتا ہے جیسا کہ بیان ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے بھی قیدیوں کو چھوڑنے کی نہ صرف مخالفت کی تھی بلکہ یہ رائے دی تھی کہ ان سب کو آگ میں جلا دیا جائے (مگر عذاب سے جن کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان میں ابن رواحہ کا نام نہیں ہے)۔

قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق اللہ کی طرف سے مشروط اختیار...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں یہ روایت ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا۔

"اگر آپ لوگ چاہیں تو ان قیدیوں سے فدیہ لے سکتے ہیں (یعنی اپنے صحابہ کو یہ اختیار دیدیں) مگر یہ شرط رکھ دیں کہ اس کے بعد یعنی آئندہ سال تم میں سے ستر آدمی شہید کئے جائیں گے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لوگوں کو بلانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ سب صحابہ یا ان میں سے اکثر جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

"یہ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں جو تمہیں یہ اختیار دے رہے ہیں کہ چاہے تو تم آگے بڑھ کر ان

قیدیوں کو قتل کر دو اور چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دو مگر فدیہ لینے کی صورت میں یہ شرط ہے کہ آئندہ سال تم میں سے اتنی ہی تعداد کو شہید کیا جائے گا۔"

صحابہ نے عرض کیا۔

"نہیں ہم ان سے فدیہ ہی لیں گے تاکہ اس طرح اس کے ذریعہ ان کے مقابلے میں ہماری طاقت مضبوط ہو اور پھر آئندہ سال ہم میں سے ستر آدمی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آئندہ سال ہم میں سے اسی تعداد میں شہید ہو جائیں گے۔"

اس دوسری روایت کے الفاظ کے بعد اس روایت میں کوئی شبہ کی بات نہیں رہتی۔ بہر حال اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی تائید کی تھی کہ قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے ان سے فدیہ لے لیا جائے۔

اب جہاں تک جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ اختیار لانے کا تعلق ہے تو شاید یہ اس مشورہ کے بعد نازل ہوا جس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا اپنا مشورہ دیا تھا اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کے رونے کا جو واقعہ پیش آیا وہ شاید اس دوسرے مشورہ کے بعد کا ہے۔

کتاب ھُدٰی کے مصنف نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے رونے کا سبب آپ کی رحمت و شفقت تھی اور یہ خوف تھا کہ یہ عذاب عام ہو گا خاص ان ہی لوگوں پر اس کا اثر نہیں ہو گا جن کے لئے یہ نازل ہو گا۔ اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ لینے کی رائے تمام صحابہ کی نہیں تھی بلکہ ان میں صرف ایک جماعت کی تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر اب اس روایت میں اشکال ہوتا ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے ابن خطابؓ اور سعد ابن معاذؓ کے کوئی اس سے نہ بچتا۔ کیونکہ اس ارشاد میں صراحت موجود ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو وہ عام نہ ہوتا اور اس سے صرف وہی متاثر ہوتے جنہوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا۔

یہاں ایک شبہ اور اشکال اور ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا انہوں نے حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار میں سے زیادہ سے زیادہ یہ کیا تھا کہ صلح کے علاوہ دوسری صورت اختیار کر لی تھی جو اختیار کے دو پہلوؤں میں سے ایک تھا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل اور فدیہ میں سے ایک بات کو قبول کرنے کا اختیار دیدیا گیا تھا) اور صلح کے علاوہ دوسری صورت کو قبول کرنے میں عذاب ضروری نہیں ہوتا کیونکہ فدیہ قبول کرنے کا جائز ہونا حضرت عبداللہ ابن جحش کے اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے جس میں عمرو ابن حضرمی قتل ہوا تھا کیونکہ اس واقعہ میں عثمان ابن مغیرہ اور حکم ابن کیسان گرفتار ہوئے تھے۔ (جن کا فدیہ قبول کر کے انہیں رہا کر دیا گیا تھا) مگر حق تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا تھا۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے ایک سال سے بھی زیادہ پہلے کا ہے (جس کی تفصیل آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہموں میں بیان ہو گی)۔

اب اس شبہ کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ غزوہ بدر میں چونکہ قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اس میں مشرکوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بہت شدید جنگ کی تھی اس لئے یہاں فدیہ قبول نہ کرنے کا حکم دے کر حق تعالیٰ کو اس واقعہ کی عظمت کا اظہار مقصود تھا۔

کتاب مواہب میں اس آیت پر جو بحث ہے وہ قابل غور ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ حضرت ابن

عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے۔

"اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنے نافرمانوں کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان کے لئے حجت تمام نہ کر دوں تو تمہارے فدیہ قبول کرنے پر تم پر کوئی بڑا عذاب واقع ہوتا۔"

اعمش سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ کا نوشتہ جو مقدر ہو چکا تھا یہ تھا کہ وہ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دے گا۔ چنانچہ ایک حدیث جو آگے بیان ہوگی کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میرا بھتیجا منافق ہو گیا ہے۔ یعنی مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"وہ غزوہ بدر کے شریک ہونے والوں میں سے ہے اور تمہیں کیا معلوم بے شک اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر نظر کرم فرمائی ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ جو چاہے کرو تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم

اب اس بات سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگلے سال یعنی غزوہ احد میں مسلمانوں میں سے ستر مجاہد قتل ہوئے حالانکہ ان میں سے چند قیدی جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے قید کی حالت میں ہی اس سے پہلے مر گئے تھے اور ان سے فدیہ بھی نہیں لیا جا سکا تھا جیسے مالک ابن عبید اللہ جو طلحہ ابن عبید اللہ کا بھائی تھا اور بعض کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ شبہ اس لئے نہ ہونا چاہئے کہ جو چیز حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ تھی وہ ان ستر آدمیوں کو قتل نہ کرنا تھا جو قیدی بنائے گئے تھے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۷ ا آیت ۱۶۵

ترجمہ: اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس سے دو حصے تم جیت چکے تھے تو کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو کہ یہ کدھر سے ہوئی۔

اس ارشاد کے مخاطب اصحاب احد ہیں یعنی بدر کے دن جتنا نقصان تم نے مشرکوں کو پہنچایا تھا اتنے ہی تمہارے آدمی غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ کہ ستر شہید ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ واللہ اعلم

ابو وداعہ کی رہائی اور فدیہ کی پہلی وصولیابی ...... قریش نے آپس میں یہ طے کیا کہ قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ کی بات چیت میں جلدی نہ کرنی چاہئے تاکہ محمد ﷺ اور ان کے صحابہ فدیہ کی رقم بڑھا چڑھا کر نہ مانگ بیٹھیں۔ مگر مطلب ابن ابی وداعہ سہمی نے قریش کے اس فیصلہ کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ خاموشی کے ساتھ رات کو مکے سے روانہ ہو کر مدینے پہنچا اور چار ہزار درہم دے کر اپنے باپ کو چھڑا لے گیا۔

جب یہ ابو وداعہ بدر میں قید ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"مکے میں اس کا ایک بیٹا ہے جو بہت مالدار تاجر ہے۔ وہ اپنے باپ کو فدیہ دے کر چھڑاتے کے لئے تمہارے پاس آئے گا۔"

اس طرح ابو وداعہ پہلا قیدی ہے جس کو فدیہ لے کر مسلمانوں نے رہا کیا۔ ابو وداعہ کا نام حرث تھا اور صحابہ میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ زبیر ابن بکار کہتے ہیں لوگوں کا خیال تھا کہ جب آنحضرت ﷺ مکے میں تھے تو ابو وداعہ آپ کا تجارتی شریک تھا۔ مگر مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شریک سائب ابن ابو سائب

تھے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ جب لوگ ان کی تعریفیں کرنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔
"میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ میرے شریک ہیں اور بہت اچھے شریک ہیں جو نہ فریب کرتے تھے اور نہ دھوکہ دیتے تھے!"

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق یہ فرمایا تو انہوں نے کہا۔
"آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے سچ فرمایا۔ میں آپ کا شریک تھا اور بڑے بہترین ساتھی کا شریک تھا جو نہ دھوکہ دیتا تھا اور نہ فریب کرتا تھا۔"

غرض اس کے بعد پھر تمام قریشیوں نے قیدیوں کے فدیہ کے لئے بات چیت کی۔ فدیہ ہر شخص کی مالی حیثیت کے مطابق رکھا گیا۔ چنانچہ فدیہ کی رقم چار ہزار سے تین ہزار درہم تک بھی تھی اور دو ہزار درہم سے ایک ہزار درہم تک بھی تھی۔

نادار قیدیوں کی رہائی کے لئے شرط...... کچھ لوگ ایسے تھے جن کا کوئی فدیہ نہیں ملا یعنی ان کے پاس مال ہی نہ تھا تو ان کی آزادی کی یہ شرط رکھی گئی کہ اگر وہ اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتا ہے تو مدینے کے لڑکوں میں سے دس دس لڑکے اس کے سپرد کئے گئے تاکہ وہ ان کو لکھنا سکھلائے یعنی جب وہ لڑکے لکھنا سیکھ جائیں گے تو یہی اس قیدی کا فدیہ ہو جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کی احسان شناسی...... جبیر ابن مطعم جب کافر تھے تو بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کے پاس درخواست اور سفارش کرنے کے لئے آئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
"اگر تمہارا بزرگ یا تمہارے باپ کا بزرگ زندہ ہوتا اور وہ ہمارے پاس ان قیدیوں کی سفارش لے کر آتا تو ہم اس کی سفارش قبول کر لیتے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر مطعم زندہ ہوتا اور ان لوگوں کے لئے مجھ سے بات کرتا۔"
ایک روایت کے لفظ ہیں کہ۔ اگر ان قیدیوں کی سفارش کرتا۔ تو میں اس کے لئے ان سب کو چھوڑ دیتا۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ مطعم ابن عدی نے آنحضرت ﷺ کو مکے کے دشمنوں سے اس وقت پناہ دی تھی جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تھے۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کے خلاف قریش نے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کر کے جو تحریر حرم میں لٹکائی تھی اس کو پھاڑنے کے سلسلے میں بھی مطعم نے بہت کوشش کی تھی جیسا کہ اس کی تفصیلات گزر چکی ہے۔

ان قیدیوں میں امیر معاویہ کا بھائی عمرو ابن ابوسفیان ابن حرب بھی تھا۔ اس کو حضرت علیؓ نے گرفتار کیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے ابوسفیان سے کہا کہ اپنے بیٹے کا فدیہ دے کر اسے رہا کرا لو۔ تو ابوسفیان نے کہا۔

ابوسفیان کا بیٹے کو چھڑانے سے انکار...... اس کا مطلب ہے کہ ان کے یعنی مسلمانوں کے ذمہ میرا ایک خون بھی باقی رہے اور اب میں ان کو فدیہ کی رقم بھی دوں۔ انہوں نے حنظلہ یعنی ابوسفیان کے بیٹے کو قتل کیا۔ جو ام لمومنین حضرت ام حبیبہ کا سگا بھائی تھا۔ اور اب میں دوسرے بیٹے عمرو کے لئے ان کی فدیہ کی رقم دوں اسے ان کے ہاتھوں میں رہنے دو جب تک جی چاہے قید رکھیں!"

بیٹے کے بدلے ابوسفیان کے ہاتھوں ایک مسلمان کی گرفتاری...... اسی دوران میں اچانک ابو

سفیان نے سعد ابن نعمان کو دیکھا جو مدینہ سے عمرہ کرنے کے لئے مکے آئے تھے۔ یہ مدینے کے خاندان بنی عمرو ابن عوف سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوسفیان نے جیسے ہی سعد کو دیکھا اس نے جھپٹ کر ان پر حملہ کیا اور ان کو اپنے بیٹے کے بدلے میں پکڑ کر قید کرلیا۔

ابوسفیان کے بیٹے کی رہائی...... بنی عمرو ابن عوف کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سعد ابن نعمان کے واقعہ کی اطلاع دے کر آپ سے درخواست کی کہ عمرو ابن ابوسفیان کو ہمارے حوالے کردیا جائے تاکہ ہم اس کو چھوڑ کر اس کے بدلے میں سعد کو رہا کرائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمرو کو بنی عمرو ابن عوف کے حوالے کردیا۔ انھوں نے اپنے آدمی کے ساتھ عمرو کو مکے بھیجا جس پر ابوسفیان نے سعد کو آزاد کردیا۔

ان قیدیوں میں جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے اس میں اس عمرو کا نام نہیں آتا۔ بظاہر یہ کفر و شرک کی حالت میں ہی مرا ہے۔

قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے داماد...... ادھر ان ہی قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے داماد (یعنی آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص ابن ربیع بھی تھے۔ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ابوالعاص کو آنحضرت ﷺ کا ختن یعنی داماد کہا گیا ہے۔ یہ اس بناء پر کہ عوام میں بیٹی کے شوہر کو ختن کہا جاتا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ ختن بیوی کے قریبی رشتے داروں کو کہتے ہیں یعنی سسرال کو جیسے بیوی کا باپ اور بھائی وغیرہ ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کو ابوالعاص یا حضرت علیؓ کا ختن کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ نقص کا شائبہ ہے۔

میری معلومات کے مطابق امام مالکؒ کے یہاں تو یہاں تک سختی ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو یتیم ابوطالب کہا (یعنی ابوطالب کی پرورش میں رہنے والے یتیم!) اور حضرت علیؓ کا ختن کہا تو وہ شخص مرتد یعنی خارج از اسلام ہوگا۔ اس قول میں یتیم ابوطالب اور ختن حیدرہ ہے یعنی اور کا لفظ ہے اور ایک روایت میں اور کے بجائے یا کا لفظ ہے یعنی یتیم ابوطالب یا ختن حیدرہ کہا۔ گویا ان میں یا والی روایت اور بھی زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور والی روایت میں بھی جمعیت مراد نہیں ہے کہ اگر دونوں باتیں کسی نے کہیں تو وہ مرتد ہوجائے گا بلکہ مراد یہی ہے کہ ان دونوں کلموں میں سے کوئی ایک بھی کہا تو مرتد ہوجائے گا۔ جہاں تک لفظ حیدرہ کا تعلق ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

غرض یہ ابوالعاص بعد میں مسلمان ہوگئے تھے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی یعنی اپنی بیوی حضرت زینبؓ کی خالہ کے بیٹے بھی تھے یعنی ہالہ بنت خویلد کے بیٹے جو حضرت خدیجہ بنت خویلد کی بہن تھیں۔

ابوالعاص کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی لاڈلی نواسی...... ابوالعاص کے یہاں حضرت زینبؓ کے پیٹ سے ایک بیٹا بھی ہوا تھا جس کو فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا رکھا تھا اس بچے کا انتقال اس وقت ہوا جب یہ مراہق یعنی سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب تھا۔ اسی طرح ابوالعاص کے یہاں حضرت زینبؓ کے پیٹ سے ایک بیٹی بھی ہوئی تھی جس کا نام امامہ تھا اور جس کو آنحضرت ﷺ نماز کے وقت گود میں لے کر آتے تھے اور جس سے آنحضرت ﷺ بے حد محبت فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو ایک ہدیہ پیش کیا گیا جس میں لکڑی کا ایک ہار تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"میں یہ ہار اس کو دوں گا جو اپنے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے!"

آنحضرت ﷺ کی ازواج یہ سن کر کہنے لگیں کہ تب تو یہ ہار ابی قحافہ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہؓ کو ملے گا مگر آنحضرت ﷺ نے اپنی نواسی حضرت امامہ کو بلایا اور خود اپنے دست مبارک سے یہ ہار ان کے گلے میں پہنایا۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد جو حضرت امامہ کی خالہ تھیں ان کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے ان سے شادی کرلی۔ ان کی شادی حضرت زبیر ابن عوام نے کی کیونکہ حضرت امامہ کے والد حضرت ابوالعاص ان کو حضرت زبیر کے سپرد کر گئے تھے۔ پھر حضرت علیؓ کا انتقال ہو گیا تو مغیرہ ابن نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب نے ان سے شادی کرلی اور ان ہی کے نکاح میں حضرت امامہ کا انتقال ہوا۔ مغیرہ سے ان کی شادی حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق ہوئی تھی کیونکہ جب حضرت علیؓ کا آخر وقت ہوا تو انہوں نے حضرت امامہؓ سے کہا۔

"مجھے خطرہ ہے کہ میرے بعد معاویہ تم سے رشتہ بھیجے گا۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ وہ سر کش میری موت کے بعد تم سے اپنا رشتہ بھیجے گا۔ لہذا اگر تمہیں کسی سے وابستہ ہونے کی ضرورت ہی پیش آئے تو میری خوشی مغیرہ ابن نوفل کے ساتھ تمہارے نکاح کر لینے میں ہوگی۔"

اس کے بعد جب حضرت علیؓ کی وفات ہو گئی تو امیر معاویہ نے مروان کے پاس کہلایا کہ (امامہ سے) میرا پیغام لے کر جائے اور انکو ایک لاکھ دینار پیش کرے۔ جب حضرت امامہ کو یہ رشتہ ملا تو انہوں نے مغیرہ ابن نوفل کے پاس کہلایا کہ یہ شخص یعنی معاویہ مجھ سے رشتہ بھیج رہا ہے۔ الہذا اگر تمہیں ضرورت ہو تو فوراً آؤ۔ چنانچہ نوفل فوراً ہی ان کے پاس آئے اور حضرت حسن ابن علیؓ کے ذریعہ اپنا رشتہ بھیجا اور حضرت حسن نے حضرت امامہ سے نوفل کی شادی کردی۔

یہ روایت اس گزشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے کہ ان کا نکاح کرنے والے حضرت زبیر ابن عوام تھے کیونکہ ممکن ہے حضرت زبیرؓ کے ذریعہ ان کا نکاح پڑھوانے کا سبب حضرت حسنؓ ہی رہے ہوں۔

صاحبزادی کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فدیہ کا ہار...... (غرض آنحضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ ان کی بیوی حضرت زینبؓ مکے میں تھیں انہوں نے وہ ہار اپنے شوہر کے فدیہ میں بھیجا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کی شادی کے موقعہ پر بیٹی کو پہنایا تھا یہ فدیہ لے کر آنے والا ابوالعاص کا بھائی عمرو ابن ربیع تھا۔ اس عمرو کے اسلام کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ کا ہار دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی دل گیری...... غرض آنحضرت ﷺ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپ بہت زیادہ دل گیر اور آبدیدہ ہوگئے۔ پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو رہا کردو اور اس کا یہ ہار بھی واپس کردو!"

ابوالعاص کی رہائی...... صحابہ نے عرض کیا ضرور یارسول اللہ۔ چنانچہ ابوالعاص کو رہا کردیا گیا اور حضرت زینبؓ کا ہار بھی لوٹا دیا گیا مگر آنحضرت ﷺ نے ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کیا کہ مکے جاتے ہی وہ حضرت زینب کو اجازت دیں کہ وہ مدینے کو ہجرت کر سکیں۔

واضح رہے کہ حضرت زینبؓ کی شادی کے بعد مشرکین قریش نے ابوالعاص پر زور دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دیدیں جیسے ابولہب کے دونوں بیٹوں نے آنحضرت ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت کلثوم کو ان کے ساتھ خلوت کرنے سے بھی پہلے طلاق دیدی تھی جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ مشرکوں نے ابوالعاص سے آکر کہا تھا کہ ہم قریش کی کسی بھی اس عورت سے تمہاری شادی کردیں گے جس کو تم پسند کرتے ہو۔ مگر ابوالعاص نے اس پیش کش کو ٹھکرادیا اور کہا۔

"خدا کی قسم! میں اپنی شریک زندگی کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اور نہ میں قریش کی کسی عورت سے شادی کا آرزومند ہوں!"

جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا تو آپ نے اس پر ابوالعاص کا شکریہ ادا کیا تھا اور ان کے حق میں کلمہ خیر فرمایا تھا۔

حضرت زینبؓ کو لانے کے لئے زیدؓ کی مکے کو روانگی...... غرض مدینے سے رہا ہونے کے بعد ابوالعاص مکے پہنچے تو انہوں نے اپنی بیوی حضرت یزنبؓ سے کہا کہ تم اپنے والد کے پاس مدینے چلی جاؤ حضرت زینبؓ فوراً مکے سے روانہ ہو گئیں۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زید ابن حارثؓ اور ایک انصاری مسلمان کو ابوالعاص کے پیچھے روانہ کیا تھا تاکہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینے لے آئیں۔ آپ نے ان دونوں کو ہدایت فرمائی۔

"تم دونوں مکے کے قریب فلاں جگہ پر ٹھہر جانا۔ جب حضرت زینب وہاں پہنچیں تو تم ان کے ساتھ ہو جانا اور انہیں یہاں لے آنا۔"

حضرت زینب کے نکل جانے پر قریش کا غصہ...... کہا جاتا ہے کہ حضرت زینبؓ کے دیور کنانہ ابن ربیع نے کسی کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنی بھاوج کے لئے اونٹ لایا، اپنی کمان اور ترکش سنبھالا اور حضرت زینبؓ کو اونٹ پر سوار کرا کے دن دہاڑے مکے سے لے کر چلا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر ہودج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور کنانہ اونٹ کی نکیل پکڑے چل رہا تھا۔ حضرت زینبؓ ان دنوں حاملہ یعنی امید سے تھیں۔ یہ بات قریش کو معلوم ہوئی تو وہ فوراً ان کا پیچھا کرنے کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ذی طوی کے مقام پر انہوں نے حضرت زینبؓ کو جالیا۔ یہاں سب سے پہلے جو شخص حضرت زینبؓ کی جانب بڑھے وہ ھبار ابن اسود تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے اپنے نیزے سے اونٹ کو زخمی کر دیا۔ اس دھکے سے حضرت زینبؓ اونٹ پر سے گریں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ھبار اور ایک دوسرا شخص جس کا نام نافع تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ خالد ابن عبد قیس تھا حضرت زینبؓ کی طرف بڑھے۔ یہ دیکھ کر کنانہ بیٹھ گیا اور اس نے فوراً تیر چڑھا کر کمان ان لوگوں کی طرف تان لی اور کہا۔

"جو شخص بھی میرے قریب آئے گا یہ تیر اس کے جسم میں پیوست کر دوں گا!"

یہ صورت دیکھ کر ابوسفیان کچھ دوسرے قریشیوں کے ساتھ آگے آیا اور ان سے کہنے لگا۔

"اپنا تیر کمان ہماری طرف سے ہٹالو ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

کنانہ نے تیر کمان گرالیا تو ابوسفیان نے کہا۔

"تم نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا کہ دن دہاڑے سب لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اس عورت کو لے کر روانہ ہو گئے تمہیں ہماری مصیبت کا حال معلوم ہے جو محمد ﷺ کی طرف سے ہم پر آئی ہے۔ اگر زینب اس طرح کھلے عام اور ہماری نظروں کے سامنے نکل گئی تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ سب ہماری اسی ذلت اور رسوائی کے نتیجہ میں ممکن ہوسکا ہے جو ہو چکی ہے۔ اس کو لوگ ہماری کمزوری سمجھیں گے۔ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمیں اس لڑکی کو اس کے باپ سے جدا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مگر یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت تم اسے لے کر واپس مکے چلے جاؤ۔ اور پھر جب لوگوں کا غصہ اور چہ میگوئیاں دب جائیں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ ہم لڑکی کو واپس لے آئے ہیں تو تم اسے خاموشی کے ساتھ لے کر نکل جانا اور اسے اس کے باپ کے پاس پہنچا دینا۔"

کنانہ نے یہ بات مان لی اور انہیں واپس لے آیا۔ پھر حضرت زینبؓ چند دن تک مکے میں رہیں اور اس کے بعد ایک رات کنانہ ان کو لے کر خاموشی سے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ (مکے سے نکل کر) اس نے انہیں حضرت زید اور ان کے ساتھی کے سپرد کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب زیدؓ ابن حارثہ کو حضرت زینبؓ کے لانے کے لئے بھیجنے کا ارادہ کیا تو زیدؓ سے کہا

"کیا تم زینب کو یہاں لانے کے لئے سفر کر سکتے ہو۔"

انہوں نے عرض کیا۔ "بے شک یا رسول اللہ!" آپ نے فرمایا۔

تو میری یہ انگوٹھی لو اور اس کو دیدینا!"

زید روانہ ہو گئے مکے کے قریب انہیں ایک چرواہا ملا حضرت زیدؓ نے اس سے پوچھا کہ تم کس کے چرواہے ہو اس نے کہا ابوالعاص کا زید نے پوچھا یہ بھیڑیں کس کی ہیں۔ اس نے کہا۔

"یہ بھیڑیں زینب بنت محمد کی ہیں۔"

اب حضرت زید نے اس سے بات چیت شروع کی پھر کہا۔

"اگر میں تمہیں زینب کے لئے کوئی چیز دوں تو کیا تم وہ ان تک پہنچا سکتے ہو مگر اس طرح کہ کسی دوسرے سے اس کا ذکر مت کرنا۔"

چرواہا راضی ہو گیا۔ حضرت زیدؓ نے اس کو انگوٹھی دی۔ چرواہا انگوٹھی لے کر روانہ ہوا گھر پہنچ کر بھیڑوں کو ان کے ٹھکانے پر پہنچایا اور پھر وہ انگوٹھی لے جا کر حضرت زینبؓ کو دی حضرت زینب انگوٹھی کو دیکھتے ہی پہچان گئیں۔ انہوں نے چرواہے سے پوچھا کہ تمہیں یہ انگوٹھی کس نے دی تھی۔ اس نے کہا ایک آدمی نے دی تھی۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا تم نے اس آدمی کو کہاں چھوڑا تھا۔ اس نے کہا فلاں فلاں جگہ پر چھوڑا تھا۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ خاموش ہو گئیں۔

جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو وہ گھر سے نکل کر روانہ ہوئیں اور حضرت زیدؓ کے پاس پہنچ گئیں حضرت زید نے ان کو دیکھ کر کہا کہ میرے آگے اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت زینب نے کہا نہیں میں پیچھے بیٹھوں گی تم آگے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ زید بیٹھ گئے تو ان کے پیچھے حضرت زینب بیٹھ گئیں یہاں تک کہ منزلیں طے کرتے ہوئے وہ مدینہ منورہ اپنے والد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئیں۔ یہ واقعہ غزوہ بدر کے دو ماہ بعد کا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"میری بیٹیوں میں زینب سب سے زیادہ افضل ہے جو میری وجہ سے مبتلائی ہوئی تھی۔"

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ امام سراج الدین بلقینی نے آنحضرت ﷺ کا یہی جملہ اپنے فتاوی میں حضرت فاطمہؓ کے لئے نقل کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

علامہ بزاز نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کیلئے فرمایا کہ۔ وہ میری بہترین بیٹی ہے جو میری وجہ سے مبتلا ہوئی۔ یہاں تک علامہ بزاز کا حوالہ ہے۔

اب یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی وجہ سے کب کسی پریشانی میں مبتلا ہوئی تھیں۔ ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ حضرت فاطمہؓ جو مبتلا ہوئی تھیں وہ ان کا وہ صدمہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کا تھا کہ آپ کی وفات حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ہوئی تھی (جبکہ آپ کی دوسری تمام صاحبزادیوں کا انتقال آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا۔

پھر میں نے اس سلسلے میں علامہ ابن حجر کا جواب دیکھا جنہوں نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی فضیلت اس لئے تھی کہ آپ نے یہ جملہ حضرت فاطمہؓ کے لئے اس لئے فرمایا تھا کہ صاحبزادیوں میں تنہا انہوں نے آپ کی وفات کا صدمہ دیکھا۔ اور یہ صدمہ ان کے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ تو گویا یہ بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوئی۔ اب جہاں تک حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے تو حضرت فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے جو کمالات و فضائل عطا فرمائے وہ ان سے پہلے کی بات ہے۔

ایک دفعہ امام بلقینی سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت فاطمہؓ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی جو صاحبزادیاں ہیں وہ اپنی اپنی فضیلت میں سب برابر ہیں یا ایک دوسری سے فضیلت رکھتی ہے۔ مگر امام مذکور نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ان گزشتہ روایتوں کے درمیان کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت زینبؓ خود زید ابن حارثہؓ کے پاس گئی تھیں اور دوسری روایت کے مطابق ان کے دیور انہیں لے کر گئے تھے (کیونکہ اس شبہ کا جواب ظاہر ہے)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہجرت فرمائی اس سے ابن اسحاق کے اس قول میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں کا تعلق ہے تو ان سب نے اسلام کا زمانہ پایا مسلمان ہوئیں اور سب نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی مگر اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہجرت کے معاملے میں آپ کی تمام صاحبزادیاں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سب مسلمان ہوئیں اس بارے میں جو شبہ ہے وہ گزر چکا ہے۔

گزشتہ سطروں میں بیان ہوا ہے کہ ابوالعاص کا فدیہ لے کر ان کا بھائی عمرو ابن ربیع آیا تھا۔ مگر ایک حدیث سے اس بات کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ابوالعاص اور ان کے بھائی عمرو ابن ربیع دونوں کا فدیہ بھیجا۔ انہوں نے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا۔ وغیرہ

مگر غالباً اس روایت میں الفاظ کا ردوبدل ہو گیا ہے ورنہ اصل حقیقت یہی ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص کا فدیہ ان کے بھائی عمرو ابن ربیع کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی اسی بات کا پتہ چلتا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو رہا کر دو۔ کیونکہ آپ نے یہاں قیدیوں یا دونوں قیدیوں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔

سہیل کی رہائی..... ان ہی جنگی قیدیوں میں سہیل ابن عمرو العامری تھے جن کے متعلق پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے معزز لوگوں میں سے تھے اور بہت بہترین خطیب تھے۔ چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت سعید ابن مسیبؓ سے پوچھا گیا کہ قریش کے مشہور خطیب یعنی بہترین اور فصیح گفتگو کرنے والے کون کون لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اسود ابن عبدالمطلب اور سہیل ابن عمرو ابن عامری۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں بہترین خطیب کون کون ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ معاویہ ابن ابو سفیان اور ان کا بیٹا یعنی یزید۔ اور سعید ابن عاص اور ان کے بیٹے عمرو ابن سعید اور عبداللہ ابن زبیر۔ بظاہر یہ بات اصمعی کے اس قول کے خلاف نہیں ہے جو پیچھے گزر چکا ہے اور جس میں ہے کہ بنی مروان کے خطیبوں میں امیر معاویہ کے بھائی عتبہ ابن ابو سفیان اور عبدالملک ابن مروان ہیں (کیونکہ بظاہر اصمعی کے اس قول میں تمام خطیبوں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے)۔

عتبہ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ۔ کانوں میں طرح طرح کی اور بہت زیادہ باتوں کا پڑنا سمجھ کو گمراہ کر دیتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض یہ سہیل ابن عمرو قریش کے زبردست خطیب تھے اور آنحضرت ﷺ کے خلاف زبان درازی کیا کرتے تھے جس وقت یہ قید ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کے سامنے کے دانت توڑ دوں کہ اس کی زبان باہر نکل آئے۔"

مقصد یہ تھا کہ یہ شخص بہت زبان دراز اور بہترین کلام کرنے والا آدمی ہے لیکن اگر کسی خطیب کے سامنے کے دانت نہ ہوں تو کلام کرنے کی اس میں قدرت نہیں رہتی کیونکہ بولتے ہوئے الفاظ کے بننے سے پہلے ہوا باہر نکل جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"تاکہ اس کے بعد وہ کبھی کسی جگہ کھڑے ہو کر آپ کے خلاف زبان درازی نہ کر سکے!"

آپ نے فرمایا۔

"میں اس کو عیب دار نہیں کروں گا کہ پھر اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ فرمائے اگرچہ میں نبی ہی کیوں نہ ہوں۔ کیا خبر کسی وقت وہ کسی بلند مقام پر پہنچ جائے اس لئے اس کی برائی نہ کرو۔"

چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو مکے کے اکثر لوگوں نے اسلام کو چھوڑنا چاہا یہاں تک کہ مکے کے امیر حضرت عتاب ابن اسیدؓ اس صورت حال سے اس قدر گھبرا گئے اور اتنے خوفزدہ ہوئے کہ لوگوں سے چھپ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت حضرت سہیل ابن عمرو ہی تھے جنہوں نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد کہا۔

"لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مر سکتا کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ الآیہ پ ۲۳ سورہ زمر ع ۳ آیت ۳۰

ترجمہ: آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۵ آیت ۱۴۴

ترجمہ: لور محمد نرے رسول ہی تو ہیں۔ آپ سے پہلے لور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت سہیل نے دوسری آیتیں بھی تلاوت کیں لور پھر کہاں۔

خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ دین سورج کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیلے گا اس لئے تم اس شخص یعنی ابو سفیان کی وجہ سے اپنی جانوں کو مصیبت میں ہر گز مت ڈالو کیونکہ یہ شخص اس دین کے متعلق اگرچہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو میں جانتا ہوں مگر اس کے سینے میں بنی ہاشم کے خلاف حسد کی مہر لگ چکی ہے۔ لہذا تم لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ لور توکل کرو کیونکہ اللہ کا دین قائم رہنے والا ہے لور اس کا کلمہ پورا ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد فرمائے گا جنہوں نے اس کے دین کی مدد کی لور وہ اپنے دین کو قوت و طاقت عطا فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک ایسے شخص یعنی حضرت ابو بکرؓ پر متفق کر دیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہیں۔

پھر انہوں نے کہا۔

"تم لوگوں کی حرکتوں سے بھی اس دین کو قوت و طاقت ہی ملے گی یہ کمزور نہیں ہوگا۔ للہذا کان کھول کر سن لو کہ جس کو ہم نے مرتد ہوتے دیکھا ہم اس کی گردن اڑا دیں گے!"

حضرت سہیل کی اس ولولہ انگیز لور ایمان افروز تقریر سے لوگ اپنے ارادوں سے باز آگئے لور جو کچھ انہوں نے سوچا تھا اس کو دلوں سے نکال دیا۔ اسی وقت عتاب ابن اسید یعنی امیر مکہ بھی اپنی روپوشی سے نکل آئے۔

غرض ان ہی سہیل ابن عمرو کو فدیہ کے بدلے آزاد کرانے کے لئے مکے سے مکرز ابن حفص آیا۔ بات چیت کے بعد سہیل کے فدیہ کے لئے جب مال کی ایک مخصوص مقدار پر مسلمانوں اور مکرز میں سمجھوتہ ہو گیا تو صحابہ نے مکرز سے کہا کہ لاؤ فدیہ کی رقم دیدو۔ (مگر مکرز اس وقت صرف بات چیت کرنے آیا تھا مال لے کر نہیں آیا تھا لہذا) اس نے صحابہ سے کہا۔

"تم سہیل کی جگہ مجھے روک لو اور سہیل کو رہا کر دو۔ جب وہ مکے پہنچ کر اپنے فدیہ کی رقم بھیج دے گا تو مجھے چھوڑ دینا۔"

مسلمان اس پر راضی ہو گئے اور انہوں نے سہیل کو رہا کر دیا اور ان کی جگہ مکرز کو اس وقت تک مدینے میں روکے رکھا جب تک فدیہ کی رقم نہیں آگئی۔

ولید ابن ولید کی رہائی لور اسلام...... ان ہی قیدیوں میں حضرت خالد ابن ولید کے بھائی ولید ابن ولید بھی تھے۔ ان کو ان کے بھائیوں ہشام اور خالد ابن ولید نے رہا کرایا تھا۔ جب وہ ان کا فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے گئے تو ولید ابن ولید مکے جا کر مسلمان ہو گئے۔ اس پر بھائیوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا (کہ رہا ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کیوں نہ کر لیا) اس پر ولید ابن ولید نے کہا۔

"مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ لوگ میرے بارے میں یہ کہیں کہ میں قید سے گھبرا کر مسلمان ہوا ہوں۔"

مکے پہنچ کر جب یہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مدینے کو ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا مگر ان کے بھائیوں نے انہیں ہجرت سے روک دیا اور وہیں قید کر لیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نماز کے دوران دعائے قنوت میں

ان کی رہائی کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد ایک دن ولید ابن ولید مکے سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور عمرہ قضا کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے آملے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

ان قیدیوں میں سائب بھی تھا جو امام شافعی کی پانچویں پشت میں دادا ہوتا ہے غزوہ بدر میں یہ سائب بنی ہاشم کا پرچم بردار تھا۔ اس جنگی پرچم کو عقاب کہا جاتا تھا۔ اس پرچم کو سرداروں کا پرچم یعنی پرچم رؤسا بھی کہا جاتا تھا۔ جنگ کے وقت اس پرچم کو سردار قوم ہی اٹھا سکتا تھا۔ یہ پرچم اصل میں ابوسفیان کے ہاتھ میں رہتا تھا یا اسی کے برابر کے سردار کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ چونکہ جنگ بدر کے موقع پر ابوسفیان تجارتی قافلے کے ساتھ گیا ہوا تھا اس لئے اس موقع پر یہ پرچم عقاب سائب کے ہاتھ میں تھا کیونکہ ابوسفیان کے بعد اپنی قوم میں وہی سب سے بلند مرتبہ سردار تھا۔ سائب نے اپنا فدیہ خود ادا کر کے اپنے کو رہا کرالیا۔

جہاں تک امام شافعی کے چوتھی پشت کے دادا یعنی سائب کے بیٹے شافع کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اس زمانے میں ملے تھے جبکہ وہ کم عمر تھے اور پھر مسلمان ہوگئے تھے۔ ان ہی شافع کی نسبت سے امام صاحب کو شافعی کہا جاتا ہے۔

<u>وہب ابن عمیر کی رہائی</u>...... ان ہی قیدیوں میں وہب ابن عمیر بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے ان کو رفاعہ ابن رافع نے گرفتار کیا تھا۔ ان کا باپ عمیر قریش کے شیطانوں میں سے ایک شیطان تھا جس نے مکے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو زبردست تکلیفیں پہنچائیں مگر پھر بعد میں یہ بھی مسلمان ہوگئے تھے۔

<u>صفوان سے عمیر کا آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کا عہد</u>...... مسلمان ہونے سے پہلے ایک دن مکے میں حجر اسود کے پاس یہ عمیر اور صفوان ابن امیہ بیٹھے ہوئے تھے۔ صفوان بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہاں یہ دونوں جنگ بدر میں اپنی شکست اور اپنے ان بڑے بڑے سرداروں کے متعلق باتیں کر رہے تھے جو اس جنگ میں قتل ہوگئے تھے۔ صفوان نے کہا۔

خدا کی قسم! ان سرداروں کے قتل ہوجانے کے بعد زندگی کا مزہ ہی ختم ہوگیا۔"

عمیر نے کہا

"خدا کی قسم تم سچ کہتے ہو۔ خدا کی قسم اگر میرے اوپر ایک شخص کا قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہو رہا ہے اور پھر اپنے پیچھے اپنی بیوی بچوں کی پریشانی کا خیال نہ ہوتا جو میرے بعد تنگ دستی میں مبتلا ہوسکتے ہیں تو میں محمد کے پاس پہنچ کر ان کو قتل کر دیتا کیونکہ میرے وہاں پہنچنے کی وجہ بھی موجود ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھوں میں قید ہے۔"

یہ سنتے ہی صفوان نے عمیر کے قرض وغیرہ کی ذمہ داری لے لی اور کہا۔

"تمہارا قرضہ میرے ذمہ رہا میں اس کو ادا کر دوں گا اور تمہارے بیوی بچے میرے بیوی بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ ہیں میں ان کی کفالت اور پرورش کا ذمہ لیتا ہوں۔"

عمیر یہ سنتے ہی جانے پر راضی ہوگیا اور صفوان سے بولا۔

تو پھر میرے اور تمہارے درمیان جو یہ معاملہ ہوا ہے اس کو راز میں رکھنا۔"

<u>قتل کی نیت سے عمیر مدینے میں</u>...... صفوان نے وعدہ کرلیا۔ اب عمیر نے گھر جا کر اپنی تلوار نکالی اس پر دھار لگائی اور اس کو زہر میں بجھایا اور اس کے بعد مکے سے روانہ ہو کر وہ مدینے پہنچے جب عمیر مسجد نبوی پر پہنچے تو

وہاں حضرت عمر فاروقؓ کچھ دوسرے مسلمان کے ساتھ بیٹھے ہوئے غزوہ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ عمیر نے جوں ہی مسجد نبوی کے دروازے پر اپنی اونٹنی بٹھائی تو حضرت عمرؓ کی ان پر نظر پڑی کہ عمیر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اتر رہے ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔

"یہ کتا خدا کا دشمن عمیر ابن وہب ضرور کسی برے ارادے سے یہاں آیا ہے!"

پھر حضرت عمرؓ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کے حجرہ مبارک میں گئے اور عرض کیا۔

"اے پیغمبر خدا! خدا کا یہ دشمن عمیر ابن وہب ننگی تلوار لئے آیا ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"اسے میرے پاس اندر لے آؤ!"

حضرت عمرؓ سیدھے عمیر کے پاس آئے اور تلوار کا جو پٹکا ان کی گردن میں پڑا ہوا تھا اس کو مضبوطی سے پکڑ کر عمیر کو لے چلے حضرت عمرؓ کے ساتھ اس وقت جو انصاری مسلمان موجود تھے ان سے فاروق اعظمؓ نے کہا۔

"میرے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر چلو اور آپ کے قریب ہی بیٹھو کیونکہ اس خبیث کی طرف سے مجھے اطمینان نہیں ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس اندر آئے۔ آنحضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حال میں آرہے ہیں کہ ہاتھ سے عمیر کی تلوار کا وہ پٹکا مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں جو ان کی گردن میں تھا تو آپ نے فرمایا۔

عمیر آنحضرت ﷺ کے روبرو...... عمر اس کو چھوڑ دو۔ عمیر قریب آؤ۔!"

چنانچہ عمیر قریب آئے اور انہوں نے جاہلیت کے آداب کے مطابق انعموا صباحا یعنی صبح بخیر کہا۔

آپ نے فرمایا۔

"عمیر! ہمیں اسلام نے تمہارے اس سلام سے بہتر سلام سے سرفراز فرمایا ہے جو جنت والوں کا سلام ہے۔ تم کس لئے آئے ہو۔"

عمیر نے کہا۔

"میں اپنے اس قیدی یعنی اپنے بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں جو آپ لوگوں کے قبضے میں ہے! میری درخواست ہے کہ اس کے سلسلے میں آپ لوگ اچھا اور نیک معاملہ کریں!"

آپ نے فرمایا۔

"پھر اس تلوار کا کیا مطلب ہے۔"

عمیر نے کہا۔

"خدا اس تلوار کا ناس کرے۔ کیا آپ نے ہمیں کسی قابل چھوڑا ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"مجھے سچ سچ بتلاؤ تم کس مقصد سے آئے ہو۔"

عمیر نے کہا کہ میں واقعی اس کے سوا اور کسی ارادے سے نہیں آیا کہ اپنے قیدی کے متعلق آپ سے

بات کروں)۔ تب آپ نے فرمایا۔
معجزہ نبوی دیکھ کر قبول اسلام ...... نہیں بلکہ ایک دن تم اور صفوان ابن امیہ حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے اور اپنے ان مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے جن کو جنگ بدر میں قتل کر کے گڑھے میں ڈالا گیا ہے۔ اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر مجھ پر ایک قرض نہ ہوتا اور اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمد کو قتل کر دیتا۔ صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تمہارا قرض اتارنے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری لے لی۔ مگر اللہ تعالیٰ تمہارے اور اس ارادے کے درمیان حائل ہے!

عمیر جو ہکا بکا کھڑے یہ بات سن رہے تھے) فوراً بول اٹھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ آپ کے پاس آسمان سے جو خبریں آیا کرتی ہیں اور آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے ہم اسکو جھٹلایا کرتے تھے۔ اور جہاں تک اس معاملہ کا تعلق ہے تو اس وقت حجر اسود کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا (اور نہ ہی کسی اور کو ہماری اس گفتگو کی خبر ہے۔ کیونکہ ہم نے رازداری کا عہد کیا تھا) اس لئے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کو اور کوئی اس کی خبر نہیں دے سکتا۔ پس حمد و ثنا ہے اس ذات باری کے لئے جس نے اسلام کی طرف ہماری رہنمائی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راہ پر چلنے کی توفیق بخشی!"

اسکے بعد عمیر نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا۔

"اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور اس کو قرآن پاک پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو۔"

صحابہ نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی اور ان کے قیدی کو رہا کر دیا پھر حضرت عمیر نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اللہ کے اس نور کو بجھا دوں اور جو لوگ اللہ کے دین کو قبول کر چکے تھے ان کو زبردست تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ مجھے مکے جانے کی اجازت دیں تاکہ وہاں مکے والوں کو اللہ کی طرف بلاؤں اور اسلام کی دعوت دوں ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرما دے۔ ورنہ پھر میں ان لوگوں کو ان کی بت پرستی کی بناء پر اسی طرح تکلیفیں پہنچاؤں گا جیسے میں اسلام کی وجہ سے آپ کے صحابہ کو تکلیفیں پہنچاتا رہا ہوں۔"

آنحضرت ﷺ نے ان کو مکے جانے کی اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ وہ مکے واپس پہنچ گئے جہاں ان کے بیٹے وہب ابن عمیر بھی مسلمان ہو گئے۔

ادھر عمیر کے مکے سے روانہ ہونے کے بعد صفوان لوگوں سے کہا کرتا تھا۔

"میں تمہیں ایک ایسے واقعہ کی خوشخبری سناتا ہوں جو عنقریب رونما ہونے والا ہے اور اس کے نتیجہ میں تم جنگ بدر کے حادثے اور مصیبت کو بھول جاؤ گے!"

ادھر صفوان ہر آنے والے سوار سے عمیر کی کارگزاری کے متعلق پوچھا کرتا تھا۔ آخر ایک سوار مکے پہنچا اور اس نے صفوان کو بتلایا کہ عمیر اسلام قبول کر چکے ہیں۔ (صفوان اس خبر پر بھونچکا رہ گیا) اس نے حلف اٹھایا کہ کبھی اس سے بات نہیں کروں گا اور اپنی ذات سے کبھی ان کو کوئی نفع نہیں پہنچنے دوں گا۔

اس کے بعد جب عمیر مکے پہنچے تو وہ پہلے صفوان کے گھر نہیں گئے بلکہ سیدھے اپنے گھر گئے۔ وہاں

انہوں نے گھر والوں کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ جب صفوان کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا۔

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کیوں وہ پہلے میرے پاس آنے کی بجائے اپنے گھر گیا ہے۔ وہ بے دین اور گمراہ ہو گیا ہے میں اب کبھی اس سے بات نہیں کروں گا اور نہ اسے یا اس کے گھر والوں کو کبھی میری ذات سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔"

اس کے بعد عمیر صفوان کے پاس پہنچے اور اس کو پکار کر کہا۔

"تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم پتھروں کی پوجا اور ان کے لئے قربانیاں کیا کرتے تھے۔ کیا یہ کوئی دین ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

مگر صفوان نے عمیر کی بات کا نہ کوئی جواب دیا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آگے بیان آئے گا کہ فتح مکہ کے وقت عمیر نے ہی رسول اللہ ﷺ سے صفوان کے لئے امان مانگی تھی۔"

اسی طرح ان قیدیوں میں ابو عزیز ابن عمیر بھی تھا جو حضرت مصعبؓ ابن عمیر کا سگا بھائی تھا۔ ابو عزیز کہتا ہے کہ میرے پاس سے میرے بھائی مصعب ابن عمیر گزرے اور اس شخص سے کہنے لگے جس نے مجھے گرفتار کر رکھا تھا۔

"اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو کیونکہ اس کی ماں بہت دولت مند عورت ہیں ممکن ہے وہ اس کے فدیہ کی رقم تمہیں دے کر اسے رہا کرائے۔"

میں نے بھائی کے منہ سے یہ بات سن کر ان سے کہا۔

"بھائی! کیا میرے ساتھ تمہارا یہی تعلق ہے۔"

غرض اس کے بعد ابو عزیز کی ماں نے بیٹے کی رہائی کے لئے فدیہ کی رقم بھیجی جو چار ہزار درہم تھی۔ چنانچہ اس کے بدلے میں ابو عزیز کو رہا کیا گیا۔

<u>قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس</u>...... اسی طرح ان ہی جنگی قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی تھے لوگوں نے ان کی رسی بہت سخت کر کے باندھی تھی جس کی وجہ سے حضرت عباس مسلسل کراہتے رہے۔ ان کی اس تکلیف کی وجہ سے آنحضرت ﷺ رات بھر بے چین اور بے خواب رہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے پوچھا۔

"یارسول اللہ! آپ کس لئے رات بھر جاگتے رہے۔"

آپ نے فرمایا کہ عباس کی کراہتوں کی وجہ سے۔

اسی وقت ایک شخص اٹھا اور اس نے عباس کی رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ ساتھ ہی انہوں نے دوسرے تمام قیدیوں کی رسیاں اور بندشیں بھی ڈھیلی کر دیں۔

حضرت عباس کو ابوالیسر کعب ابن عمرو نے گرفتار کیا تھا۔ یہ ابوالسیر ناٹے قد کے اور دبلے پتلے آدمی تھے جبکہ حضرت عباس بہت موٹے اور لمبے قد کے تھے۔ چنانچہ کسی نے حضرت عباس سے کہا۔

"اگر آپ ابوالیسر کو اپنے ہاتھ سے پکڑتے تو وہ آپ کی ہتھیلی میں ہی سما جاتے!"

یعنی ایک اتنے مختصر اور کمزور آدمی نے آپ جیسے لحیم شحیم آدمی کو کیسے گرفتار کیا۔ حضرت عباس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ جب وہ یعنی ابوالیسر میرے سامنے آیا تو مجھے وہ خندمہ پہاڑ کے برابر نظر آیا۔ جو مکے کا ایک پہاڑ تھا۔"

ان ابوالیسر نے ہی مشرکوں کا جنگی پرچم چھین کر سرنگوں کیا تھا۔ یہ جنگی پرچم ابوعزیز ابن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوالیسر کعبؓ سے پوچھا کہ تم نے عباس کو کیسے گرفتار کیا۔ توانہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ان کو گرفتار کرنے میں ایک مبارک فرشتے نے میری مدد کی تھی۔"

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عباسؓ سے ان کی گرفتاری کے متعلق وہ بات کہی گئی جو پیچھے بیان ہوئی توانہوں نے یہ جواب دیا۔

"خدا کی قسم اس شخص نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک بڑے خوبصورت اور لمبے تڑنگے آدمی نے گرفتار کیا تھا جو ایک سیاہ و سفید گھوڑے پر سوار تھا مگر میں نے پھر اس شخص کو تم لوگوں میں نہیں دیکھا۔"

اس وقت اس شخص نے جس نے ان کو قید کیا تھا یعنی ابوالیسر نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"یارسول اللہ! خدا کی قسم میں نے ہی توان کو گرفتار کیا ہے!"

آپ نے فرمایا۔

"خاموش رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں ایک فرشتے کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائی ہے!"

تفسیر کشاف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس کو جب مسلمانوں نے گرفتار کیا تو ان کے لئے کسی کے پاس ان کے ناپ کی قمیض نہیں نکلی کیونکہ حضرت عباس بہت لمبے قد کے تھے۔ آخر ان کو منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے اپنی قمیض پہنائی۔

<u>حضرت عباس کا فدیہ</u>...... آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کا فدیہ چار سو اوقیہ۔ اور ایک روایت میں سو اوقیہ۔ اور ایک روایت کے مطابق چالیس اوقیہ سونا متعین فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عباس پر ہی ان کے بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی عائد کیا جو اسی اوقیہ متعین کیا گیا تھا۔ اسی طرح ان ہی کو ان کے دوسرے بھتیجے نوفل ابن حرث کے فدیہ کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عباس سے فرمایا۔

"عباس! اپنا فدیہ اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل ابن ابوطالب اور نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب کا فدیہ اور اپنے حلیف عتبہ ابن عمرو کا فدیہ ادا کرو۔"

چنانچہ حضرت عباس نے اپنا فدیہ سو اوقیہ دے کر ادا کیا۔ اور باقی تینوں میں سے ہر ایک کے لئے چالیس چالیس اوقیہ سونا فدیہ ادا کیا۔

آگے ایک روایت آئے گی کہ حضرت عباس نے صرف اپنا اور اپنے ایک بھتیجے عقیل کا فدیہ ادا کیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"آپ نے مجھے بالکل کنگال اور فقیر کردیا ہے اب میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ ایک روایت میں یہ

لفظ ہیں۔ آپ نے مجھے اس طرح فقیر اور تہید ست کر دیا ہے کہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے قابل ہو گیا ہوں!" تب آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"پھر وہ مال کہاں ہے جو آپ ام فضل یعنی اپنی بیوی کو دے کر آئے ہیں اور ان سے کہہ کر آئے ہیں کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو یہ مال میرے بیٹوں فضل و عبداللہ اور قثم کا ہے۔"

ابن قتیبہ نے یہ روایت یوں نقل کی ہے کہ۔ تو اس میں سے فضل کا اتنا حصہ ہے عبداللہ کا اتنا حصہ ہے اور قثم کا اتنا حصہ ہے۔"

حضرت عباس نے (حیرت زدہ ہو کر یہ سنا اور) کہا۔

"خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ بات جو آپ نے بتلائی ہے میرے اور ام فضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ سے جب یہ کہا کہ آپ نے تو مجھے قریش میں بالکل ہی کنگال کر دیا ہے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

آپ کنگال کیونکر ہو گئے حالانکہ آپ ام فضل کو سونے کی تھیلیاں دے کر آئے ہیں اور یہ کہہ کر آئے ہیں کہ اگر میں قتل ہو گیا تو بھی تمہاری زندگی بھر کے لائق مال چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ لفظ ہیں کہ وہ مال کہاں ہے جو آپ نے اور ام فضل نے دفن کر رکھا ہے اس پر حضرت عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور یہ بات آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہی بتلائی ہے۔

حضرت عباس کا ہر فدیہ پر احتجاج...... مگر پیچھے حضرت عباس کے غلام ابورافع کا یہ قول گزرا ہے کہ حضرت عباس اور ان کی بیوی ام فضل مسلمان ہو چکے تھے اور یہی نہیں بلکہ ام فضل کو حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلی مسلمان ہونے والی خاتون کہا ہے۔ نیز یہ کہ وہ دونوں اپنا اسلام چھپایا کرتے تھے اور خود ابورافع کا بھی یہی معاملہ تھا۔

ادھر ایک دوسری روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ گرفتاری کے وقت حضرت عباس مسلمان تھے۔ اس روایت میں ہے کہ (جب آنحضرت ﷺ نے ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا تو) انہوں نے کہا۔

"ہم سے فدیہ کیوں لیا جا رہا ہے جبکہ ہم پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جبکہ مسلمان ہوں مگر میری قوم اس کو پسند نہیں کرتی۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو حق تعالیٰ آپ کو جزا دے گا مگر ظاہری معاملہ تو یہی ہے کہ آپ ہمارے مقابل اور خلاف تھے۔"

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ الآیہ پ ۱۰ سورہ انفال ع ۱۰ آیت نمبر ۷۰

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہو گا تو جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے دنیا میں اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور آخرت میں تم کو

بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔

اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"تب تو کاش آپ مجھ سے اس کا دوگنا لے لیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں مجھے اس سے بہتر مال عطا فرمایا یعنی سو غلام۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ چالیس ایسے غلام عطا فرمائے جو سب کے سب تاجر ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا بھی امیدوار ہوں۔"

یعنی حق تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ تو پورا فرمادیا کہ اس مال سے بہتر مال عطا فرمایا اور اس کے دوسرے وعدے کے پورا ہونے کا میں امیدوار ہوں کہ وہ میری مغفرت بھی فرمائے گا۔ حضرت عباس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی موقعہ پر نازل نہیں ہوئی تھی جب ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا بلکہ بعد میں نازل ہوئی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت عباس جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے تاکہ اس سے مشرکوں کو کھانا کھلائیں اور ان کی ضیافت کریں۔ وہ سونا جنگ میں ان سے لے لیا گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے بات کی کہ اس بیس اوقیہ سونے کو بھی ان کے فدیہ میں شمار کرلیں مگر آپ نے اس بات کو ماننے سے انکار کردیا اور فرمایا۔

"جو مال آپ ہمارے مقابلے میں ہمارے خلاف استعمال کرنے کے لئے لے کر چلے تھے اس کو ہم آپ کے لئے نہیں چھوڑیں گے۔"

انصار کا عباس کو قتل کرنے کا ارادہ...... ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عباس قیدی بنائے گئے تو کچھ انصاری مسلمانوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"میں اپنے چچا عباس کی وجہ سے تمام رات نہیں سو سکا۔ انصار ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ انصاریوں کے پاس آئے اور ان سے بولے کہ عباس کو چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ اس بات پر راضی ہوں تو۔

انصاریوں نے کہا۔

"اگر رسول اللہ ﷺ اس بات پر راضی ہوں تو آپ ان کو لے جاسکتے ہیں۔!"

حضرت عمرؓ ان کو لے کر روانہ ہوگئے۔ جب حضرت عباس حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آگئے تو فاروق اعظم نے ان سے فرمایا۔

"عباس! تم مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تمہارا مسلمان ہونا میرے لئے اس سے زیادہ پسندیدہ کہ خطاب یعنی میرے باپ مسلمان ہو جائیں!"

حضرت علی و حضرت عباس کا مکالمہ...... علامہ واحدی کی کتاب اسباب نزول میں ہے کہ بدر کے دن جب عباسؓ گرفتار ہوئے تو مسلمان ان کو شرم دلانے لگے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داریوں کا خیال نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ نے ان کو سب سے زیادہ ہی کہا سنا۔ آخر حضرت عباسؓ نے کہا۔

"تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم صرف ہماری برائیاں ہی بیان کر رہے ہو۔ ہماری خوبیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔"

حضرت علی نے کہا۔

"اچھا۔ کیا آپ میں خوبیاں بھی ہیں۔"

حضرت عباس نے کہا۔

"بے شک۔ ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں۔ کعبہ کو زندہ یعنی پر رونق رکھتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرتے ہیں!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ الآیہ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۳ آیت ۱۷

ترجمہ: مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی باتوں کا اقرار کر رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے مسلمانوں سے کہا۔

"اگر تم لوگ اسلام لانے، ہجرت کرنے اور جہاد کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے تو ہم بھی مسجد حرام کو آباد کرنے اور حاجیوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے!"

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ الآیہ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۳ آیت ۱۹

ترجمہ: کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کی برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عباس قریش کے ایک بڑے سردار تھے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کی ذمہ داری ان ہی کی تھی۔ حضرت عباس کسی شخص کو حرم میں عاشقانہ شعر پڑھنے اور فحش کلام کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ قریش نے متفقہ طور پر طے کر کے یہ خدمت ان کے سپرد کر دی تھی اور اس سلسلے میں وہ ان کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت عباس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ خدا کی قسم یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور بے تہذیبوں کو تہذیب و سلیقہ سکھاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس کا کھانا غریبوں کے لئے تھا اور ایک قول کے مطابق ان کا کوڑا بنی ہاشم کے بے تمیزوں کو ادب سکھانے کے لئے تھا۔ اور جب یہ کوڑا بنی ہاشم کے بے تمیزوں کے لئے تھا تو دوسرے خاندانوں کے بے تمیزوں کے لئے یقیناً تھا۔ بظاہر یہ بات ان شریروں کے مسجد حرام میں ٹھہرنے ہی کے لئے مخصوص نہیں تھی جیسا کہ گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک قول پیچھے گزرا ہے جو انہوں نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ جبکہ پیچھے عباس کے غلام ابورافع کا قول یہ بیان ہوا ہے کہ عباسؓ مسلمان تھے ادھر خود انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ

سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا تھا اور کلمہ شہادت پڑھا تھا۔ مگر ان دونوں باتوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضرت عباسؓ نے سب کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ صرف آنحضرت ﷺ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا تھا حضرت عمر اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں تھی۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت عباس کی خاطر اس بات کو کسی کے سامنے ظاہر نہیں فرمایا تھا اس کی وجہ جیسا کہ بیان ہوئی یہ تھی کہ ان کا بہت سا روپیہ قریشیوں کے ذمہ قرض تھا اور حضرت عباسؓ ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا اور قریش کو اس کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ ان کا قرض دبا بیٹھیں گے چنانچہ جب فتح مکہ کے دن قریش نے اسلام کی سربلندی اور شوکت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تو حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ تو گویا فتح مکہ سے پہلے حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

اس دوران میں انہوں نے کئی دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان کو ہجرت کی اجازت دیدیں کہ وہ مکہ چھوڑ کر مدینے پہنچ جائیں مگر ہر مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ لکھوادیا کہ مکے میں آپ کا قیام زیادہ بہتر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو جواب میں لکھا۔

" چچا۔ آپ جہاں ہیں وہیں رہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کو اسی طرح ختم فرمائے گا جس طرح اس نے مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے۔! چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی نوفل ابن حرث ابن عبدالمطلب سے کہا۔

"نوفل تم اپنا فدیہ خود ادا کرو!"

نوفل نے کہا۔

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ میں اپنے فدیہ کی رقم دے سکوں!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تم اپنا فدیہ اپنے اس مال میں سے۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ اپنے ان ہتھیاروں میں سے کیوں ادا نہیں کرتے جو جدہ میں ہیں۔"

نوفل یہ سنتے ہی پکار اٹھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ بات معلوم نہیں کہ جدہ میں میرے ہتھیار رکھے ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد انہوں نے خود اپنا فدیہ ادا کر دیا حضرت عباسؓ نے ان کے فدیہ کی رقم نہیں دی۔

اسی بات کی تائید بخاری میں حضرت انسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بحرین سے خراج کا مال آیا آپ نے فرمایا کہ اس مال کو مسجد میں ڈھیر کر دو۔ یہ خراج کا سب سے زیادہ مال تھا جو آپ کے پاس لایا گیا۔ اس کی تعداد ایک لاکھ کی مالیت کی تھی اور یہ سب سے پہلا خراج تھا جو آپ کو پیش کیا گیا اور یہ خراج ہر سال ادا کیا جاتا تھا۔

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جابرؓ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آگیا تو

میں اس سے تمہیں بھی دوں گا۔ مگر پھر اس روایت میں ہے کہ لیکن بحرین کا مال نہیں آیا یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر یہ شبہ غلط ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ اس سال بحرین کا مال نہیں آیا تھا جس میں آپ نے جابرؓ سے وعدہ فرمایا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ کے حکم پر جب بحرین کے خراج کا یہ مال مسجد میں ڈھیر کر دیا گیا تو آپ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے مگر آپ نے اس مال کی طرف توجہ نہیں دی۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ وہاں آکر بیٹھے جہاں وہ مال ڈھیر تھا۔ پھر جو بھی سامنے آتا گیا آپ اس مال میں سے اس کو دیتے گئے یہاں تک کہ حضرت عباسؓ بھی آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! مجھے بھی کچھ مال عنایت فرما دیجئے کیونکہ میں نے اپنا بھی فدیہ ادا کیا ہے اور بھتیجے عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا ہے۔

یہاں حضرت عباسؓ نے اپنے دوسرے بھتیجے نوفل کا بھی ذکر نہیں کیا اور اپنے حلیف عتبہ ابن عمرو کا بھی ذکر نہیں کیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لے لو۔ حضرت عباسؓ نے فوراً کپڑا پھیلا کر اس میں بہت سارا مال بھر لیا اور اس گٹھڑی کو اٹھا کر چلنے لگے مگر مال زیادہ تھا اس لئے اتنی بھاری گٹھڑی ان سے اٹھ نہ سکی۔ آخر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

آپ کسی کو حکم فرما دیجئے کہ مجھے گٹھڑی اٹھوا دے!"

آپ نے فرمایا نہیں! حضرت عباسؓ نے کہا۔

"پھر آپ خود ہی اٹھوا کر میرے سر پر رکھوا دیجئے۔

آپ نے اس سے بھی انکار فرما دیا۔ آخر وہ خود کوشش کرنے لگے مگر جب اٹھاتے تو توازن نہ کر سکنے کی وجہ سے گٹھڑی گر جاتی اور اس میں سے ہر دفعہ کچھ نہ کچھ مال گر کر بکھر جاتا۔ یہاں تک کہ گرتے گرتے گٹھڑی میں اتنا مال رہ گیا جس کو وہ اٹھا سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس نے اس کو اٹھا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"میں نے اتنا مال لے لیا تھا جتنا اللہ نے مجھے دینے کا وعدہ فرمایا تھا مگر خیر میں اپنی ضرورت پوری کر لوں گا۔

ان کے اس لالچ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نگاہیں حیرانی کے ساتھ ان پر اس وقت تک لگی رہیں جب تک کہ وہ نظر آتے رہے۔

ایک احسان فراموش...... چند قیدیوں پر آنحضرت ﷺ نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو بغیر فدیہ لئے ہی رہا فرما دیا ان میں سے ایک ابو عزہ عمرو جمحی شاعر تھا جو آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شعر لکھ لکھ کر آپ کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میں ایک غریب اور عیالدار آدمی ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ خود بہت ضرورت مند ہوں اس لئے مجھ پر احسان فرمائیے۔"

چنانچہ آپ نے اس پر احسان فرمایا اور اسے رہا کر دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے آپ سے عرض کیا۔

"میرے پانچ بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے اس لئے ان کی خاطر مجھ پر کرم فرمائیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کی درخواست فرمائی۔ نیز آپ نے اس سے عہد لیا کہ وہ کسی کو آپ کے خلاف نہیں اکسائے گا۔ اور اس کے بعد اسے رہا فرمادیا۔ مگر جب یہ یہاں سے چھوٹ کر مکے پہنچا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ میں نے محمد پر جادو کر دیا تھا۔ پھر جنگ احد کے موقعہ پر یہ مشرکوں کے لشکر کے ساتھ تھا اور ان کو اپنے شعروں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف جوش دلا رہا تھا۔ اس وقت یہ پھر گرفتار کر لیا گیا اور قتل کیا گیا۔ نیز اس کا سر کاٹ کر مدینے لایا گیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں کچھ تو وہ تھے جن کو فدیہ لے کر آزاد کیا گیا اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو بغیر کسی قسم کا فدیہ اور مال لئے رہا کر دیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں میں ابوالعاص ابو عزہ اور وہب ابن عمیر تھے۔ اسی طرح ان قیدیوں میں کچھ وہ بھی تھے جو قید کے دوران ہی مر گئے اور کچھ ایسے تھے جو قتل کر دیئے گئے ایسے لوگوں میں ایک تو نضر ابن حرث تھا اور دوسرا عقبہ ابن معیط تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

شاہ حبشہ کی فتح بدر پر بے پایاں مسرت ...... ادھر جب غزدہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی فتح اور کامیابی کی اطلاع حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پہنچی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ چنانچہ حضرت جعفر ابن ابوطالب سے روایت ہے کہ ایک دن نجاشی نے ان کو اور حبشہ میں موجود ان کے دوسرے ساتھیوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب یہ نجاشی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مٹی پر بیٹھا ہوا ہے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ ان لوگوں نے بادشاہ کو اس حالت میں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔

"جہاں پناہ یہ کیا ہے۔"

نجاشی نے کہا۔

"میں نے تمہیں ایک ایسی خوشخبری سنانے کے لئے بلایا ہے جسے سن کر تم لوگ بے حد خوش ہو گے۔ تمہارے علاقے سے میرے پاس میرا ایک جاسوس آیا ہے اور اس نے مجھے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فتح و نصرت عطا فرمائی ہے اور ان کے دشمنوں میں فلاں فلاں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے بہت سے مشرکوں کے نام بتلائے۔ یہ جنگ جس میدان میں ہوئی اس کا نام بدر ہے جہاں پیلو کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ میں وہاں اپنے بنی ضمرہ کے آقا کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

حضرت جعفرؓ نے کہا۔

"آپ ان پھٹے پرانے کپڑوں میں اور زمین پر کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

نجاشی نے کہا۔

"عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی انجیل نازل فرمائی تھی اس میں ہم یہ تعلیم پاتے ہیں کہ بندوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت اور خوش خبری حاصل ہو تو وہ تواضع اور انکساری کے اظہار میں مٹی پر بیٹھ کر اس کو بیان کریں۔"

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ

"عیسیٰ علیہ السلام کو جب حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہوتی تو وہ اور زیادہ تواضع اور

انکساری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فتح و نصرت کی نعمت سے نوازا تو میں اس طرح اپنی تواضع کا اظہار کر رہا ہوں۔!"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ

"انجیل میں ہم یہ تعلیم پاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی نعمت سے نوازے تو بندے پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے لئے تواضع اور انکساری کا اظہار کرے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمہیں ایک بے حد عظیم نعمت سے نوازا ہے......!"

شکست کے بعد قریش کی ایک اور سازش

(قال) جب حق تعالیٰ نے بدر کے دن مشرکوں کو ذلیل و خوار کیا اور ان کو زبردست شکست اٹھانا پڑی تو انہوں نے غصہ سے پیچ و تاب کھا کر کہا۔

"ہماری انتقامی کارروائی حبشہ کی سرزمین میں ہے۔ ہم اب حبشہ کے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجیں گے کہ محمد ﷺ کے جو اطاعت گزار اس کے پاس ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ پھر ہم ان لوگوں کو اپنے آدمیوں کے بدلے میں قتل کریں گے۔"

نجاشی کے پاس قریشی وفد میں عمرو ابن عاص...... اس کے بعد قریش نے مکے پہنچ کر عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ قریش نے ان دونوں کو یہ درخواست دے کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ جو مسلمان اس کے پاس پناہ لئے ہوئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دے۔ نجاشی کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے اس کے واسطے ہدیہ اور تحفے بھی بھیجے تھے۔

نجاشی کے پاس آنحضرت ﷺ کا سفیر...... ادھر رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو نجاشی کے نام ایک خط دے کر بھیجا جس میں بادشاہ کو مسلمانوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

کتاب اصل میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے مگر اس میں ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہی ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمیری جنگ بدر اور جنگ احد میں مشرکوں کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ وہ جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے وہ غزوہ بیر معونہ ہے۔ اس غزوہ میں وہ گرفتار ہو گئے تھے اور ان کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔ پھر بعد میں وہ رہا کر دیئے گئے تھے۔ یہ واقعہ ۴ھ کا ہے جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔

(قال) غرض جب عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ مشرکوں کے قاصدی حیثیت سے نجاشی بادشاہ کے پاس پہنچے تو بادشاہ نے ان کو مایوس کر کے لوٹا دیا۔ چنانچہ حضرت عمرو ابن عاص اس واقعہ کو خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجاشی بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو میں نے اس کو سجدہ کیا۔ اس نے میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید میرے دوست! کیا تم اپنے وطن سے میرے لئے کوئی تحفہ لائے ہو۔"

میں نے کہا

"جی ہاں! جہاں پناہ! میں اپنے وطن سے بہت سی عمدہ اون آپ کے لئے ہدیہ کے طور پر لایا ہوں!"

اس کے بعد میں نے وہ اون بادشاہ کو نذر کی۔ بادشاہ نے میرے ہدیہ کو بے حد پسند کیا۔ اس نے ان تحفوں میں سے کچھ چیزیں اپنے امیروں اور مقرب لوگوں کو تقسیم کیں اور باقی سامان کو محل میں بھجوا دیا اور حکم دیا

کہ اس کی فہرست بنا کر اس کو محفوظ کر دیا جائے۔ عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ جب میں نے بادشاہ کو ان ہدیوں پر اس قدر خوش اور مسرور دیکھا جو ہم لائے تھے تو میں نے اس کے سامنے زبان کھولی اور کہا۔

"اے بادشاہ! میں نے ابھی ایک شخص کو آپ کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا! یعنی عمرو ابن امیہ ضمری کو۔ وہ ہمارے اس دشمن کا ایلچی ہے جس نے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہمارے سرداروں اور بہترین آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ آپ اس ایلچی کو میرے حوالے کر دیجئے تاکہ میں اسے قتل کر دوں!"

عمرو ابن عاص پر نجاشی کا غصہ ...... یہ سنتے ہی نجاشی بادشاہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے اچانک ہاتھ اٹھا کر اس زور سے میری ناک پر گھونسہ مارا کہ مجھے خیال ہوا میری ناک ٹوٹ گئی ہے۔ میری ناک سے خون بہہ کر میرے کپڑوں کو رنگین کرنے لگا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ نجاشی نے ہاتھ بلند کر کے غصے میں خود اپنی ناک پر اس زور سے مارا کہ مجھے خیال ہوا اس کی ناک ٹوٹ گئی۔ بہر حال ممکن ہے نجاشی سے یہ دونوں ہی فعل سرزد ہوئے ہوں جیسا کہ اس کی تشریح کی جاتی ہے۔

غرض حضرت عمرو کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے اس قدر خوف اور ذلت محسوس ہوئی کہ دل چاہتا تھا زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ میں نجاشی کے غصہ سے بے حد خوفزدہ تھا۔ آخر میں نے کہا۔

"جہاں پناہ! کاش میں جانتا کہ میں آپ سے جو درخواست کر رہا ہوں وہ آپ کو اس قدر گراں گزرے گی۔"

نجاشی نے کہا۔

"اے عمرو! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے ایلچی کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی ناموس اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا اور پھر عیسیٰ ابن مریم کے پاس آتا تھا۔ اور پھر تم اس ایلچی کو قتل کر دو!"

میں نے کہا

جہاں پناہ! کیا آپ بھی یہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔"

نجاشی نے کہا

"ہاں۔ عمرو! میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔ تم بھی میری بات مانو اور ان کی اطاعت قبول کرو۔ خدا کی قسم وہ حق اور سچائی پر ہیں!"

عمرو آغوش اسلام میں ...... میں نے کہا۔

"کیا پھر آپ ان کی طرف سے اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں۔"

نجاشی نے کہا۔ ہاں۔ اور فوراً ہی بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اسی وقت اس کے ہاتھ پر اسلام کے لئے بیعت کر لی۔ اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ بادشاہ نے مجھے ایک بیش قیمت خلعت پہنایا تھا میں وہی پہنے ہوئے آیا۔ میرے ساتھیوں نے جب شاہی خلعت دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔

"کیا بادشاہ نے تمہاری بات پوری کر دی۔ یعنی عمرو ابن امیہ ضمری کے قتل کو منظور کر لیا۔"

میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ پہلی ہی ملاقات میں بادشاہ سے اپنا مقصد بیان کر دوں!۔

پھر میں۔نے کہا۔

"میں ان کے پاس پھر جاؤں گا!"

میرے ساتھیوں نے کہا تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ اسکے بعد میں ان لوگوں کے پاس سے اٹھ گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عمرو ابن عاص نے جہاں اپنے ساتھیوں کا لفظ بولا ہے تو اس سے ان کی مراد اپنے ساتھی عبداللہ ابن ربیعہ ہوں۔ مگر پہلی بات کی تائید آگے آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے اس لئے یہ دوسرا پہلو قابل غور ہے۔

عمرو ابن عاص کا عزم مدینہ...... غرض عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے اس طرح اٹھا گویا مجھے کسی کام سے جانا ہے۔ پھر میں سیدھا بندرگاہ پر پہنچا جہاں میں نے ایک جہاز دیکھا جس پر مال اور مسافر بار کئے جا چکے تھے۔ میں بھی اسی جہاز میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جہاز فوراً ہی روانہ ہو گیا یہاں تک کہ ہم شعیبہ کے ساحل پر پہنچ گئے۔ یہ جدہ کی مشہور بندرگاہ تھی جہاں اس علاقہ کے لئے جہاز آکر لگتے تھے۔ یعنی جدہ آباد ہونے سے بھی پہلے اسی مقام پر جہاز لنگر انداز ہوا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

میں نے جہاز سے اتر کر ایک اونٹ خریدا اور مدینے کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں ھدات کے مقام پر پہنچا (جو راستے کی ایک منزل تھی) وہاں میں نے دو آدمیوں کو دیکھا۔ یہ دونوں خالد ابن ولید اور عثمان ابن ابی طلحہ تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر خوش آمدید کہا۔ پھر گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ وہ دونوں بھی اسی مقصد سے مدینے جا رہے ہیں جس مقصد سے میں جا رہا تھا۔ چنانچہ ہم تینوں ساتھ ہی مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔

گزشتہ سطروں میں وہ شبہ بیان ہو چکا ہے جو غزوہ بدر کے فوراً بعد عمرو ابن امیہ ضمری کو مسلمانوں کی طرف سے نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجنے کی روایت پر ظاہر کیا گیا ہے کہ اس وقت تک عمرو ابن امیہ ضمری مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ کافر تھے کیونکہ غزوہ احد میں وہ مشرکوں کی طرف سے شریک ہوئے تھے چنانچہ اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں اس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ جب ربیع الاول اور ایک قول کے مطابق محرم ۷ھ اور ایک قول کے مطابق ۶ھ کا مہینہ آیا جو عبدالبر نے واقدی سے نقل کیا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے نجاشی بادشاہ کو ایک فرمان بھیجا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ آپ کا یہ خط حضرت عمرو ابن امیہ ضمری لے کر گئے تھے۔ نجاشی نے یہ فرمان نبوت پڑھا اور فوراً مسلمان ہو گیا آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت ام حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دے چنانچہ نجاشی نے اس حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ ابھی تک حبشہ میں موجود ہیں ان کو مدینے بھیج دے۔ بادشاہ نے اس حکم کی بھی فوراً ہی تعمیل کی۔

ادھر جہاں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کا بیان گزرا ہے وہیں اس پر بھی گفتگو ہوئی ہے کہ حضرت عمرو ابن امیہ ضمری آنحضرت ﷺ کے دو خط نجاشی بادشاہ کے پاس لے کر گئے تھے جن میں سے ایک میں تو آپ نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور دوسرے خط میں ام حبیبہ کے ساتھ اپنے نکاح کے لئے لکھا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ عمرو ابن امیہ کو ربیع الاول ۶ھ میں بھیجا گیا تھا۔ آگے جہاں آنحضرت ﷺ

کے ان خطوں اور فرمانوں کا ذکر آئے گا جو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام بھیجے تھے وہیں آنحضرت ﷺ کے ان دونوں خطوں کا بیان بھی ہوگا جو آپ نے حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کے ہاتھ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجے تھے۔ یہ سب کتاب عیون الاثر کا کلام ہے اور اس میں جو اشکال ہوتا ہے وہ قابل غور ہے۔

نجاشی کا اسلام...... پھر میں نے اس سلسلے میں کتاب نور کا مطالعہ کیا جس میں ہے کہ ایک سے زائد حضرات نے یہ بات لکھی ہے کہ نجاشی بادشاہ ۷ھ میں مسلمان ہوا مگر اس سے اس روایت پر اشکال پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق غزوہ بدر کے فوراً بعد جب قریش نے عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تو نجاشی نے عمرو ابن عاص کے سامنے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی شہادت دی اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔ لہذا یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نجاشی پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا تو ۷ھ میں اس کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کیسے دی۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد ہے اسکو اپنے اسلام کا اعلان کرنے کی دعوت دی گئی یعنی آپ نے عمرو ابن امیہ ضمری کو یہ پیغام دے کر بھیجا تھا کہ اب نجاشی اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنے کے بجائے اس کا اعلان کر دے اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کر دے کیونکہ اس وقت تک نجاشی اپنی قوم سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھا۔

پھر جب نجاشی کی قوم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کا بادشاہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے کے بجائے اللہ کا بندہ ماننے لگا ہے اور اس بارے میں حضرت جعفر ابن ابو طالب کا ہمنوا ہو گیا ہے تو قوم کے لوگ اس سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے تو ہمارا دین چھوڑ دیا۔ اور اسکی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ نجاشی نے فوراً حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو بلوایا۔ ان کے لئے کشتیوں کا انتظام کر کے ان سے بولا۔

"تم لوگ جہازوں میں سوار ہو جاؤ۔ اور یہیں رہو۔ اگر قوم کی دشمنی کی وجہ سے مجھے بھاگنا پڑا تو تم لوگ جہاں چاہے بھاگ جانا اور اگر میں ان کی مخالفت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو تم یہیں ٹھہرنا۔"

پھر اس نے ایک تحریر لکھی جس میں لکھا کہ یہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول اور اس کی وہ روح اور کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم میں ڈالی تھی۔

نجاشی قوم کی عدالت میں...... نجاشی نے یہ تحریر اپنے کپڑوں کے نیچے دائیں شانے کے پاس رکھ لی اور اس کے بعد حبشی قوم کے سامنے پہنچا وہ لوگ صفیں باندھے بادشاہ کے انتظار میں کھڑے تھے نجاشی نے ان کے سامنے پہنچ کر کہا۔

"اے گروہ حبشہ! کیا میں تم میں سب سے زیادہ نرم دل آدمی نہیں ہوں۔"

انہوں نے کہا۔ "بے شک!" پھر نجاشی نے کہا۔

"اور میرے طور طریقوں اور سیرت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

انہوں نے کہا ہم آپ کو ایک نیک سیرت آدمی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ نجاشی نے کہا پھر تمہیں کیا ہوا کہ یہاں چڑھ کر آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔

آپ نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور یہ کہنے لگے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں!"

نجاشی نے کہا۔

"تم خود عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو۔"

قوم کی رضامندی......انہوں نے کہا ہم انہیں اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

نجاشی نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر قباء کے اوپر رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ تو شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے ہیں۔"

نجاشی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کا مقصد اس تحریر کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ غرض اس کے بعد قوم کے لوگ نجاشی سے راضی ہو گئے۔

نجاشی کا بیٹا......ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے مکے میں ایک تاجر کے پاس نجاشی کے بیٹے کو غلام کی حیثیت سے دیکھا جسے وہ بیچ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کو خرید ا اور نجاشی کے ان احسانات کے بدلے میں اس کو آزاد کر دیا جو اس نیک دل بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے نجاشی کے اس بیٹے کا نام نیزر تھا اور اس کو نیزر غلام علی کہا جاتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حبشیوں کو نیزر کے متعلق خبر پہنچی تو انہوں نے اپنا ایک وفد اس کے پاس بھیجا کہ وہ آجائے تاکہ وہ اس کو اپنا بادشاہ بنالیں اور اس کی تاج پوشی کر دیں۔ اس کے متعلق کسی کو اختلاف نہیں تھا مگر نیزر نے انکار کر دیا اور کہا۔

"اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اسلام کی نعمت سے نواز دیا ہے تو مجھے ملک و سلطنت کی کوئی تمنا نہیں ہے۔"

مگر علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ عمرو ابن عاص قریش کی طرف سے غزوہ بدر کے بعد نجاشی کے پاس نہیں گئے تھے بلکہ یہ واقعہ غزوہ احزاب کے بعد کا ہے جبکہ وہ قریش کے ساتھ اس غزوہ کے بعد واپس ہوئے تھے چنانچہ حضرت عمرو ابن عاص خود روایت کرتے ہیں کہ جب ہم غزوہ خندق کے بعد احزاب یعنی مختلف جتھوں کے ساتھ ہوئے تو قریش کے ان لوگوں کو ایک دن میں نے جمع کیا جو میرے مرتبہ کی وجہ سے میری بات مانتے تھے چنانچہ میں نے ان سے کہا۔

"آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ محمد ﷺ کا معاملہ میرے خیال میں ناقابل برداشت حد تک بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اب اس سلسلے میں میری ایک رائے ہے اس کے بارے میں آپ کا مشورہ لینا ہے!"

لوگوں نے کہا آپ کی کیا رائے ہے تو عمرو ابن عاص نے کہا۔

"میری رائے ہے کہ ہم لوگ نجاشی بادشاہ سے سمجھوتہ کر کے اسی کے پاس رہنا شروع کر دیں۔ اب اگر محمد ﷺ ہم لوگوں یعنی قریش پر غالب آ گئے تو (ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا کیونکہ) ہم نجاشی کے پاس اس کی پناہ میں ہوں گے اس لئے کہ ہمارے نزدیک نجاشی کے ماتحت رہ کر زندگی گزار دینا اس سے بہتر ہے کہ ہم محمد ﷺ کے ماتحت ہوں۔ اور اگر آخر کار ہماری قوم محمد ﷺ پر غالب آ گئی تو ہم بہر حال اپنی قوم کے ممتاز لوگ ہیں اور ہماری قوم کے لوگ ہمارے ساتھ اچھا ہی معاملہ کریں گے۔"

لوگوں نے کہا

"واقعی یہ رائے بہت مناسب اور عمدہ ہے!"

پھر میں نے ان لوگوں سے کہا

"بس تو پھر نجاشی کو پیش کرنے کے لئے ہدیئے جمع کرو!"

خود میرے نزدیک اس کو تحفہ میں دینے کے لئے ہمارے ملک کی بہترین چیز اون تھا۔ چنانچہ ہم نے بادشاہ کے لئے بہت زیادہ اون جمع کیا اور پھر حبشہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابھی ہم حبشہ میں پہنچے ہی تھے کہ وہاں عمرو ابن امیہ ضمری پہنچ گئے جو مسلمان تھے اور بادشاہ کے پاس مدینے سے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے اور آپ نے ان کو حضرت جعفر ابن ابوطالب اور ان کے ساتھی مسلمانوں کے سلسلے میں بھیجا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

عمرو ابن امیہ ضمری...... مگر اس روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو ابن عاص عبداللہ ابن ربیعہ کے ساتھ غزوہ بدر کے بعد نجاشی کے پاس نہیں گئے تھے۔ بس اتنا ہے کہ اس صورت میں حضرت عمرو کا نجاشی کے پاس تین مرتبہ جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ عمارہ کے ساتھ اس وقت جبکہ کچھ مسلمانوں نے مکے سے حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ دوسری مرتبہ عبداللہ ابن ابی ربیعہ کے ساتھ غزوہ بدر کے بعد اور تیسری مرتبہ غزوہ احزاب کے بعد اس موقع پر جس کی تفصیل گزشتہ سطروں میں بیان ہوئی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عمرو ابن امیہ ضمری کا حبشہ پہنچنا اور عمرو ابن عاص کا نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا اسی تیسری مرتبہ کا واقعہ ہے۔ اب عمرو ابن امیہ ضمری کے حبشہ پہنچنے پر کوئی اشکال نہیں رہتا کیونکہ اس وقت عمرو ابن امیہ یقیناً مسلمان ہو چکے تھے۔

لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ عمرو ابن امیہ ضمری اس وقت حبشہ گئے تھے جبکہ حضرت عمرو ابن عاص تیسری مرتبہ یعنی غزوہ احزاب کے بعد حبشہ گئے تھے۔ عمرو ابن عاص کے دوسرے سفر یعنی غزوہ بدر کے بعد حبشہ جانے کی روایت میں عمرو ابن امیہ کا حبشہ پہنچنا جن روایتوں میں بیان کیا گیا ہے وہ مغالطہ ہے جو بعض راویوں کو اس سلسلے میں ہوا۔ اسی طرح اس دوسرے سفر میں حضرت عمرو ابن عاص کا نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا بھی راوی کی غلط فہمی اور مغالطہ کی وجہ سے ہے کہ اس نے ایک روایت کی بات دوسری میں بیان کر دی۔

پھر میں نے اس بارے میں کتاب امتاع کا مطالعہ کیا جس میں ہے کہ حبشہ کو مسلمانوں کی ہجرت اور نجاشی کے مسلمان ہونے کا واقعہ مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جن میں کچھ سندیں مختصر ہیں اور کچھ طویل ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ایک سفیر...... آنحضرت ﷺ اپنے مختلف اہم معاملات میں حضرت عمرو ابن امیہ ضمری کو اپنا قاصد اور نمائندہ بنا کر بھیجا کرتے تھے کیونکہ وہ بے حد ذی رائے اور سمجھدار لوگوں میں سے تھے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ انہیں ان کے مسلمان ہونے کے بعد ہی بھیجتے رہے ہوں گے اور ان کے اسلام کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ ۴ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک مال ابوسفیان ابن حرب کے لئے ایک ہدیہ دے کر مکے بھیجا تھا۔ غالباً اس بات سے وہ واقعہ مراد ہے جو ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا آپ کا ارادہ تھا کہ میرے ہاتھ کچھ مال مکے میں ابوسفیان کے پاس بھیجیں جس کو قریش میں تقسیم کراتا تھا۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ساتھ لے جانے کے لئے کسی مناسب آدمی کو تلاش کر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ اسی اثناء میں میرے پاس عمرو ابن امیہ ضمری آئے اور کہنے لگے۔

"میں نے سنا ہے کہ تم مکے جانے کا ارادہ کر رہے ہو اور ساتھ لے چلنے کے لئے کسی مناسب آدمی کی تلاش میں ہو۔"

میں نے کہاہاں میں اسی تلاش میں ہوں۔ عمرو نے کہاکہ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں میں اسی وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے بتلایا کہ ہم سفر کے طور پر مجھے ایک شخص مل گیا ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے۔ تو میں نے کہا عمرو ابن امیہ ضمری ہیں آپ نے فرمایا۔

"جب وہ یعنی عمرو ابن امیہ ضمری اپنی قوم کے درمیان یعنی اپنے علاقے میں پہنچ جائے تو اس سے بچتے رہنا کیونکہ جیساکہ ایک کہنے والے تمہارے بھائی بکری شخص نے کہاہے کہ اس سے تم اپنے کو محفوظ مت سمجھنا۔"

حضرت عمرو ابن عاص سے بھی پہلے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ مسلمان ہو چکے تھے۔ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں باپ بیٹے اور ان کی والدہ یعنی حضرت عمرو ابن عاص کی بیوی کے متعلق فرمایا۔

کیسا اچھا گھرانہ ہے وہ جس میں عبداللہ ابو عبداللہ اور ام عبداللہ ہیں!"

آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ کو ان کے باپ حضرت عمرو ابن عاص سے زیادہ افضل فرمایا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بڑے عابد و زاہد صحابہ میں سے تھے جن کا علم و فضل بہت زیادہ تھا اور انہوں نے بے شمار حدیثیں روایت کی ہیں۔

ابن مرزوق نے لکھاہے کہ ایک دفعہ ابن عمر و حضرت عبداللہ میدان بدر سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کو سخت عذاب دیا جارہا ہے جس سے وہ بلبلا رہا ہے۔ جیسے ہی اس نے ان کو دیکھا وہ ایک دم پکار اٹھا اے عبداللہ! حضرت عبداللہ فوراً اس طرف متوجہ ہوئے تو اس شخص نے کہا۔

"مجھے پانی پلادو!"

حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے اسے پانی دینے کا ارادہ کیا تو اچانک اس سیاہ مخلوق نے جو اس شخص کو عذاب دینے پر مامور تھے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

"عبداللہ اسے پانی مت پلانا کیونکہ یہ ان مشرکوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرمایا ہے!"

دشمن خدا ابو جہل کا عذاب ...... اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے پھر علامہ سیوطی نے خصائص میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر میں یعنی حضرت عبداللہ کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا۔

"کیا تم نے اس کو دیکھا تھا۔"

میں نے کہاہاں! تو آپ نے فرمایا۔

"وہ خدا کا دشمن ابو جہل تھا اور وہ اس کا عذاب تھا جو قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا!"

ابن ابی دنیا اور بیہقی نے شعبی سے ایک روایت پیش کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"میں میدان بدر سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو د... زمین سے نکلتا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کو لوہے کی ایک سلاخ سے مارتا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لوہے کی ایک لاٹ سے اس کو مارتا ہے یہاں تک کہ وہ نکلنے والا شخص پھر واپس زمین کے اندر غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ نکلتا ہے اور اس کے ساتھ پھر یہی معاملہ ہوتا ہے!"

آپ نے فرمایا کہ وہ ابو جہل ہے جس کو قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔

غازیان بدر کے فضائل...... اصحاب بدر کی فضیلت میں جو احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

آپ لوگ اصحاب بدر کو اپنے میں کس درجہ کا شمار کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا کہ افضل ترین مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں۔ یا اسی قسم کا کوئی اور کلمہ فرمایا۔

حضرت جبرئیل نے فرمایا۔

"ایسا ہی ان فرشتوں کو بھی شمار کیا جاتا ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں!"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

"ان فرشتوں کو جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں آسمان میں دوسرے فرشتوں پر زبردست فضیلت حاصل ہے۔"

ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے اس بھائی کے متعلق شکایت کی جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا۔

"یا رسول اللہ! میرا چچازاد بھائی منافق ہو گیا ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اسکی گردن مار دوں۔"

آپ نے فرمایا۔

"وہ غزوہ بدر میں شریک ہوا ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ فضیلت اس کی غلطی کا کفارہ بن جائے!"

غازیان بدر پر اللہ کی نظر کرم...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ

"تمہیں کیا معلوم۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر نظر کرم فرمائی ہے اور یہ فرمادیا ہے کہ جو چاہے کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں!"

(قال) طبرانی میں بھی ایک عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایسی ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا ہے اور ان سے کہہ دیا ہے کہ جو چاہو کرو میں تمہارے گناہ معاف کر چکا ہوں۔ یا یہ فرمادیا ہے کہ تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے۔ یعنی تمہارے گزشتہ گناہ بھی معاف کئے جاچکے ہیں اور وہ بھی جو آئندہ تم سے سرزد ہو سکتے ہیں۔

غازیان بدر کے گناہوں کی بخشش...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جو آئندہ کبیرہ گناہ سرزد ہو سکتے ہیں ان کے لئے انہیں توبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جیسے ہی ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو گا ساتھ ہی اس کی بخشش اور معافی بھی ہو جائے گی۔ گزشتہ گناہوں کے سلسلہ میں اس روایت میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔

نیز یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ معافی اور بخشش کا اعلان آخرت کے اعتبار سے ہے دنیا کے احکام کے اعتبار سے نہیں ہے۔ (یعنی ان میں سے اگر کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہو گا تو دنیا میں شریعت کے قانون کے مطابق اسکو سزا دی جائے گی) چنانچہ حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانے میں حضرت قدامہ ابن مظعون نے جو اصحاب بدر میں سے ہیں ایک دفعہ شراب پی لی تو حضرت عمرؓ نے ان پر حد یعنی شرعی سزا جاری کی حالانکہ وہ بدری تھے۔

اس بخشش کے اعلان کی تشریح یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں توبہ کرنا ضروری اور واجب ہے لیکن اگر توبہ نہیں کی تو آخرت میں اس پر کوئی پکڑ اور گرفت نہیں کی جائے گی۔ جہاں تک توبہ

کرنے کا تعلق ہے تو یہ اس لئے ضروری ہے کہ توبہ دنیا کے احکام میں سے ہے آخرت کے نہیں۔

یہاں یہ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ جیسے ہی گناہ سرزد ہوگا ساتھ ہی اس گناہ سے معافی بھی ہو جائے گی تو پھر توبہ کے واجب ہونے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔ اب جہاں تک حضرت عمرؓ کی طرف سے سزا دیئے جانے کا معاملہ ہے جو انہوں نے حضرت قدامہؓ کو دی تو وہ شراب پینے پر تنبیہ کے طور پر تھی (گناہ کے کفارہ کے لئے نہیں تھی)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں توبہ کا واجب ہونا یقیناً معنی رکھتا ہے چاہے وہ گناہ سرزد ہوتے ہی معاف ہوگیا ہو۔ کیونکہ معافی سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں اس گناہ پر اس بدری شخص کی پکڑ نہیں ہوگی اور یہ بات دنیا میں توبہ کے واجب ہونے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دنیا میں توبہ کا واجب ہونا اور آخرت میں گناہ کا معاف ہونا ایک دوسرے کے لئے لازم نہیں ہیں۔

ادھر خصائص صغری میں شرح جمع الجوامع سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ گناہ جس کے کرنے سے ایک عام آدمی فاسق ہو جاتا ہے وہ گناہ اگر صحابہ سے سرزد ہو جائے تو ان کو فاسق نہیں کرتا۔

<u>غازی بدر قدامہ کا واقعہ</u> ...... یہ حضرت قدامہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک دوسرے کے سالے بہنوئی تھے یعنی حضرت قدامہ کی بہن حضرت عمرؓ کے گھر میں تھیں اور حضرت قدامہؓ کی بیوی حضرت فاروق اعظم کی بہن تھیں۔ حضرت فاروق اعظم کی یہی بیوی ام حفصہ تھیں یعنی حضرت حفصہؓ کی والدہ تھیں جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ اس طرح یہ حضرت قدامہ حضرت حفصہ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے ماموں تھے اور حضرت عمرؓ کی طرف سے ایک علاقہ یعنی بحرین کے گورنر تھے۔

جب حضرت قدامہ بحرین کے گورنر تھے تو وہاں سے جارود سعد ابن عبدالقیس حضرت عمرؓ کے پاس مدینے آئے انہوں نے حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ قدامہ نے شراب پی تھی اور نشہ میں مدہوش تھے۔ جارود نے یہ اطلاع دے کر امیر المومنین سے عرض کیا۔

"میں سمجھتا ہوں حق تعالیٰ نے اس بارے میں جو سزا مقرر فرمائی ہے مجھ پر حق ہے کہ اس کے لئے آپ کو متوجہ کروں!"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے علاوہ اس بات کا گواہ اور کون ہے۔ انہوں نے کہا ابوہریرہؓ اس کے شاہد ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس بات کی شہادت دی کہ میں نے قدامہ کو نشہ کی حالت میں دیکھا تھا۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا۔

"میں نے ان کو پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا مگر نشہ کی حالت میں اور قے کرتے ہوئے دیکھا ہے!"

اس کے بعد قدامہ کو بلایا گیا تو جارود نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ان پر حد یعنی شرعی سزا جاری کیجئے حضرت عمرؓ نے جارود سے کہا۔

"تم مدعی اور فریق ہو یا گواہ ہو!"

اس پر جارود خاموش ہوگئے مگر تھوڑی دیر بعد وہ پھر سزا کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ کر فرمایا۔

"تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔"

جارود نے کہا۔

"یہ حق نہیں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ آپ کے چچازاد بھائی نے شراب پی اور آپ میرے ساتھ برا معاملہ کریں!"

آخر حضرت عمرؓ نے قدامہ کی بیوی یعنی اپنی بہن کو بلوایا۔ اس سے پہلے حضرت ابوہریرہؓ نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو آپ ولید کی بیٹی یعنی قدامہ کی بیوی کو بلا کر تصدیق کر لیجئے۔ غرض قدامہ کی بیوی نے بھی آکر شوہر کے خلاف شہادت دی کہ یہ نشے میں پائے گئے تھے۔ تب حضرت عمر نے قدامہ سے کہا کہ میں تم پر حد جاری کروں گا۔ قدامہ نے کہا کہ آپکو اس کا حق نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا الآیہ پ ۷ سورہ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے تاویل کرنے میں غلطی کی کیونکہ بقیہ آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ

اِذَا مَا اتَّقَوْا وَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیہ پ ۷ سورہ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳

ترجمہ: جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں۔

تو اگر تم پرہیز رکھتے تو اس چیز سے بچتے جس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے حکم پر قدامہ پر حد جاری کی گئی (یعنی کوڑے لگائے گئے) اس پر قدامہ ان سے ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ اور قدامہ نے ایک ساتھ حج کیا۔ حج کے دوران ایک روز حضرت عمرؓ سو رہے تھے کہ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے کہا کہ جلدی سے قدامہ کے پاس چلو کیونکہ ابھی میرے پاس ایک شخص آیا اور بولا کہ قدامہ سے صلح کر لو یعنی ان کو راضی کر لو کیونکہ وہ تمہارا بھائی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے صلح کر لی۔

اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے چند دوسرے صحابہ نے بھی شراب پی لی تھی وہ لوگ یہ تھے۔ ابو جندل ضرار ابن خطاب اور ابوالازور۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جو کہ ملک شام کے گورنر تھے ان پر حد جاری کرنی چاہی تو ابو جندل نے یہی آیت تلاوت کی۔ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ ساری بات حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجی کہ ابو جندل نے میرے سامنے یہ آیت بطور دلیل کے پڑھی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب میں ان کو لکھا کہ جس چیز نے ابو جندل کے سامنے اس گناہ کو خوبصورت بنا کر پیش کیا ہے اسی نے اس کے سامنے اس دلیل کو آراستہ کیا ہے۔ لہٰذا تم بے فکر ہو کر ان پر شرعی سزا جاری کرو۔ اس پر جب حضرت ابو عبیدہؓ نے حد جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ابوالازور نے ان سے کہا کہ ہمیں چھوڑ دو کل ہم دشمن کے مقابلے یعنی جہاد پر جا رہے ہیں اگر ہم قتل ہو گئے تو بات ختم ہو جائے گی اور اگر زندہ واپس آگئے تو آپ ہم پر حد جاری کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد اگلے دن وہ دشمن کے مقابلے پر گئے جہاں ابوالازور تو شہید ہو گئے اور باقی لوگوں کو شرعی سزا دی گئی۔

حافظ دمیاطی نے بخاری کے حواشی میں لکھا ہے کہ حضرت نعیم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو غزوہ

بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور پھر شراب پینے کے جرم میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو چار یا پانچ مرتبہ شرعی سزا دی یعنی اتنی ہی مرتبہ ان سے یہ جرم سرزد ہوا۔ اس پر ایک مسلمان نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اسنے کتنی مرتبہ شراب پی اور کتنی مرتبہ اس پر حد جاری ہوئی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان پر لعنت مت بھیجو کیونکہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ غالباً یہ علت و سبب اپنے مفہوم کے سلسلے میں قابل غور نہیں ہے۔

امام احمد کا مسلک یہ ہے جو حضرت حفصہؓ کی اس روایت کی بنیاد پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے یہ فرماتے سنا کہ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ جو شخص بھی غزوہ بدر اور غزوہ حدیبیہ میں شریک ہوا ہے جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ یہاں شاید لفظ اَوْ یا کے معنی میں سے یعنی بدر یا حدیبیہ میں شریک ہونے والا۔ چنانچہ اسی بات کی تائید حضرت جابرؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بھی (مقام حدیبیہ کے) درخت کے نیچے بیعت کی وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا (یعنی اس سے معلوم ہوا کہ صرف حدیبیہ میں شریک ہونے والا بھی آگ سے محفوظ رہے گا لہٰذا یہی صورت صرف بدر میں شریک ہونے والے کی بھی ہے) اب یہ بات مسلم اور ترمذی میں جابر کی اس روایت کے خلاف نہیں کہ ایک دفعہ حاطب کا غلام آنحضرت ﷺ کے پاس آکر اپنے آقا یعنی حاطب کی شکایت کرنے لگا اور بولا کہ یا رسول اللہ حاطب یقیناً جہنم میں ڈالا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ تو جھوٹا ہے وہ جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ غزوہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے۔ تو یہاں بھی اور کا لفظ ہے مگر ممکن ہے چونکہ حاطب دونوں موقعوں پر شریک ہوئے اس لئے یہ بات خاص طور پر ان ہی کے لئے فرمائی گئی ہو۔

طبرانی میں حضرت ابورافع ابن خدیج کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے دن فرمایا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی بچہ دینداری کے ماحول میں آنکھ کھولے اور چالیس سال تک اللہ کی اطاعت کرے اور ہر قسم کے گناہوں سے بچتا رہے یہاں تک کہ پستی کی عمر تک پہنچ جائے یا اسی طرح عبادت کرتا ہوا وہاں پہنچ جائے جہاں انسان کو کسی چیز کی خبر نہیں رہتی تب بھی وہ تم میں سے کسی کے آج کے رات کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

آنحضرت ﷺ کی نگاہوں میں غازیان بدر کا احترام ...... آنحضرت ﷺ اہل بدر کی بڑی عزت فرماتے تھے اور ان کو دوسروں سے آگے رکھتے تھے چنانچہ ایک دفعہ اہل بدر کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی آپ اس وقت ایک تنگ صف میں اپنے دوسرے صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اصحاب بدر سلام کر کے وہاں اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ لوگ ان کیلئے جگہ چھوڑ دیں گے مگر کسی نے جگہ نہیں چھوڑی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کا اس طرح کھڑا ہونا بہت گراں ہوا اور آپ نے بیٹھنے والوں میں ان لوگوں سے فرمایا جو اصحاب بدر میں سے نہیں تھے کہ اے فلاں کھڑے ہو جاؤ اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ آپ نے اتنے ہی آدمیوں کو کھڑا کر دیا جتنے لوگ اس جماعت میں تھے۔ پھر آپ نے محسوس کیا کہ جن کو کھڑا کیا گیا ہے انکے چہروں پر ناگواری کے آثار ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ چھوڑتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا

الآیہ پ ۲۸ سورہ مجادلہ ع ۲ آیت ۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کو کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو اللہ تم کو جنت میں کھلی جگہ دے گا اور جب کسی ضرورت سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔

چنانچہ اس کے بعد لوگ اصحاب بدر کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں مراد شاید یہ ہے کہ ان کو اپنی جگہ بٹھادیا کرتے تھے۔ کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں اہل بدر کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے جنازے پر ان کی فضیلت اور امتیاز کی وجہ سے چار سے زائد تکبیرات کہی جاتی تھیں۔

ایک روایت ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان اکثر و بیشتر حضرت عبیداللہ ابن عبداللہ کی مجلس میں جایا کرتے تھے تاکہ ان کی باتیں سنیں۔ پھر حضرت عبیداللہ کو معلوم ہوا کہ عمر ابن عبدالعزیز حضرت علی کی شان کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب عمر حضرت عبیداللہ کے پاس آئے تو حضرت عبیداللہ نے ان سے منہ پھیر لیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے حضرت عمر ان کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت عبیداللہ نے سلام پھیر لیا تو عمر سے کہنے لگے۔

تمہیں یہ بات کب معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر سے راضی ہونے کے بعد پھر ناراض ہو گیا ہے!"

عمر ابن عبدالعزیز ان کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے۔

"میں اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے سامنے اپنی معذرت پیش کرتا ہوں خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔"

اس کے بعد جب وہ حضرت علیؓ کا ذکر کرتے تو خیر اور تعریف کے ساتھ ہی کرتے!

باب چہل و سوم (۴۳)

غزوہ بنی سلیم

غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ واپس مدینے تشریف لائے تو وہاں صرف سات رات ہی ٹھہرے اور اس کے بعد وہاں سے خود بہ نفس نفیس بنی سلیم کی سرکوبی کے لئے تشریف لے گئے مدینے میں آپ نے سباع ابن عرفطہ غفاری یا ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا۔

مدینے میں قائم مقامی...... ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ابن ام مکتوم کی قائم مقامی مدینے میں نمازیں پڑھانے کے لئے تھی معاملات اور مقدمات فیصل کرنے کے لئے نہیں تھی کیونکہ ایک نابینا کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے کیونکہ وہ نہ تو لوگوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ گواہوں کو پہچان سکتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ کس کے حق میں اور کس کے خلاف فیصلہ دے رہا ہوں۔ لہٰذا اب یہ بات ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقدمات اور احکام کے سلسلے میں حضرت سباع ابن عرفطہ کو متعین فرمایا ہو اس طرح ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

غرض آنحضرت ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر بنی سلیم کے ایک چشمے پر پہنچے جس کو کدر کہا جاتا تھا۔ کدر کے معنی مٹیالے کے ہیں۔ اس چشمے کو کدر اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہاں پرندے آتے تھے جن کے رنگوں میں مٹیالا پن تھا۔

بلا جنگ کے واپسی...... آنحضرت ﷺ نے اس چشمے پر تین رات قیام فرمایا اور اس کے بعد مدینے واپس لوٹ آئے یہاں بھی دشمن سے سامنا نہیں ہوا۔ اس غزوہ میں آپ کے پرچم کا رنگ سفید تھا جسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اٹھائے ہوئے تھے۔

حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی شادی...... اسی سال میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ یہ نکاح رمضان میں اور ایک قول کے مطابق رجب کے مہینے میں ہوا۔ مگر حضرت علیؓ نے ذی الحجہ کے مہینے میں ان کے ساتھ خلوت کی یعنی رخصت ذی الحجہ میں ہوئی۔ ایک قول میں اس طرح ہے کہ نکاح کے ساڑھے سات مہینے بعد حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ خلوت کی۔ اب گویا ذی الحجہ میں

خلوت کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح جمادی الاول کی ابتدائی تاریخوں میں ہوا تھا۔

نکاح کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال کی تھی اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ مہینے تھی حضرت علیؓ نے ولیمہ کے لئے حضرت سعدؓ کے پاس سے ایک مینڈھا لے کر ذبح کیا اور انصاریوں کی ایک جماعت سے مکئی لی۔

رشتے پر آنحضرت ﷺ کا صاحبزادی سے استفسار...... جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کو اپنا پیغام دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے جا کر فرمایا۔

"علی تم سے اپنا رشتہ دے رہے ہیں!۔"

حضرت فاطمہ خاموش رہیں۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

"بیٹی! تمہارے چچا کے بیٹے علی نے تم سے اپنا رشتہ دیا ہے۔ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔"

حضرت فاطمہ یہ سن کر رونے لگیں اور روتے ہوئے عرض کیا۔

"ابا جان گویا آپ مجھے ایک قریشی فقیر کے حوالے کر رہے ہیں!"

آپ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے اس بارے میں اس وقت تک لب کشائی نہیں کی جب تک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے مجھے اس مقصد کے لئے حکم نہیں فرمادیا۔"

تب حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔

"جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں میں بھی اس پر راضی ہوں!"

اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کو حضرت فاطمہؓ کے لئے پیغام دیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دونوں سے یہ فرمایا تھا کہ ان کے یعنی فاطمہ کے متعلق فیصلے کا انتظار کرو۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان کو مشورہ دیا کہ حضرت فاطمہؓ کے لئے وہ اپنا پیغام دیں۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھے ایک ایسے معاملے کی طرف توجہ دلائی جس کی طرف سے میں بالکل غافل تھا۔ چنانچہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے عرض گزار ہوا کہ فاطمہ سے میری شادی فرمادیجئے۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ موجود بھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک تمہارے گھوڑے کا تعلق ہے تو وہ تمہارے لئے ضروری ہے البتہ جہاں تک تمہاری زرہ کا تعلق ہے اس کو تم فروخت کردو۔"

چنانچہ میں نے اپنی زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کردی اور وہ رقم آپ کے سامنے لا کر ڈال دی آپ نے ان درہموں میں سے ایک مٹھی بھر اٹھائی اور پھر حضرت بلالؓ کو آواز دے کر فرمایا۔

"یہ درہم لو اور ہمیں کچھ خوشبو لادو!"

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اپنا رشتہ دیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان کو مہر میں کیا دوگے۔ ایک راویت میں یہ لفظ ہیں کہ کیا اس کو یعنی فاطمہ کو دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ مال بھی

ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔

"تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تم کو فلاں دن دی تھی۔"

حضرت علیؓ نے کہا وہ میرے پاس موجود ہے اس کے بعد حضرت علیؓ نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں حضرت عثمانؓ کو فروخت کر دی مگر خریدنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ بھی حضرت علیؓ کو واپس دیدی حضرت علیؓ وہ زرہ اور درہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت علی کا ایک عجیب واقعہ ...... علامہ سیوطی کے فتاویٰ میں ایک روایت ہے جس کے بارے میں علامہ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ روایت صحیح ہے۔ وہ روایت ہے کہ حضرت علی کی حضرت فاطمہ کے ساتھ عروسی والی رات میں حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کی زرہ چار سو درہم میں فروخت ہو رہی ہے حضرت عثمانؓ اس زرہ کے فروخت کئے جانے کا مقصد سمجھ گئے اور کہنے لگے۔

"یہ زرہ اسلام کے شہسوار علی کی ہے یہ ہرگز فروخت نہیں ہونے دی جائے گی!"

پھر انہوں نے حضرت علیؓ کے غلام کو چار سو درہم دیئے اور اس کو قسم دی کہ اس واقعہ کی خبر حضرت علیؓ کو نہ کرے۔ ساتھ ہی انہوں نے وہ زرہ بھی واپس بھیج دی۔ صبح ہوئی تو حضرت عثمان کو اپنے گھر میں چار سو تھیلیاں پڑی ہوئی ملیں اور ہر تھیلی میں چار سو درہم تھے اور ہر درہم پر یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ ضرب رحمٰن یعنی اللہ تعالیٰ کا سکہ ہے اور عثمان ابن عفان کے لئے ہے۔ اس واقعہ کی خبر جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ نے عثمان غنی سے فرمایا۔

عثمان تمہیں مبارک ہو!

اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک دن (جبکہ حضرت علیؓ بہت زیادہ تنگ دست ہو رہے تھے) وہ حضرت فاطمہؓ کا ازار فروخت کرنے کے لئے نکلے تاکہ جو قیمت ملے اس سے کھانے کا انتظام کریں یہ ازار چھ درہم میں فروخت ہو گیا اور رقم لے کر چلے اسی وقت ایک فقیر نے ان سے خیرات مانگی تو حضرت علی نے وہی قیمت اس فقیر کو دیدی۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام ایک دیہاتی کی صورت میں ایک اونٹنی لئے ہوئے آئے اور حضرت علیؓ سے بولے۔

"اے ابوالحسن! یہ اونٹنی خرید لو!"

حضرت علیؓ نے کہا میرے پاس قیمت دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ دیہاتی نے کہا کہ قرض لے لو اور ایک مدت متعین کر کے اس وقت قیمت ادا کر دینا۔ اس پر حضرت علی تیار ہو گئے اور سو درہم میں اونٹنی خرید لی۔ اس کے بعد حضرت میکائیل علیہ السلام ایک آدمی کی صورت میں ان کو راہ میں ملے۔ انہوں نے کہا کیا اس اونٹنی کو بیچتے ہو۔ حضرت علی نے کہا ہاں۔ میکائیل نے پوچھا کتنے میں خریدی ہے۔ حضرت علی نے کہا سو درہم میں۔ میکائیلؑ نے کہا۔

"میں اس کو سو درہم میں لیتا ہوں اور ساٹھ درہم تمہارے نفع کے ہوں گے!"

یعنی ایک سو ساٹھ درہم میں خریدتا ہوں۔ حضرت علی نے فوراً وہ اونٹنی بیچ دی۔ اسی وقت جبرئیل علیہ

السلام ظاہر ہوئے اور بولے کہ تم نے اونٹنی بیچ دی۔ انہوں نے کہا ہاں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ پھر میرا قرض ادا کردو۔ حضرت علیؓ نے سو درہم ان کو ادا کئے اور ساٹھ درہم لے کر گھر آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے رقم دیکھ کر پوچھا کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔ حضرت علیؓ نے کہا۔

"میں نے چھ درہم سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کی تھی اس نے مجھے چھ کے بدلے ساٹھ درہم عطا فرما دیئے!"

اس کے بعد حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ پورا واقعہ بتلایا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ان دونوں آدمیوں میں سے اونٹنی بیچنے والے جبرئیل علیہ السلام تھے اور خریدنے والے میکائیل علیہ السلام تھے اور خود وہ اونٹنی فاطمہؓ کے لئے ہے جس پر وہ قیامت کے دن سوار ہوں گی۔"

ان دونوں روایتوں کے متعلق علامہ سیوطی سے پوچھا گیا کہ ان کی کوئی اصلیت ہے یا نہیں۔ علامہ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی لہٰذا یہ جھوٹی اور موضوع احادیث ہیں۔

خطبہ نکاح...... غرض آنحضرت ﷺ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے نکاح کا خطبہ پڑھا جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

"اس خدائے پاک کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کے اعتبار سے تمام تعریفوں کا سزاوار ہے اپنی قدرت کے اعتبار سے عبادت کئے جانے کا سزاوار ہے اور جس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اپنی حکمتوں سے مخلوق کو ایک دوسرے سے ممتاز فرمایا پھر حق تعالیٰ نے شادی بیاہ کو نسب اور سسرالی رشتے داریوں کا ذریعہ بنایا۔ پس تیرے رب کو ہر بات کی قدرت حاصل ہے۔ پھر مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ میں فاطمہ کو علی کے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے عوض بیاہ دوں۔ پس اے علی کیا تم اس نکاح پر راضی ہو۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا میں راضی ہوں۔

اس سے پہلے خود حضرت علیؓ نے خطبہ دیا تھا جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

حق تعالیٰ کی ذات پر اپنی نعمتوں اور فضل و کرم کے لئے تمام تعریفوں اور شکر کی سزاوار ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے میں اس شہادت کو اُس تک پہنچا کر اس کی خوشنودی چاہتا ہوں۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"اے علی۔ خود اپنے لئے خطبہ پڑھو!"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح خطبہ شروع کیا۔

"تمام تعریفیں اسی ذات خداوندی کی سزاوار ہیں جس کو کبھی موت نہیں آسکتی۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے اپنی صاحبزادی فاطمہ کو چار سو درہم مہر کے عوض میرے نکاح میں دیا۔ لہٰذا آپ جو کچھ فرمائیں اس کو سب سن لیں اور اس کے گواہ رہیں۔!"

یہ سن کر لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ کیا فرماتے ہیں۔"
آپ نے فرمایا۔
"میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے علی کی شادی اسی طرح کر دی ہے۔"
یہ روایت ابن عساکر نے بیان کی ہے۔ مگر علامہ ابن کثیر نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس واقعہ کے متعلق بے شمار منکر اور موضوع حدیثیں ملتی ہیں جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔

چھوہاروں کی لوٹ...... غرض نکاح ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے چھوہاروں کا ایک تھال منگایا اور اسے اپنے سامنے رکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ لوٹو اور کھاؤ۔ (یہاں انتھبوا کا لفظ فرمایا گیا ہے جس کے معنی ہیں مال غنیمت لوٹنا۔ یہاں مراد ہے جھپٹ جھپٹ کر جو ہاتھ لگے اٹھالینا اور کھانا)۔

پیچھے حضرت علیؓ کا ایک قول گزرا ہے کہ اس رشتے کی طرف مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم نے توجہ دلائی جبکہ میں اس سے غافل تھا۔ مگر اس کے مقابلے میں حضرت اسماء بنت عمیس کی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

"میرے پاس نہ سونا نہ چاندی (میں شادی کہاں سے کروں اور جلدی اس لئے نہیں ہے کہ) میں کوئی بد دین یا تہمت والا آدمی بھی نہیں ہوں (کہ شادی نہ کرنے کی صورت میں بے راہروی کا شکار ہو جاؤں گا!)"

مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ جس رات میں حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ عروسی منائی اس رات میں اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔
"مجھ سے ملنے سے پہلے کوئی بات نہ کرنا!"

دولہا دلہن کے لئے دعا...... اس کے بعد ام ایمن حضرت فاطمہؓ کو لے کر کمرہ میں آئیں حضرت فاطمہ ایک طرف کونے میں بیٹھ گئیں دوسرے کونے میں حضرت علیؓ بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا۔
"میرے لئے تھوڑا سا پانی لے کر آؤ۔"

حضرت فاطمہؓ شرم سے اپنے کپڑوں میں لڑکھڑاتی ہوئی اٹھیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے اپنا دوشالہ سمیٹتی ہوئی اٹھیں اور ایک پیالہ میں پانی لے کر آئیں۔ آپ نے پیالہ لیا اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں الٹ دیا۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا قریب آؤ۔ وہ آگے بڑھ آئیں آپ نے وہ پانی ان کے سینے اور سر پر چھڑکا اور پھر یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُعِیۡذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

ترجمہ: اے اللہ! میں فاطمہ اور اس کی اولاد کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں اور ان کے لئے شیطان مردود سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے تھوڑا سا پانی لا کر دو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کا مقصد سمجھ گیا چنانچہ میں اٹھا اور پیالہ بھر کے آپ کے پاس لایا۔ آپ نے پیالہ لے کر اس میں سے تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر واپس الٹا اور وہی سب میرے لئے بھی کیا جو فاطمہ کے لئے کیا تھا۔ پھر وہی دعا آپ نے میرے لئے

بھی فرمائی جو ان کے لئے فرمائی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے صاحبزادی فاطمہ اور حضرت علیؓ دونوں کے لئے ان الفاظ میں دعا فرمائی۔

اللھم بارك فیھما وبارك علیھما و بارك لھما فی شملھما

ترجمہ: اے اللہ! ان دونوں میں برکت عطا فرما ان پر برکتیں نازل فرما اور ان کے اس ازدواجی تعلق کو مبارک فرما۔

اس کے بعد آپ نے سورۂ اخلاص اور معوذتین یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ تلاوت فرمائیں اور پھر حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اس کی برکت کے ساتھ اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ۔"

حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کا بستر ...... حضرت فاطمہؓ کا بستر مینڈھے کی کھال کا تھا۔ دونوں کے اوڑھنے کی جو چادر تھی وہ کپڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا کہ اگر اس کو لمبائی میں اوڑھتے تھے تو دونوں کی کمر کھلی رہ جاتی تھی اور اگر چوڑائی میں اوڑھتے تھے تو دونوں کے سر کھلے رہ جاتے تھے۔

غرض حضرت فاطمہؓ کی شادی کے بعد تین دن تک آپ ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔ چوتھے دن ایک سرد شام میں آپ ان دونوں کے پاس تشریف لے گئے اس وقت وہ دونوں اسی چھوٹی سی چادر میں لیٹے ہوئے تھے آپ نے ان دونوں کو دیکھ کر فرمایا کہ یوں ہی لیٹے رہو پھر ان کے سرہانے کی طرف بیٹھے اور اپنے دونوں پاؤں اور ٹانگیں ان کی چادر میں ان دونوں کے درمیان ڈالیں۔ حضرت علیؓ نے آپ کی اپنی طرف کی ٹانگ اپنے سینے اور پیٹ پر رکھ لی تاکہ ٹانگ کو گرمائی ملے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ نے آپ کی اپنی طرف کی ٹانگ کو گرمائی پہنچانے کے لئے رکھ لیا۔

ایک دن حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہمارے پاس سوائے بھیڑ کی اس کھال کے کوئی بستر نہیں ہے۔ رات کو یہی بچھا کر سوتے ہیں اور دن میں اسی میں اپنے اونٹ کو چارہ رکھ کر دے دیتے ہیں!"

موسیٰ ابن عمران کی مثال ...... آپ نے فرمایا۔

بیٹی اس پر صبر کرو موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے اپنی بیوی کے ساتھ دس سال اسطرح گزارے ہیں کہ انکے پاس سوائے ایک قطوانی عباء کے کوئی چیز نہیں تھی جسے وہ بستر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔"

یہ قطوان کوفے کے پاس عراق کا ایک گاؤں تھا۔ غالباً یہاں کی عباء یعنی چوغہ بہت پائیدار ہوتا تھا حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا بس فاطمہ ہی تھیں (جو سب کام کرتی تھیں)۔

زبان نبوت سے حضرت علیؓ کے مناقب ...... حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت ﷺ کے پاس اس حالت میں پہنچا کہ میں نے بھوک سے بے حال ہو کر پیٹ کے ساتھ پتھر باندھے ہوئے تھے اور اس دن میرے کئے ہوئے صدقات کی تعداد چالیس ہزار دینار ہو چکی تھی۔ غالباً دن سے مراد ہے کہ اس سال اس دن تک یہ مقدار ہو چکی تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی حضرت علیؓ کی تعریف اور شان میں جتنی حدیثیں روایت ہوئی ہیں اور کسی صحابی کی شان میں روایت نہیں ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی کے دشمنوں اور خوارج کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی جو ہر وقت ان پر طعن اور آوازیں کستے تھے۔ اس صورت حال کی وجہ سے

صحابہ میں بہت زیادہ اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی اور ہر صحابی کی کوشش یہ ہوئی کہ خوارج وغیرہ کے الزامات کا جواب دینے کے لئے حضرت علیؓ کی شان میں آنحضرت ﷺ کے جو کلمات بھی انہیں یاد ہوں وہ لوگوں کے سامنے بیان کریں (تاکہ دشمنوں کی زبانیں بند ہوں)

حضرت علی کے بارے میں آیات قرآنی...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں کسی صحابی کے سلسلے میں اس قدر آیتیں نازل نہیں ہوئیں جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں نازل ہوئیں ان کے بارے میں تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت علیؓ کے اقوال زریں...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر میں جو کچھ بھی میں نے جمع کیا ہے وہ سب کا سب حضرت علیؓ کی روایتوں سے لیا ہے حضرت علیؓ کے فصیح اور نادار ارشادات اور اقوال زریں میں سے ایک یہ ہے۔

"کسی شخص کو سوائے اس کے گناہ کے اور کوئی چیز نہیں ڈرا سکتی (یعنی جس شخص کو خوف ہوتا ہے وہ خود اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے) کسی شخص کو سوائے خدائے پاک کے اور کوئی آرزو نہیں کرنی چاہئے۔ بے علم آدمی کو عالم سے کچھ سیکھنے میں شرمانا نہیں چاہئے۔ اور عالم سے اگر کوئی ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ نہیں جانتا تو اسے واللہ اعلم کہنے میں شرم نہ کرنی چاہئے۔ مجھ سے اگر کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا مجھے علم نہیں تو واللہ اعلم کہنے سے میرے قلب و جگر کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ اس عالم سے زیادہ کون جان و جگر کو ٹھنڈا کرنے والا ہے جس نے اپنے علم پر عمل کیا اور اپنے عمل کو اپنے علم کے مطابق بنالیا۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم کو ایک بوجھ کی طرح اٹھائے ہوئے ہوں گے کہ وہ علم ان کے حلقوم سے نیچے نہیں ہوگا۔ ان کی پوشیدہ زندگی ان کی ظاہری زندگی سے مختلف ہوگی۔ ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا۔ جب وہ حلقے بنا کر اپنی مجلسوں میں بیٹھیں گے تو ہر عالم دوسرے کی عیب جوئی کرتا ہوا نظر آئے گا یہاں تک کہ ایک شخص یعنی عالم اپنے حاشیہ نشین پر صرف اس لئے ناراض ہوگا کہ وہ دوسرے کی مجلس میں کیوں بیٹھتا ہے اور اسی لئے اس کو چھوڑ دے گا۔ ان کے اعمال کی ان کی ان مجلسوں اور حلقوم سے آگے حق تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوگی۔"

آنحضرت ﷺ نے ایک بار حضرت علیؓ کو خطاب کر کے فرمایا۔

"تمہارے سلسلے میں دو قسم کے آدمی ہلاک ہوں گے ایک تو وہ لوگ جو تم سے غیر معمولی اور مبالغہ آمیز محبت کریں گے (یعنی جیسے شیعوں کا فرقہ پیدا ہو گیا) اور دوسرے وہ لوگ جو تم سے بے حد نفرت کریں گے اور تمہارے خلاف ریشہ دوانیاں کریں گے (یعنی جیسے خوارج کا فرقہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ معاذ اللہ حضرت علیؓ کو مسلمانوں میں سے بھی خارج کرتے ہیں)"

اسی طرح ایک دفعہ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"اے علی! تمہارے بارے میں میری امت میں اسی طرح پھوٹ پڑ جائے گی جیسے عیسیٰ ابن مریمؑ کے بارے میں ان کی قوم میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"میرے سے بنی ہشام ابن مغیرہ اس بات کی اجازت مانگتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو علی ابن ابو طالب سے بیاہ دیں۔ میں ان کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں ان کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں کبھی ان کو

اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ سوائے اس صورت کے علی ابن ابو طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے شادی کر لیں کیونکہ وہ یعنی فاطمہ میری جگر پارہ ہے جس بات سے وہ خوش ہوتی ہے میں بھی خوش ہوتا ہوں اور جس بات سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔

باب چہل و چہارم (۴۴)

غزوہ بنی قینقاع

یہ لفظ قینقاع نؔ کے پیش کے ساتھ ہے مگر ایک قول کے مطابق زیر کے ساتھ اور ایک قول کے مطابق زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن مشہور قول یہی ہے کہ اس میں نؔ پر پیش ہے۔

یہ قینقاع یہودیوں کی ایک قوم یعنی قبیلے کا نام تھا۔ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر شمار کئے جاتے تھے یہ سب یہودی صراف اور جوہری تھے یعنی سونا ڈھالنے کا کام کرتے تھے۔ قینقاع کے یہ یہودی حضرت عبادہ ابن صامت اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے حلیف اور معاہدہ بردار تھے۔

جب غزوہ بدر میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی تو ان لوگوں کی سرکشی کھل کر سامنے آگئی اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے ان کا حسد ظاہر ہو گیا۔ اپنی اس جلن اور بغض کی وجہ سے انہوں نے اپنے معاہدہ کو عملاً ختم کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی قینقاع بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبیلوں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ نہ کبھی آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر آئیں گے اور نہ آپ کے دشمنوں کو مدد دیں گے۔ (یہودیوں کے یہ تینوں خاندان مدینے ہی میں رہتے تھے اور ان کے محلے الگ الگ تھے۔

ایک قول کے مطابق معاہدہ یہ تھا کہ جنگ وغیرہ کی صورت میں یہ لوگ نہ آنحضرت ﷺ کے طرف دار ہوں گے اور نہ آپ کے مخالف ہوں گے یعنی آپ کے دشمن کا ساتھ بھی نہیں دیں گے بلکہ ایسے موقعوں پر غیر جانبدار رہا کریں گے۔ اور ایک قول کے مطابق معاہدہ یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ کا کوئی دشمن آپ پر حملہ آور ہو گا تو یہ لوگ آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیں گے اور آپ کی پوری پوری مدد کریں گے جیسا کہ بیان ہوا۔

یہود کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی...... غرض یہودیوں کے ان تینوں قبیلوں میں جنہوں نے سب سے پہلے معاہدے کی خلاف ورزی اور غداری کی وہ بنی قینقاع کے یہودی تھے۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک عرب عورت اپنا تجارتی سامان لے کر وہاں آئی جس میں اونٹ اور بکریاں وغیرہ تھیں تاکہ یہ مال فروخت کر کے نفع حاصل کرے۔ یہ مال اس نے بنی قینقاع کے بازار میں فروخت کیا اور اس کے بعد وہیں ایک یہودی جوہری کے پاس بیٹھ گئی۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ یہ عورت ایک انصاری شخص کی بیوی تھی۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ انصاری مدینے ہی میں رہتے تھے۔ (اس لئے باہر سے اس کے آنے کی بات قابل غور ہو گی) مگر اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ عورت کسی انصاری کی بیوی ہو مگر دیہات کی رہنے والی ہو اور اپنے میکے سے کچھ تجارتی مال لے کر آئی ہو۔

ایک مسلمان عورت کے ساتھ یہود کی چھیڑ خانی...... غرض وہ عورت جوہری کی دکان پر بیٹھی ہوئی تھی اور مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنا بدن اور چہرہ چھپائے ہوئے تھی) کہ کچھ یہودی اوباشوں نے اس پر چہرہ کھولنے کے لئے اصرار کرنا شروع کیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اسی وقت اس دکان دار جوہری نے اٹھ کر اس کے نقاب کا ایک کونہ چپکے سے اس کی پشت کی طرف کسی چیز سے باندھ دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے خاموشی سے اس کی چادر کا ایک سرا ایک کانٹے یا کیل میں الجھا دیا۔ عورت کو اس بات کا پتہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد جب وہ عورت جانے کے لئے کھڑی ہوئی تو کپڑا الجھا ہوا ہونے کی وجہ سے وہیں رہ گیا اور چہرہ اچانک کھل گیا۔ اس پر یہودیوں نے قہقہے لگائے۔ عورت نے ان کی اس بیہودگی پر چیخنا شروع کر دیا۔

مسلمانوں اور یہود میں اشتعال...... وہیں ایک مسلمان گزر رہا تھا اس نے جیسے ہی یہودیوں کی یہ شرارت دیکھی وہ یہودی جوہری کی طرف جھپٹا اور تلوار بلند کر کے اس کو قتل کر دیا یہ دیکھ کر یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ پر دوسرے مسلمانوں نے چیخ چیخ کر مسلمانوں کو جمع کر لیا اور مسلمان غضب ناک ہو کر یہودیوں پر چڑھ دوڑے۔

معاہدے سے برأت کا اعلان...... اسی قسم کا ایک واقعہ پیچھے بھی گزر چکا ہے جو پہلی جنگ فجار کا سبب بنا تھا۔ غرض مسلمانوں میں بنی قینقاع کے یہودیوں کے خلاف سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا (بنی قینقاع سے مسلمانوں کا امن اور دوستی کا جو معاہدہ تھا وہ حضرت عبادہ ابن صامت کی معرفت ہوا تھا) یہودیوں کی اس حرکت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس قسم کی حرکتوں کے لئے ہمارا ان کا سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ اب عبادہ ابن صامت اس معاہدہ سے بری ہو گئے!"

ادھر خود حضرت عبادہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا ساتھی ہوں اور ان کافروں کے معاہدے سے بری ہوتا ہوں۔"

(مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کے اس معاہدے کا دوسرا رکن عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا جس نے مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا یہ شخص ظاہری طور پر مسلمان ہو چکا تھا مگر حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور منافقوں کا سردار تھا) یہ شخص اس واقعہ کے بعد بھی اس معاہدہ سے چمٹا رہا اس نے عبادہ ابن صامت کی طرح اس وقت اس معاہدے سے بری ہونے کا اعلان نہیں کیا چنانچہ اسی کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۔ تا۔ فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

الآیات پ ۶ سورہ مائدہ ع ۸ آیت ۵۱ تا ۵۶

ترجمہ: اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ آخر آیات تک۔

بنی قینقاع کی کھلی دھمکی...... غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا۔

اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی ہی تباہی نازل ہونے سے بچنے کی کوشش کرو جیسی بدر کے موقعہ پر قریش کے اوپر نازل ہوئی ہے اس لئے مسلمان ہو جاؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور اس حقیقت کو تم اپنی کتاب میں درج پاتے ہو اور اس عہد کو بھی جو اللہ نے تم سے لیا تھا۔"

یہودیوں نے کہا۔

"اے محمد! ﷺ آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی آپ کی قوم والوں کی طرح ہیں۔ اس دھوکے میں نہ رہیئے کیونکہ اب تک آپ کو ایسی ہی قوموں سے سابقہ پڑا ہے جو جنگ اور اس کے طریقے نہیں جانتے لہٰذا آپ نے انہیں آسانی سے زیر کر لیا لیکن ہم خدا کی قسم اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کیسے بہادروں سے پالا پڑا ہے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "آپ نے ہم جیسوں سے آج تک جنگ نہیں کی۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر لوگ تھے۔ ساتھ ہی یہ لوگ خود یہودیوں میں سب سے زیادہ دولت مند اور سخت گیر شمار کئے جاتے تھے اور بے انتہا سرکش اور باغی قسم کے لوگ تھے۔ اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ الآیہ پ ۳ سورۂ آل عمران ع ۲ آیت ۱۲

ترجمہ: آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب کئے جاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور وہ جہنم ہے برا ٹھکانہ۔

دوسری آیت حق تعالیٰ نے یہ نازل فرمائی۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ الآیہ پ ۱۰ سورۂ انفال ع ۷ آیت ۵۸

ترجمہ: اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو آپ ان کو وہ عہد اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ اس اطلاع میں برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

یہود کا محاصرہ...... غرض اس دھمکی کے بعد بنی قینقاع کے یہودی وہاں سے جا کر اپنے محلے میں اپنی حویلیوں کے اندر قلعہ بند ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ مجاہدین کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کا پرچم جس کا رنگ سفید تھا آپ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبد المطلب کے ہاتھ میں تھا۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ غزوات میں کبھی کوئی پرچم نہیں رہا۔ مگر ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اس بات کی اس گزشتہ روایت سے تردید ہو جاتی ہے جو غزوہ بدر کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آگے دو سیاہ پرچم تھے جن میں سے ایک حضرت علی کے ہاتھ میں تھا جس کا نام عقاب تھا۔ غالباً یہ نام جاہلیت کے زمانے کے اس پرچم کے مقابلے میں رکھا گیا تھا جو اسی نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کو پرچم رؤسا یعنی سرداروں کا پرچم بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اس پرچم کو جنگ کے وقت سردار کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ پرچم ابوسفیان کے لئے مخصوص تھا اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا تھا یا پھر کوئی اسی کے مرتبے کا

سر دار اٹھا سکتا تھا اگر ابوسفیان موجود نہ ہو جیسا کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر ہوا کہ ابوسفیان موجود نہیں تھا۔ اور بدر کے موقعہ پر دوسرا اسلامی پرچم ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ میں تھا۔ آگے بیان آئے گا کہ یہ پرچم عقاب حضرت عائشہؓ کی چادر میں کا ایک ٹکڑا کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

یہودی علاقے کی طرف کوچ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا اور پندرہ دن تک بنی قینقاع کے یہودیوں کا بے انتہا شدید محاصرہ کیا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لئے شوال کی پندرہ تاریخ کو کوچ فرمایا تھا اور ذی قعدہ کے چاند تک وہیں رہے۔

جلاوطن ہونے کی پیش کش ...... اس شدید محاصرہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا فرمادیا بنی قینقاع کے ان یہودیوں میں چار سو جنگجو تو قلعہ کی حفاظت پر تھے اور تین سو زرہ پوش جاں باز تھے۔

آخر محاصرہ سے تنگ آکر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ ہمارا راستہ چھوڑ دیں تو ہم جلاوطن ہو کر مدینہ سے ہمیشہ کے لئے چلے جانے کو تیار ہیں۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پیشکش کی کہ صرف ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمارے لئے چھوڑ دیجئے جنہیں ہم اپنے ساتھ لے جائیں اور ہمارا مال ودولت آپ لے لیجئے۔ یعنی مال میں ہتھیار وغیرہ بھی شامل ہوں گے جو وہ مسلمانوں کو دے جائیں گے۔

ان کی اس پیشکش سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس باغات اور کھیتی کی زمینیں نہیں تھیں بلکہ ان کا یہ تمام مال ودولت تجارت کے ذریعہ تھا یا سودی کاروبار کے ذریعہ تھا جو آج تک یہودیوں کا خاص مشغلہ ہے۔

فئی اور مال غنیمت ...... آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی یہ بات قبول فرمالی اور ان کے مال ودولت پر قبضہ کر کے ان کو مدینے سے نکل جانے کا راستہ دیدیا) مال غنیمت میں سے آپ کے لئے پانچواں حصہ نکالا گیا حالانکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اس میں فئی کا حق تھا (فئی کے متعلق تفصیل سیرت حلبیہ اردو کی تیئسویں قسط میں گزر چکی ہے) کیونکہ یہ مال جنگ کے بعد حاصل نہیں ہوا تھا نہ ہی لشکروں کا ٹکراؤ اور مقابلہ ہوا تھا۔ بہر حال آپ کو اس میں سے پانچواں حصہ ملا اور باقی چار عدد پانچویں حصے صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہودیوں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس میں ان کے مکانات و محلات اور حویلیاں بھی شامل تھیں مگر میری نظر سے ایسی کوئی روایت نہیں گزری جس سے صاف طور پر یہ معلوم ہو سکتا کہ ان مکانات وغیرہ کا کیا کیا گیا۔

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس فئی کے مال کو مال غنیمت کی طرح قرار دے کر تقسیم فرمایا۔ اس بارے میں ہم شافعیوں کا مذہب یہ ہے کہ مال غنیمت کے مقابلے میں جو فئی کا مال ہوتا ہے جیسا کہ اس غزوہ بنی قینقاع اور آگے آنے والے غزوہ بنی نضیر میں ہوا وہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پانچ قسموں پر تقسیم کیا جاتا تھا جن میں سے چار قسمیں یعنی چار حصے آنحضرت ﷺ کے ہوتے تھے اور بقیہ ایک قسم یعنی ایک حصہ پھر پانچ قسموں پر تقسیم ہوتا تھا اور ان میں سے ایک قسم یعنی ایک حصہ آنحضرت ﷺ کا ہوتا تھا اس طرح آپ کو چار عدد تو پانچویں حصے ملتے تھے اور پھر پانچویں کا پانچواں حصہ ملتا تھا اور پھر پانچویں حصے کو پانچ پر تقسیم کرنے کے بعد جو اس کے چار عدد پانچویں حصے ہوتے تھے ان میں سے ایک تو ذوی القربی یعنی رشتہ داروں کا ہوتا تھا دوسرا یتیموں کا ہوتا تھا تیسرا مسکینوں اور غریبوں کا ہوتا تھا اور چوتھا تہی دست مسافر کا ہوتا تھا۔

اس طرح گویا فئی کا تمام مال پچیس حصوں پر تقسیم ہو جاتا تھا جن میں سے اکیس حصے آنحضرت ﷺ کے ہوتے تھے اور چار حصے چار قسم کے افراد کے لئے ہوتے تھے جن میں رشتہ دار یتیم غریب اور تہی دست مسافر ہوتے تھے۔

غالباً امام شافعیؒ نے یہ مسلک اس لئے اختیار کیا کہ ان کی رائے میں اکثر و بیشتر آنحضرت ﷺ ایسا کرتے تھے ورنہ خود اس موقعہ پر یعنی غزوہ بنی قینقاع اور آگے آنے والے غزوہ بنی نضیر میں آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کو یہیں پانچ حصوں پر تقسیم فرمادیا۔ پھر آپ نے یہ طریقہ ترک کرادیا یعنی اس میں سے لشکر کو کچھ نہیں دیتے تھے۔

بنی ہاشم کا حصہ اور بنی نوفل اور عبد شمس کی محرومی ...... آنحضرت ﷺ نے رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مردوں اور عورتوں کے لئے استعمال فرمایا مگر ہاشم اور مطلب کے دوسرے بھائیوں عبد شمس اور نوفل کی اولاد یعنی بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لئے استعمال نہیں فرمایا حالانکہ یہ چاروں بھائی عبد مناف کے بیٹے تھے جیسا کہ (سیرت حلبیہ اردو کی پہلی قسط میں) بیان ہو چکا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے رشتے داروں کا حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب میں تقسیم فرمایا تو بنی نوفل میں سے جبیر ابن مطعم اور بنی عبد شمس میں سے عثمان غنیؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے۔

"یا رسول اللہ ﷺ بنی ہاشم کے یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں او، ہم ان کی اس فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے جو حق تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے پیدا کر کے انہیں عطا فرمائی ہے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمارے بھائیوں بنی مطلب کو تو حصہ عنایت فرمایا ہے مگر ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہمارے لئے روک لگادی حالانکہ ہمارا اور ان کا رشتہ ایک ہی ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو آپ کے رتبے کی وجہ سے یقیناً شرف اور فضیلت حاصل ہے مگر ہم بھی آپ سے ایک ہی نسب اور ایک درجے کا تعلق رکھتے ہیں پھر آپ نے کس لئے ان لوگوں کو ہم پر فضیلت دی۔"

بنی ہاشم کی فضیلت ...... آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں پھنسا کر اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"جہاں تک بنی ہاشم اور بنی مطلب کا تعلق ہے وہ اس طرح باہم ایک ہیں۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ انہوں نے ہمیں نہ تو جاہلیت کے زمانے میں چھوڑا اور نہ اسلام کے زمانے میں چھوڑا!"

اس سے آنحضرت ﷺ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ جب قریش مکہ نے آپ کے اور مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ اور بائیکاٹ کی تحریر مرتب کی تھی تو وہ تحریر بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بھی خلاف تھی کیونکہ اس وقت بھی یہ دونوں خاندان آنحضرت ﷺ کی حمایت میں تھے اور مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی شعب ابو طالب نامی گھاٹی میں پناہ گزین ہوئے تھے۔

غرض آنحضرت ﷺ کے زمانے میں توفئی کے مال کی وہ تقسیم ہوتی تھی جو پیچھے بیان ہوئی اور آپ کی وفات کے بعد اس کے پانچ حصے کئے جانے لگے جن میں سے چار حصے تو جہاد اور جنگوں کی رسد کے لئے استعمال ہوتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچویں کا پانچواں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے نکالا جاتا اور اسی میں کا دوسرا خمس رشتہ داروں کے لئے ہوتا تیسرا خمس یتیموں کے لئے ہوتا۔ چوتھا خمس مسکینوں اور غریبوں کے لئے علیحدہ

کیا جاتا اور باقی خمس تہیدست مسافروں کے لئے مخصوص کیا جاتا۔

ادھر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ جب آنحضرت ﷺ لشکر کے ساتھ ہوتے ہوئے جنگ کے ذریعہ کوئی مال غنیمت حاصل فرماتے یا لشکر کشی کے ذریعہ حاصل فرماتے یا مد مقابل آجانے کے بعد دشمن کو جلاوطن کر کے حاصل کرتے تو یہ بات آپ کی خصوصیات میں سے تھی کہ آپ اس مال کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز پسند فرمالیتے تھے۔ ایسی چیز کو جو آپ اپنے لئے پہلے پسند فرمالیتے تھے صفی اور صفیہ کہا جاتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: مگر کتاب امتاع کے حوالے سے محمد ابن ابو بکر کی جو روایت گزری ہے وہ اس بات کے خلاف ہے کیونکہ وہاں یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ جو صفی لیتے تھے آیا وہ آپ کے حصے میں سے کاٹ لی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ آپ کے حصے میں سے کاٹ لی جاتی تھی اور ایک قول ہے کہ نہیں کاٹی جاتی تھی بلکہ وہ آپ کے حصے سے علیحدہ ہوتی تھی۔ غزوہ بدر کے بیان میں اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کہ اس اختلاف اور یقین دونوں کے ہونے سے کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے۔ پھر یہ گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا لیا ہوا صفی یعنی منتخبہ مال آپ کے حصے سے زائد ہوتا تھا تو اس لئے کہ اس وقت تک مال غنیمت کا خمس نکالنے کی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا حصہ اس وقت اتنا ہی ہوتا جتنا کسی دوسرے لشکری کا ہوتا تھا اور اس حصے کے علاوہ آپ کا صفی یعنی انتخاب ہوتا تھا۔

پھر خمس یعنی پانچویں حصے کی آیت نازل ہونے کے بعد کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ آنحضرت ﷺ کا ہوتا تھا اب یہیں یہ اختلاف پیدا ہوتا ہے کہ آپ جو صفی یا منتخب مال اپنے لئے پہلے نکالتے تھے وہ آپ کے اس پانچویں حصے کے علاوہ ہوتا تھا یا اسی پانچویں حصے میں سے کاٹ لیا جاتا تھا۔ لہٰذا اس اختلاف اور یقین کے درمیان اب شبہ کی بات نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

یہود کے لئے ابن اُبیّ کی سفارش ...... غرض جب بنی قینقاع اپنی حویلیوں سے نکلے تو ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی مشکیں باندھ دو۔ چنانچہ ان کی مشکیں کس دی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا مگر اسی وقت سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول جو یہودیوں کا حلیف اور حمایتی تھا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور ان لوگوں کی سفارش کرنے لگا۔ اس نے گڑگڑاتے ہوئے آپ سے عرض کیا۔

"اے محمد! میرے ان غلاموں یعنی بے بس دوستوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیجئے!"

آنحضرت ﷺ پر بیجا اصرار ...... آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن ابی کی بات ان سنی کرتے ہوئے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت اپنی وہی زرہ پہنے ہوئے تھے جس کا نام ذات الفضول تھا۔ عبداللہ ابن ابی آنحضرت ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا۔ اور آپ کی زرہ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر یعنی آپ کو پشت کی طرف سے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور اصرار کرنے لگا۔ آپ نے اس کو ڈانٹ کر فرمایا۔

"تیرا برا ہو۔ مجھے چھوڑ دے!"

اس وقت آنحضرت ﷺ کو اتنا سخت غصہ آیا کہ اس کی وجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ نے پھر فرمایا۔ تیرا برا ہو مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا۔

"خدا کی قسم اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ نہیں کر لیں گے۔ یہ لوگ میرے کنبے والے ہیں اور میں مصیبتوں اور تباہیوں سے بہت ڈرتا ہوں۔"

یہود کی جان بخشی...... آخر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔

ان لوگوں کو چھوڑ دو۔ ان لوگوں پر اور ان کے ساتھ اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو!"

اس طرح آپ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر آپ نے عبداللہ ابن ابی سے فرمایا۔

"انہیں لے جاؤ۔ اللہ تمہیں ان کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے۔"

نبی ﷺ کی دعا کا نتیجہ...... پھر آپ نے حکم دیا کہ ان یہودیوں کو مدینہ سے ہمیشہ کے لئے نکال کر جلاوطن کر دیا جائے ان کو جلاوطن کرنے کی ذمہ داری آپ نے حضرت عبادہ ابن صامت کے سپرد فرمائی اور یہودیوں کو مدینے سے نکل جانے کے لئے تین دن کی مہلت دی۔ چنانچہ یہودی تین دن بعد مدینے کو خیر باد کہہ کر چلے گئے۔ اس سے پہلے یہودیوں نے عبادہ ابن صامت سے درخواست کی تھی کہ ان کو تین دن کی جو مہلت دی گئی ہے اس میں کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ مگر حضرت عبادہ نے کہا کہ نہیں ایک گھنٹے کی مہلت بھی نہیں بڑھائی جا سکتی۔ پھر عبادہ ابن صامت نے اپنی نگرانی میں ان کو جلاوطن کیا یہ لوگ یہاں سے نکل کر ملک شام کی ایک بستی کے میدانوں میں جا بسے۔ مگر ایک سال کی مدت بھی نہیں گزری تھی کہ وہ سب کے سب وہیں ہلاک ہو گئے جو آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا اثر تھا جو آپ نے عبداللہ ابن ابی کے سامنے کی تھی کہ اللہ تمہیں ان کے ذریعہ کوئی برکت نہ دے۔

ایک روایت ہے کہ یہودیوں کے مدینے سے جانے سے پہلے ابن ابی آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کے مکان پر یہ درخواست لے کر آیا کہ یہودیوں کو معاف کر کے مدینے میں رہنے کی اجازت دیدی جائے مگر آنحضرت ﷺ اس سے ملنے کے بجائے اندر تشریف لے گئے۔ ابن ابی نے اندر جانا چاہا مگر ایک صحابی نے ہاتھ مار کر اس کو پیچھے دھکیل دیا جس کے نتیجہ میں اس کا منہ دیوار سے ٹکرایا اور زخمی ہو گیا۔ ابن ابی انتہائی غضب ناک ہو کر وہاں سے واپس ہوا۔ بنی قینقاع کے یہودیوں کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو وہ بولے۔

"ہم اس شہر میں ہرگز نہیں رہیں گے جس میں ابو حباب یعنی ابن ابی کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے نہ ہی ہم اب اس سے کوئی مدد لیں گے۔"

اس کے بعد ان لوگوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی۔ ایک قول یہ ہے کہ بنی قینقاع کو جلاوطن کرنے کے نگراں حضرت محمد ابن مسلمہ تھے۔ مگر اس روایت میں کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے عبادہ ابن صامت اور محمد ابن مسلمہ دونوں ہی کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی ہو۔

یہودیوں کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ کو ان کے مکانوں میں سے بے شمار ہتھیار ملے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا بنی قینقاع کے یہودی دوسرے یہودیوں میں سب سے زیادہ مالدار اور سب سے زیادہ بہادر اور جنگ جو لوگ تھے۔

غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ کا انتخاب...... آنحضرت ﷺ نے ان ہتھیاروں میں سے تین کمانیں لیں۔ ان کمانوں میں سے ایک کمان کو کتوم یعنی خاموش کہا جاتا تھا کیونکہ جب اس کمان سے تیر چلایا جاتا تھا تو

بالکل آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ یہی وہ کمان ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے غزوہ احد میں تیر اندازی فرمائی اور جس میں سے تیر اندازی کے وقت چنگاریاں سی نکلتی تھیں جیساکہ آگے بیان آئے گا۔ نیز اس میں جو اشکال ہے وہ بھی بیان ہو گا۔

ان میں سے دوسری کمان کا نام روحاء تھا اور تیسری کو بیضاء کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ آپ نے دو زرہیں لیں جن میں سے ایک زرہ کا نام سعدیہ تھا۔ اس زرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی اور جب جالوت کو قتل کیا گیا تو اس وقت داؤد علیہ السلام یہی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ دوسری زرہ کا نام فضہ تھا جو آپ نے یہودیوں کے ہتھیاروں میں سے اپنے لئے منتخب فرمائی۔

اس کے علاوہ آپ نے تین نیزے اور تین تلواریں بھی اپنے لئے منتخب فرمائیں۔ ان میں سے ایک تلوار کو قلعی کہا جاتا تھا۔ دوسری کو بتار کہا جاتا تھا اور تیسری کا کوئی نام نہیں تھا۔ اس تلوار کا نام خود آپ نے حیف رکھا۔ نیز ان میں سے آنحضرت ﷺ نے ایک زرہ محمد ابن مسلمہ کو اور ایک سعد ابن معاذ کو ہبہ فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب چہل و پنجم (۴۵)

غزوہ سُوَیق

ابو سفیان کا عہد...... قریش کو جنگ بدر میں ایک شرمناک شکست ہوئی تو ابو سفیان نے عہد کیا اور منت مانی کہ میں اس وقت تک ہم بستری کے غسل کا پانی سر پر نہیں ڈالوں گا جب تک محمد ﷺ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ نہیں کروں گا۔

یہاں غسل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک عورتوں کے ساتھ ہم بستری نہیں کروں گا یہاں غالباً غسل کا پانی سر پر نہ ڈالنے کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے یہ کسی صحابی کا اضافہ ہے اور یہ مطلب انہوں نے اس قول سے لیا ہے جس میں ابو سفیان کے یہ لفظ ذکر ہوئے ہیں کہ اس وقت تک عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ اسی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ابو سفیان کے یہ لفظ ہیں کہ اس وقت تک نہ عورتوں کے پاس جاؤں گا اور نہ خوشبو لگاؤں گا جب تک محمد ﷺ سے جنگ نہیں کرلوں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غسل کے لفظ بھی ابو سفیان کے ہی ہوں اور قریش کے لوگ جاہلیت کے زمانے میں ہم بستری کرنے کے بعد غسل کیا کرتے ہوں۔

دور جاہلیت میں ابراہیمی سنتیں...... چنانچہ علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ وضو کی آیت میں غسل کا ذکر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ غسل جنابت یعنی ہم بستری کے بعد کا غسل اسلام کے دور سے پہلے بھی معلوم اور معروف تھا اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے دین کے جو احکام عرب میں باقی رہ گئے تھے یہ ان ہی میں سے ایک تھا۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ یہ غسل قدیم شریعتوں سے چلا آرہا ہے۔

جاہلیت کی نماز جنازہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے لوگ غسل جنابت بھی کرتے تھے۔ اپنے مردوں کو بھی نہلاتے تھے اور ان کو کفنا کر ان پر نماز بھی پڑھتے تھے۔ اس نماز جنازہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب مردے کو نہلانے اور کفنانے کے بعد پلنگ پر رکھ دیا جاتا تھا تو مرنے والے کا ولی پلنگ کے ساتھ کھڑا ہو کر پہلے تو اس کی تمام خوبیوں اور اچھائیوں کا ذکر کرتا اور اس کے بعد کہتا۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو!" اس کے بعد مردے کو دفن کر دیا جاتا۔

علامہ دمیری نے جو کچھ لکھا ہے اسی کی پیروی میں علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ غسل جنابت کا جاہلیت کے

زمانے میں بھی معمول اور اہتمام تھا جو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے دین کے بچے کھچے احکام میں سے تھا جیسے حج اور نکاح کے طریقے باقی رہ گئے تھے لہٰذا یہ بڑی ناپاکی ان کے یہاں معروف و مشہور تھی چنانچہ اسی لئے حق تعالیٰ جل شانہ کا جو یہ ارشاد ہے۔

وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۲ آیت ۶

ترجمہ: اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔

تو قریش کے سامنے اس ارشاد کی تفسیر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ وہ پہلے ہی سے اس کو جانتے تھے۔ اور جہاں تک حدث اصغر یعنی چھوٹی ناپاکیوں کا تعلق ہے تو چونکہ وہ جاہلیت کے زمانے میں قریش میں جانی پہچانی چیز نہیں تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کو اس طرح نہیں فرمایا کہ جب تمہیں کوئی گندگی وغیرہ لگ جائے یا تم پاک نہ ہو تو وضو کر لیا کرو بلکہ اس طرح فرمایا کہ اپنے منہ ہاتھ وغیرہ دھو لیا کرو (جیسا کہ آیت وضو میں ارشاد ہوا ہے

عہد کی تکمیل کے لئے ابو سفیان کی مہم...... غرض یہ عہد کرنے کے بعد ابو سفیان قریش کے دو سو سواروں کو لے کر مکے سے روانہ ہوا تاکہ اپنی قسم پوری کر کے اس سے بری ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس نے مدینے کے قریب ایک جگہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اس کے بعد وہ بنی نضیر کے پاس پہنچا جن کی بستی وہیں تھی۔ یہ بنی نضیر خیبر کے یہودیوں میں سے تھے اور اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے بتلاتے تھے۔ ابو سفیان رات کے اندھیرے میں ان یہودیوں کے سردار حیی ابن اخطب کے پاس پہنچا۔ یہی حیی ابن اخطب رسول اللہ ﷺ کا خسر بھی تھا کیونکہ ام المومنین حضرت صفیہؓ اسی کی بیٹی تھیں۔ غرض یہ حیی بنی نضیر کے سرداروں میں سے تھا۔ ابو سفیان نے اس کے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی مگر حیی نے ڈر کی وجہ سے دروازہ نہیں کھولا ابو سفیان مایوس ہو کر وہاں سے لوٹ گیا۔

اسکے بعد ابو سفیان یہودیوں کے دوسرے بڑے سردار سلّام ابن مشکم کے دروازے پر پہنچا جو یہودیوں کا خزانچی بھی تھا۔ یعنی سلّام یہودیوں کے اس خزانے کا محافظ تھا جو وہ اپنے برے وقتوں کے لئے جمع کر رہے تھے۔ اس میں کچھ زیورات بھی تھے جو وہ مکے والوں کو بھی مانگے پر دیدیا کرتے تھے یعنی کرائے پر دیدیتے تھے۔

یہود سے ساز باز...... ابو سفیان نے سلّام ابن مشکم کے دروازے پر دستک دی تو اس نے اسے بلا لیا اور ملاقات کی۔ اس کے بعد ابو سفیان وہاں سے نکل کر اپنے ساتھی قریشیوں کے پاس پہنچا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو لے کر مدینے کی طرف چلا۔ وہ لوگ مدینے کی ایک نواحی بستی یعنی محلے میں پہنچے جہاں ایک باغ کو آگ لگا دی۔ وہیں انہیں ایک انصاری شخص ملا۔ کتاب امتاع میں ہے کہ یہ شخص معبد ابن عمرو تھا اور ایک ان کا حلیف تھا۔ مشرکوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ ابو سفیان کے تعاقب میں...... مسلمانوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ دو سو مہاجر اور انصاری مسلمانوں کے ساتھ اس کی تلاش میں مدینے سے نکلے۔ اس غزوہ کے موقعہ پر آپ نے مدینے میں حضرت بشیر ابن عبد المنذر کو اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ نے ۵/ ذی الحجہ کو مدینے سے کوچ فرمایا (مگر ابو سفیان اس کارنامے پر یہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر دی۔ لہٰذا وہ وہاں سے بھاگ گئے) راستے میں وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے تھیلے پھینکتے جاتے تھے جو اپنے ساتھ لائے تھے۔

<u>سُویق یعنی ستو کے تھیلے</u>...... یہ ستو جو یا گیہوں کو کوٹ پیس کر بنایا جاتا تھا اور گرمیوں کے موسم میں کبھی پانی اور کبھی گھی میں ملا کر پیا جاتا تھا۔ کبھی شہد اور گھی کے ساتھ ملا کر بھی کھاتے تھے۔ قریش کے لوگ عام طور پر سفر میں جاتے ہوئے ناشتے اور زاد راہ کیلئے ستو ہی ساتھ لیتے تھے۔ غرض مشرکین مکہ ستو کے جو تھیلے پھینکتے گئے وہ راستے میں مسلمانوں کو ملے (عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق یعنی ستو والا غزوہ پڑ گیا)۔

مسلمانوں نے مشرکوں کا دور تک پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہیں آئے۔ اس طرح اس غزوے میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ آخر رسول اللہ ﷺ پانچ دن بعد واپس مدینے تشریف لے آئے۔

باب چہل و ششم (۴۶)

غزوۂ قر قرۃ الکدر

بنی سلیم اور غطفان کی جنگی تیاریاں...... اس غزوہ کو قر قرۃ الکدرہ بھی کہتے ہیں اور قرا قر بھی کہتے ہیں۔ غزوہ سویق سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی سلیم اور غطفان کے لوگ قر قرۃ الکدر کے مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ چونکہ اس سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ ان کے مقابلے کے لئے جاچکے تھے اس لئے شاید آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ مدینے پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل پیچھے غزوہ بنی سلیم کے بیان میں گزر چکی ہے۔

یہ قر قرۃ الکدر ایک جنگلی علاقہ تھا جہاں مختلف پرندے بسیرا کرتے تھے جن کے رنگوں میں دھندلا پن تھا عربی میں کدرہ چونکہ دھندلے اور مٹیالے رنگ کو کہتے ہیں اسلئے اس علاقہ کا نام بھی کدرہ کے نام سے مشہور ہو گیا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ اسکے علاقے میں جو چشمہ تھا وہاں تک آنحضرت ﷺ پہنچ گئے تھے اور جہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی نہیں ملا تھا۔ اس علاقہ کو ان پرندوں کے پائے جانے کی وجہ سے کدر کہا جاتا تھا۔

سرکوبی کے لئے آنحضرت ﷺ کی روانگی...... غرض آنحضرت ﷺ بنی سلیم اور غطفان کے لوگوں کی سرکوبی کے لئے دو سو صحابہ کے ہمراہ مدینے سے روانہ ہوئے اس غزوہ میں آپ کا جھنڈا حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اپنی غیر موجودگی کے دوران مدینے میں آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے ساع ابن عرفطہ یا ابن ام مکتومؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا نیز اس بارے میں جو شبہ ہوتا تھا وہ بھی گزر چکا ہے (جو حضرت ابن ام مکتومؓ کے نابینا ہونے کی وجہ سے ہے۔

دشمن کا فرار...... جب آنحضرت ﷺ روانہ ہو کر اس مقام قر قرۃ الکدر پر پہنچے تو وہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی نہیں ملا۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک جماعت کو وادی کے بالائی حصہ کی طرف روانہ کیا اور خود آپ نے وادی کے اندر ان کو تلاش کیا وہاں آپ کو پانچ سو اونٹ ملے جن کے ساتھ کچھ چرواہے بھی تھے ان میں سے ایک لڑکا تھا جس کا نام یسار تھا۔ مسلمانوں نے ان اونٹوں کو اپنے قبضہ میں کیا اور مدینے کو واپس ہوئے۔

مال غنیمت کے اونٹ...... مدینے سے تین میل کے فاصلے پر آنحضرت ﷺ نے اس مال غنیمت کو پانچ

حصوں میں تقسیم فرمایا اور ایک پانچواں حصہ اس میں سے نکالا باقی چار عدد پانچویں حصے آپ نے صحابہ کے درمیان تقسیم فرمادیئے۔ اس طرح ہر صحابی کو دو دو اونٹ ملے۔ وہ لڑکا یسار آنحضرت ﷺ کے حصے میں آیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا کیونکہ آپ نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ یہ لڑکا گرفتار ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تھا اور اپنے مسلمانوں سے نماز کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔

اب اس مال کو غنیمت مانا گیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں پر تقسیم فرمایا تھا مگر اس کو غنیمت ماننے میں تامل پیدا ہوتا ہے (اسی شبہ اور اس کی جو بنیاد ہے وہ پچھلے ابواب میں بیان ہو چکی ہے)۔

اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ پندرہ دن مدینے سے باہر رہے۔ اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی سلیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا غزوہ پیش آیا اور آپ اس غزوہ میں ان کے اس چشمہ تک پہنچ گئے جس کو ان پرندوں کی وجہ سے کدر کہا جاتا تھا۔ نیز یہ کہ اس موقعہ پر آپ نے سباع ابن عرفطہ غفاری یا ابن ام مکتوم کو مدینے میں جانشین بنایا تھا۔ مگر یہاں غزوہ قرقرۃ الکدر میں یقین کے ساتھ ابن ام مکتومؓ کو قائم مقام بنانے کا ذکر ہوا ہے سباع ابن عرفطہ کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا۔ ادھر غزوہ بنی سلیم کے بیان میں یہ کہیں بیان نہیں ہوا کہ اس موقعہ پر آپ کو کوئی مال غنیمت بھی حاصل ہوا تھا۔

لہٰذا ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بنی سلیم اور یہ غزوہ قرقرۃ الکدر دو علیحدہ علیحدہ غزوے ہیں۔ یہی بات کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے۔ اب یوں کہا جائے گا کہ یہ پرندے اس چشمے پر بھی پائے جاتے تھے جس کا ذکر غزوہ بنی سلیم میں گزرا ہے اور اس علاقے میں بھی پائے جاتے تھے جس کا ذکر اس غزوہ قرقرۃ الکدر میں ہے۔

اب یوں کہنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کو بنی سلیم کے ساتھ دو مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی۔ ایک مرتبہ آپ ان کے علاقے میں اس چشمہ تک پہنچے مگر وہاں کسی کو نہیں پایا اور نہ کوئی مال غنیمت حاصل ہوا۔ دوسری مرتبہ میں آپ اس خاص علاقے تک پہنچے جہاں آپ کو یہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں ہے کہ آیا وہ چشمہ اس خاص علاقے سے پہلے پڑتا تھا یا اس کے بعد یعنی اس سے آگے تھا۔

مگر کتاب سیرت شامی میں یہ ہے کہ غزوہ بنی سلیم ہی غزوہ قرقرۃ الکدر ہے۔ اس قول کی روشنی میں اب یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کو بنی سلیم کے ساتھ ایک ہی مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ وہ چشمہ جہاں وہ پرندے پائے جاتے تھے یا تو اسی جنگلی علاقے میں تھا اور یا اس کے قریب ہی تھا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے ادھر حافظ دمیاطی نے غزوہ بنی سلیم اور آگے آنے والے غزوہ بحران کو ایک قرار دیا ہے اس کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔

باب چہل و ہفتم (۴۷)

غزوۂ ذی اَمَرّ

بنی محارب و ثعلبہ کے جنگی ارادے...... یہ لفظ امرّ یعنی رَ پر تشدید کے ساتھ ہے حاکم نے اس غزوہ کو غزوہ انمار کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ غطفان تھا۔ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے جس کا نام دُعثور ابن حرث غطفانی تھا اور جو بنی محارب میں سے تھا ذی امر کے مقام پر ایک لشکر جمع کر لیا ہے جس میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے لوگ شامل ہیں۔ یہ ذی امرّ غطفان کے علاقے میں ایک بستی تھی۔ غالباً وہ چشمہ کدر جس کا پیچھے بیان ہوا ہے اسی جگہ تھا۔

سر کوبی کے لئے نبی ﷺ کا کوچ...... غرض آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ مدینے کے گردو پیش میں لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ چار سو پچاس صحابہ کے ساتھ ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ان لوگوں کی سر کوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ مدینے میں آپ نے حضرت عثمان ابن عفان کو اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔

کمین گاہوں میں دشمن کی روپوشی...... صحابہ نے ان غطفانیوں کے ایک شخص کو جس کا نام جبار۔ اور ایک قول کے مطابق حباب تھا پکڑ لیا یہ شخص بنی ثعلبہ میں سے تھا۔ یہ شخص آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا اور اس نے آپ کو ان لوگوں کے متعلق کچھ خبریں دیں۔ ساتھ ہی اس نے آپ سے کہا۔

"وہ لوگ آپ سے مقابلہ نہیں کریں گے اور اگر ان کو یہ پتہ چل گیا کہ آپ ان کے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں تو وہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا چھپیں گے۔ میں خود بھی آپ کے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔"

آنحضرت ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو حضرت بلالؓ کے حوالے کر دیا۔ وہ شخص مسلمانوں کو ایک دوسرے راستے سے لے چلا اور ان کے علاقہ میں لے آیا۔

آنحضرت ﷺ پر تنہائی میں حملہ...... ادھر ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے تعاقب کی خبر مل گئی اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا چھپے۔ آنحضرت ﷺ پیش قدمی کرتے ہوئے ایک چشمہ پر پہنچے جس کو ذی امرّ کہا جاتا تھا۔ آپ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اچانک وہاں زبردست بارش شروع ہو گئی اور اتنا پانی پڑا کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑے بھیگ کر پانی میں شرابور ہو گئے۔ تمام صحابہ بھی سر سے پیر تک بھیگ گئے آنحضرت ﷺ نے اپنے بھیگے

ہوئے کپڑے اتارے اور انہیں سکھانے کے لئے ایک درخت پر پھیلا دیا خود آپ وہیں پر لیٹ گئے۔ وہ جگہ ایسی تھی جہاں آپ لیٹے ہوئے تھے کہ مشرکین جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے آپ کو اپنی کمین گاہ سے دیکھ سکتے تھے۔ ادھر مسلمان بھی اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

مشرکوں نے جو آنحضرت ﷺ کو ایک جگہ تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے سردار دعثور کے پاس آئے یہ شخص ان میں سب سے زیادہ بہادر تھا۔ مشرکوں نے اس سے کہا۔

"اس وقت محمد ﷺ بالکل تنہا لیٹے ہوئے ہیں۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ ان سے نمٹ لو!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ خود دعثور نے جب آنحضرت ﷺ کو وہاں تنہا لیٹے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا "اگر اس وقت بھی میں محمد ﷺ کو قتل نہ کروں تو اللہ خود مجھے ہلاک کر دے!"

یہ کہہ کر دعثور تلوار سونتے ہوئے چلا اور بالکل آنحضرت ﷺ کے سرہانے پہنچ کر رکا۔ پھر اچانک اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔

"آج۔ یا۔ اب آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے سکون کے ساتھ فرمایا۔ اللہ!

غیبی حفاظت اور دشمن نبی کی تلوار کی زد میں...... ساتھ ہی جبرئیل علیہ السلام نے دعثور کے سینے پر اپنے ہاتھ سے ایک ضرب لگائی جس سے وہ زمین پر گرا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً اس کی تلوار اٹھالی اور اس سے فرمایا۔

"اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا!"

دعثور نے کہا۔

"کوئی نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ ایک روایت کے مطابق۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!"

دشمن کے سرگروہ کا اسلام...... (اس طرح دعثور جو آپ کو قتل کرنے آیا تھا آپکے غلاموں میں شامل ہو کر لوٹا) آنحضرت ﷺ نے اس کی تلوار اسے واپس فرمادی۔ دعثور وہاں سے اپنی قوم میں واپس پہنچا تو اس کا حال ہی بدلا ہوا تھا اور وہ اپنی قوم کو اسلام کی تبلیغ کر رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو بتلایا کہ میں نے ایک بہت لمبا اور قد آور آدمی دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور اس دھکے سے میں زمین پر گر پڑا۔ اپنا یہ واقعہ سنا کر دعثور نے کہا۔

"میں اسی وقت سمجھ گیا کہ مجھے گرانے والا کوئی فرشتہ ہے۔ اس لئے (یہ کھلی نشانی دیکھ کر) میں فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔"

اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۲ آیت ۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ واپس مدینے تشریف لے آئے اور کہیں کوئی مقابلہ نہیں ہوا اس غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ گیارہ دن مدینے سے غیر حاضر رہے۔

باب چہل و ہشتم (۴۸)

غزوہ بحران

یہ لفظ بحران ب کے زبر کے ساتھ ہے۔ حافظ دمیاطی نے اس غزوہ کو غزوہ بنی سلیم کا نام دیا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ بحران حجاز کے علاقے میں ایک مقام کا نام تھا اور اس کے اور مدینے کے درمیان آٹھ منزل کا فاصلہ تھا۔

بنی سلیم کے جنگی عزائم...... آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ مقام بحران میں بنی سلیم کا ایک لشکر جمع ہو رہا ہے آپ جمادی الاول کی چھ تاریخ کو تین سو صحابہ کے ساتھ بنی سلیم کے اس لشکر کی سرکوبی کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینے میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا اور کسی کو اپنی روانگی کا مقصد نہیں بتلایا۔ آپ تیزی سے منزلیں سر کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ بحران پہنچ گئے وہاں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ بنی سلیم کے لوگ جو وہاں جمع ہو رہے تھے وہ منتشر ہو کر اپنے مختلف چشموں پر چلے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا خروج اور دشمن کا فرار...... بحران پہنچنے سے ایک رات پہلے آنحضرت ﷺ کو راستے میں بنی سلیم کا ایک شخص ملا۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا تھا کہ دشمن کے لوگ مختلف جگہوں پر منتشر ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس شخص کو ایک دوسرے آدمی کے ساتھ روک لیا اور آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ بحران کے مقام پر پہنچ کر آپ کو اس شخص کی خبر کی تصدیق ہو گئی۔ آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور خود اس مقام پر چند دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ واپس مدینے کو روانہ ہو گئے اور اس غزوہ میں بھی کوئی مقابلہ اور جنگ نہیں ہوئی۔ اس غزوہ میں آپ کو دس دن لگے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر اور اس روایت کے مطابق گویا آنحضرت ﷺ کو تین مرتبہ غزوہ کی نوبت آئی ایک مرتبہ تو غزوہ بدر کے فوراً بعد دوسرے یہ غزوہ بحران اور تیسرے غزوہ ذی امر جو دونوں ۳ھ میں پیش آئے۔

دوسری صاحبزادی کا عثمان غنی سے نکاح...... اسی سال یعنی ۳ھ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا جبکہ آپ کی پہلی صاحبزادی یعنی حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت رقیہ کی وفات کا وقت اور اس کی تفصیل پیچھے گزر

چکی ہے۔

حفصہ بنت عمرؓ سے آنحضرت کا نکاح ...... پھر اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ سے اپنا نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ کا پہلا نکاح حضرت خنیس ابن حذافہ سے ہوا تھا۔ یہ حضرت خنیس غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ شعبان کے مہینے میں جب حضرت حفصہ کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا۔

حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی تھی کہ وہ ان سے نکاح کرلیں مگر حضرت ابو بکر خاموش ہوگئے اور انہوں نے اس پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح کرلیں مگر وہ بھی خاموش ہوگئے۔ آخر فاروق اعظمؓ نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں نے عثمان کو حفصہ کی پیشکش کی تھی مگر وہ ٹال گئے!"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے عثمان کو تمہاری بیٹی سے بہتر لڑکی دیدی ہے اور تمہاری بیٹی کو عثمان سے بہتر شوہر دے دیا ہے!"

اس جملے کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شادی تو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے ہو گئی اور حضرت حفصہؓ کی شادی خود رسول اللہ ﷺ سے ہو گئی۔

زینب بنت خزیمہ سے نکاح ...... پھر اسی رمضان ۳ھ میں آپ نے حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا نیز اسی سال آپ نے اپنی پھوپھی اُمیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی حضرت زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش سے آپ نے ۴ھ میں نکاح فرمایا تھا۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ نیز ایک قول ۵ھ کا بھی ہے۔ ان کا نام برّہ تھا یعنی بَر پر زبر کے ساتھ اور ان کی ماں کا نام بُرّہ یعنی بُر پر پیش کے ساتھ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا تھا۔ نیز آپ نے ان سے فرمایا۔

"اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اپنے آدمیوں میں سے کسی کے نام پر اس کا نام رکھتے مگر اب میں نے اس کا نام جحش تجویز کیا ہے!"

عربی میں جحش سردار کو کہتے ہیں۔ اس نکاح سے پہلے ایک روز آنحضرت ﷺ حضرت زینب بنت جحش کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے اپنے غلام حضرت زید ابن حارثہ کا رشتہ ان سے دیا۔ انہوں نے کہا میں زید سے نکاح نہیں کروں گی۔ آپ نے فرمایا نہیں تم اس سے نکاح کرلو۔ حضرت زینب نے کہا۔

"اچھا میں اس پر غور کروں گی۔ کیونکہ حسب نسب میں زید سے میں بہتر ہوں!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ الآیہ پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۵ آیت ۳۶

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں کہ پھر ان کو ان مومنین کے اس کام میں کوئی اختیار باقی نہیں ہے۔

تب حضرت زینبؓ نے عرض کیا کہ میں تیار ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ نے ان کا نکاح حضرت زید ابن حارثہ سے کر دیا۔ یہ بات حضرت زینب اور ان کے بھائی کو گراں ہوئی (کہ ان کو ایک غلام کے حوالے کر دیا گیا) انہوں نے کہا۔

"ہماری مراد تو خود رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کرنا تھی مگر آپ نے ان کو اپنے غلام کے حوالے کر دیا!"

زینب بنت جحش سے زیدؓ کی خواہش نکاح...... اس پردہ گزشتہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل سے یوں روایت ہے کہ حضرت زیدؓ نے جب حضرت زینبؓ سے نکاح کرنا چاہا تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میرا رشتہ فرما دیجئے۔ آپ نے پوچھا کس کے ساتھ۔ انہوں نے کہا زینب بنت جحش کے ساتھ آپ نے فرمایا "میرا خیال ہے وہ اس رشتہ کو منظور نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ نسب کے اعتبار سے اس رشتہ سے معزز ہے!"

زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

نبی سے سفارش...... "یا رسول اللہ! جب آپ ان سے خود بات کریں گے اور یہ فرمائیں گے کہ زید میرے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے تب وہ مان جائیں گی۔"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں وہ ایک فصیح و بلیغ یعنی لسان عورت ہے!"

آخر مایوس ہو کر زید حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور انہیں اس پر تیار کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر ان کے بارے میں آپ ﷺ سے بات کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ زیدؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات کی۔ آپ نے فرمایا۔

"اچھا میں اس کے لئے تیار ہوں اور علی تمہیں زینب کے گھر والوں کے پاس بھیجوں گا تاکہ تم ان سے اس بارے میں بات کرو۔"

چنانچہ حضرت علیؓ ان کے پاس گئے اور واپس آکر آپ کو بتلایا کہ وہ بھی اس رشتے کو ناپسند کرتی ہیں اور ان کے بھائی بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس کہلایا کہ تمہارے لئے اس رشتے کو میں نے پسند کیا ہے میرا فیصلہ یہ ہے کہ تم اس رشتے کو مان لو اس لئے تم اس سے نکاح کر دو۔

نبی کی کوشش سے زید و زینب کا نکاح...... ساٹھ درہم زر، بیس اوڑھنیاں، لحاف، ازار، پچاس مد وزن کی کھانے پینے کی چیزیں اور دس مد وزن کی کھجوریں بھیجیں۔ یہ سب چیزیں آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ کو دی تھیں۔ اور اس طرح حضرت زید کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا۔

اس شادی کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ زید سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے مگر زید وہاں موجود نہیں تھے۔ حضرت زینب آگے آئیں تو آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ! وہ تو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اندر تشریف لائیے!"

آنحضرت ﷺ نے اندر آنے سے انکار فرما دیا۔ اس وقت ہوا کی وجہ سے درمیان کا پردہ جو اڑا تو بلا ارادہ

آنحضرت ﷺ کی نظر ان پر پڑ گئی۔ آپ وہاں سے فوراً یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے۔

"پاک ہے اللہ کی ذات اور دلوں کو پھیرنے والی ہے! ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ دلوں کو بدلنے والی ہے!"

حضرت زینبؓ نے آپ کا یہ جملہ سن لیا۔ جب زیدؓ واپس آئے تو زینب نے ان سے اس کا ذکر کیا۔ زید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

"یارسول اللہ! شاید زینب آپ کو پسند آئی ہیں میں ان کو آپ کے لئے طلاق دے سکتا ہوں!"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں اپنی بیوی اپنے ہی پاس رکھو!"

مگر اس گھڑی کے بعد کبھی بھی زید اپنی بیوی کے پاس نہیں جا سکے۔ یعنی جب سے آنحضرت ﷺ کی نظر ان پر پڑی تھی زید کبھی بھی ان سے ہم بستر نہ ہو سکے (یعنی چاہنے کے باوجود کبھی اس کی نوبت نہ آسکی) یہاں تک کہ حضرت زینب کو انہوں نے طلاق دیدی۔

چنانچہ خود حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ جب سے آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ خیال آیا تھا زید کبھی مجھ سے ہم صحبت نہ ہو سکے حالانکہ میں نے کبھی انکار نہیں کیا تھا (اور خود زید نے بھی ان سے ہم بستر نہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا تھا مگر منجانب اللہ وہ اس موقعہ کے بعد سے کبھی حضرت زینب کو استعمال نہیں کر سکے) اللہ تعالیٰ نے ان کا دل میری طرف سے بدل دیا۔

زید و زینب میں ناچاقی...... پھر ایک دن حضرت زیدؓ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! زینب میرے ساتھ بہت سخت کلامی سے پیش آتی ہیں میں انکو طلاق دینا چاہتا ہوں!"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ سے ڈرو۔ اور اپنی بیوی کو اس طرح مت چھوڑو!"

مگر زید نے عرض کیا۔

"اب وہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو چکی ہیں!"

طلاق...... آپ نے فرمایا تو پھر تم طلاق دے سکتے ہو۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت زید نے انہیں طلاق دیدی جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو آپ نے زید کو ان کے پاس جانے کا حکم دیا اور ان سے کہا۔

"تم زینب کے پاس جاؤ اور ان سے میرا پیغام دو!"

زینب سے آنحضرت ﷺ کا رشتہ...... حضرت زیدؓ وہاں پہنچے۔ وہ کہتے ہیں اب جب میں نے ان کو دیکھا تو میرے دل میں ان کی بڑی عظمت اور احترام پیدا ہوا۔ میں نے کہا۔

"زینب! تمہیں خوش خبری ہو۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے پیغام دے کر بھیجا ہے۔"

حضرت زینب نے کہا۔

"میں اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی جب تک اپنے پروردگار سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں!"

آسمان پر زینب سے نبی کا نکاح...... ادھر رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے زینب سے آپ کو بیاہ دیا ہے۔ جب آپ پر سے وحی کے آثار ختم ہوئے تو آپ مسکراتے ہوئے یہ فرما رہے تھے۔

زینب کے پاس جاکر کون اسے یہ خوش خبری دے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس کے ساتھ میرا نکاح کر دیا ہے۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ خود حضرت زینبؓ کے مکان پر پہنچے اور بغیر اجازت لئے اندر تشریف لے گئے حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ میں کھلے سر بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک آپ بلا اجازت لئے اندر آ گئے۔ میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ بلا نکاح اور گواہوں کے!"

آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے نکاح فرمایا ہے اور جبرئیل گواہ ہیں۔"

ادھر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ

الآیہ پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۵ آیت ۳۷

ترجمہ: اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات بھی چھپائے ہوئے تھے۔

تو اس طرح گویا یہ آیت حضرت زید ابن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے الفاظ کو حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہ ابن زیدؓ کے بارے میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ اپنے اہل وعیال یعنی گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب جن پر اللہ تعالیٰ نے بھی انعام کیا اور میں نے بھی انعام کیا اسامہ ابن زید اور علی ابن ابو طالب ہیں۔

چنانچہ زید اور ان کے بیٹے پر اللہ تعالیٰ کی نعمت تو یہ ہے کہ ان دونوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا گیا اور آنحضرت ﷺ کی نعمت یہ ہے کہ آپ نے ان دونوں کو غلامی سے آزاد کیا کیونکہ باپ کی آزادی سے ہی بیٹے کو بھی آزادی ملی۔

لے پالک کی بیوہ سے نکاح کا جواز ...... اب کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ حضرت زینبؓ آپ کی بیوی بنیں گی۔ چنانچہ جب زید نے آپ سے آکر زینب کی شکایت کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔ مگر آپ نے ان سے وہ بات چھپائے رکھی جو آپ کے دل میں تھی (یعنی جس کی اللہ تعالیٰ آپ کو خبر دے چکا تھا) اور جس کو وہ ظاہر فرمانے والا تھا کہ آپ کی عنقریب ان سے شادی ہوگی۔ تو جو بات آپ نے چھپائی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی خبر دے چکا تھا۔ آپ لوگوں یعنی یہودیوں اور منافقوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ وہ کہیں گے آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی۔ مگر اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں اور جو بات اس کو پسند ہے اور جس بات پر وہ آپ کیلئے راضی ہے اسکو پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید سے حضرت زینب کو طلاق دلوانے کے بعد آپ سے حضرت زینبؓ کی شادی کی تاکہ متبنیٰ کی حرمت ختم ہو جائے (یعنی تاکہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرنے میں کسی شخص کو کوئی تامل اور شبہ نہ رہے اور لوگ جان لیں کہ یہ بات حلال ہے) چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لِكَيْ لَايَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَائِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُاللّٰهِ مَفْعُوْلًا

الآیہ پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۵ آیت ۳۷

ترجمہ: تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے نکاح کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ منہ بولے بیٹے ان سے اپنا جی بھر چکیں۔ اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھا ہی۔

دعوت ولیمہ اور صحابہ کی طویل نشست...... آنحضرت ﷺ نے اپنی ان بیوی کے لئے جو ولیمہ کیا وہ اپنی کسی دوسری بیوی کے لئے نہیں فرمایا تھا۔ نیز آپ نے اس ولیمہ میں بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد اکثر لوگ تو اٹھ اٹھ کر چلے گئے مگر کچھ صحابہ کھانے کے بعد گھر میں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات سے تنگی پیش آئی۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اٹھ کر باہر چلے جاتے اور کچھ دیر بعد واپس اندر آتے تو دیکھتے کہ وہ لوگ اب بھی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔

بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب لوگوں کو بیٹھے بہت دیر ہو گئی تو آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ان کے پاس چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا۔ السلام علیکم گھر والو۔ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حضرت عائشہؓ نے کہا۔

"وعلیک السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ آپ کو اپنی بیوی کیسی لگیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے برکت عطا فرمائے!"

آنحضرت ﷺ کو گرانی...... اس کے بعد آپ اپنی تمام بیویوں کے حجروں میں گئے اور ہر ایک کو آپ نے اسی طرح سلام کیا جیسے حضرت عائشہؓ کو کیا تھا۔ آپ کی تمام ازواج نے بھی اسی طرح جواب دیا اور وہی سوال کیا جو حضرت عائشہؓ نے کیا تھا۔ اس کے بعد آپ پھر واپس وہیں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ اب بھی وہاں اسی طرح بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

پردے کا حکم...... حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میں شرم ولحاظ بے انتہا تھا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر پھر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور حضرت زینبؓ کو بھی وہیں بلا لیا۔ پھر کچھ دیر بعد آپ کو اطلاع ملی کہ لوگ اٹھ کر چلے گئے ہیں تو آپ وہیں تشریف لائے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حجرے کی دہلیز میں قدم رکھا اور دوسرا باہر تھا کہ پردہ میرے اور آپ کے درمیان آگیا۔ اسی وقت پردے کی آیت نازل ہوئی۔ تفسیر کشاف میں یہ ہے کہ یہ شائستگی کی تعلیم تھی جو اللہ تعالیٰ نے شریف و معزز گھرانوں کو دی۔

مسلم میں حضرت عائشہؓ سے یوں روایت ہے کہ پردے کی آیت نازل ہونے کے بعد ایک دن حضرت سودہؓ گھر سے نکل کر آبادی سے باہر قضائے حاجت کی اس جگہ کی طرف گئیں جہاں ازواج مطہرات جایا کرتی تھیں۔ یہ رات کا وقت تھا۔ یہ ایک موٹی اور بھرے ہوئے بدن کی خاتون تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھا تو پہچان لیا اور کہا۔

"سودہ۔ خدا کی قسم تم پہچانی جا رہی ہو۔ دیکھو تم کس طرح نکل آئیں۔"

حضرت سودہؓ وہاں سے ہی واپس آگئیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ میرے حجرے میں کھانا کھانے کے لئے تشریف لائے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی اس وقت حضرت سودہ وہاں آئیں اور کہنے لگیں۔

"یا رسول اللہ! میں باہر نکلی تو عمر نے مجھے ایسا ایسا کہا!"

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد وحی کی کیفیت سے آپ کو افاقہ ہوا وہ ہڈی بھی اس وقت تک آپ کے ہاتھ میں ہی تھی آپ نے اسے رکھا بھی نہیں تھا پھر آپ نے فرمایا۔

"تمہارے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے کہ تم قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر جا سکتی ہو!"

حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ سے جو کچھ کہا تھا وہ اسی آرزو میں کہا تھا کہ عورتوں کے لئے پردے کا حکم نازل ہو جائے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر اللہ نے پردے کا حکم فرمایا۔

مگر یہاں ایک شبہ ہوتا ہے پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ عورتیں قضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہ نکلا کریں تاکہ ان کی شخصیتیں ہی کسی کو نظر نہ آئیں۔ جب کہ پیچھے جہاں یہ گزرا ہے کہ یہ واقعہ پردے کے حکم کے بعد کا ہے تو وہاں پردے کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جسموں کا کوئی حصہ کھلا ہوا نظر نہ آئے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہ سے تعلق خاطر...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے حضرت زینب بنت جحش میرے پاس آگئیں۔ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف مڑیں اور بولیں۔

"ہم میں سے ہر ایک آپ کے رحم و کرم پر ہے!"

اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئیں اور مجھے برا بھلا کہنے لگیں آنحضرت ﷺ نے ان کو روکا مگر وہ خاموش نہیں ہوئیں۔ تب آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم بھی ان کو جواب دو چنانچہ اب میں نے بھی ان کو کہا سنا میں بولنے میں ان سے زیادہ تیز تھی نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں ان کا منہ خشک ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کے چہرے سے خوشی اور اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت زینبؓ پر ناراض ہو گئے کیونکہ انہوں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی دوسری بیوی حضرت صفیہ بنت حیی کو یہ لفظ کہہ دیئے کہ وہ یہودی عورت۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے ناراض ہو کر ذی الحجہ اور محرم اور ماہ صفر کے کچھ حصے میں دو مہینے سے زائد تک اسکے پاس جانا آنا اور بولنا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد پھر ایک دن ان کے پاس تشریف لے گئے اور پھر پہلے ہی کی طرح ان کے ساتھ پیش آنے لگے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ آنحضرت ﷺ میرے پاس تھے آپ کی ازواج نے حضرت فاطمہؓ کو آپ کے پاس بھیجا۔ حضرت فاطمہؓ نے میرے حجرے پر آکر اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ اندر آئیں اور آپ سے کہنے لگیں۔

"یا رسول اللہ! مجھے آپ کی ازواج نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور وہ ابو قحافہ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہؓ کی وجہ سے آپ سے اپنے لئے انصاف مانگتی ہیں کہ آپ ان کے اور دوسری بیویوں کے ساتھ ایک سا معاملہ فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔

"بیٹی! کیا تم بھی وہی بات پسند نہیں کرتیں جو مجھے پسند ہے۔"

انہوں نے عرض کیا بے شک تو آپ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"تو ان سے محبت کرو!"

اس پر حضرت فاطمہؓ کھڑی ہو گئیں اور وہاں سے آپ کی ازواج کے پاس پہنچیں اور ان کو اپنی اور آنحضرت ﷺ کی گفتگو سنائی۔ یہ سنکر انہوں نے کہا۔

"ابھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا اس لئے تم آنحضرت ﷺ کے پاس پھر جاؤ!"

حضرت فاطمہؓ نے کہا۔

"خدا کی قسم اب میں ان کے (یعنی حضرت عائشہؓ کے بارے میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی!"

تب آپ کی ازواج نے حضرت زینب بنت جحش کو آپ کے پاس بھیجا انہوں نے بھی آکر آپ سے اجازت چاہی اس وقت بھی آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہی تھے۔ آپ کی اجازت پر وہ اندر آئیں انہوں نے بھی آپ سے وہی بات کہی جو حضرت فاطمہؓ نے کہی تھی۔ اس کے بعد زینب نے میرے بارے میں ایسی باتیں کہیں جو میں پسند نہیں کر سکتی تھی۔ میں آپ کی طرف بار بار اس امید میں دیکھنے لگی کہ آپ مجھے بولنے اور جواب دینے کی اجازت دیں۔ آخر میں نے محسوس کیا کہ اگر اس موقعہ پر میں آپ کی طرف سے کچھ بولوں تو آپ اس کو ناپسند نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ اب میں نے جواب میں ایسی باتیں کہیں جو ان کو ناگوار ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ ہی کی بیٹی جو ٹھہریں۔ یعنی اپنی فصاحت اور حسن کلام میں ان ہی کی طرح ہو۔

ازواج کی طرف سے آنحضرت ﷺ سے انصاف کی یہ درخواست کیے جانے کا سبب یہ تھا کہ اکثر حضرت عائشہؓ کی باری کے دن لوگ آنحضرت ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپ کو ہدیے پیش کیا کرتے تھے (کیونکہ آپ کے ہدیوں میں حضرت عائشہؓ بھی شریک ہوں گی اور ان کی خوشی سے آپ بھی خوش ہوں گے)

باب چہل و نہم (۴۹)

غزوۂ احد

یہ غزوہ شوال ۳ ھ میں پیش آیا یہی قول جمہور علماء کا ہے البتہ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا ہے۔ یہ لفظ احد مدینے کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے ایک قول ہے کہ اس کو احد اس لئے کہا جانے لگا کہ یہ پہاڑ وہاں دوسرے پہاڑوں کے مقابلے میں یکتا اور منفرد ہے جو احد کے معنی ہیں۔ (غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے) ان کا اور احد کے دوسرے شہیدوں کے مزارات وہیں ہیں اس لئے اب یہ پہاڑ لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

<u>احد پہاڑ</u>...... یہ احد مدینے سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک قول ہے کہ تین میل کے فاصلہ پر ہے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کے دامن میں موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کی قبر ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں حج یا عمرہ کرنے کے لئے جارہے تھے راستے میں اس پہاڑ کے دامن میں **موسیٰ** علیہ السلام نے اسی جگہ اپنے بھائی کو سپرد خاک کر دیا تھا۔

مگر ابن دحیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ تورات کی نص کے مطابق ان کی قبر شام کی ایک بستی کے کسی پہاڑ میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ روایتوں کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اکثر مدینے کو بھی شامیہ کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ دونوں کے دونوں تیہہ کے میدان میں دفن ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں جب تم لوگ اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا پھل تمر کا کھالیا کرو چاہے کتنا ہی تھوڑا سا کیوں نہ ہو مقصد رغبت دلانا ہے کہ کبھی کوئی شخص بغیر کھائے ہوئے یوں ہی گزر جائے (اگر اس پر کوئی کھانے کی چیز نہ ہو تو) ایک تنکا ہی منہ میں ڈال لے تاکہ برکت ہو۔

آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ احد پہاڑ جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یعنی جنت کی سمتوں میں سے ایک بہت بڑی سمت ہے۔ ایک روایت ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے

دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے یہ جنت کے دروازے کی طرف کا ایک رکن ہو ایک روایت میں ہے کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔

یہ بات ممکن ہے کہ پہاڑ کے محبت کرنے سے حقیقی معنی مراد ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ میں محبت کا مادہ اسی طرح رکھ دیا جیسے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرنے والے پہاڑوں میں تسبیح کا مادہ رکھ دیا تھا۔ جیسے حق تعالیٰ نے ان پتھروں میں اللہ کے خوف اور خشیت کا مادہ رکھ دیا تھا جن کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ الآیہ پ ا سورہ بقرہ ع ۹ آیت ۷۴

ترجمہ: اور ان ہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں اور حق تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جملہ مختصر ہے مراد یہ ہے کہ احد کے لوگ یعنی انصار ہم سے محبت کرتے ہیں۔ یا اس لئے کہ اس احد پہاڑ کا نام احدیت کے مادے سے نکلا ہے (لہٰذا اس کی فضیلت بیان کی گئی)۔

اسی حدیث سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ یہ پہاڑ سب سے افضل ترین پہاڑ ہے۔ ایک قول ہے کہ سب سے افضل پہاڑ عرفہ کا ہے ایک قول کے مطابق افضل ترین پہاڑ ابو قبیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ پہاڑ سب سے افضل ہے جس پر کھڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے کلام کیا تھا۔ اسی طرح ایک قول کوہ قاف کے بارے میں بھی ہے۔

غزوہ احد کا سبب...... غزوہ احد کا سبب یہ ہوا کہ جب غزوہ بدر میں قریش ایک عبرتناک شکست کھا کر وہاں سے مکے پہنچے تو عبداللہ ابن ابوربیعہ عکرمہ ابن ابوجہل اور صفوان ابن امیہ اور قریش کے کچھ دوسرے معزز لوگ ابوسفیان کے پاس آئے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ تینوں حضرات جن کے نام گزشتہ سطر میں بیان ہوئے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ نیز فتح مکہ کے وقت خود ابوسفیان بھی مسلمان ہو گئے تھے۔

قریش کی جنگی تیاریاں...... غرض یہ سب قریشی سردار کچھ دوسرے معززین کے ساتھ ابوسفیان اور ان کے ان ساتھیوں کے پاس پہنچے جن کا مال ابوسفیان کے اس تجارتی قافلے میں تھا اور جو قافلہ جنگ بدر کا سبب بنا تھا۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی مال مکے میں لاکر دارالندوہ میں رکھ دیا گیا تھا اور مالکوں تک اس لئے نہیں پہنچایا گیا تھا کہ جنگ کی وجہ سے مکے کے حالات خراب تھے اور قریش لشکر لے کر گئے تھے ان کی واپسی شکست کے ساتھ ہوئی جس کی وجہ سے وہ سارا مال اب تک دارالندوہ میں ہی رکھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے آکر ابوسفیان سے کہا۔

"محمد ﷺ نے تمہارے بے شمار آدمیوں کو قتل کر دیا ہے اور ان بہترین لوگوں کا خون تم سے فریادی ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ اس مال تجارت سے محمد ﷺ کے ساتھ لڑنے کے لئے اگلی جنگ کی تیاری کریں ممکن ہے ہم اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو سکیں!"

پھر ان لوگوں نے مزید کہا۔

"ہم خوشی سے اس بات پر تیار ہیں کہ اس مال تجارت کے نفع سے محمد ﷺ کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کیا جائے!"

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا۔

"سب سے پہلے میں اس تجویز کو منظور کرتا ہوں اور بنی عبد مناف میرے ساتھ ہیں!"

اس کے بعد انہوں نے اس مال میں سے نفع الگ کر کے جو اصل مال تھا وہ مالکوں کو دیدیا جس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ جو اس کا نفع تھا وہ بھی سو فیصدی تھا یعنی کل نفع ملا کر بھی پچاس ہزار دینار ہوا وہ انہوں نے لشکر کی تیاری کے لئے علیحدہ کر لیا۔ ایک قول ہے کہ جو نفع علیحدہ کیا گیا وہ پچیس ہزار دینار تھا ادھر ان لوگوں کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ۔

الآیہ پ ۹ سورہ انفال ع ۴ آیت ۳۶

ترجمہ: بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے مگر پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے پھر آخر مغلوب ہی ہو جائیں گے۔

ایک احسان فراموش ...... قریش کے ساتھ ساتھ جو دوسرے لوگ ان کی جنگی تیاریوں میں شامل تھے وہ بنی کنانہ اور تہامہ کے عرب قبائل تھے ایک روز صفوان ابن امیہ نے ابو عزہ سے کہا۔

"اے ابو عزہ! تم ایک شاعر آدمی ہو اس لئے تمہیں اپنی زبان اور اس کی صلاحیتوں کے ذریعہ ہماری مدد کرنی چاہئے۔ اس کے صلے میں تمہیں میں یہ وعدہ دیتا ہوں کہ اگر اس جنگ سے زندہ سلامت لوٹ آئیں تو تمہیں مالا مال کر دوں گا اور اگر تم ختم ہو گئے تو تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح رکھوں گا اور تنگی و راحت میں جو کچھ میری بیٹیوں کو میسر ہو گا اس میں وہ بھی شریک رہیں گی!"

ابو عزہ جنگ بدر میں قید ہوا تھا اس کی منت خوشامد پر آنحضرت ﷺ نے اس پر یہ احسان کیا کہ اس کو بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔ اس نے صفوان کی پیشکش سن کر کہا۔

"مگر محمد ﷺ نے میرے اوپر احسان کیا تھا اور مجھے چھوڑتے وقت مجھ سے یہ وعدہ اور شرط لی تھی کہ میں ان کے خلاف کبھی کسی کو نہیں بھڑکاؤں گا۔ اس وقت میں بدر کے جنگی قیدیوں میں ان کے قبضہ میں تھا۔ اب میں نہیں چاہتا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی کروں!"

صفوان نے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر تمہیں کم از کم اپنی زبان سے ہماری مدد ضرور کرنی چاہئے!"

آخر ابو عزہ مان گیا اور وہ اور ایک دوسرا شاعر مسافع لوگوں کو اپنے اشعار کے ذریعہ جوش دلانے لگے۔ ان میں جہاں تک اس مسافع کا تعلق ہے تو اس کے اسلام کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے لیکن علامہ ابن عبدالبر کے کلام میں یہ ہے کہ مسافع ابن عیاض ابن صخر قرشی تیمی کو اسلام میں آنحضرت ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔ یہ ایک شاعر تھے مگر ان سے کوئی روایت نہیں آتی۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ مسافع بھی مسافع تھا یا کوئی اور شخص تھا۔

جہاں تک ابو عزہ کا تعلق ہے تو اس غزوہ احد کے بعد حمراء اسد کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے اس پر قابو پا لیا تھا یعنی یہ پکڑا گیا تھا۔ یہ حمراء اسد ایک مشہور مقام کا نام ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے اور کہیں کہیں گزر بھی چکا ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر عامر ابن ثابت نے اس کا سر قلم کر دیا تھا۔ پھر اس کا سر مدینے لایا گیا جیسا کہ بیان ہو گا اور پیچھے بھی ایک آدھ جگہ گزر چکا ہے۔

تیر اندازِ وحشی...... غرض قریش ایک نئی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے جبیر ابن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا یہ جبیر اور وحشی دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ وحشی ایک بے انتہا ماہر تیر انداز تھے اور ان کا نشانہ اتنا اچھا تھا کہ کبھی غلط نہیں ہوتا تھا جبیر نے وحشی کو بلا کر کہا۔

"تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ پر چلو۔ اگر تم نے میرے چچا طعیمہ ابن عدی کے بدلے میں جن کو حمزہ نے بدر میں قتل کیا تھا محمد ﷺ کے چچا حمزہ ابن عبد المطلب کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو۔"

ایک قول ہے کہ یہ وحشی خود طعیمہ کا ہی غلام تھا اور طعیمہ کی بیٹی نے اس سے یہ بات کہی تھی کہ اگر تم نے میرے باپ کے بدلے میں محمد یا حمزہ یا علی کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو۔ یہ تین نام میں نے اس لئے بتلائے ہیں کہ میرے خیال میں ان تینوں کے سوا تے میں میرے باپ کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔

شمشیر و سنان اور طاؤس و رباب...... اس جنگ میں قریش کے ساتھ عورتیں بھی تھیں جو دف بجاتی ہوئی چلی جا رہی تھیں۔ علامہ سبط ابن جوزی نے یہ لکھا ہے کہ مشرکوں کے ساتھ طوائفیں اور گانے ناچنے والیاں دف اور شراب اور باجے گاجے ساتھ لے کر نکلی تھیں۔ یہاں تک علامہ ابن جوزی کا حوالہ ہے۔

قریشی عورتوں میں سے پندرہ عورتیں لشکر کے ساتھ روانہ ہوئی تھیں وہ اپنے شوہروں کے ساتھ لشکر میں شامل تھیں۔ ان عورتوں میں ایک تو ابو سفیان کی بیوی ہندہ تھیں جو بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ دوسری ام حکیم بنت طارق تھیں جو عکرمہ ابن ابو جہل کی بیوی تھیں۔ یہ دونوں بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے تیسری سلافہ تھیں جو اپنے شوہر طلحہ ابن طلحہ کے ساتھ تھیں۔ اسی طرح ایک ام مصعب ابن عمیر تھیں۔

یہ سب عورتیں جنگ بدر کے قریشی مقتولوں پر روتی پیٹتی اور ان کا نوحہ و ماتم کرتی ہوئی چل رہی تھیں۔ اسی طرح یہ عورتیں اپنے مردوں کو جنگ پر اکسا بھی رہی تھیں ان میں جوش و جذبہ پیدا کر رہی تھیں اور انہیں شکست کھانے یا میدان جنگ سے بھاگنے پر غیرت دلاتی ہوئی چل رہی تھیں۔

عباس کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... آنحضرت ﷺ کو قریش کی ان جنگی تیاریوں اور جوش و خروش کی اطلاع مکے میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے بھیجی جو مکے میں تھے۔ اس سے پہلے قریش نے حضرت عباسؓ کو اپنے ساتھ اس جنگ میں بھی لے جانے کی کوشش کی مگر عباسؓ نے عذر کر دیا اور قریش کی اس لاپروائی کا ذکر کیا جو جنگ بدر کے موقعہ پر ان کے ساتھ کی گئی تھی کہ وہ گرفتار ہوئے تو کسی نے ان کی رہائی میں ان کی مدد نہیں کی۔

خبر کی رازداری...... حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ایک خط کے ذریعہ دی تھی جو انہوں نے بنی غفار کے ایک شخص کے ہاتھ بھیجا تھا حضرت عباسؓ نے اس شخص کو خط لے جانے کے لئے اجرت پر تیار کیا تھا اور اس سے یہ شرط کی تھی کہ وہ تین دن رات مسلسل سفر کر کے مدینے پہنچے اور آپ کو یہ خط حوالے کر دے۔ چنانچہ اس نے دن رات سفر کیا اور تیسرے دن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ اس وقت قباء میں تھے۔ جب اس شخص نے یہ خط آپ کو پہنچایا تو آپ نے اس کی مہر توڑی اور اس کے بعد ابی کو خط دے کر سنانے کے لئے کہا۔ ابی ابن کعب نے خط آپ کو سنایا۔ آپ نے ابی سے اس خط اور خبر کو چھپانے کے لئے کہا۔ آنحضرت ﷺ سعد ابن ربیع کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے آپ نے ان کو اس خط کے متعلق بتلایا اور فرمایا۔

"خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ خیر ہی ہوگی مگر تم اس خبر کو ابھی پوشیدہ رکھنا۔"

جب آپ سعد ابن ربیع کے پاس سے تشریف لے گئے تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کیا کہا ہے۔ انہوں نے کہا۔

"تمہارا برا ہو۔ تمہیں اس سے کیا مطلب!"

ان کی بیوی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ میں نے سن لیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کی کہی ہوئی باتیں شوہر کو سنائیں۔ حضرت سعدؓ یہ سن کر بہت خوفزدہ ہوئے اور بیوی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے اور آپ کو سارا واقعہ سنا کر کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ڈر ہے کہ لوگ اس خبر کو مشہور کر دیں گے اور آپ یہ سمجھیں گے کہ آپ کے منع کرنے کے باوجود میں نے اس خبر کو افشا کیا ہے!"

مگر آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر صرف اتنا فرمایا کہ اس عورت کو جانے دو۔

قریشی لشکر کا کوچ...... تمام تیاریوں کے بعد مکے سے قریشی لشکر روانہ ہوا۔ اس لشکر میں تین ہزار آدمی تھے بعض راویوں نے لکھا ہے کہ ابو سفیان نے تقریباً تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع کیا جس میں قریش کے علاوہ ان حلیفوں اور حبشیوں کی تعداد بھی شامل تھی۔ ابو سفیان کے ساتھ ابو عامر راہب بھی ستر گھوڑے سواروں کا ایک دستہ لے کر چلا۔

بنی مصطلق و بنی ہون سے دفاعی معاہدہ...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ ان حبشیوں میں جنہوں نے قریش مکہ کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کا معاہدہ کیا بنی مصطلق اور بنی ہون ابن خزیمہ کے لوگ تھے اور حبشی نامی پہاڑ کے پاس آکر جمع ہوئے تھے جو مکے کے زیریں حصے میں ہے۔ ان لوگوں نے قریش کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ جب تک راتوں کو تاریکیاں ہوتی رہیں گی اور دنوں میں سورج چمکتا رہے گا اور جب تک یہ حبشی پہاڑ اپنی جگہ پر باقی رہے گا ہم لوگ ایک جان ہو کر قریش کے ساتھ رہیں گے اور ان کے مخالفوں کا مقابلہ کریں گے مراد یہ ہے کہ ہم ہمیشہ قریش مکہ کا ساتھ دیتے اور ان کے لئے جان کی بازی لگاتے رہیں گے۔

چونکہ یہ معاہدہ حبشی پہاڑ کے دامن میں ہوا تھا اس لئے ان لوگوں کو احابیش یعنی حبشی کہا جانے لگا۔
ایک قول یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ اس پہاڑ کے پاس آکر جمع ہوئے تھے اس لئے انہیں احابیش کہا گیا۔

احابیش کے اس لشکر میں دو سو گھوڑے سوار تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ پوش تھے۔ غرض یہ لشکر مکے سے روانہ ہو کر مدینے کے سامنے یعنی قریب میں ذی الحلیفہ کے مقام پر فروکش ہوا۔ یہ ذی الحلیفہ مدینے والوں کی میقات ہے جہاں سے وہ احرام باندھ کر مکے جاتے ہیں۔

اس موقعہ پر مدینے کے یہودیوں اور منافقوں نے افواہیں اور ہراس پھیلانا شروع کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے دشمن کا حال معلوم کرنے کے لئے اپنے دو جاسوس روانہ کئے جنہوں نے واپس آکر آپ کو قریشی لشکر کے متعلق اپنی اطلاعات دیں۔

اس قریشی لشکر کے ساتھ عمرو ابن سالم خزاعی بھی بنی خزاعہ کے جوانوں کا ایک دستہ لے کر شامل ہو گیا تھا مگر ذی طوی کے مقام پر پہنچ کر اچانک اس نے اپنے دستے سمیت قریش کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ سب آنحضرت ﷺ کے ساتھ آگئے انہوں نے آپ کو دشمن کے لشکر کی پوری تفصیلات بتلائیں اور اس کے بعد

واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

حضرت آمنہ کی قبر کھودنے کا ارادہ...... ادھر قریشی لشکر مکے سے روانہ ہو کر راستے میں جب ابواء کے مقام پر پہنچا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی قبر کھود کر بے حرمتی کرنے کا ارادہ کیا تاکہ اسی طرح دل کی کچھ بھڑاس نکالیں) یہ مشورہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے دیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"تم محمد ﷺ کی والدہ کی قبر کھود کر ہڈیاں نکال لو۔ پھر جنگ میں تمہارے جو لوگ گرفتار ہوں تو ہر قیدی کے بدلے میں تم آمنہ کی ہڈیوں میں سے ایک ایک ہڈی فدیہ کے طور پر بھیجنا۔"

سمجھدار قریش...... اس پر بعض قریشیوں نے کہا۔

"ہمیں یہ دروازہ نہیں کھولنا چاہئے ورنہ کل بنی بکر ہمارے مقابلے پر آئیں گے تو وہ ہمارے مردوں کی قبریں کھود ڈالیں گے!"

قریشی لشکر نے مدینے کے سامنے پہنچ کر محاصرہ شروع کر دیا۔ حضرت سعد ابن معاذ حضرت اُسید ابن حضیر اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہم مسلح ہو کر اور تمام ہتھیار لگائے پوری رات مسجد نبوی ﷺ میں آنحضرت ﷺ کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اسی طرح نگہبانی کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ ادھر آنحضرت ﷺ نے رات میں ایک خواب دیکھا اور فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کا خواب اور اس کی تعبیر...... "رات میں نے خواب میں خیر دیکھی میں نے ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جارہی تھی اور اپنی تلوار یعنی ذوالفقار کے ایک حصے میں شکستگی دیکھی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میری تلوار کا دستہ ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے دیکھا میری تلوار ذوالفقار میں دستے کے پاس تیڑ آگئی ہے اور میں اس صورت حال کو بری سمجھتا تھا۔ یہ دونوں باتیں کوئی مصیبت ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہاتھ ڈال رہا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اور دشمن کے سردار فوج کے سر پر مسلط ہو گیا ہوں۔"

صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس سے یہ اشارہ ہے کہ میرے کچھ صحابہ شہید ہوں گے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ گائے سے مراد میں نے یہ لی ہے کہ وہ ذبح ہونے والی گائے ہم میں سے ہوں گے اور جہاں تک میری تلوار میں تیڑ یا شگاف کا تعلق ہے تو اس سے اشارہ یہ ہے کہ میرے گھر والوں یا خاندان میں سے کوئی شخص قتل ہو گا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میری تلوار کی دھار میں شکستگی کا مطلب ہے کہ یہ نقصان تم لوگوں میں سے کسی کا نہیں ہو گا۔"

یہاں ملول کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں تلوار کی دھار کا کہیں سے کند ہو جانا یا پھر تلوار کے دستے میں شگاف پڑنا یا اس کا ٹوٹ جانا اس بات کی علامت ہے کہ دو حادثے پیش آئیں گے۔

"اور مضبوط زرہ کا مطلب مدینہ ہے۔ اور مینڈھے سے مراد ہے کہ میں دشمن کے حامیوں کو قتل کروں گا۔"

صحابہ سے مشورہ اور نبی کی رائے...... پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے قریشی لشکر کے سلسلے میں مشورہ کیا (خود آپ کی رائے یہ تھی کہ قریش پر حملہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر اپنا دفاع کیا جائے) آپ نے فرمایا۔

"اگر تمہاری رائے ہو تو تم مدینے میں رہ کر ہی مقابلہ کرو ان لوگوں کو وہیں رہنے دو جہاں وہ ہیں۔ اگر وہ وہاں پڑے رہتے ہیں تو وہ جگہ ان کے لئے بدترین ثابت ہوگی اور اگر ان لوگوں نے شہر میں آکر ہم پر حملہ کرنا چاہا تو ہم شہر میں ان سے جنگ کریں گے اور شہر کے پیچ و خم کو ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔"

ابن ابی کی رائے...... مدینہ شہر کی عمارتوں کو ہر طرف سے اس طرح ایک دوسری کے ساتھ ملا کر اور پیوست کر کے بنایا گیا تھا کہ وہ ایک قلعہ کی طرح ہو گیا تھا۔ مقابلے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے جو رائے دی تھی یہی رائے تمام بڑے بڑے مہاجر اور انصاری صحابہ کی بھی تھی۔ (قال) یہاں تک کہ اس رائے پر منافقوں کے سردار عبداللہ ابن ابی نے بھی اتفاق کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے پاس آدمی بھیج کر اس سے مشورہ مانگا تھا جبکہ اس سے پہلے آپ نے کبھی کسی معاملے میں اس سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ غرض عبداللہ ابن ابی نے آکر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ مدینے میں ہی رہیے باہر نکل کر مقابلہ نہ کیجئے کیونکہ خدا کی قسم جب کبھی بھی کسی دشمن کے حملہ کے موقعہ پر ہم نے اس شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا تو نقصان اٹھایا اور جب بھی کوئی دشمن یہاں شہر میں داخل ہوا تو اس کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس لئے اے پیغمبر خدا ان لوگوں کو وہیں پڑے رہنے دیجئے۔ اگر وہ پڑے رہے تو وہ ان کے لئے بدترین جگہ ثابت ہوگی اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو آگے لوگ ان سے دو بدو مقابلہ کریں گے اور پیچھے سے بچے ان پر پتھراؤ کریں گے۔ اور اگر وہ انتظار کر کے باہر سے باہر ہی واپس چلے گئے تو ناکام و نامراد اسی طرح چلے جائیں گے جیسے آئے ہیں!"

اس روایت کے مطابق تو بظاہر ابن ابی نے یہ رائے دی تھی مگر یہ بات دوسرے راویوں کے قول کے خلاف ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن ابی کو پہلی بار مشورہ کے لئے بلایا جبکہ کبھی آپ نے اس سے کسی معاملے میں مشورہ نہیں لیا تھا۔ آپ کے مشورہ لینے پر اس نے کہا۔

"یارسول اللہ! ان کتوں سے جنگ کرنے کے لئے ہمارے ساتھ شہر سے باہر چلئے!"

مگر گزشتہ روایت ہی زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ آگے عبداللہ ابن ابی کے لشکر سے نکل کر واپس چلے جانے کا واقعہ آرہا ہے اور اس کی روشنی میں وہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جس کے مطابق اس نے مدینے میں ہی رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

نوجوان صحابہ کا جوش اور حملہ کے لئے اصرار...... جہاں تک اس کے اس قول کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میری مخالفت کی۔ وغیرہ۔ تو یہ بات ایک مسلمان نے کہی تھی جو غزوہ احد میں شہید ہوا۔ ادھر جو نوجوان صحابہ تھے وہ اور کچھ پختہ عمر کے لوگ بھی یہ چاہتے تھے کہ شہر سے نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں بدر میں اپنے شریک نہ ہو سکنے کا افسوس تھا اور اس دفعہ اپنے ارمان پورے کرنا چاہتے تھے ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

"ہمیں لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے باہر چلئے تاکہ وہ ہمیں کمزور اور بزدل نہ سمجھنے لگیں! کیونکہ اس طرح ہمارے مقابلے کے لئے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ خدا کی قسم عرب یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم کو دھکیلتے ہوئے ہمارے گھروں میں گھس آئیں

ایک روایت میں ہے کہ انصاریوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یار سول اللہ! خدا کی قسم جو دشمن بھی ہمارے علاقے میں، آیا ہم سے شکست کھا کر گیا ہے۔ اور اب جبکہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں دشمن کیسے غالب آسکتا ہے!"

حضرت حمزہ ابن عبد المطلب نے بھی ان ہی لوگوں کی تائید کی اور کہا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن پاک نازل فرمایا کہ میں اس وقت تک کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ جب تک مدینے سے باہر دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرلوں گا۔"

اکثریت کی رائے پر حملہ سے اتفاق...... ادھر تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد یہ مشورہ دے رہی تھی اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کو شہر سے باہر جاکر لڑنا پسند نہیں آرہا تھا مگر لوگ جب مستقل طور پر اصرار کرتے رہے تو آخر کار آپ کو ان سے اتفاق کرنا پڑا۔ آپ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور لوگوں کے سامنے وعظ فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ پوری تندہی اور ہمت کے ساتھ جنگ کریں آپ ﷺ نے ان کو خوش خبری دی کہ اگر لوگوں نے صبر سے کام لیا تو حق تعالیٰ ان کو فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ پھر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دشمن کے سامنے جاکر لڑنے کی تیاری کریں۔

آنحضرت ﷺ کی تیاری...... لوگ یہ حکم سن کر خوش ہوگئے اس کے بعد آپ نے سب کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی اس وقت تک وہ لوگ بھی جمع ہوگئے جو قرب و جوار سے آئے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ ان دونوں نے آنحضرت ﷺ کے عمامہ باندھا اور آپ کو جنگی لباس پہنایا باہر لوگ آپ کے انتظار میں صفیں باندھے کھڑے ہوئے تھے اس وقت حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت اسید ابن حضیر نے لوگوں سے کہا۔

حضرت اسیدؓ کی نوجوانوں کو ملامت...... "تم لوگوں نے باہر نکل کر لڑنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی مرضی کے خلاف مجبور کر دیا ہے اس لئے اب بھی اس معاملہ کو آپ کے اوپر چھوڑ دو آپ جو بھی حکم دیں گے اور آپ کی جو رائے ہوگی تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہوگی۔ اس لئے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔"

آنحضرت ﷺ کا جنگی لباس...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے جنگی لباس پہن رکھا تھا آپ نے دوہری زرہ پہن رکھی تھی یعنی ایک کے اوپر دوسری زرہ تھی۔ یہ ذات الفضول اور فضہ نامی زرہیں تھیں جو آپ نے بنی قینقاع کے مال غنیمت میں سے لی تھیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ذات الفضول وہ زرہ تھی جو اس وقت آپ کو حضرت سعد ابن عبادہ نے بھیجی تھی جبکہ آپ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور یہی وہ زرہ تھی کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو یہ زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی پھر حضرت ابو بکرؓ نے اس زرہ کو چھڑایا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے زرہ لباس کے اوپر پہنی تھی اور درمیان میں جہاں تلوار کا تسمہ حائل تھا اسی کے ساتھ کمر میں ایک چمڑے کا پٹکہ باندھا ہوا تھا۔ مگر امام ابو العباس ابن تیمیہ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ آپ نے پٹکہ بھی باندھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کمر میں پٹکہ یعنی پٹی باندھی تھی۔

مگر کہا جاتا ہے کہ ابن تیمیہ کی اس سے مراد وہ مشہور اور عام پٹکہ ہے جو لوگ باندھتے ہیں جبکہ یہ پٹکہ وہ عام پٹکہ نہیں تھا (بلکہ مخصوص قسم کا تھا) مگر بعض روایتوں سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان میں ہے کہ

آنحضرت ﷺ کے پاس چمڑے کا ایک پٹکہ تھا جس کی تین کڑیاں چاندی کی تھیں اور سرے بھی چاندی کے تھے۔ اس کے جواب میں بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس پٹکہ کے ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ نے اس کو باندھا بھی ہو۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

نوجوانوں کا اظہار ندامت...... غرض اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے پہلو میں تلوار حائل فرمائی ہوئی تھی اور پشت پر ترکش لگا رکھا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ سکب نامی اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے تلوار حمائل فرمائی اور نیزہ ہاتھ میں لیا۔ بہر حال ممکن ہے دونوں باتیں پیش آئی ہوں۔ غرض حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت اسید ابن حضیر کے کہنے پر اب لوگوں کو آنحضرت ﷺ پر اپنے اصرار کا خیال ہوا تھا لہذا انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم آپ کی رائے کی مخالفت کریں یا آپ کو مجبور کریں۔ لہذا آپ جو مناسب سمجھیں اسی کے مطابق عمل فرمائیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر آپ شہر سے نکل کر مقابلہ پسند نہیں فرماتے تو یہیں رہیئے!"

اٹل فیصلہ اور نبی کا مقام...... آپ نے فرمایا۔

"میں نے تم سے یہیں شہر میں رہنے کو کہا تھا مگر تم نے انکار کر دیا۔ (اب میں ہتھیار لگا چکا ہوں) اور کسی نبی کیلئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ ہتھیار لگانے کے بعد اس وقت تک انہیں اتارے جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تک وہ جنگ نہ کرے!"

اسی فرمان سے یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ ہتھیار لگانے کے بعد نبی کے لئے بغیر دشمن سے مقابلہ کئے انہیں اتارنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے شافعی علماء کا یہی مذہب ہے۔ ایک قول ہے کہ اس طرح بغیر جنگ کئے ہتھیار اتار دینا نبی کے لئے مکروہ ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

ادھر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ کسی نبی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے۔ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس مسئلے میں تمام ہی نبی آپ کی طرح ہیں اور یہ مسئلہ اور حکم سب پیغمبروں کے لئے اسی طرح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہتھیار لگا کر بغیر لڑے اتار دینا بزدلی کو ظاہر کرتا ہے اور بزدلی نبیوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ بات کتاب نور میں کہی گئی ہے۔ اور حرام چیزوں میں اگر کوئی مستثنیٰ ہو تو وہ مکروہ ضرور ہوتی ہے کیونکہ ممانعت کی چیزوں میں حرام کا درجہ ایسا ہے جیسے ان چیزوں میں واجب کا درجہ ہوتا ہے جن سے منع کیا گیا ہو (یعنی یوں کہا جائے کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے سوائے اس چیز کے تو یہاں جس چیز کو حرام چیزوں میں مستثنیٰ کیا گیا وہ حرام تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہوگی)

اس غزوہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے تین پرچم تیار کرائے۔ ایک پرچم قبیلہ اوس کا تھا جو حضرت اسید ابن حضیر کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا پرچم مہاجرین کا تھا جو حضرت علی ابن ابوطالب کے ہاتھ میں تھا۔ ایک قول ہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ یہ قول اس بنیاد پر ہے کہ جب یہ پوچھا گیا کہ مشرکوں کا پرچم کس شخص کے ہاتھ میں ہے تو کہا گیا کہ طلحہ ابن ابوطلحہ کے ہاتھ میں ہے جو بنی عبدالدار میں سے ہے۔ یہ سنکر آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا پرچم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں سے لے کر حضرت مصعبؓ ابن عمیر کے ہاتھ میں دیدیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مصعبؓ بھی بنی عبدالدار میں سے تھے اور جاہلیت کے زمانے میں بنی عبدالدار

ہی کے لوگ جنگی پرچم اٹھایا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہوا اور آگے بھی اس کی تفصیل آئے گی۔

تیسرا اسلامی پرچم قبیلہ خزرج کا تھا جو حضرت حباب ابن منذر کے ہاتھ میں تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا جو اسی قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد...... آنحضرت ﷺ ایک ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ایک قول ہے کہ لشکر کی تعداد نو سو تھی۔ مگر شاید روایت کی غلطی سے یہاں سات سو کے بجائے نو سو کہا گیا ہے۔ کیونکہ آگے روایت آئے گی کہ راستے میں سے عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تھا لہٰذا اس کا مطلب ہے کہ ابتداء میں اس لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی پھر ابن ابی کی غداری کی وجہ سے تین سو کم ہو کر کل تعداد سات سو رہ گئی۔ ان سات سو میں سے ایک سو افراد زرہ پوش تھے۔

لشکر میں رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے دونوں سعد یعنی حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت سعد ابن عبادہ چل رہے تھے جو قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے سردار تھے۔ یہ دونوں حضرات زرہ پوش تھے۔

یہود کی مدد لینے سے انکار...... آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا اور مدینے سے کوچ فرما کر ثنیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ایک خاصا بڑا فوجی دستہ وہاں پہلے سے موجود ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے تو لوگوں نے کہا۔

"یہ یہود کے وہ لوگ ہیں جو عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے حلیف اور معاہدہ بردار ہیں (لہٰذا ابن ابی کی حمایت میں مسلمانوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے آئے ہیں!"

آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تو بتایا گیا کہ نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

"ہم مشرکوں سے لڑنے کے لئے کافروں کی مدد نہیں لیں گے۔"

اس طرح آپ نے ان لوگوں یعنی ان یہودیوں کو واپس فرمادیا جو بنی قینقاع کے یہودیوں کے علاوہ تھے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ بنی قینقاع کی جلاوطنی غزوہ احد کے بعد ہوئی تھی مگر یہ بات نہیں ہے کیونکہ ابن ابی کے یہ یہودی حلیف بنی قینقاع کے حلیفوں کے علاوہ تھے جن کا ذکر گزرا ہے اس لئے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ یہودیوں میں اس کے حلیف صرف بنی قینقاع میں ہی تھے۔

لشکر کا معائنہ اور کمسنوں کی واپسی...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے اور شیخین کے مقام پر پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ شیخین دو پہاڑوں کا نام تھا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے لشکر کا معائنہ فرمایا اور اس میں سے ان نوجوانوں کو واپس فرمادیا جن کے متعلق آپ نے اندازہ لگایا کہ وہ پندرہ سال کیا چودہ سال کی عمر کے بھی نہیں ہیں۔ امام شافعی سے اسی طرح یہ نقل ہے۔ بعض علماء نے ان سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جن کو آپ نے دیکھا کہ وہ چودہ سال کی عمر کے نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں میں عبداللہ ابن عمر زید ابن ثابت اسامہ ابن زید زید ابن ارقم براء ابن عازب اسید ابن ظہیر عرابہ ابن اوس۔ ان عرابہ کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔ ان ہی عرابہ کے متعلق شماخ نے یہ شعر کہے تھے۔

رایت عرابۃ الاوسی یسمو
الی الخیرات منقطع بالقرین

ترجمہ: میں نے عرابہ اوسی کو دیکھا جو بے نظیر انداز میں سربلندیوں اور عظمتوں کو چھوتا تھا۔

اذما رایت رفعت لمجد
تلقاھا عرابۃ بالیمین

ترجمہ: تم جب بھی عزت وشرف کے جھنڈے بلند کرو گے تو ان کے پھریرے عرابہ ہی سے جاکر ملیں گے ان عرابہ کے باپ اوس نے ہی غزوہ احزاب کے موقعہ پر کہا تھا کہ ہمارے گھر ہمارے ستر پوش ہیں جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ غرض ان کمسن لوگوں میں ان کے علاوہ ابوسعید خدری اور سعد ابن خثیمہ بھی شامل تھے۔

دو کمسنوں کا جوش جہاد ...... حضرت زید ابن حارثہ انصاری کا باپ حارثہ منافقوں میں سے تھا اور مسجد ضرار کے بنانے والوں میں سے تھا (جس کا ذکر آگے آئے گا مگر خود حضرت زیدؓ اتنے پر جوش مجاہد تھے کہ کمسنی کے باوجود جنگ میں جانے پر آمادہ تھے) اسی طرح ان کمسن مجاہدوں میں رافع ابن خدیج اور سمرہ ابن جندب بھی تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے واپس ہونے کا حکم دیا مگر پھر رافع ابن خدیج کو آنحضرت ﷺ نے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیدی تھی کیونکہ ان کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ غزوہ احد میں ایک تیر سے زخمی ہوئے تھے اور اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔

"میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دوں گا!"

ان کا انتقال عبدالملک ابن مروان کی خلافت کے زمانے میں ہوا جبکہ ان کا یہی زخم پھر تازہ ہو گیا تھا۔

غرض جب آنحضرت ﷺ نے رافع ابن خدیج کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی تو انہوں نے اپنے سوتیلے باپ سے کہا۔

"رسول اللہ ﷺ نے رافع ابن خدیج کو اجازت دیدی اور مجھے واپس ہونے کا حکم دیدیا حالانکہ میں ان کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوں۔"

جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں کی کشتی ہو جائے۔ چنانچہ دونوں کی کشتی ہوئی اور سمرہ ابن جندب نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سمرہؓ کو بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دیدی۔

اسی طرح جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ نے کمسنی کی وجہ سے غزوہ احد میں شریک کرنے سے روکا ان میں سعد ابن حبتہ بھی تھے حبتہ ان کی ماں کا نام تھا اور یہ اپنی ماں کی نسبت سے ہی مشہور تھے۔ غزوہ خندق کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ یہ بہت شدید جنگ کر رہے ہیں اور انتہائی سرفروشی کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ آپ نے ان کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو ان کی اولاد اور نسل میں برکت کی دعا دی۔ چنانچہ اس دعا کا اثر یہ تھا کہ یہ چالیس بھتیجوں کے چچا چالیس بھانجوں کے ماموں اور بیس بیٹوں کے باپ ہوئے۔ ان کی اولاد میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد خاص امام ابو یوسف بھی ہیں۔

پیچھے غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ آپ نے بدر کے موقعہ پر بھی حضرت زید ابن ثابت زید ابن ارقم اور اسید ابن حضیر کو واپس فرمادیا تھا (اور اب غزوہ احد کے موقعہ پر بھی ان کو کم عمری ہی کی وجہ سے واپس فرمادیا)

غرض جب آنحضرت ﷺ لشکر کے اس معائنے سے فارغ ہوئے تو سورج غروب ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ نے اذان دی اور آنحضرت ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ کچھ دیر بعد عشاء کی اذان ہوئی اور آپ نے

عشاء کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔ لشکر کی حفاظت کے لئے اس رات آپ نے حضرت محمد ابن مسلمہ کو پچاس مجاہدوں کے ساتھ متعین کیا جو تمام رات سارے اسلامی لشکر کے گرد گشت کرتے رہے اور آنحضرت ﷺ سو گئے۔ جب آپ سو رہے تھے تو ذکوان ابن عبد قیسؓ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے وہیں کھڑے رہے۔ وہ آپ کے پاس سے ایک گھڑی کو بھی علیحدہ نہیں ہوئے کیونکہ سونے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

"کون ہے جو آج رات صبح تک ہمارے پاس پہرہ دے۔"

حمزہ کی شہادت کی پیشین گوئی...... اس پر حضرت ذکوان نے اپنی خدمات پیش کیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ صبح کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فرشتے حضرت حمزہؓ کو غسل دے رہے ہیں!"

رات کے آخری حصے میں آنحضرت ﷺ نے شیخین کے مقام سے آگے کوچ فرمایا اور مدینے اور احد کے درمیان یعنی احد کے قریب صبح کی نماز کا وقت ہو گیا (اور اس جگہ آپ نے نماز ادا فرمائی) اس جگہ کا نام شوط تھا۔

ابن ابی اور منافقوں کی غداری...... اسی جگہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول اپنے ساتھی منافقوں سمیت آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تھی جو سب منافق تھے۔ واپس ہوتے ہوئے عبداللہ ابن ابی کہنے لگا۔

"انہوں نے یعنی آنحضرت ﷺ نے میری بات نہیں مانی بلکہ لڑکوں کی باتوں میں آگئے جن کی رائے کوئی رائے ہی نہیں ہے اب خود ہی ہماری رائے کا پتہ چل جائے گا ہم خواہ مخواہ اپنی جانیں دیں۔ اس لئے ساتھیو واپس چلو!

واضح رہے کہ عبداللہ ابن ابی کی رائے یہ تھی کہ مدینے ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ شہر سے نکل کر دشمن کا سامنا کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی رائے خود آنحضرت ﷺ اور تمام بڑے بڑے انصاری اور مہاجر صحابہ کی بھی تھی مگر عام طور پر لوگوں کی رائے یہ تھی جن میں زیادہ تر نوجوان اور پر جوش صحابہ تھے اور کچھ عمر رسیدہ حضرات بھی تھے کہ دشمن جب ہمارے دروازے پر دستک دینے آیا ہے تو اس کے اندر آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے بلکہ باہر نکل کر تلواروں اور نیزوں سے اس کا استقبال کرنا چاہئے۔ چنانچہ نوجوانوں کے اس جوش و خروش اور اصرار کو دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ شہر سے نکل کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت ابن ابی نے اسی بات کو اپنی واپسی کا بہانہ بنایا حالانکہ لڑنا اور مسلمانوں کا ساتھ دینا تو اسے کسی بھی حال میں منظور نہیں تھا لیکن اسے کسی بہانے کی تلاش تھی جس کو بنیاد بنا کر وہ یہاں سے بھاگ سکے۔ بہانے کی ضرورت اس لئے تھی کہ ظاہر میں تو وہ بہر حال اسلام قبول کر چکا تھا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اس لئے بے سبب کیسے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا)

بنی حرام کی منافقوں کو ملامت...... غرض سردار منافقین کے اس حکم پر اس کے منافق ساتھی مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر مدینے کو لوٹ گئے۔ ان کو جاتے دیکھ کر حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام ان کے پیچھے لپکے۔ یہ بھی عبداللہ ابن ابی کی طرح قبیلہ خزرج کے بڑے تھے انہوں نے واپس جانے والوں سے کہا۔

"میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے لئے مناسب ہے کہ تم عین اس وقت اپنے نبی اور اپنی قوم کے ساتھ غداری کرو جب کہ دشمن اپنی پوری قوت و طاقت کیساتھ انکے سامنے کھڑا ہے۔"

ان لوگوں نے کہا۔

"اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ جنگیں لڑو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہی نہ آتے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جنگ وغیرہ کچھ نہیں ہو گی!"

اس طرح انہوں نے صاف صاف واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام نے کہا۔

"خدا کے دشمنو! اللہ تمہیں ہلاک و برباد کرے۔ جلد ہی حق تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا!"

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ قول ابن ابی کے اس قول کے خلاف ہے کہ ہم کس لئے جنگ کریں (کیونکہ اس قول میں جنگ کے امکان کو وہ مان رہا ہے لیکن اپنے لئے وہ اس کو بے فائدہ سمجھتا ہے جبکہ آگے وہ یوں کہتا ہے کہ اگر ہمیں پتہ ہوتا کہ جنگ بھی کرنی پڑے گی تو ہم تمہارا ساتھ ہی نہ دیتے) اس اشکال کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اول تو جنگ کا ہمیں خیال ہی نہیں تھا اور اگر بالفرض محال جنگ کا امکان ہو بھی تو ہم کس لئے اپنی جانیں گنوائیں۔

منافقوں کے متعلق صحابہ میں رائے زنی...... (عبداللہ ابن ابی کے اس طرح راستے میں سے ساتھ چھوڑ جانے کے نتیجہ میں مسلمانوں میں دو جماعتیں ہو گئیں) چنانچہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے واپس ہوتے ہی ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ ان منافقوں کو قتل کر دینا چاہئے اور ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہئے (وہ بھی مومن ہیں) یہ دو گروہ قبیلہ اوس میں سے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج میں سے بنی سلمہ کے تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۱۲ آیت ۸۸

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقوں کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹا پھیر دیا ان کے بداعمال کے سبب۔

ایک جماعت صحابہ کی منجانب اللہ دستگیری...... علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جب بنی سلمہ اور بنی حارثہ نے عبداللہ ابن ابی کو غداری کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی واپس ہونے کا ارادہ کیا یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں بازوؤں پر تھے۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کو اس گناہ سے بچالیا اور انہوں نے واپس جانے کا ارادہ ختم کر دیا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۲

ترجمہ: جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا اور پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے۔

غرض ابن ابی اور اس کے تین سو ساتھیوں کی اس غداری کے بعد اب آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے۔ چنانچہ مواہب میں جو کچھ ہے اس کو اس پس منظر کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔ مواہب میں ہے کہ کہا جاتا ہے ان لوگوں کے کفر کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ایک مقام پر جس کو شوط کہا جاتا تھا ان کو واپس ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ لوگ جن کو آپ نے ان کے کفر کی وجہ سے لوٹایا عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے

حلیف اور حمایتی تھے اور یہودیوں میں سے تھے۔ ان لوگوں کی واپسی شوط کے مقام سے پہلے ہوئی تھی اور وہ لوگ جن کے ساتھ عبد اللہ ابن ابی واپس ہوا تھا منافق تھے اور یہ لوگ شوط کے مقام سے واپس ہوئے تھے۔

احد کے موقعہ پر اس دن مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کا تھا اور دوسرا گھوڑا ابو بردہ کا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا۔ یہ قول موسیٰ ابن عقبہ کی روایت سے فتح الباری میں نقل کیا گیا ہے اور اس کو درست قرار دیا گیا ہے۔

ادھر جب عبد اللہ ابن ابی واپس ہوا تو انصاریوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا یہودیوں میں جو لوگ ہمارے حلیف اور حمایت ہیں ان سے اس موقعہ پر مدد نہ لے لیں۔"

ان کی مراد مدینے کے یہودی تھے اور ان میں شاید بنی قریظہ کے یہودی مراد تھے کیونکہ بنی قریظہ کے یہودی حضرت سعد ابن معاذؓ کے حلیف تھے اور حضرت سعد ابن معاذ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ حضرت سعد کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ انصاریوں میں ان کی حیثیت اور درجہ ایسا ہی تھا جیسا مہاجروں میں حضرت ابو بکرؓ کا مقام تھا۔ غرض انصاریوں کے اس سوال پر آنحضرت ﷺ نے صرف یہ فرمایا۔

"ہمیں ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے!"

اقول۔ مولف کہتے ہیں (: پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے مدد لینے کے سوال پر اس سے پہلے بھی یہ فرمایا تھا کہ ہم مشرکوں کے مقابلے کے لئے کافروں کی مدد نہیں لیں گے۔ (لہذا آپ کے اس ارشاد کے بعد انصاریوں کا یہ سوال بے معنی معلوم ہوتا ہے) لہذا اس روشنی میں مراد یہ ہوگی کہ قبیلہ اوس کے انصاریوں میں سے کچھ ایسے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات دریافت کی جنہوں نے یہودیوں کے بارے میں آپ کا وہ ارشاد نہیں سنا تھا۔ واللہ اعلم

<u>ایک اندھے منافق کی بکواس</u>...... پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کون ہے جو ہمیں قریب کے راستے سے دشمن کی طرف لے جائے۔"

یعنی ایسے راستے سے جو عام گزر گاہ نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابو خثیمہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں لے چلوں گا۔ چنانچہ وہ آپ کو بنی حارثہ کے محلے اور ان کی نجی زمینوں اور املاک میں سے نکالتے ہوئے مع مسلمانوں کے لے چلے یہاں تک کہ وہ مربع ابن قیظی حارثی کے باغ میں داخل ہوئے یہ ایک منافق شخص اور اندھا تھا (اس نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ اس کے باغ میں داخل ہوئے ہیں) اس نے مٹی اٹھا اٹھا کر مسلمانوں کے منہ کی طرف پھینکنی شروع کر دی اور چلانے لگا۔

"اگر تم خدا کے رسول ہو تو میں تمہیں اپنے باغ میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

اس کے ہاتھ میں مٹی سے بھرا ہوا ایک پیالہ تھا۔ چونکہ یہ شخص اندھا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں مٹی پھینکوں تو تمہارے ہی منہ پر لگے گی تو اے محمد! میں اس مٹی کو تمہارے منہ پر مارتا!"

یہ سن کر حضرت سعد ابن زید اس پر جھپٹے اور انہوں نے اپنی کمان مار کر اس کا سر پھاڑ دیا۔ دوسرے مسلمان بھی غضبناک ہو رہے تھے انہوں نے اس شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اسے قتل مت کرو۔ یہ اندھا دل کا بھی اندھا ہے اور آنکھ کا بھی اندھا ہے!"

اس اندھے کی طرف سے بنی حارثہ کے وہ لوگ بھی بگڑ اٹھے جو اسی کا سا دماغ رکھتے تھے یعنی جو منافقوں میں سے تھے مگر عبداللہ ابن ابی کے ہمراہ لوٹنے والوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ ان کے ارادے بھانپ کر حضرت اسید ابن حضیر نے ان کی طرف لپکنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو اشارے سے منع فرمادیا۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے یہاں تک کہ احد کی گھاٹی میں پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈالا یہاں آپ نے اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ احد پہاڑ کو تو اپنی پشت کی طرف کر لیا اور مدینے کو سامنے کے رخ پر کر لیا۔

میدان جنگ میں صف بندی اور آنحضرت ﷺ کا خطبہ ...... مسلمانوں نے احد پہاڑ میں صفیں بنالیں۔ یہ صف بندی یہاں رات گزارنے کے بعد کی گئی جبکہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ مسلمان اپنے سامنے مشرکوں کو ان کے پڑاؤ میں دیکھ رہے تھے۔

حضرت بلالؓ نے اذان دی اور تکبیر کہی اور آنحضرت ﷺ نے صف بستہ صحابہ کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے خطبہ دیا جس میں ان کو جہاد پر ابھارا اس خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ اور سب کا ساتھ دینا واجب ہے سوائے بچوں عورتوں، بیماروں اور غلاموں کے جو دوسروں کی ملک ہوں۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ سوائے عورتوں مسافروں، غلاموں یا مریضوں کے!"

یہاں مستثنیٰ محذوف یعنی پوشیدہ ہے کہ سوائے ان چار قسم کے لوگوں کے اس کے بعد جو تفصیل ہے وہ اس کا بدل ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"جو شخص اس سے مستغنی ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور تمام تعریفوں کا سزاوار ہے۔ میرے علم میں اب ایسا جو بھی عمل ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچانے والا ہو وہ میں تمہیں بتلا چکا ہوں اور اس کا حکم دے چکا ہوں۔ اسی طرح میرے علم میں جو بھی ایسا عمل ہے جو تمہیں جہنم سے قریب کرنے والا ہے وہ میں تمہیں بتلا چکا ہوں اور اس سے تمہیں روک چکا ہوں۔ روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ وحی ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے حصے کے رزق کا ایک ایک دانہ نہیں حاصل کرلے گا چاہے وہ کچھ دیر میں حاصل ہو مگر اس میں کوئی کمی نہیں واقع ہو سکتی۔ اس لئے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں نیک راستے اختیار کرو ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ رزق ملنے میں دیر لگنے کی وجہ سے تم اس کو اللہ کی نافرمانی کر کے حاصل کرنے لگو۔ ایک مومن کا دوسرے مومن سے ایسا ہی رشتہ ہے جیسے سر اور بدن کا رشتہ ہوتا ہے کہ اگر سر میں تکلیف ہو تو سارا بدن درد سے کانپ اٹھتا ہے اور بس تم پر سلام ہو۔"

دائیں بائیں بازوؤں پر دستوں کی تعیناتی ...... غرض جب لشکر آمنے سامنے کھڑے ہوگئے تو مشرک لشکر میں خالد ابن ولید اور عکرمہ ابن ابو جہل دائیں بائیں تھے۔ یہ دونوں بعد میں مسلمان ہوگئے تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر ابن عوام کو ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا اور ان سے فرمایا۔

"تم لوگ خالد ابن ولید کی طرف اور ان کے مقابل رہنا۔"

دوسرے سواروں کو آپ نے دوسری سمت میں بھیجا کیونکہ مشرکوں کے یہ دونوں سردار اپنے لشکر

کے دائیں اور بائیں بازوؤں پر تھے۔ یہاں غالباً سواروں سے مراد صحابہ کی جماعت ہے کہ وہ مشرکوں کے دوسری طرف کے سواروں کے سامنے جائیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے تھے۔

پشت کی حفاظت کے لئے تیر انداز دستے کی تعیناتی...... مگر کتاب ھُدیٰ میں یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر مسلمانوں میں گھوڑے سواروں کی تعداد پچاس تھی۔ مگر شاید یہ بات سبقت قلم یعنی غلطی سے لکھی گئی (کیونکہ اس بات کی تائید کسی روایت سے نہیں ہوتی)۔

غرض آپ نے حضرت زبیرؓ اور ان کے دستے سے فرمایا۔

اس دستے کے لئے سخت ترین ہدایات...... "اس وقت تک اپنی جگہ سے مت ہلنا جب تک میں اجازت نہ دوں۔ پھر فرمایا کوئی شخص اس وقت تک نہ لڑے جب تک میں حکم نہ دوں۔"

ان تیر اندازوں کی تعداد پچاس تھی۔ آپ نے ان پر حضرت عبداللہ ابن جبیر کو امیر بنایا اور ان سے فرمایا۔

"تم مشرکوں کے گھوڑے سوار دستوں کو تیر اندازی کر کے ہم سے دور ہی رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ پشت کی طرف سے آکر ہم پر حملہ کر دیں۔ اور ہمیں چاہے فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اگر تم پرندوں کو بھی ہم پر اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا سوائے اس کے کہ میں خود ہی تم کو بلا بھیجوں۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن پر فتح پا گئے ہیں اور ان کو روندتے ہوئے پیش قدمی کر رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ سے مت ہلنا سوائے اس کے کہ میں ہی تمہیں بلواؤں۔"

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر تم ہمیں مال غنیمت جمع کرتے ہوئے بھی دیکھو تب بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے کی کوشش مت کرنا۔"

(قال) ایک روایت میں ہے کہ تیر اندازوں کے اس دستے کو آپ نے یہ حکم دیا۔

"تم اپنی جگہ جمے رہنا اور وہاں سے مت ہلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم دشمن کو شکست دے کر ان کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے پڑاؤ میں بھی داخل ہو گئے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو بھی ہماری مدد کو مت آنا اور نہ ہی دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لئے بڑھنے کی کوشش کرنا بلکہ ان کو تیر اندازی سے ہی روکنا۔ کیونکہ گھوڑے سوار لشکر تیروں ہی کی بوچھاڑ سے روکا جا سکتا ہے۔ جب تک تم اپنی جگہ جمے رہو گے ہم دشمن پر غالب رہیں گے۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک تلوار نکالی جس کے ایک طرف یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمۃ
والمرء بالجبن لاینجو من القدر

ترجمہ: بزدلی شرم کی بات ہے اور روبرو ہونا عزت و سربلندی کی علامت ہے۔ ایک بزدل شخص کی نہ کوئی عزت ہے اور نہ قدر و منزلت ہے۔

نبی کی تلوار کا حق ادا کرنے والا کون ہے...... یہ تلوار نکال کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔"

اس پر کئی آدمی اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو وہ تلوار نہیں دی۔ ان

لوگوں میں حضرت علیؓ بھی تھے جو یہ تلوار لینے کے لئے اٹھے تھے مگر آپ نے ان سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے مگر آپ نے ان کو بھی یہ تلوار نہ دی۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ نے تین مرتبہ یہ تلوار لینی چاہی مگر ہر مرتبہ آپ نے انکار کر دیا۔ آخر مجمع میں سے حضرت ابو دجانہ کھڑے ہوئے اور آپ سے بولے۔

"یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے۔"

آپ نے فرمایا۔

"اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کے منہ پر وار کر کے اسے کشتہ کیا جائے!"

ابو دجانہ کو تلوار کی بخشش ...... حضرت ابو دجانہ نے عرض کیا۔

"میں اس کو لے کر اس کا حق ادا کروں گا!"

آنحضرت ﷺ نے وہ تلوار حضرت ابو دجانہ کو عطا فرمادی۔ ابو دجانہ بے حد بہادر آدمی تھے اور جنگ کے دوران اکثر لڑ کر غرور انداز میں چلا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے دوران جب ان کو دونوں لشکروں کے درمیان اس طرح اکڑ کر اور تکبر کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔

"یہ چال ایسی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نفرت فرماتا ہے سوائے اس قسم کے موقعوں کے یعنی جنگ کے دوران۔"

اس قسم کے موقعوں پر اس چال کے جائز اور پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص دشمن کی طاقت سے قطعاً خوفزدہ نہیں ہے اور اس کے جنگی سازوسامان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

ابو سفیان کی انصار کو ورغلانے کی کوشش اور مایوسی ...... ادھر جب دونوں لشکروں کی صف بندی ہو رہی تھی تو ابو سفیان نے اپنے لشکر میں سے پکار کر انصاری مسلمانوں سے کہا۔

"اے گروہ اوس و خزرج تم لوگ ہمارے اور ہمارے ان خاندان والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

زبیر ابن عوام کا شخصی مقابلہ ...... اس پر انصاریوں نے ابو سفیان کو بہت برا بھلا کہا اور اس کو سخت لعنت ملامت کی۔

(قال) اس کے بعد مشرکوں کی طرف سے ایک شخص جو اونٹ پر سوار تھا میدان میں نکل کر آیا اور مبارز طلب کیا۔ یعنی شخصی مقابلے کے لئے مسلمانوں کو لاکارا مگر لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ لاکارا تو حضرت زبیرؓ اسلامی صفوں میں سے نکل کر اس کی طرف بڑھے حضرت زبیرؓ پیدل تھے اس کے پاس پہنچ کر وہ ایک دم زور سے اچھلے اور اس کے برابر پہنچ کر اس کی گردن پکڑ کر اس کو لپٹ گئے۔ پھر دونوں میں اونٹ کے اوپر ہی زور آزمائی ہونے لگی۔ ان کی زور آزمائی دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ان میں جو بھی پہلے زمین کو چھوئے گا وہی قتل ہو جائے گا۔"

حضرت زبیر کو حواری رسول کا لقب ...... اسی وقت زور آزمائی کے دوران وہ مشرک اونٹ پر سے نیچے گرا اور اس کے اوپر حضرت زبیر گرے۔ انہوں نے فوراً ہی اس مشرک کو ذبح کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کی تعریف کی اور فرمایا۔

"ہر نبی کا حواری یعنی دوست ہوا کرتا ہے میرے حواری زبیر ہیں!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر اس مشرک کے مقابلے کے لئے زبیر نہ نکلتے تو میں خود نکلتا!"

کیونکہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تھا کہ مسلمان اس کے للکارنے کے باوجود اس سے گریز کر رہے تھے۔

طلحہ کی مبارزت طلبی اور لاف و گزاف..... اس کے بعد مشرکوں کی صفوں میں سے ایک اور شخص نکلا۔ یہ طلحہ ابن ابوطلحہ تھا اس کے باپ ابوطلحہ کا نام عبداللہ ابن عثمان ابن عبدالدار تھا۔ اور اسی کے ہاتھ میں مشرکوں کا پرچم تھا کیونکہ جنگوں میں پرچم اٹھانے کا اعزاز بنی عبدالدار کے خاندانوں کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ قریشی پرچم بنی عبدالدار کے باپ عبدالدار نے ہی بنایا تھا اور یہ اسی کا تھا (اس کے بعد یہ اعزاز اسی خاندان کے ساتھ مخصوص ہو گیا تھا) جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض اب مشرکوں کی صفوں میں سے نکل کر طلحہ ابن ابوطلحہ نے مبارز طلب کیا کہ کون ہے جو میرے مقابلے کو آئے۔ اس نے بھی کئی بار مسلمانوں کو للکارا مگر کوئی شخص بھی اسلامی صفوں میں سے نہیں نکلا آخر طلحہ نے پکار کر کہا۔

"محمد کے ساتھیو! تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول یعنی شہید جنت میں جاتے ہیں اور ہمارے مقتول جہنم میں جاتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ محمد کے ساتھیو! تمہارا خیال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جلدی جلدی تمہاری تلوار کی دھار پر رکھ کر جہنم میں جھونکتا ہے اور تمہیں ہماری تلواروں سے قتل کرا کر فوراً جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اس لئے تم میں سے کون ہے جو مجھے اپنی تلوار کے ذریعہ جلد از جلد جہنم میں پہنچادے یا جلد از جلد میری تلوار کے ذریعہ جنت میں پہنچ جائے۔ لات و عزیٰ کی قسم تم جھوٹے ہو۔ اگر تم اپنے عقیدے پر یقین رکھتے تو یقیناً تم میں سے کوئی نہ کوئی اس وقت میرے مقابلے کے لئے نکل کر آتا۔"

شیر خدا کے ہاتھوں طلحہ واصل جہنم..... یہ سن کر حضرت علیؓ اسلامی صفوں سے نکل کر مقابلے کے لئے اس کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں میں تلواروں کے وار شروع ہی ہوئے تھے کہ اچانک حضرت علیؓ نے اپنی خار شگاف تلوار بلند کی اور اس کو قتل کر دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان میں دونوں زور آزما ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اچانک حضرت علیؓ اس پر جھپٹے اور اس کو زمین سے اکھاڑ کر نیچے دے پٹخا۔ یعنی حضرت علیؓ نے تلوار کے وار سے اس کی ٹانگ کاٹ دی اور اسے گرا دیا۔ اس طرح گرنے کی وجہ سے طلحہ کے جسم کے پوشیدہ حصے کھل گئے اس وقت طلحہ نے کہا۔

"میرے بھائی۔ میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں!"

یہ سن کر حضرت علیؓ اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آئے اس پر مزید وار نہیں کئے۔ اس پر بعض صحابہ نے حضرت علیؓ سے کہا۔

"آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔"

حضرت علیؓ نے کہا۔

"اس کی شرم گاہ کھل گئی تھی اور اس کا رخ میری طرف تھا اس لئے مجھے اس پر رحم آگیا اور یہ میں نے جان لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم نے اس کو کس لئے چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"اس نے خدا کا واسطہ دے کر مجھ سے رحم کی بھیک مانگی تھی۔"

آپ نے فرمایا اسے قتل کر آؤ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں بھی اسی طرح کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ تو یہ واقعہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے بسر ابن ارطاۃ پر حملہ کیا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اب وہ قتل ہی ہوا چاہتا ہے تو اس نے ایک دم اپنی شرمگاہ کھول دی حضرت علیؓ فوراً ہی اسے یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے ہٹ آئے۔

دوسری مرتبہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے ابن عاص پر حملہ کیا جب انہوں نے دیکھا کہ موت سامنے آگئی ہے تو انہوں نے اپنا ستر کھول دیا۔ حضرت علیؓ فوراً ہی وہاں سے واپس آگئے۔

(واضح رہے کہ اس قسم کی بہت سی روایتیں شیعہ حضرات نے پیش کی ہیں جن کی سند قابل غور ہے)

طلحہ کے بھائی کا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں انجام...... غرض طلحہ کے قتل کے بعد مشرکوں کا پرچم اس کے بھائی عثمان ابن ابوطلحہ نے لے لیا۔ یہی عثمان اس شیبہ کا باپ ہے جس کی طرف شیبی فرقہ کے لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں اور جن کو بنی شیبہ کہا جاتا ہے۔

غرض جب عثمان نے وہ پرچم اٹھایا تو حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کیا اور اس کا ہاتھ مونڈھے پر سے کاٹ ڈالا اور ان کی تلوار عثمان کی ہنسلی تک کاٹ گئی۔ حضرت حمزہؓ اس کو قتل کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے۔

"میں حاجیوں کے ساقی یعنی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں!"

تمام قریشی پرچم بردار موت کی راہ پر...... اس کے بعد مشرکوں کے پرچم کو عثمان اور طلحہ کے بھائی نے اٹھالیا جس کا نام ابوسعید ابن ابوطلحہ تھا۔ اس پر حضرت سعد ابن ابی وقاص نے تیر چلایا جو اس کے سینے میں لگا اور یہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد طلحہ ابن ابوطلحہ جس کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا کے بیٹے نے پرچم اٹھایا تو حضرت عاصم ابن ثابت ابن ابوالافلح نے اس پر تیر چلایا اور وہ بھی قتل ہو گیا۔ اس شخص کا نام مسافع تھا۔ اس کے بعد مسافع کے بھائی حرث ابن طلحہ نے پرچم سنبھالا تو پھر حضرت عاصم نے تیر چلایا اور اس کو بھی قتل کر دیا۔

طلحہ کے ان دونوں بیٹوں مسافع اور حرث کی ماں بھی مشرک لشکر کے ساتھ تھی۔ اس عورت کا نام سلافہ تھا اس کے یہ دونوں بیٹے اس کی گود میں مرے کیونکہ جس کے بھی حضرت عاصم کا تیر لگتا وہی بیٹا وہاں سے زخمی ہو کر لوٹتا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ سلافہ کہتی۔

"بیٹے! تجھے کس نے زخمی کیا۔"

بیٹا جواب میں کہتا۔

میں نے اس شخص کی آواز سنی ہے اس نے مجھ پر تیر چلانے کے بعد کہا تھا۔

"لے اسے سنبھال میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں۔"

اس جملے سے سلافہ سمجھ گئی کہ تیرانداز حضرت عاصم ابن ثابت ابن ابوالافلح ہیں۔ چنانچہ اس نے منت مانی کہ اگر عاصم ابن ثابت کا سر میرے ہاتھ لگا تو میں اس میں شراب بھر کر پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے اعلان کیا

کہ جو شخص بھی عاصم ابن ثابت کا سر کاٹ کر میرے پاس لائے گا تو میں اسے سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ مگر حضرت عاصم اس غزوہ احد میں قتل نہیں ہوئے بلکہ آگے بیان آئے گا کہ ان کا قتل سریہ رجیع میں ہوا۔

غرض ان دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد مسافع اور حرث کے بھائی نے وہ پرچم اٹھایا اس کا نام کلاب ابن طلحہ تھا اس کو حضرت زبیرؓ نے قتل کر دیا۔ ایک قول میں قزمان کا نام ہے غرض اس کے بعد ان کے بھائی جلاس ابن طلحہ نے پرچم اٹھایا تو اس کو حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے قتل کر دیا۔

اس طرح یہ چاروں بھائی یعنی مسافع حرث کلاب اور جلاس ابن طلحہ اپنے باپ طلحہ کی طرح وہیں قتل ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی ان کے دونوں چچا یعنی عثمان اور ابو سعید ابن ابو طلحہ بھی اسی غزوہ احد میں قتل ہو گئے۔

ان کے بعد قریشی پرچم ارطاۃ ابن شرجیل نے اٹھایا تو اس کو حضرت علی ابن ابو طالب نے قتل کر دیا ایک قول ہے کہ حضرت حمزہؓ نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد شریح ابن قارظ نے پرچم سنبھالا تو وہ بھی قتل ہو گیا مگر اس کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے بعد یہ پرچم ابو زید ابن عمرو ابن عبد مناف ابن ہاشم ابن عبد الدار نے اٹھایا تو اس کو قزمان نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد شرحبیل ابن ہاشم کے بیٹے نے پرچم بلند کیا تو اس کو بھی قزمان نے قتل کر دیا۔

اس کے بعد ان لوگوں کے ایک غلام صواب نے یہ پرچم اٹھالیا یہ ایک حبشی شخص تھا۔ یہ لڑتا رہا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ یہ جلدی سے بیٹھ گیا اور اپنے سینے اور گردن کے سہارے سے پرچم کو اٹھائے رہا یہاں تک کہ اس کو بھی قزمان نے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے قاتل حضرت سعد ابن ابو وقاصؓ تھے۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ تھے۔

احد میں بنی عبد الدار کی تباہی...... ابو سفیان نے مشرکوں کے پرچم بردار بنی عبد الدار کے لوگوں کو جنگ کا جوش دلاتے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"اے بنی عبد الدار! جنگ بدر کے موقعہ پر تم نے ہمارا پرچم نہیں اٹھایا تھا اس کے نتیجہ میں ہمیں جس تباہی کا سامنا کرنا پڑا وہ معلوم ہی ہے۔ جنگی پرچم لوگوں کو اس تصور کے ساتھ دیئے جاتے ہیں کہ اگر پرچم سرنگوں ہو گیا تو قوم بھی سرنگوں ہو گئی۔ اس لئے اگر تم بنی عبدالدار کے لوگ ہمارے پرچم کی ذمہ داری سنبھالو تو ٹھیک ہے ورنہ درمیان سے ہٹ جاؤ تو ہم خود ہی اس ذمہ داری کو سنبھالیں گے!"

بنی عبد الدار نے یہ سن کر پرچم اٹھانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ہم اپنا جھنڈا آپ کے تحت میں دیتے ہیں (یعنی بنی عبد الدار کا جنگی پرچم اس جنگ میں آپ کی ماتحتی میں قبول کرتے ہیں) اور کل جب ہم دشمن سے ٹکرائیں گے تو آپ ہماری سرفروشی دیکھ لیں گے!"

ابو سفیان کا مقصد بھی یہی تھا جو پورا ہو گیا تھا۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی عبدالدار کے متعلق ہی نازل ہوئی تھی۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَاللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ الآیہ پ ۹ سورہ انفال ع ۳ آیت ۲۲

ترجمہ: بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں گونگے ہیں جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔

ادھر جب مشرکوں کا پہلا پرچم بردار یعنی طلحہ ابن ابو طلحہ مارا گیا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے اس کو ایک غیبی بشارت سمجھا کیونکہ وہ اپنے لشکر کا سردار اور پرچم بردار تھا اور اسی سردار قوم کے متعلق آنحضرت

ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ دشمن کے سردار فوج پر مسلط ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس خواب کی تعبیر آپ نے یہ بتلائی تھی کہ میں دشمن کے سردار کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لہٰذا یہی وہ دشمنوں کا سردار اور سالار تھا۔

ادھر جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے تو ان کا لشکر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ گیا۔ مسلمانوں نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے دشمن پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا اور ان کو قتل کرنے لگے۔

مسلم اور مشرک جنگی نعرے ...... اس جنگ میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ اَمِتْ اَمِتْ تھا اور مشرکوں کا جنگی نعرہ یاللعزیٰ اور یالھبل تھا۔ یہ عزیٰ ایک درخت تھا جس کو وہ پوجتے تھے۔ اور ہبل ایک بت کا نام تھا جو کعبے کے اندر تھا اور وہاں جو کنواں تھا اس پر نصب تھا۔ مگر آگے فتح مکہ کے بیان میں آئے گا کہ یہ ہبل نامی بت کعبے سے باہر کعبے کے دروازے کے پاس نصب تھا۔ مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے یہ پہلے کعبہ کے اندر رکھا ہو اور پھر وہاں سے نکال کر کعبے کے دروازے کے نصب کر دیا گیا ہو۔

صدیق اکبر کی بیٹے سے مقابلے کی کوشش ...... غرض جنگ کا آغاز اسی اونٹ سوار سے ہوا جس نے میدان میں آکر مبارز طلب کیا تھا اور قتل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد شخصی مقابلے کے لئے قریشی لشکر سے لوگ آتے رہے۔ ان میں مشرک لشکر سے عبدالرحمٰن ابن ابو بکر نکلے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے دونوں لشکروں کے درمیان میں آکر کہا۔

"کون ہے جو میرے مقابلے کو سامنے آئے!"

اس پر ان کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر اٹھے اور انہوں نے بیٹے کے مقابلہ کو جانا چاہا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اپنی تلوار میان میں ڈال کر اپنی جگہ واپس جاؤ۔ اپنی ذات سے ہمیں اور فائدے اٹھانے دو!"

پیچھے غزوہ بدر کے میدان میں بھی گزرا ہے کہ عبدالرحمٰن ابن ابو بکر نے بدر میں مبارز طلب کیا تھا۔ ادھر بدر کے بیان میں ہی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت گزری ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ابن ابو بکر کو شخصی مقابلے کی دعوت دی تھی۔ مگر یہاں بیان ہونے والی روایت اس کے خلاف ہے (کیونکہ یہاں تو خود عبدالرحمٰن نے سامنے آکر کسی کو مقابلے کے لئے طلب کیا ہے)۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں دونوں باتیں ممکن ہو سکتی ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے خود بھی اپنے بیٹے کو شخصی مقابلے کی دعوت دی ہو اور عبدالرحمٰن ابن ابو بکر نے بھی اپنے والد کو شخصی مقابلے کی دعوت دی ہو (یعنی دونوں باتوں کا پیش آنا ممکن نہیں ہے)

(حضرت صدیق اکبرؓ کا ہی واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے قبائل مرتد ہونے یا دین اسلام سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے تو وہ خود لشکر لے کر ان کے مقابلے کے لئے نکلے اور لشکر کے آگے خود ننگی تلوار لئے اپنی سواری پر بیٹھے تھے حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو سواری کی لگام پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے جو خلیفۃ المسلمین تھے کہنے لگے۔

"اے خلیفۂ رسول کہاں کا ارادہ ہے۔ میں بھی آج آپ سے وہی بات اس طرح کہتا ہوں جس طرح آپ سے غزوہ احد کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ اپنی تلوار میان میں ڈال لیجئے اور ہمیں اپنی

شخصیت سے محروم نہ کیجئے بلکہ مدینہ کو لوٹ چلئے۔ خدا کی قسم اگر ہم آپ سے محروم ہوگئے تو پھر کبھی اسلام کا کوئی نظام اور حکومت قائم نہیں ہو سکے گی!"

یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ مان گئے اور لشکر کو آگے روانہ کر کے خود مدینے لوٹ آئے۔

خالد ابن ولید کے ناکام حملے ...... غرض جنگ احد کے شروع میں مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے نے تین مرتبہ مسلم لشکر پر حملہ کیا مگر آنحضرت ﷺ نے پہاڑی کے اوپر جو تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا وہ ہر دفعہ تیروں کی باڑھ مار کر اس گھوڑے سوار دستے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتا تھا اور مشرکین بدحواسی کے عالم میں پسپا ہو جاتے تھے۔

قریشی عورتیں میدان عمل میں ......اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر ایک بھرپور حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ مشرکوں کی طاقت کو سخت نقصان پہنچا۔ اسی وقت جبکہ لڑائی شباب پر تھی اور گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی مشرک لشکر میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ اٹھی اور اسنے اور اس کی ساتھی عورتوں نے اپنے ہاتھوں میں دف سنبھالے۔ پھر یہ عورتیں اپنے جانباز مردوں کے پیچھے دف بجا بجا کر یہ پرجوش گیت گانے لگیں۔

ویھا بنی عبدالدار . ویھا حماة الادبار . ضربا بکل بتار ۔

ترجمہ: آگے بڑھو اے بنی عبدالدار۔ ہمت کرو اے ہمارے پشت پناہو۔ ہر شمشیر خاراشگاف سے وار کرو۔

نحن بنات طارق، نمشی علی النمارق، مشی القطا النوازق ۔

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، ہم غالیچوں پر چہل قدمی کرنے والیاں ہیں۔ ایک مستانہ اور رعنائی سے بھرپور چال کے ساتھ۔

والمسک فی المفارق . والدر فی المخانق . ان تقبلوا نعانق

ہماری مانگ میں مشک کی نکہت ہے۔ گلے موتیوں کے ہاروں سے آراستہ ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے بغل گیر ہوں گی!"

ونفرش النمارق . اوتدبروا نفارق . فراق غیر وامق ۔

تمہارے لئے دیدہ دل فرش راہ کریں گی۔ لیکن اگر تم پیٹھ پھیرو گے تو ہم تم سے اس طرح منہ پھیر لیں گی کہ پھر کبھی تم ہماری رعنائیاں نہ پا سکو گے!"

ان شعروں میں جو ویھا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یہ کلمہ برانگیختہ کرنے اور جوش دلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں دونك یافلان یعنی ہمت کرو آگے بڑھو۔ اسی طرح اَدْبار بمعنی اعقاب یعنی پشت سے یہاں پشت پناہ مراد ہیں۔ بتار۔ تلوار خاراشگاف کو کہتے ہیں اور چھٹے مصرعہ میں نوازق کا جو لفظ ہے وہ خفاف کے معنی میں ہے۔ اسی طرح طارق سے مراد ایک ستارہ ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ الآیہ پ ۳۰ سورہ طارق ع ۱ آیت ۱ تا ۳

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے وہ روشن ستارہ ہے۔

ایک قول ہے کہ یہ زحل ستارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی بیٹیاں ہیں جو اپنے مرتبے کی بلندی میں ستاروں کی طرح اونچے ہیں۔ یہاں عربی زبان کے قاعدے کے اعتبار سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر ستارہ

مراد ہوتا تو نحن بنات الطارق کہا جاتا۔ ادھر میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ یہ رجزیہ اشعار ایک عورت ہند بنت طارق کے ہیں۔ اس صورت میں ظاہر ہے طارق سے مراد ستارہ نہیں ہوگا بلکہ وہی مشہور شخص مراد ہوگا۔ تو گویا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس مشہور و معروف شخص طارق کی بیٹیاں ہیں جس کا بلند مرتبہ سب جانتے ہیں۔

ایک روایت میں راوی کہتا ہے کہ ایک دن میں مکے میں ضحاک شاعر کی مجلس میں بیٹھا تھا کسی شخص نے ہندہ کا یہ شعر نحن بنات الطارق پڑھا اور ضحاک سے سوال کیا کہ اس مصرعہ میں طارق کا کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا یہ ستارے کا نام ہے ضحاک نے کہا یہ کیسے۔ تو میں نے جواب میں بطور دلیل کے سورۂ طارق کی ابتدائی آیات پڑھیں (اور ضحاک نے اس کی تردید نہیں کی)

جہاں تک نمارق کا تعلق ہے تو یہ لفظ چھوٹے تکیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم تمہارے لئے ایسے بستر بن جائیں گی جن پر تکیہ رکھ کر ان کو آرام دہ بنادیا جاتا ہے یعنی ہم تمہاری اس جانبازی اور سر فروشی کے صلے میں تمہارے لئے دیدہ و دل فرش راہ کریں گی۔

آخری مصرعہ میں جو لفظ وامق ہے اس کا مطلب ہے بیزار اور نفرت کرنے والا۔ یعنی اگر تم اس وقت میدان جنگ میں پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم تمہیں بیزاری اور نفرت کے ساتھ اس طرح چھوڑ دیں گی کہ پھر کبھی تمہاری صورت دیکھنا پسند نہیں کریں گی۔ کیونکہ نفرت کرنے والا اگر چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو کبھی واپس نہیں آتا برخلاف محبت کرنے والے کے کہ اگر وہ ناراض بھی ہوتا ہے تو پھر مَن بھی جاتا ہے۔ اسی لئے ایک مثل ہے کہ محبت کرنے والے کا غصہ بظاہر تو سیف یعنی تلوار کی چمک ہوتا ہے مگر حقیقت میں صیف یعنی گرمی کے موسم کی بدلی کی طرح ٹھنڈا اور جلد گزر جانے والا ہوتا ہے۔

(قال) آنحضرت ﷺ جب ہندہ کے یہ شعر سنتے جن سے وہ مشرکوں کو جوش دلا رہی تھی تو آپ فرماتے۔

"اے اللہ تجھ ہی سے میں طاقت چاہتا ہوں تجھ ہی سے جماؤ اور پامردی مانگتا ہوں اور تیرے ہی نام پر جنگ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے اور وہی سب سے بہتر سہارا اور ذمہ دار ہے!" ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمن سے دوبدو ہوتے تو فرماتے کہ اے اللہ میں تیرے ہی ذریعہ پامردی چاہتا ہوں اور تجھ سے ہی طاقت مانگتا ہوں۔

ابو دجانہ شمشیر نبوی ﷺ کے صحیح حقدار...... آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو دجانہ کو جو تلوار عنایت فرمائی تھی انہوں نے حقیقت میں اس کا حق ادا کیا اور لوگوں میں ان کے چرچے ہونے لگے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس تلوار کے لئے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس کا حق ادا کرے گا تو میرے تین دفعہ مانگنے کے باوجود آپ نے وہ تلوار مجھے نہیں دی حالانکہ میں آپ کا پھوپی زاد بھائی تھا۔ بلکہ آپ نے تلوار ابو دجانہؓ کو دیدی۔ اس وقت مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں خود دیکھوں گا کہ یہ شخص یعنی ابو دجانہ کس طرح اس تلوار کا حق ادا کرتا ہے اس کے بعد میں نے ان کا پیچھا کیا اور سائے کی طرح ان کے ساتھ لگا رہا۔

میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے موزے کی ٹانگ میں سے ایک سرخ رنگ کی پٹی نکالی جس کے ایک طرف تو آیت نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ لکھی ہوئی تھی اور دوسری طرف یہ کلمات لکھے ہوئے تھے کہ جنگ میں

بزدلی شرم کی بات ہے جو شخص میدان سے بھاگا وہ جہنم کی آگ سے نہیں بچ سکتا۔ابو دجانہ نے یہ پٹی نکال کر اپنے سر پر باندھ لی انصاری مسلمانوں نے یہ دیکھا تو کہا۔

"ابو دجانہ نے موت کی پٹی نکال لی ہے!"

ابو دجانہ کی بے مثال سر فروشی...... کیونکہ انصاریوں میں مشہور تھا کہ حضرت ابو دجانہؓ جب یہ پٹی سر پر باندھ لیتے ہیں پھر دشمن پر اس طرح ٹوٹتے ہیں کہ جو بھی سامنے آتا ہے وہ بچ کر نہیں جاپاتا (چنانچہ اس پٹی کے باندھنے کے بعد انہوں نے انتہائی خوں ریز جنگ شروع کر دی) انسانی جسموں کو مسلسل کاٹنے کی وجہ سے جب ان کی تلوار کند ہو جاتی تو وہ اس کو پتھر پر رگڑ کر دھار دیتے اور تیز کرتے اور اس کے بعد پھر دشمنوں پر موت بن کر ٹوٹ پڑتے۔انہوں نے اس تلوار کا اس قدر حق ادا کیا کہ آخر یہ تلوار مڑ گئی اور خم ہو کر درانتی کے جیسی ہو گئی۔

مشرکوں میں ایک شخص تھا جو ہمارے یعنی مسلمانوں کے زخمیوں کو میدان جنگ میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر رہا تھا۔جو زخمی بھی اس کو کہیں پڑا ملتا وہ جھپٹ کر اس کو قتل کر دیتا تھا۔

حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کا ابو دجانہ سے آمنا سامنا ہو جائے چنانچہ میری دعا قبول ہو گئی اور یہ شخص ابو دجانہ کے سامنے پڑ گیا۔دونوں میں تلواروں کے وار ہونے لگے اچانک اس مشرک نے ابو دجانہ پر تلوار بلند کی جس کو انہوں نے اپنی چمڑے کی ڈھال پر روکا مشرک کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی۔ابو دجانہ نے فوراً اس پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا۔

پھر ایک موقعہ پر میں نے دیکھا کہ ابو دجانہ نے اپنی وہی تلوار ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کو قتل کرنے کے لئے بلند کی۔ایک قول ہے کہ ہند کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی مگر پھر فوراً ہی انہوں نے اس کے سر سے پیچھے ہٹالی۔

خود حضرت ابو دجانہ سے روایت ہے کہ جنگ کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو جنگ کا جوش دلا رہا ہے اور ان کے حوصلے بلند کر رہا ہے میں فوراً ہی اس کی طرف جھپٹا مگر جب میں نے اس پر حملہ کر کے تلوار اس کے سر پر بلند کی تو اچانک اس نے بلبلا کر چیخنا اور فریاد کرنا شروع کر دیا۔اس وقت اس کی آواز سے میں نے پہچانا کہ یہ کوئی عورت ہے۔میں نے اسے پسند نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار سے ایک عورت کو قتل کروں۔اس لئے میں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا۔

شیر خدا حمزہؓ کی کفن بردوشی...... اسی طرح حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب انتہائی سر فروشی کے ساتھ زبردست جنگ کر رہے تھے۔ایک دفعہ سباع ابن عبدالعزیٰ کا حضرت حمزہؓ سے سامنا ہو گیا یہ سباع مشرک تھا اور اسکی ماں کا نام ام انمار تھا جو اخنس کے باپ شریق کی باندی تھی اور مکے میں عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی (جاہلیت میں مکے میں عورتوں کی ختنہ کا بھی رواج تھا۔اس عورت ام انمار کا یہی پیشہ تھا) حضرت حمزہؓ نے سباع کو سامنے دیکھا تو ایک دم اسے للکارا۔

"سامنے آ۔او عورتوں کی ختنہ کرنے والی کے بیٹے!"

بخاری میں حضرت حمزہؓ کے یہ کلمات روایت میں ہیں۔"

"اے سباع اے عورتوں کی ختنہ کرنے والی ام انمار کے بیٹے۔سامنے آ۔کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے آیا ہے۔"

اس روایت میں ایک شبہ ہوتا ہے کیونکہ ایک دوسری روایت کے مطابق جب دونوں لشکروں نے صف بندی کرلی تو مشرک لشکر سے سباع نکل کر سامنے آیا اور اس نے مسلمانوں میں سے شخصی مقابلہ کیلئے مبارز طلب کیا۔ اس پر حضرت حمزہ اس کی طرف بڑھے اور تیزی سے اس کے سر پر پہنچ کر انہوں نے تلوار کا وار کیا اور سباع کو قتل کر دیا۔ اس روز حضرت حمزہؓ نے جتنے لوگوں کو قتل کیا ان کی تعداد اکتیس تھی۔ مگر آگے کتاب اصل یعنی عیون الاثر کے حوالے سے یہ روایت آرہی ہے کہ احد کے دن کفار قریش میں سے تئیس آدمی قتل ہوئے۔

وحشی کا تیر اور شیر خدا کی شہادت ...... غرض سباع کو قتل کر کے حضرت حمزہؓ اس کی زرہ اتارنے کے لئے اس پر جھکے حضرت جبیر ابن مطعم کے غلام وحشی کہتے ہیں جو اس وقت کافر تھے کہ میں حمزہؓ کو دیکھ رہا تھا کہ ان کی تلوار بے تحاشہ لوگوں کو کاٹ رہی ہے۔ ایک جگہ حمزہ کا پیر پھسلا جس سے ان کی زرہ ان کے پیٹ پر سے سرک گئی۔ میں نے جلدی سے کمان میں تیر چڑھایا اور نشانہ لے کر ان کے کھلے ہوئے پیٹ پر تیر چلا دیا۔ تیر ان کی ناف کے نیچے پیوست ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ وہیں نڈھال ہو کر گرے۔ میں چپکے سے اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کے پیروں کی طرف سے ان کی جانب بڑھا۔ اچانک حمزہؓ نے اٹھ کر میری طرف رخ کیا مگر پھر تکلیف اور کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر پڑے میں اپنی جگہ پر پھر چھپ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ ٹھنڈے ہو جائیں تو انکے پاس پہنچوں۔ چنانچہ انکے ختم ہونے کے بعد میں ان کے قریب گیا اور دیکھ کر اطمینان کر لیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے اپنا تیر کمان اٹھایا اور لشکر سے علیحدہ جا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ کیونکہ حمزہ کو قتل کرنے کے سوا مجھے اس جنگ سے اور کوئی دلچسپی نہیں تھی (اس لئے کہ حمزہ کو قتل کرنے کی صورت میں ان کو آزاد کرنے کا وعدہ دیا گیا تھا)۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو تلواروں سے لڑ رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میں شیر خدا ہوں۔ اسی دوران میں اچانک ان کو ٹھوکر لگی جس سے وہ کمر کے بل گر پڑے اور ان کی زرہ پیٹ پر سے کھل گئی۔ اسی وقت وحشی حبشی نے ان کے پیٹ پر تیر چلا دیا۔

مشرکوں میں ابتری اور فرار ...... پھر جب مشرکوں کے پرچم بردار ایک ایک کر کے قتل ہو گئے اور کوئی شخص بھی اب پرچم اٹھانے یا اس کے قریب آنے کی ہمت نہ کر سکا تو ایک دم مشرک پسپا ہونے لگے اور پیٹھ پھر کر چیختے اور باواویلا کرتے ہوئے بلبلاتے ہوئے بھاگنے لگے۔ ان کی عورتیں بھی جو کچھ ہی دیر پہلے خوش ہو کر اور دف بجا بجا کر گا رہی تھیں دف پھینک پھینک کر پہاڑ کی طرف بھاگیں۔ یہ عورتیں چیختی چلاتی اور بدحواسی میں اپنے کپڑے نوچ نوچ کر بھاگتی ہوئی جارہی تھیں۔

تیر انداز دستہ اور حکم رسول کی خلاف ورزی ...... مسلمانوں نے دشمن کو بھاگتے دیکھا تو وہ ان کا پیچھا کر کے ان کے ہتھیار لینے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے۔ اسی وقت مسلمانوں کا وہ تیر انداز دستہ جس کو آنحضرت ﷺ نے پہاڑی پر تعینات کر کے حکم دیا تھا کہ کسی بھی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں وہاں سے مال غنیمت جمع کرنے کے لئے بھاگا۔ یہ دیکھ کر ان کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیر نے ان کو سختی سے منع کیا کہ ان کو کسی حال میں بھی یہاں سے ہٹنے کا حکم نہیں ہے مگر وہ لوگ نہیں مانے اور کہنے لگے۔

"مشرکوں کو شکست ہو گئی ہے اب ہم یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے!"

دستے کے امیر کی اطاعت شعاری اور شہادت ...... یہ کہہ کر وہ لوگ پہاڑی سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے اگرچہ ان میں سے اکثر لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر جا چکے تھے مگر انکے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ اور

کچھ دوسرے صحابہ اپنی جگہ جمے رہے جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ انہوں نے نیچے جانے والوں سے کہا۔
"میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا۔"

خالد ابن ولید کا خالی عقب سے حملہ...... اسی وقت خالد ابن ولید نے دیکھا کہ وہ پہاڑی جہاں تیر اندازوں کا دستہ جما ہوا تھا خالی ہو چکی ہے صرف چند آدمی وہاں باقی رہ گئے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی وہ اپنے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ پلٹے ان کے ساتھ ہی عکرمہ ابن ابو جہل بھی پلٹ پڑے۔ یہ دونوں آدمی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

انہوں نے پہاڑی پر پہنچ کر ان چند لوگوں پر حملہ کر دیا جو تیر انداز دستے کے بچے کھچے وہاں موجود تھے۔ ان کا یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ ایک ہی ہلّے میں انہوں نے دستے کے امیر حضرت عبداللہ ابن جبیر اور انکے چند ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن جبیر کی لاش کا مثلہ کیا یعنی ان کے ہاتھ پیر اور جسم کے دوسرے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ان کے جسم پر اتنے نیزے لگے کہ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔

فتح شکست میں تبدیل اور مسلمانوں میں ابتری...... اس کے بعد اس دستے نے نیچے اتر کر اچانک مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مسلمان اس وقت بے خبری کے عالم میں مال غنیمت جمع کرنے اور مشرکوں کو قیدی بنانے میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک مشرکوں کے گھوڑے سوار دستے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ یہ لوگ "یاللعزیٰ" اور "یالہبل" کے نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے پاس پہنچتے ہی بے خبری میں ان کو تلواروں پر رکھ لیا۔ اس اچانک افتاد سے مسلمان بدحواس ہو گئے اور جدھر جس کا منہ اٹھا وہ اسی طرف بھاگنے لگا۔ جو کچھ مال غنیمت انہوں نے جمع کیا تھا اور جتنے قیدی بنائے تھے ان سب کو چھوڑ کر مسلمان ہر طرف بکھر گئے۔ نہ ان کی صفیں باقی رہیں نہ ترتیب۔ ایک کو دوسرے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس بے حواسی میں ان کو اپنا نعرہ بھی یاد نہ آیا جس سے ایک دوسرے کی پہچان ہوتی تھی اور اسکے نتیجے میں وہ ایک دوسرے ہی پر حملے کرنے لگے۔ کیونکہ اپنے جنگی نعرے کے ذریعہ ہی وہ رات کے اندھیرے اور گھمسان کے دن میں اپنے پرائے کی شناخت کرتے تھے۔ مسلمانوں کا جنگی نعرہ امِت امِت تھا۔

قریشی پرچم پھر سربلند...... مشرکوں کا پرچم اس وقت تک زمین پر پڑا ہوا تھا کہ اس نئی صورت حال کو دیکھ کر اچانک ایک عورت عمرہ بنت علقمہ نے اس کو اٹھا کر بلند کر دیا۔ بھاگتے ہوئے مشرکوں نے اپنے پرچم کو سربلند ہوتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے اور سب کے سب)پلٹ کر پھر اپنے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔

اسی وقت ابن قمئہ نے پکار کر اعلان کر دیا کہ محمد قتل ہو گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ اعلان کرنے والا ابلیس تھا جو جعال یا جعیل ابن سراقہ کی شکل میں تھا۔ یہ جعیل ابن سراقہ ابتداء اسلام میں ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ایک صالح اور پاک باز شخص تھے اور یہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ایک قول ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ان ہی کا نام تبدیل کر کے عمر رکھ دیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔ نیز اس قول میں جو شبہ ہے وہ بھی ذکر ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں میں ہراس...... جنگ کے بعد لوگ جعال پر چڑھ دوڑے تھے تاکہ اسے قتل کر دیں۔ اس وقت جعال نے اپنی برات کی کہ میں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا ان کی سچائی کی گواہی خوات ابن جبیر اور ابو بردہ نے دی کہ جب کسی شخص نے پکار کر یہ اعلان کیا اس وقت جعال ہمارے پاس

اور ہمارے برابر ہی میں موجود تھے۔

ایک قول ہے کہ یہ اعلان کرنے والا ازب العقبہ یعنی بالشتیا تھا جس نے تین مرتبہ پکار کر یہ اعلان کیا۔ کیونکہ جب آنحضرت ﷺ کو شیطان کے اس اعلان کے متعلق معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ازب عقبہ ہے۔ یہ ازب الف کے زیر اور زے پر جزم کے ساتھ ہے جس کے معنی بالشتیا کے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ایک دفعہ اپنی رحل پر ایک آدمی کو کھڑے دیکھا جس کا قد دو بالشت کا تھا۔ حضرت زبیرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کیا چیز ہے۔ اس نے کہا ازب ہوں! انہوں نے کہا ازب کیا ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ جنات کے آدمی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اپنے درے کی موٹھ اس کے سر پر ماری جس سے وہ بھاگ گیا۔

غرض اس بارے میں کئی قول ہیں کہ یہ اعلان کس نے کیا تھا۔ ممکن ہے تینوں ہی نے کیا ہو یعنی ابن قمئہ ابلیس اور ازب عقبہ میں سے ہر ایک نے اعلان کیا ہو۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو شکست چند گھڑی پہلے مشرکوں کو ہوئی تھی وہ مسلمانوں پر لوٹ آئی۔ اسی وقت کسی نے پکار کر کہا۔

"اللہ کے بندو! دوسری طرف سے ہوشیار رہو!"

افراتفری میں باہم دست و گریبان...... مسلمان دوسری طرف متوجہ ہوئے اور بدحواس میں آپس ہی میں ایک دوسرے پر تلواریں چلانے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگ مدینے کی طرف پسپا ہوئے مگر شہر میں داخل نہیں ہوئے۔ ادھر جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ افواہ مشہور ہوئی تو (مسلمانوں نے اس پر اس لئے یقین کیا کہ انہیں ایک دوسرے کا ہوش تھا نہ خبر۔ سب اس طرح تتر بتر ہو گئے تھے کہ کسی کو کسی کا حال معلوم نہیں تھا۔ لہذا اس خبر سے مسلمانوں میں اور بدحواسی پھیل گئی یہاں تک کہ مایوسی کے عالم میں) بعض لوگوں نے کہا۔

"اب جبکہ آنحضرت ﷺ قتل ہو چکے ہیں تو تم اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو وہ تمہیں امان دیں گے۔"

اس پر کچھ دوسرے لوگوں نے کہا۔

"اگر رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے نبی کے دین اور اس پیغام کے لئے جو تمہارے نبی کا ہے نہیں لڑو گے۔ یہاں تک کہ تم شہید کی حیثیت سے اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو۔"

کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ثابت ابن دحداح نے انصاریوں سے کہا۔

"اے گروہ انصار! اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے موت نہیں آسکتی۔ اپنے دین کے لئے لڑو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی عطا فرمانے والا ہے!"

یہ سن کر انصاری مسلمانوں کا ایک گروہ اٹھا اور انہوں نے حضرت ثابتؓ کے ساتھ مل کر مشرکوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا جس میں خالد ابن ولید عکرمہ ابن ابوجہل عمرو ابن عاص اور ضرار ابن خطاب تھے مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کو حملہ کرتے دیکھ کر خالد ابن ولید نے ان پر ایک سخت جوابی حملہ کیا اور ثابت ابن دحداح اور ان کے ساتھی انصاریوں کو قتل کر دیا۔

جو لوگ میدان جنگ سے مدینے کی طرف پسپا ہوئے تھے ان میں حضرت عثمان ابن عفان ولید ابن عقبہ۔ خارجہ ابن زید اور رفاعہ ابن معلی بھی تھے۔ یہ تین دن تک وہیں رہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"تم اگرچہ چلے گئے تھے مگر اس کو در گزر کر دیا گیا ہے!"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّھُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَاکَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ

الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۶ آیت ۱۵۵

ترجمہ: یقیناً تم میں جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دیدی ان کے بعض اعمال کے سبب سے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں بڑے حلم والے ہیں۔

بعض مسلمانوں کی مایوسی...... (قال) بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں افواہ کے اور جنگ کا پانسہ پلٹنے کے بعد کہا۔

"کاش ہمارا کوئی ایلچی عبداللہ ابن ابی (سردار منافقین) کے پاس پہنچ سکتا جو ابوسفیان سے ہمارے لئے امان حاصل کر لیتا۔ لوگو محمد ﷺ قتل ہو چکے ہیں اس لئے اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو اس سے پہلے کہ وہ لوگ خود تمہارے سروں پر پہنچ کر تمہیں قتل کرنا شروع کر دیں۔"

کچھ صحابہ پسپا ہو کر مدینہ میں...... ادھر مسلمانوں کی ایک جماعت پسپا ہو کر مدینے میں داخل ہو گئی راستے میں انکو ام ایمن ملیں۔ وہ ان بھاگ کر آنے والوں کے منہ پر خاک ڈالنے لگیں اور ان میں سے کسی سے کہنے لگیں۔

"لو یہ تکلہ اور بیٹھ کر اون کاتو۔ اور تلوار مجھے دو!"

اس طرح گویا پسپا ہونے والوں کی دو جماعتیں تھیں ایک تو وہ جو مدینے کی طرف پسپا ہوئی مگر مدینے میں داخل نہیں ہوئی اور دوسری وہ جو مدینے میں داخل ہو گئی۔ ادھر گزشتہ روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ام ایمن تو مسلم لشکر کے ساتھ تھیں جہاں وہ زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمات انجام دے رہی تھیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حباب ابن عرقہ نے جنگ کے دوران تیر چلایا۔ وہ تیر حضرت ام ایمن کے لگا جو وہاں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ام ایمن تیر کھا کر گر پڑیں اور ان کا بدن کھل گیا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص قہقہے لگانے لگا۔ آنحضرت ﷺ کو اس بات سے تکلیف اور گرانی پیش آئی۔ آپ نے فوراً ایک تیر حضرت سعدؓ کو دیا کہ اس شخص پر تیر چلائیں۔ انہوں نے فوراً تیر چلایا جو حباب ابن عرقہ کی گردن میں لگا۔ وہ خدا کا دشمن کمر کے بل زمین پر گرا اور اس کی شرم گاہ کھل گئی۔ آنحضرت ﷺ اس پر ہنسنے لگے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک بھی نظر آنے لگے کیونکہ عام طور پر رسول اللہ ﷺ اس طرح نہیں ہنستے تھے بلکہ ہنسی کی بات پر صرف مسکرا دیا کرتے تھے) پھر آپ نے فرمایا۔

"سعد نے ان کا یعنی ام ایمن کا بدلہ لے لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی یعنی سعد کی دعائیں قبول فرمائے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ "اے اللہ! جب سعد تجھ سے کوئی دعا مانگے تو اسکی دعائیں قبول فرما۔"

آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات ہو گئے تھے یعنی جو دعا بھی مانگتے تھے وہ قبول ہوتی تھی۔

اب گویا ام ایمن کے متعلق دو روایتیں ہو گئیں۔ ایک کے مطابق وہ مدینے میں تھیں اور دوسری کے مطابق میدان احد میں زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دے رہی تھیں۔ مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ

نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ اس وقت تک ام ایمن احد سے واپس مدینے آچکی ہوں۔

منافقوں کی دریدہ دہنی اور مسلمانوں کی سراسیمگی...... سردار منافقین عبداللہ ابن ابی کے لشکر سے غداری کر جانے کے بعد بھی کچھ منافقین لشکر کے ساتھ رہ گئے تھے جو ابن ابی کے ساتھ نہیں گئے تھے انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کے قتل کے بارے میں یہ افواہ سنی تو کہا۔

"جو کچھ وہ دعویٰ کرتے تھے اگر اس میں اصلیت ہوتی تو ہم یہاں آج اس طرح ہلاک نہ ہوتے!

بعض منافقوں نے یوں کہا۔

"اگر وہ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔ لوگوں اپنے پچھلے دین پر واپس آجاؤ!"

کتاب نہر میں ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا۔

"ہم ہاتھ پھیلا کر ان لوگوں یعنی کفار قریش سے مل جائیں گے کیونکہ وہ لوگ بہرحال ہماری قوم کے اور ہمارے خاندان ہی کے ہیں!"

مضطرب دلوں کو نیند کے ذریعہ تسکین...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے والے لوگ انصاری مسلمان نہیں تھے بلکہ مہاجرین میں سے تھے۔

(قال) حضرت زبیر ابن عوامؓ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ جب جنگ کا پانسہ پلٹا اور ہم سخت بدحواس اور خوفزدہ تھے تو میں نے اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کے قریب پایا۔ اسی وقت ہم لوگوں پر نیند کا خمار پیدا کر دیا گیا (جو بےفکری کی علامت ہے اور ذہن سے خوف و پریشانی کو دور کر دیتا ہے) چنانچہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو نیم بیداری کی حالت میں نہ ہو یہی وجہ ہے کہ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے معتب ابن قشیر کی آواز کہیں دور سے خواب میں سنائی دے رہی ہے جب وہ یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اگر اس میں اصلیت ہوتی تو ہم یہاں آج اس طرح ہلاک نہ ہوتے۔

معتب ابن قشیر کو ابن بشیر بھی کہا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو عقبہ کی بیعت میں شریک تھے۔ میں نے ان کے اس جملے کو یاد کر لیا۔ اس موقعہ کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ الآیہ پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۶ آیت ۱۵۴

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجا یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہوا اور ایک جماعت وہ تھی کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے ساتھ خلاف واقع خیالات کر رہے تھے جو کہ محض حماقت کا خیال تھا۔

حضرت کعب ابن عمرو انصاریؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن ایک موقعہ پر میں اپنی قوم کے چودہ آدمیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے برابر میں تھا۔ اس وقت ہم پر ایک بےفکری کی سی نیند کا خمار طاری تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے خاص طور سے ایسے موقعہ پر اسی شخص کو نیند کا خمار محسوس ہو سکتا ہے جو ماحول سے بےپرواہ اور بےفکر ہو۔ کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کے سینے سے دھونکنی کی طرح خراٹوں کی آواز نہ نکل رہی ہو اور اونگھ میں ان کے سر اپنے ہتھیاروں سے نہ ٹکرا رہے ہوں۔ میں نے دیکھا کہ بشر ابن براء ابن معرور کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی اور انہیں اتنی سخت اونگھ اور خمار تھا کہ تلوار کے گرنے کا احساس بھی نہیں ہوا حالانکہ مشرکین

ہم پر چڑھے آرہے تھے۔

پیچھے غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ اس موقعہ پر مسلمانوں پر نیند کا خمار جنگ کی رات میں ہوا تھا عین جنگ کے دوران نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ اور سبب بھی وہیں بیان ہوا ہے۔ یہ بھی وہیں بیان ہوا ہے کہ میدان جنگ میں پیدا ہونے والا نیند کا خمار ایمان کی علامت ہے اور نماز میں خمار کا اثر شیطانی چیز ہے۔

دشمن کے نرغہ میں نبی اکرم ﷺ کی ثابت قدمی

ادھر جب لڑائی کا پانسہ پلٹنے کے بعد صحابہ بدحواسی میں منتشر اور تتر بتر ہوگئے تو آنحضرت ﷺ اس افراتفری میں اور اپنے چاروں طرف دشمنوں کے جمگھٹے کے باوجود اپنی جگہ ثابت قدم اور جمے رہے۔ صحابہ کو گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگتے دیکھ کر ان کو پکارتے ہوئے فرماتے جاتے تھے۔

"اے فلاں میری طرف آؤ۔ اے فلاں میری طرف آؤ۔ میں خدا کا رسول ہوں۔!"

مگر اس بدحواسی میں کوئی آپ کی طرف نہیں پلٹتا تھا۔ ہر طرف سے آپ پر تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی مگر اللہ تعالیٰ ان کا رخ آپ کی طرف سے پھیر دیتا تھا۔ کتاب امتاع میں آپ کے الفاظ یوں ہیں۔

"میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ میں عواتک یعنی عاتکاؤں کا بیٹا ہوں۔!"

یہ بات قابل غور ہے کیونکہ عام طور پر روایات اور سیرت کی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ کلمات آپ نے غزوہ حنین میں فرمائے تھے مگر اس میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کہ یہی کلمے آپ نے احد میں بھی فرمائے ہوں اور حنین میں بھی۔

شمع نبوت کے پروانے...... اس نازک موقعہ پر صحابہ کی ایک جماعت آنحضرت ﷺ کے گرد جمی رہی جو آنحضرت ﷺ پر مشرکوں کے مسلسل حملوں کو روک روک کر آپ پر پروانوں کی طرح نثار ہو رہے تھے اور جانیں دے رہے تھے۔ ان میں ابوطلحہ بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے جمے ہوئے تھے اور دشمن کے وار اپنی ڈھال پر روک رہے تھے۔ یہ بڑے بہترین تیر انداز اور سچے نشانہ باز تھے انہوں نے اپنا ترکش رسول اللہ ﷺ کے سامنے بکھیر دیا اور کہہ رہے تھے۔

"میری جان آپکی زندگی کے لئے فدا ہو جائے اور میرا چہرہ آپ کے چہرے کے لئے ڈھال بن جائے!"

ابوطلحہ یہ کہتے اور مسلسل تیر چلاتے جاتے تھے۔ وہاں کوئی مسلمانوں تیروں سے بھرا ترکش لئے گزرتا تو آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے۔

"اس کو ابوطلحہ کے سامنے الٹ دو۔!"

اس روز دو یا تین کمانیں مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے ٹوٹ گئیں۔ آنحضرت ﷺ دشمن کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس طرف سے تیر آرہے تھے آپ اس طرف رخ کر کے دشمن کو دیکھنے لگے تو ابوطلحہ گھبرا کر کہتے۔

"اے اللہ کے نبی! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں دشمن کی طرف مت دیکھئے کہ ان کا کوئی تیر آکر خدانخواستہ آپ کے لگ جائے۔ آپ کے لئے میری گردن کٹ جائے۔!"

یعنی آنحضرت ﷺ اوپر کو کھڑے ہو کر دشمن کی طرف دیکھنے لگتے تھے تو ابوطلحہ آپ سے یہ کہتے اور

پھر گھبراہٹ میں اچک کر آپکے سینہ مبارک کے سامنے آجاتے تاکہ کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے (یعنی پنجوں کے بل ابھر کر آپکے سینے کے برابر ہوجاتے تھے تاکہ آنے والے تیروں کو اپنے سینے یاڈھال پر روک سکیں)۔

اسی سے یہ مسئلہ نکالا جاتا ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دے۔ (قال) اور یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ جاں نثاری آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے لئے واجب نہیں ہے۔

یہاں حضرت ابوطلحہؓ کا جو یہ جملہ گزرا ہے کہ میری گردن آپ کے لئے کٹ جائے۔ اس کو ابن منیر نے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے ہر مسلمان پر جان نثاری واجب ہے اسی لئے حضرت سعدؓ نے غزوہ احد میں کہا تھا کہ میری گردن آپ کے لئے کٹ جائے۔!

(یعنی ابن منیر نے یہ جملہ ابوطلحہ کے بجائے حضرت سعدؓ سے منسوب کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تیر افگنی .... اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ مسلسل اپنی کمان سے تیر اندازی فرماتے رہے جس کا نام کتوم تھا کیونکہ اس سے تیر اندازی کے وقت کوئی آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ آخر مسلسل تیر اندازی کی وجہ سے اس کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

یہاں تک کہ آپ کی اس کمان کا ایک سرا ٹوٹ گیا جس میں تانت باندھی جاتی ہے۔ غرض مسلسل تیر چلانے سے وہ کمان ٹوٹ گئی اور آپ کے ہاتھ میں کمان کی بالشت بھر ڈوری باقی رہ گئی۔ حضرت عکاشہ ابن محصن نے کمان کی ڈور باندھنے کے لئے وہ آپ سے لی مگر وہ ڈور چھوٹی پڑگئی اور انہوں نے آپ سے عرض کیا۔

یارسول اللہ! یہ ڈور چھوٹی پڑ گئی ہے۔!

آپ نے فرمایا۔

"اسے کھینچو پوری ہوجائے گی۔!"

عکاشہ کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے وہ ذراسی ڈور کھینچی تو وہ کھنچ کر اتنی لمبی ہوگئی کہ میں نے اسے کمان کے سرے پر دو تین بل بھی دیئے اور اطمینان سے اس کو باندھ دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ دشمن پر مسلسل پتھر پھینک رہے تھے اس وقت آپ سب سے زیادہ دشمن کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

مگر امام ابوالعباس ابن تیمیہ نے اس بات سے انکار کیا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ اس کی دلیل میں وہ یہ بات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تیر چلائیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تیر نشانے پر نہ لگے اور اگر آپ کے پھینکے ہوئے تیر نے کسی کو زخمی کیا ہوتا تو روایات میں یقیناً اس کا ذکر ہوتا کیونکہ ایسی بات کا نقل ہونا ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ کے لئے ابن ابی وقاصؓ کی جاں سپاری ...... ادھر آنحضرت ﷺ کے پاس موجودہ صحابہ کی ایک جماعت نے زبردست جنگ کی جن میں حضرت سعد ابن ابی وقاص بھی تھے۔ یہ بھی ان ہی تیر اندازوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کی کمان سے تیر اندازی کی تھی۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ

اس وقت رسول اللہ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر مجھے دے رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

"تیر اندازی کرتے رہو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔!"

یہاں تک کہ آپ نے مجھے ایسا تیر دیا جس پر پھل نہیں تھا۔ آپ ایسا تیر دے کر فرماتے کہ یہی چلاؤ۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی بلا پھل کا ایک تیر اس شخص پر بھی چلایا تھا جس نے ام ایمن کے تیر مارا تھا (یعنی ایسا بے پھل کا تیر آدمی کو زخمی نہیں کرتا۔)

ایک روایت میں حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھالیا۔ میں تیر چلاتا اور یہ کہتا جاتا تھا۔

"اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے تو اس کو اپنے دشمن کے جسم میں پیوست کردے۔!"

ساتھ ہی آنحضرت ﷺ یہ فرماتے جاتے تھے۔

"اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! اسکی تیر اندازی کو درست فرما اور اسکی دعا کو قبولیت عطا فرما۔!"

سعد ابن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے...... یہاں تک کہ جب میرا ترکش تیروں سے خالی ہو گیا تو آپ نے اپنا ترکش میرے سامنے الٹ دیا چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے یعنی وہ جو دعا بھی مانگتے تھے حق تعالیٰ اس کو قبولیت عطا فرماتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے زمانے میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کوفہ کے امیر تھے ایک دفعہ کوفہ والوں نے فاروق اعظمؓ کے پاس ان کی چغل خوری کی اور ان کے خلاف جھوٹی سچی شکایتیں پہنچائیں امیر المومنین نے تحقیقات کے ایک جماعت کوفے کو روانہ کی۔ اس جماعت کے لوگوں نے کوفہ پہنچ کر جس کسی شخص سے بھی حضرت سعدؓ کے بارے میں اس کی رائے پوچھی اس نے ان کی تعریفیں کیں اور ان کے حق میں کلمہ خیر کہا۔ صرف ایک شخص ایسا ملا جس نے حضرت سعدؓ کی مخالفت میں رائے دی۔ اس شخص کا نام ابو سعدہ تھا۔ جب اس سے حضرت سعد کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ان کی برائیاں کیں اور کہا کہ وہ نہ تو مال سب لوگوں میں برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ مقدمات کو انصاف کے ساتھ فیصل کرتے ہیں۔ حضرت سعد کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ابو سعدہ کے لئے بددعا کی اور کہا۔

"اے اللہ! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کو لمبی عمر دے، اس کو ہمیشہ فقر و فاقہ میں مبتلا رکھ، اس کو اندھا فرما دے اور اسے فتنوں میں مبتلا فرما دے۔!"

ان کی دعا قبول ہوئی اور ابو سعدہ اندھا ہو گیا، تنگدستی اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوا، اس کی عمر بہت زیادہ ہوئی اور وہ کوفہ کے گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا پھرتا تھا۔ جب اس سے کوئی پوچھتا کہ ابو سعدہ کیا حال ہے تو وہ جواب دیتا۔

"مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے سعد کی بددعا کھا گئی۔!"

ایک دفعہ حضرت سعد سے پوچھا گیا کہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں آپ کی دعائیں کیوں فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔

"میں زندگی بھر کوئی لقمہ یہ جانے بغیر اپنے منہ تک نہیں لے گیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں سے نکلا ہے۔!"

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ آیت

لاوت کی۔ آیت ۱۶۸

یا اَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلاً طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ الآیہ ۲ سورہ بقرہ ع ۲۱

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے شرعی حلال پاک چیزوں کو کھاؤ برتو اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت سعد ابن ابی وقاص کھڑے ہو گئے اور بولے۔

"یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات فرمادے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ بندہ جب بھی کوئی حرام لقمہ اپنے پیٹ میں التا ہے تو چالیس دن تک اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔"

ایک حدیث میں آتا ہے۔

"جس کا کھانا حرام ہو، جس کا پینا حرام ہو اور جس کا لباس حرام ہو اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں!"

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے اپنے حرام کمائی سے بچنے کے متعلق جو بات کہی ہے اس کی دلیل میں مصنف نے یہ دلیل دی ہے جو قابل غور ہے کیونکہ یہ بات کسی طرح بھی اس دعوی کی دلیل نہیں بن سکتی جو حضرت سعدؓ نے کہا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کرانے سے حضرت سعدؓ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے فرمادے جو حلال و پاک مال کھاتے ہیں اور کھاتے کے وقت حرام اور حلال میں تمیز کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں۔

حرام لقمے کے بارے میں جو حدیث گزری ہے اس میں صرف کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ غالباً یہاں کھانے کے ساتھ پینے کی چیزیں بھی مراد ہیں۔ اور لباس کے سلسلے میں اس حدیث میں جو سکوت ہے وہ اس لئے ہے کہ کھانے اور پینے کے مقابلے میں حرام لباس نادر اور خال خال پیش آنے والی بات ہے۔

حضرت سعدؓ کی اس درخواست کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے جو قسم کھائی ہے وہ گویا اسی بات کو ثابت کرتی ہے جو حضرت سعدؓ سمجھے ہیں کہ جو شخص حرام کی کمائی کھائے گا وہ مستجاب الدعوات نہیں ہو سکتا۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد کے مستجاب الدعوات ہونے کا سبب آنحضرت ﷺ کی وہ دعا ہے جو آپ نے ان کے لئے اس مقصد سے کی تھی مگر جب کسی نے ان سے وہ سوال کیا جو پیچھے گزرا کہ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی دعائیں کیوں قبول ہوتی ہیں تو انہوں نے جواب میں اس کا یہ سبب نہیں بتلایا بلکہ دوسری بات بتلائی (جو خود حدیث سے ثابت ہے) اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے مستجاب الدعوات ہونے کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا اس واقعہ کے بعد کی ہو مگر یہ سب تفصیل قابل غور ہے۔

سعد کیلئے آنحضرت ﷺ کے محبت آمیز کلمات..... کتاب شرف میں ہے کہ احد کے دن حضرت سعد ابن ابی وقاص نے ایک ہزار تیر چلائے اور ہر تیر پر آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ جملہ فرمایا کہ۔ تیر اندازی کرو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ لہذا اس طرح آپ نے ان پر فدائیت کا ایک ہزار مرتبہ اعلان فرمایا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ جملہ کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں

سوائے حضرت سعدؓ کے اور کسی کے لئے استعمال کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سوائے حضرت سعدؓ کے کبھی کسی کے لئے اپنے ماں باپ کو جمع نہیں کیا۔

کتاب نور میں ہے کہ پہلی روایت درست ہے کیونکہ اس میں حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ میں نے کسی اور کے لئے یہ جملہ نہیں سنا۔ چنانچہ اس سے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی اس روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے باپ یعنی حضرت زبیرؓ کے لئے اپنے ماں اور باپ دونوں کی فدائیت کو جمع کیا اور حضرت سعدؓ کی طرح ان سے بھی فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے جب آپ نے حضرت زبیر کے لئے یہ جملہ استعمال فرمایا۔ حضرت زبیرؓ آپ کے پاس بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق خبر لے کر آئے تھے۔ اسی طرح دوسری روایت کا بھی حال ہے کیونکہ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی اور کے لئے یہ جملہ میں نے نہیں سنا (یعنی دونوں میں صرف اپنے نہ سننے کا ذکر ہے) لہٰذا اگر کسی دوسرے کے لئے بھی آپ کے یہ جملہ استعمال کرنے کی روایت ہے تو وہ اس کے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے غلط نہیں ہوگی۔

حضرت سعدؓ پر آنحضرت ﷺ کا فخر ...... مگر کتاب نور میں ہے کہ حضرت علیؓ کا اصل مقصد اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نے اس طرح ایک ہزار مرتبہ کسی اور کے لئے اپنے ماں باپ کی فدائیت کا اظہار نہیں فرمایا۔ یا یہ کہ خاص غزوہ احد میں کسی اور کے لئے یہ جملہ نہیں فرمایا۔

آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ پر فخر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے۔

"یہ سعد میرے ماموں ہیں کوئی مجھے اپنا ایسا ماموں تو دکھائے۔!"

حضرت سعدؓ کو آپ نے اپنا ماموں اس لئے فرمایا کہ وہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھے اور اسی خاندان سے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بھی تھیں جیسا کہ اس کی تفصیلات ابتدائی قسطوں میں گزر چکی ہیں۔

اگر حضرت سعدؓ سے کچھ دیر آنحضرت ﷺ کی ملاقات نہ ہوتی تو آپ (بے چین ہو جاتے اور) فرماتے۔

"کیا بات ہے صبیح ملیح و فصیح نظر نہیں آرہے ہیں۔!"

گویا آنحضرت ﷺ نے ان کو ان خطابات سے نوازا تھا۔ صبیح کے معنی ہیں خوبصورت، ملیح کے معنی بھی خوبصورت کے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ صبیح کے معنی ہیں حسن شیریں اور ملیح کے معنی ہیں حسن نمکین۔ اور فصیح کے معنی عمدہ کلام کرنے والا اور ادیب شخص کے ہیں۔

جب حضرت سعدؓ کی بینائی جاتی رہی تو کسی نے ان سے کہا۔

"آپ دعا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بینائی لوٹا دے۔!"

حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔

"اپنی بینائی کے مقابلے میں مجھے حق تعالیٰ کا فیصلہ اور تقدیر زیادہ عزیز ہے۔!"

جب حضرت سعد ابن ابی وقاص کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے ایک پرانا اونی جبہ منگایا اور فرمایا۔

"مجھے اس میں کفن دینا کیونکہ یہی جبہ پہن کر میں نے غزوہ بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ جنگ کی تھی اور میں نے اس جبہ کو اسی مقصد کے لئے احتیاط سے رکھا ہوا تھا۔"

غرض اسی طرح جو دوسرے آدمی تیر اندازی میں مشہور تھے وہ حضرت سہیل ابن حنیف تھے اور غزوہ احد میں اس نازک موقعہ پر جو لوگ آنحضرت ﷺ کے قریب جمے رہے ان میں یہ بھی شامل تھے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ انہوں نے اس دن آنحضرت ﷺ کے ساتھ موت کی بیعت کی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے گرد دشمن کے انتہائی دباؤ کے وقت بھی یہ ثابت قدمی کے ساتھ آپ کی حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ پر سے دباؤ کم ہو گیا اور دشمن پیچھے ہٹ گیا۔ یہ اس سخت وقت میں آپ کے بچاؤ کے لئے دشمن پر تیر برسا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس وقت دوسرے لوگوں سے فرماتے جاتے تھے کہ سہیل کو تیر دیتے رہو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماموں اسود ابن وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ میرے ماموں اندر آجایئے وہ اندر داخل ہوئے تو آپ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھادی اور فرمایا۔

"اس کے اوپر بیٹھئے کیونکہ ماموں کا رتبہ باپ کے برابر ہوتا ہے۔ ماموں جان جس کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ اس کا شکریہ ادانہ کرے تو کم از کم اس کو اس احسان کا تذکرہ ہی کر لینا چاہئے کیونکہ جس نے کسی کے احسان کا تذکرہ ہی کر لیا تو گویا شکریہ ادا کیا ہے۔!"

پھر آپ نے فرمایا۔

"کیا میں آپ کو ایسی بات نہ بتلادوں جس کے ذریعہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ پہنچائے۔!"

انہوں نے کہا ضرور بتلایئے۔ آپ نے فرمایا۔

"سب سے بدترین ظلم یہ ہے کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنے بھائی کی عزت کے درپے ہو۔!"

ایک بہادر خاتون کی نبی کے لئے جان فروشی ...... حضرت ام عمارہ مازنیہ سے روایت ہے۔ ان کا نام نسیبہ تھا یعنی مشہور قول کے مطابق ن پر پیش اور س پر زیر کے ساتھ۔ یہ حضرت زید ابن عاصم کی بیوی تھیں۔ ان سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر میں یہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوئی کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میرے پاس پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ بھی تھا جو میں نے زخمیوں کو پلانے کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ یہاں تک کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئی اس وقت آپ صحابہ کے درمیان میں تھے اور اس وقت مسلمانوں کا پلہ بھاری چل رہا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کو شکست ہو گئی (اور صحابہ افراتفری میں ادھر ادھر ہو گئے۔ ادھر مشرکوں نے چاروں طرف سے آنحضرت ﷺ پر یلغار کر دی) میں جلدی سے آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچی اور کھڑی ہو کر جنگ کرنے لگی۔ میں تلوار کے ذریعہ دشمنوں کو آپ کے قریب آنے سے روک رہی تھی۔ ساتھ ہی میں کمان سے تیر بھی چلا رہی تھی یہاں تک کہ اسی میں خود میں بھی زخمی ہو گئی۔

ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم لگا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے زخمی کیا تو انہوں نے کہا۔

"ابن قمہ نے۔ جب اچانک مسلمان آنحضرت ﷺ کے پاس سے تتر بتر ہو گئے تو وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ مجھے محمد کی نشاندہی کر دو کیونکہ اگر آج وہ بچ گئے تو سمجھو میں نہیں بچا۔ یعنی یا تو آج وہ رہیں گے اور یا میں رہوں گا۔ وہ جب قریب آیا تو میں نے اور مصعب ابن عمیر نے اس کا راستہ روکا اس وقت اس نے مجھ پر حملہ کر کے یہ زخم لگایا۔ میں نے اس کے کئی ہاتھ مارے مگر وہ خدا کا دشمن دو زرہیں پہنے ہوئے تھا (اس لئے اس کے زخم نہیں آیا)

ایک قابل فخر گھرانہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر نسیبہ، ان کے شوہر حضرت زید ابن عاصم اور ان کے دونوں بیٹے ضیب اور عبد اللہؓ سب کے سب جنگ کیلئے گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب کو کمر بستہ دیکھ کر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تم گھر والوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گھرانے میں برکت عطا فرمائے۔!"

جنت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھی......اس پر حضرت ام عمارہ یعنی نسیبہ نے آپ سے عرض کیا۔

ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا۔ فرمائیے کہ ہم جنت میں آپ کے ساتھ ہوں۔!"

آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے اللہ! ان کو جنت میں میرا رفیق اور ساتھی بنا۔

اسی وقت حضرت ام عمارہ نے کہا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ دنیا میں مجھ پر کیا گزرتی ہے۔!"

آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ احد کے دن میں دائیں یا بائیں جدھر بھی دیکھتا تھا ان کو دیکھتا تھا کہ میرے بچاؤ اور میری حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا کر دشمنوں سے لڑ رہی ہیں۔

نسیبہ کے بیٹے مسیلمہ کذاب کے قاتل...... غزوہ احد میں حضرت ام عمارہ کے بارہ زخم آئے جن میں نیزوں کے زخم بھی تھے اور تلواروں کے بھی تھے۔ ان ہی کے بیٹے حضرت عبد اللہ اس جھوٹے نبی یعنی مسیلمہ کذاب لعنہ اللہ کے قاتل تھے۔

چنانچہ حضرت ام عمارہ سے روایت ہے کہ جنگ یمامہ کے موقعہ پر جبکہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا چاہتی تھی کہ میرا ہاتھ کٹ گیا۔ اس وقت میرے پاس بچاؤ اور حفاظت کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اسی وقت میں نے اس خبیث کو کشتہ ہو کر گرتے دیکھا اور ساتھ ہی یہ دیکھا کہ وہیں میرا بیٹا عبد اللہ کھڑا ہوا اپنی تلوار پونچھ رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو قتل کیا ہے۔ اس نے کہا ہاں! میں نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا۔

مسیلمہ کے قتل کا واقعہ...... یہ روایت اس مشہور روایت کے خلاف نہیں ہے جس کے مطابق مسیلمہ کذاب کے قاتل وحشی ہیں (جنہوں نے غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا اور بعد میں مسلمان ہو کر اس جھوٹے نبی کو قتل کیا)۔ چنانچہ خود حضرت وحشی سے روایت ہے کہ جب میں بنی ثقیف کے وفد میں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے وحشی! جاؤ اللہ کی راہ میں نکل کر اسی طرح جہاد کرو جیسے تم اللہ کا راستہ روکنے کیلئے لڑا کرتے تھے!"

چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانے میں جب مسلمان مسیلمہ کذاب سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے جو یمامہ کے علاقہ میں حکمرانی کر رہا تھا اور جبکہ عربوں میں مرتد ہونے یعنی اسلام سے پھرنے کا فتنہ چل رہا تھا تو میں بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا۔ میں نے اپنا ہتھیار یعنی تیر کمان لیا اور جب میدان جنگ میں مسیلمہ کو دیکھا تو اس پر حملہ کرنے کے لئے نشانہ لیا۔ اسی وقت میں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیا جو ٹھیک مسیلمہ کے جا کر لگا اسی وقت اس انصاری شخص نے مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ (یعنی

دونوں کا حملہ ایک ساتھ ہوا) للذا اب آپ کا رب ہی جانتا ہے کہ ہم میں سے کس نے اس بد بخت کو قتل کیا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ انصاری شخص عبد اللہ ابن زید ابن عاصم تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تھا۔

بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ کے قتل میں حضرت ابو دجانہ، عبد اللہ ابن زید اور وحشی تینوں شریک تھے۔ ادھر تاریخ ابن کثیر یعنی البدایہ والنہایہ میں صرف حضرت ابو دجانہ اور وحشی کا ہی نام ہے۔ مگر اس اختلاف سے کوئی فرق یوں نہیں پیدا ہوتا کہ ہر راوی نے صرف اس شخص کا ہی ذکر کیا جس کو اس نے حملہ کرتے دیکھا (جس نے تینوں کو حملہ کرتے دیکھا اس نے تینوں کا ذکر کیا اور جس نے دو کو دیکھا اس نے دو کا ہی ذکر کیا) کتاب تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ابو دجانہ کی روایت سے ان کی طرف جو یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے بھی اس کو کاٹا۔ اس روایت کی سند کمزور ہے اس لئے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حضرت وحشی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ کہا۔

"میں نے اپنے اس ہتھیار سے ایک بہترین انسان کو قتل کیا (یعنی حضرت حمزہؓ کو) اور ایک بدترین انسان کو قتل کیا (یعنی مسیلمہ کذاب کو)۔"

مسیلمہ جس وقت قتل ہوا اس وقت اس کی عمر ایک سو پچاس سال کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ابو دجانہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں آپ کی ڈھال بنے ہوئے تھے چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آپ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے آنحضرت ﷺ پر بے تحاشہ تیر اندازی ہو رہی تھی مگر جو تیر بھی آتا وہ حضرت ابو دجانہ کی کمر پر لگتا وہ جھکے ہوئے کھڑے تھے اور تمام تیر اپنی کمر پر لے رہے تھے تاکہ آنحضرت ﷺ محفوظ رہیں یہاں تک کہ ان کی کمر میں بے شمار تیر پیوست ہو گئے۔

<u>ایک مثالی موت</u>...... اسی طرح حضرت زیاد ابن عمارہ بھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت میں مردانہ وار اپنے اوپر زخم کھا رہے تھے یہاں تک کہ ان کو اتنے زخم لگے کہ آخر ان کی قوت جواب دے گئی (اور وہ گر پڑے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لاؤ۔ چنانچہ ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ ان کو آپ کے قریب لا کر زمین پر لٹایا گیا تو انہوں نے اپنا منہ اور رخسار رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر رکھ دیئے اور اسی حالت میں ان کا دم آخر ہو گیا کہ ان کے رخسار آنحضرت ﷺ کے مبارک قدموں پر رکھے ہوئے تھے۔

اللہ اللہ! یہ موت ہے جو حاصل زندگی ہے اور جس پر لاکھوں زندگیاں قربان ہیں۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جنہوں نے مر کر موت کو زندگی سے سربلند کر دیا۔

ساقی کے پاؤں پر ہم غش کھا کے گر پڑے ہیں
اس بے خودی کے صدقے دل آج قبلہ رو ہے

<u>حضرت مصعبؓ کی جاں نثاری</u>...... اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر آنحضرت ﷺ کی مدافعت اور بچاؤ کرتے کرتے ابن قمئہ کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ابن قمئہ حضرت مصعبؓ کو رسول اللہ ﷺ سمجھ رہا تھا (کیونکہ حضرت مصعبؓ میں آنحضرت ﷺ کی شباہت آتی تھی) چنانچہ اس نے حضرت مصعبؓ کو محمد مصطفےٰ ﷺ سمجھ کر ہی قتل کیا اور پھر قریش کے پاس جا کر ان کو اطلاع دی کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت مصعب ابن عمیر کا قاتل ابی ابن خلف ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"محمد کہاں ہیں۔ آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا۔!"

امیہ کی آنحضرت ﷺ پر حملہ کی کوشش...... مگر اس کا سامنا حضرت مصعبؓ سے ہوا اور اس نے ان کو قتل کر دیا۔ اسکے بعد وہ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا تو بہت سے مسلمان اس کا راستہ روکنے کیلئے آگے بڑھے مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اسکو میری طرف آنے دو۔ چنانچہ آپ یہ کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھے۔

"اے جھوٹے کہاں بھاگنا چاہتا ہے۔!"

امیہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے زخمی...... پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے ایک کے ہاتھ سے ایک ہتھیار لیا۔ یہ صحابی حرث ابن صمہ یا زبیر ابن عوام تھے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے اس نیزہ کی نوک ابی کی گردن میں بہت ہی آہستہ سے چبھادی۔ آپ نے یہ نیزہ اتنے آہستہ سے چبھایا تھا کہ اس کے خون بھی نہیں نکلا۔ مگر اس ہلکی سی خراش کے لگتے ہی وہ چیختا ہوا وہاں سے بھاگا۔

"خدا کی قسم محمد نے مجھے مار ڈالا۔!"

اس پر مشرکوں نے اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم تو تو بہت چھوٹے دل کا نکلا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ خدا کی قسم تیری عقل جاتی رہی ہے۔ تو اپنے پہلو میں تیر لئے پھرتا ہے اور تیر اندازی کرتا ہے پھر یہ کیا ہے۔ یہ تو کوئی ایسا زخم نہیں جس سے تو اتنا چلا رہا ہے۔ ایک معمولی سی خراش ہے جیسی خراش تیرے لگی ہے اگر ہم میں سے کسی آنکھ میں بھی لگتی تو وہ اف نہ کرتا۔"

ابی نے چلاتے اور درد و تکلیف سے بلبلاتے ہوئے کہا۔

اس زخم کی شدت و سوزش...... "لات و عزیٰ کی قسم مجھے اس وقت جتنی زبردست اور اذیت ناک تکلیف ہو رہی ہے اگر وہ ذی المجاز کے میلے کے سارے آدمیوں پر بھی تقسیم کر دی جاتی تو وہ سب کے سب مر جاتے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر یہ تکلیف سارے بنی ربیعہ اور بنی مضر کے ہوتی تو سارے ختم ہو جاتے۔"

ایک روایت میں ہے کہ۔ "روئے زمین کے سارے انسانوں کے بھی ہوتی وہ سب ختم ہو جاتے محمد ﷺ نے مکے میں ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔ خدا کی قسم زخم تو بڑی چیز ہے گر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں اسی گھڑی ختم ہو جاتا (چونکہ آپ یہ فرما چکے ہیں اس لئے آپ کا معمولی سا حملہ بھی مجھے ختم کر دے گا)۔"

پیچھے جو ذی المجاز کا لفظ گزرا ہے یہ مکے کے ان مشہور میلوں اور بازاروں میں سے ایک تھا جو جاہلیت کے زمانے میں وہاں لگتے تھے اور جن کا تفصیلی بیان سیرت حلبیہ کے ابتدائی قسطوں میں گزر چکا ہے۔

ابی ابن خلف کے اس خوف کا سبب یہ تھا کہ یہ مکے میں رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتا تھا۔

"اے محمد! میرے پاس ایک بہترین گھوڑا ہے جس کو میں روزانہ ایک فرق یعنی بارہ مد چارہ کھلا کر موٹا کر رہا ہوں اور اس پر سوار ہو کر میں تمہیں قتل کروں گا۔"

فرق ایک عربی پیمانہ تھا جس میں آٹھ کلووزن کی چیز آسکتی تھی۔ ابی کی یہ بکواس اور لاف و گزاف سن کر آنحضرت ﷺ اس سے فرماتے تھے۔

"انشاء اللہ میں خود تجھے قتل کروں گا۔!"

چنانچہ آپ کے اس فرمان کے مدتوں بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس بات کو حقیقت کر دکھایا۔ حضرت سعید ابن مسیبؒ سے یوں روایت ہے کہ غزوہ بدر میں ابی ابن خلف گرفتار ہوا تھا جب اس نے اپنا فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تب اس نے اپنے گھوڑے کے متعلق یہ بات کہی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔"

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت اس طرح ممکن ہے کہ ابی نے یہی بات دونوں موقعوں پر کہی ہو اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی دونوں مرتبہ یہی جواب دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابی بن خلف آنحضرت ﷺ کے سامنے پہنچا تو اگرچہ وہ زرہ بکتر اور خود پہنے ہوئے تھے جس سے اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا مگر اس کی گردن پر جو زرہ کا حصہ تھا اس میں آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک جگہ سے کھلا ہوا ہے اور ہنسلی نظر آرہی ہے آپ نے اسی جگہ نیزہ سے کچوکہ لگایا جس سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ یہی بات اس روایت کے مطابق بھی ہے۔ جس میں ہے کہ جب آپ نے اس کے یہ خراش لگائی تو وہ بار بار اپنے گھوڑے پر لوٹ پوٹ ہو کر گرا اور اس طرح ڈکرانے لگا جیسے ذبح ہوتا ہوا بیل ڈکرایا کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ابی کے مارنے کے لئے حرث ابن صمہ یا زبیر ابن عوام سے وہ ہتھیار یعنی نیزہ لیا تو آپ نے پہلے اس کو بڑے زور سے ہلایا اور اس کے بعد ابی کا سامنا کر کے اس کی گردن میں وہ خراش لگائی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں گردن اور ہنسلی کے لفظ سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہنسلی گردن کی جڑ میں ہوتی ہے (لہٰذا کسی نے گردن کے زخم کا ذکر کیا اور کسی نے گردن کے بجائے ہنسلی کا لفظ استعمال کیا۔ ساتھ ہی ان دونوں باتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کچوکے سے اس کے صرف خراش آئی تھی حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نیزہ کا پورا وار کیا تھا اور پھر وار کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارادہ فرمانا ہی کافی تھا کہ آپ کا مقصد اس کو قتل کرنا تھا۔ کیونکہ ظاہر طور پر اگرچہ صرف ایک خراش تھی یعنی دیکھنے والے کو صرف اتنی ہی نظر آتی تھی مگر اندرونی طور پر اس کی شدت اور تکلیف کیا تھی اس کا اندازہ دیکھنے والا صحیح طور پر نہیں کر سکتا (بلکہ خود ابی کی بلبلاہٹ ہی اس کو کسی حد تک ظاہر کر سکتی ہے) پھر یہ کہ اس خراش میں جو شدید تکلیف رہی ہو گی اس کی دلیل ابی ابن خلف کا بار بار گھوڑے پر لوٹ پوٹ ہونا اور گرنا اور اس کا ایک ذبح ہونے والے بیل کی طرح ڈکرانا ہے۔ ادھر گردن میں لگنے والے نیزے کے وار سے پسلی کا ٹوٹ جانا خرق عادات اور معجزات میں سے ہی ہو سکتا ہے۔ مگر ایک روایت میں میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ نے ابی کی بغل کے نیچے وار کیا تھا جس سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ ہتھیار اس جگہ یعنی بغل سے پار ہو گیا ہو (بہر حال یہ بات سامنے کی ہے کہ بغل میں کئے جانے والے وار سے پسلی ٹوٹ سکتی ہے)

<u>نبی کے دست مبارک سے پہلا اور آخری قتل</u>...... کتاب نور میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے صرف ابی ابن خلف کو قتل کیا ورنہ اس کے سوا آپ نے نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد کبھی کسی کو اپنے ہاتھ

سے قتل نہیں کیا(یعنی یہی وہ پہلا اور آخری شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں زخم کھا کر مرا اس کے سوا کبھی آپ نے کسی شخص کو قتل نہیں کیا)

غرض آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں یہ زخم کھا کر ابی بلبلاتا اور چیختا ہوا لوٹا۔ قریش مکہ اس کو لے کر واپس مکے کو روانہ ہوئے مگر اس تکلیف سے سرف کے مقام پر ہی ابی ابن خلف نے دم توڑ دیا۔ یہ لفظ سَرِف ہے جو اسراف سے بنا ہے جس کے معنی فضول خرچی اور زیادتی کے ہیں۔ یہی اس کے مناسب بھی ہے کیونکہ ابی بھی حد سے تجاوز کر گیا تھا۔

۔ایک قول ہے کہ یہ جگہ رابغ کے عین درمیان میں واقع تھی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ رات ڈھل رہی تھی میں رابغ کی وادی میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ میرے سامنے ایک جگہ آگ کی لپٹیں اٹھ رہی ہیں اور اس آگ میں سے ایک شخص جو زنجیروں میں بندھا ہوا تھا اپنی بیڑیاں کھینچتا ہوا آرہا ہے اور پانی پانی چلا رہا ہے پھر اس نے مجھے اے عبداللہ کہہ کر آواز دی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ شخص میرا نام جانتا تھا یا اس نے یا عبداللہ یعنی اے اللہ کے بندے اس طرح کہہ دیا تھا جیسے (عرب کے لوگ) انجان آدمی کو یا عبداللہ کہہ کر پکار لیا کرتے تھے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا مجھے پانی پلا دو۔ میں نے اس کو پانی دینے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک شخص جو اس کو عذاب دینے پر مامور تھا۔ مجھ سے بولا۔

"اس کو پانی مت پلانا۔ یہ شخص وہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا۔ یہ ابی ابن خلف ہے۔ خدا اس پر لعنت کرے۔!"

اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت اس حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں ہے۔

نبی کے ہاتھوں مقتول کا عبرتناک انجام...... "ہر وہ شخص جس کو نبی نے قتل کیا ہو یا جس کو نبی کی زندگی میں نبی کے حکم پر قتل کیا گیا ہو اس کو اس کے قتل کے وقت سے قیامت کے صور تک عذاب دیا جاتا رہے گا۔!"

ایک حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اس کو دیا جاتا ہے جس کو نبی نے خود قتل کیا ہو۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔اس شخص پر حق تعالیٰ کا غضب بے حد شدید ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے فی سبیل اللہ قتل کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیا اللہ کے بندوں پر لطف و کرم اور شفقت کے لئے مامور ہوتے ہیں لہٰذا کسی شخص کو قتل کرنے پر وہ جبھی مجبور ہو سکتے ہیں جب کہ اس شخص کی طرف سے کوئی بہت بڑی خطا سرزد ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ تمام نبیوں میں رسول اللہ ﷺ اپنے لطف و کرم اور شفقت و درگزری میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

کتاب شرح تقریب میں یہ حدیث جو بیان کی گئی ہے اس کی شرح میں مصنف نے ان لوگوں کے لئے جن کو رسول اللہ ﷺ نے شرعی سزا یا قصاص یعنی جان کے بدلے کے طور پر قتل کرایا ہے فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کیا ہے کیونکہ جس کو رسول اللہ ﷺ خود قتل فرمائیں گے وہ شخص وہی ہوگا جو خود نبی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوگا۔ اور یہ بات ابی ابن خلف میں پائی جاتی تھی لعنہ اللہ۔

ادھر پیچھے ابن مرزوق کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بدر کے

میدان سے گزرے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کو عذاب دیا جارہا ہے اور وہ بلبلا رہا ہے اس نے ان کو یا عبداللہ کہہ کر پکارا یہ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے پانی مانگا۔ انہوں نے پانی دینے کا ارادہ کیا تو ایک سیاہ رو شخص نے جو اس کو عذاب دینے پر مامور تھا ان کو پانی دینے سے روکتے ہوئے کہا کہ اس کو پانی مت پلاؤ کیونکہ یہ ان مشرکوں میں سے ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے یعنی آپ کے صحابہ نے قتل کیا ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے کتاب اوسط میں نقل کیا ہے۔ مگر اس واقعہ کے دونوں موقعوں پر پیش آنے میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔

چنانچہ میں نے کتاب صغریٰ میں بھی دیکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے اس میں علامہ سیوطی نے آنحضرت ﷺ کی ضرورت سے حضرت ابن عمرؓ کے میدان بدر سے گزرنے کا ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو بتلایا کہ وہ شخص ابو جہل تھا اور وہ اس کا عذاب تھا جو قیامت تک اس کو دیا جاتا رہے گا۔ یہ تفصیل ہم غزوہ بدر کے بیان میں ذکر کر آئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا گڑھے میں گرنا...... ابو عامر فاسق نے میدان احد میں بہت سے گڑھے جگہ جگہ کھود دیئے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گرتے رہیں اور نقصان اٹھاتے رہیں۔ ان ہی میں سے ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے۔

ایک باپ اور ایک بیٹا...... یہ ابو عامر فاسق حضرت حنظلہؓ کا باپ تھا اور حضرت حنظلہؓ کا مقام یہ ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا چنانچہ ان کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔ ابو عامر کا نام عبد عمرو تھا اور یہ کفر کی حالت میں سرزمین روم میں مرا کیونکہ فتح مکہ کے بعد یہ فرار ہو کر روم چلا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ بے خبری میں ان میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے آپ پر غشی طاری ہوگئی اور آپ کے دونوں گھٹنے زخمی ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے جلدی سے بڑھ کر آپ کو ہاتھوں میں لیا اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے آپ کو اوپر اٹھا کر باہر نکالا۔

آنحضرت ﷺ پر پیاپے حملے...... آنحضرت ﷺ کے گرنے کا سبب بھی وہی بدبخت ابن قمیہ بنا تھا کیونکہ اس نے آنحضرت ﷺ پر حملہ کر کے تلوار کا وار کیا، تلوار آپ کی گردن پر پڑی اگرچہ تلوار نے آپ پر کوئی اثر نہیں کیا مگر اس کی چوٹ سے آپ کی گردن مبارک میں اتنا سخت جھٹکا آیا کہ اس کے بعد ایک مہینہ یا اس سے زائد تک آپ کی گردن میں تکلیف رہی۔ ساتھ ہی اس نے آپ پر پتھر چلانے شروع کئے جن میں سے ایک پتھر آپ کے پہلو میں لگا۔ ادھر عتبہ ابن ابی وقاص نے جو حضرت سعد ابن ابی وقاص کا بھائی تھا آنحضرت ﷺ پر ایک پتھر کھینچ کر مارا جو آپ کے منہ پر لگا اور آپ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے ساتھ ہی اس سے نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے ان الفاظ میں بددعا فرمائی۔

"اے اللہ! ایک سال گزرنے سے پہلے ہی اس کو کافر کی حیثیت سے موت دے!"

حملہ آور عتبہ اپنے انجام کو...... اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اس کو اسی دن حاطب ابن ابی بلتعہ نے قتل کر دیا۔

حضرت حاطبؓ کہتے ہیں کہ جب میں نے عتبہ ابن ابی وقاص کی یہ شرمناک جسارت دیکھی تو میں نے فوراً آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ عتبہ کدھر گیا ہے۔ آپ نے اس سمت اشارہ کیا جس طرف وہ گیا تھا۔ میں فوراً ہی اس کے تعاقب میں روانہ ہوا یہاں تک کہ ایک جگہ میں اس کو پاتے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے فوراً ہی

اس پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی گردن کٹ کر دور جا گری۔ میں نے بڑھ کر اس کی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کیا اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ نے یہ خبر سن کر دو مرتبہ یہ فرمایا رضی اللہ عنک۔ رضی اللہ عنک یعنی اللہ تم سے راضی ہو گیا۔ اللہ تم سے راضی ہو گیا۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ۔ پھر آنحضرت ﷺ کی بد دعا کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ عتبہ مر گیا۔ مگر دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ ایک روایت اس کے خلاف ہے جس میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تھا اور پھر مر گیا۔ اور یہ کہ اس واقعہ کے بعد عتبہ کے جو بھی بیٹا یا پوتا ہوا اس کے سامنے کے چار دانت گر جاتے تھے۔ نیز عتبہ کے منہ سے اتنی شدید بدبو آنے لگی تھی کہ اگر یہ کہیں سے گزر بھی جاتا تو لوگ سمجھ لیتے کہ یہاں سے گندہ دہن عتبہ گزرا ہے۔

اسی حملے میں آنحضرت ﷺ کے سر پر جو خود تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ نیز دشمن کے مسلسل حملوں میں آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا اور کھال پھٹ گئی۔ آپ کے چہرہ مبارک پر وار کرنے والے حضرت عبداللہ ابن شہاب زہری تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہی عبداللہ امام زہری کے دادا ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نانہالی جد یعنی نانا ہوں (کیونکہ عربی میں دادا اور نانا دونوں کے لئے جد کا لفظ استعمال ہوتا ہے)۔

آنحضرت ﷺ حملہ آور کی نگاہ سے اوجھل...... ان کو عبداللہ اصغر کہا جاتا تھا (جو امام زہری کے نانا تھے) ادھر اس سے پہلے یہ ہوا تھا کہ عبداللہ آنحضرت ﷺ کے برابر میں موجود تھے اور اس جگہ آپ کے ساتھ کوئی جاں نثار نہیں تھا بلکہ آپ بالکل تنہا تھے (مگر عبداللہ آپ کو نہیں دیکھ سکے) انہوں نے کہا۔

"مجھے بتاؤ محمد کہاں ہے۔ خدا کی قسم آج یا تو وہ رہیں گے یا میں رہوں گا۔!"

یہ کہہ کر عبداللہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزر کر آگے چلے گئے۔ اس پر صفوان ابن امیہ نے انکو ڈانٹا اور کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس ہی کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے تھے اور انکو چھوڑ کر چلے آئے۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے ان کو نہیں دیکھا۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم سے ان کی (غیبی) حفاظت کی جا رہی ہے۔!"

اب یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر جو زخم لگایا تھا وہ یا تو اس واقعہ سے پہلے کی بات ہے اور یا بعد کی بات ہے (کیونکہ اس موقعہ پر تو یہ آپ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے)

امام زہری کے دادا کا نام بھی عبداللہ تھا مگر ان کو عبداللہ ابن شہاب اور عبداللہ اکبر کہا جاتا تھا اور وہ ان قدیم مسلمان ہونے والے صحابہ میں سے تھے جو مکہ سے حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تھے ان کا انتقال مکے میں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی یہ وفات پا چکے تھے۔

قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کے اسی زخم کی طرف اپنے چند شعروں میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اس زخم کے نشان سے آپ کا جمال کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔

مظهر　شجة　الجبين　على　البرء
كما　اظهر　الهلا　البراء

ستر الحسن منه بيا الحسن فاعجب
لجماله　له　الجمال　وقاء

فهو كا لزهر لاح من سحف
الاكمام و العود شق عنه اللحاء

مطلب...... آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر یعنی جبین مبارک پر جو زخم کا نشان ظاہر ہو گیا وہ ہلالی شکل اختیار کر کے آپ کے حسن و جمال کا ایک نشان بن گیا۔ تو گویا اس زخم کی وجہ سے آپ کے اصلی حسن کے ساتھ ایک عارض یعنی نو پیدا شدہ حسن کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس طرح یہ عارض حسن آپ کے اصلی حسن کے لئے ایک حجاب اور پردہ بن گیا یعنی یہ پردہ گویا اصلی حسن کے تحفظ کے لئے ڈھال اور سپر کی حیثیت میں تھا۔ للذا یوں کہنا چاہئے کہ اس زخم کا اثر جو ظاہر ہوا وہ اس پھول کی طرح تھا جو اپنے حجاب سے اچانک نکل آئے یا جیسے وہ خوشبودار لکڑی ہوتی ہے جس کا چھلکا اتارنے سے اس کی خوشبو کی لپٹیں پھوٹتی ہیں۔

حضرت حسان ابن ثابت نے آنحضرت ﷺ کی جبیں مبارک کے بارے میں ایک شعر کہا ہے۔

متى يبدو فى الداجى البهيم جبينه
يلح مثل مصباح الدجى المتوقد

جس وقت انتہائی تاریکیوں میں ان کی جبیں روشن رونما ہوتی ہے تو وہ اس طرح جگمگاتی ہے جیسے اندھیروں میں شمع۔

ابن قمئہ کے لئے نبی کی بد دعا...... ابن قمئہ کے حملے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے دونوں رخسار بھی زخمی ہو گئے تھے کیونکہ اس چوٹ کی وجہ سے زرہ کی دو کڑیاں رخساروں میں پیوست ہو گئی تھیں۔ ابن قمئہ نے جب آنحضرت ﷺ پر وار کیا تو ساتھ ہی اس نے للکار کر کہا۔

"لو یہ سنبھالو۔ میں ابن قمئہ ہوں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اقمئك الله عزوجل۔ یعنی اللہ تجھے ذلیل و پست اور برباد کر دے!"

ابن قمئہ جنگلی بکرے کا شکار...... حق تعالیٰ نے اس کے حق میں آنحضرت ﷺ کی یہ بد دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ اس جنگ کے بعد جب وہ اپنی بکریوں کے گلے میں پہنچا تو انہیں لے کر پہاڑ پر چڑھنے اور بکریوں مینڈھوں کو گھیر گھیر کر لے جانے لگا اچانک ایک مینڈھے نے اس پر حملہ کیا اور اس زور سے اس کے سینگ مارا کہ یہ پہاڑ سے نیچے لڑھک گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

"اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط فرما دیا۔ وہ اچھل اچھل کر اس کے سینگ مارتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت ممکن ہے کہ اس مینڈھے نے اس کو اپنے سینگوں سے مار مار کر اور زخمی کر کے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے دھکیل دیا۔ اور وہاں نیچے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط فرما دیا اور اس نے وہاں اس کو اپنے سینگوں پر رکھ لیا جس کے نتیجہ میں اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ اس طرح گویا اس کی بدبختی اور تباہی و بربادی زیادہ سے زیادہ مکمل ہو گئی۔ لعنہ اللہ علیہ۔ واللہ اعلم۔

قوم کی حالت پر افسوس...... جب آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو زخموں سے خون بہنے لگا اور آپ خون پونچھتے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

"وہ قوم کیسے فلاح اور کامگاری پائے گی جنھوں نے اپنے نبی کے چہرے کو اس لئے خون سے رنگین کر

دیا کہ وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب بے حد شدید ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو خون سے رنگین کر دیا۔ چنانچہ اسی واقعہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْہِمْ اَوْ یُعَذِّبَہُمْ فَاِنَّہُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۸

ترجمہ: آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ یا توان پر متوجہ ہو جادیں اور یا ان کو کوئی سزا دے دیں کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ یہ فرمانے لگے۔

"اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما!"

یعنی اے اللہ ابوسفیان پر لعنت فرما۔ اے اللہ حرث ابن ہشام پر لعنت فرما۔ اے اللہ سہیل ابن عمرو پر لعنت فرما۔ اے اللہ صفوان ابن امیہ پر لعنت فرما۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پاک نازل فرمائی تھی۔

یہاں آنحضرت ﷺ کے زخمی ہونے پر ایک شبہ ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۱۰ آیت ۶۷

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

تو اس آیت کے بعد جب آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ کی حفاظت حاصل تھی۔ آپ کیسے زخمی ہوئے۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی ہے۔ لیکن اگر یہ بھی کہا جائے کہ یہ غزوہ احد سے پہلے نازل ہو چکی تھی تو بھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو قتل ہونے سے محفوظ فرمادیا ہے۔

پیغمبروں کا اجر و ثواب...... شیخ محی الدین ابن عربی کا قول ہے کہ واضح رہے کہ ہر نبی کے لئے تبلیغ کا اجر و ثواب ان شدتوں اور تکلیفوں پر ہوتا ہے جو اس کو اس تبلیغ دین کے نتیجہ میں اپنے مخالفوں اور دشمنوں کی طرف سے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور جو لوگ نبی پر ایمان لاکر ان کے اطاعت گزار بن جاتے ہیں ان کو ہدایت پانے کا اجر و ثواب ملتا ہے۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کا تعلق ہے تو آپکے اجر و ثواب کا مقابلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ کے نتیجہ میں امت کے سرکشوں کی طرف سے آپ کو جو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں وہ کسی اور کو نہیں پہنچیں اور اسی طرح امت کے جتنے نیک لوگوں نے آپ کی اطاعت کی اتنی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

مالک ابن سنان کا نبی ﷺ کے زخموں کا خون چوسنا...... غرض ان زخموں کے نتیجہ میں آپ کے چہرہ مبارک سے جب خون بہنے لگا تو حضرت مالک ابن سنان خدری نے اس کو اپنے منہ سے چوس کر خشک کیا اور اسے نگل گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"جس کے خون میں میرا خون شامل ہو گیا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔!"

ایک روایت میں آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

مالکؓ کو جنت کی بشارت...... "جو شخص جنت کے باشندوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہے وہ ان کو دیکھ لے۔!"

اس کے بعد حضرت مالک ابن سنان خدری اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ یہ حضرت ابو سعید خدریؓ کے

والد تھے۔ ایک روایت میں آپ کے یہ لفظ ہیں کہ۔

"جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی تو وہ مالکؓ ابن سنان کو دیکھ لے۔

بے خبری میں پیشاب پی لینے کا واقعہ ...... ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ اس شخص کو جس نے آپ کا خون چوسا تھا آنحضرت ﷺ نے منہ دھونے کا حکم فرمایا ہو۔ نہ ہی انہوں نے اس کے بعد اپنا منہ دھویا تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی دایہ حضرت ام ایمن برکہ حبشیہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ بے خبری میں آنحضرت ﷺ کا پیشاب پی لیا تھا مگر آپ نے ان کو منہ دھونے کا حکم نہیں دیا تھا نہ ہی انہوں نے اس کے بعد منہ دھویا تھا۔ چنانچہ خود حضرت ام ایمن سے ہی روایت ہے کہ ایک رات آنحضرت ﷺ اٹھے۔ آپ کے پلنگ کے نیچے جو مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا آپ نے اس میں پیشاب کیا۔ اس کے بعد میں اٹھی مجھے پیاس لگ رہی تھی میں نے بے خبری میں وہ برتن اٹھا کر منہ سے لگایا اور جو کچھ اس میں تھا وہ پی لیا۔

صبح کو آنحضرت ﷺ اٹھے تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"جاؤ یہ برتن اٹھاؤ اور اس کو باہر ایک طرف الٹ آؤ۔!"

ام ایمن نے عرض کیا۔

"خدا کی قسم! اس میں تو جو کچھ تھا وہ رات میں نے پی لیا تھا۔!"

اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپکے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اب تمہارے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اب تمہارے پیٹ پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ ایک روایت کے مطابق یہ لفظ ہیں کہ۔ اب تمہارا پیٹ کبھی نہیں بڑھے گا۔!"

شاید آنحضرت ﷺ نے یہ تینوں ہی باتیں فرمائی ہیں اور جس راوی نے جو سنا وہی روایت کر دیا لہذا ام ایمنؓ کو اس کے بعد یہ تینوں ہی خصوصیات حاصل ہوئیں۔

ایک روایت میں مٹی کے پیالے کے بجائے یوں ہے کہ آپ کی چارپائی کے نیچے لکڑی کا ایک برتن تھا۔ اب اگر دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ام ایمن کے ساتھ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات بھی نہیں کہ اگر اس واقعہ کو ایک سے زائد مرتبہ مانا جائے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا پیشاب پی لینے کا واقعہ ایک اور عورت کے ساتھ بھی پیش آیا ہے جس کا نام برکہ بنت ثعلبہ ابن عمرو تھا۔ یہ عورت ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت گزار تھی اور حبشہ سے ان کے ساتھ ہی آئی تھی اسی وجہ سے اس کو برکہ حبشیہ کہا جانے لگا تھا۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اس خادمہ کا نام برکہ بنت یسار تھا جو ابوسفیان کی باندی تھی اور حبشی تھی اور حضرت ام المومنین حبیبہؓ کی خادمہ تھی۔ یہاں تک ابن جوزی کا حوالہ ہے۔

اس اختلاف سے کوئی شبہ نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے ثعلبہ کا لقب یسار رہا ہو۔ بہر حال یہ حبشہ میں حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ تھی اور پھر ان کے ساتھ مکے آئی۔ اس عورت کا لقب ام یوسف تھا۔ غرض جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس نے آپ کا پیشاب پی لیا ہے تو آپ نے فرمایا۔

اے ام یوسف! تمہیں اب صحت ہی صحت ہے۔!"

چنانچہ اس کے بعد یہ کبھی بیمار نہیں ہوئی۔ صرف آخر وقت میں مرض موت ہوا جس میں اس کا انتقال

ہوا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

"اے ام یوسف! تم نے آگ سے اپنے لئے روک لگالی ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے پچھنوں کا خون پی لینے کا واقعہ ...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا خون پی لینے کے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ جنہوں نے آپکا خون پیا ابو طیبہ حجام، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ پچھنے لگوا رہے تھے (جسم کا زائد خون نکال دیا جاتا ہے جس سے بہت سی بیماریاں جاتی رہتی ہیں اس کو سنگی لگوانا بھی کہتے ہیں)۔

جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور اسے اتنی دور لے جا کر کہیں پھینکو جہاں تمہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو!"

حضرت عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ خون پھینکنے کے بجائے خود پی لیا۔ جب میں واپس آیا تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ عبداللہ کیا کر آئے۔ میں نے عرض کیا۔

"میں نے وہ خون ایسی پوشیدہ ترین جگہ پر پہنچادیا جہاں اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔!"

آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے اسے پی لیا۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں! آپ نے فرمایا۔

"تم جن پر حملہ کرو گے ان کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہو گے اور جو تم پر حملہ آور ہوں گے ان کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہو گے۔!"

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بے انتہا بہادر اور شجاع ہو گئے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کے سگے بھائی حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مدینے کے سات فقیہوں اور عالموں میں سے ایک تھے عبدالملک ابن مروان کی خلافت کے زمانے میں یہ مدینے سے چل کر اس کے پاس پہنچے۔ ایک دن حضرت عروہؓ نے عبدالملک سے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ میرے بھائی عبداللہ کی تلوار آپ مجھے دے دیں۔!"

عبدالملک نے کہا۔

"وہ دوسری تلواروں کے ساتھ مل گئی ہے اور میں اسے پہچان نہیں سکتا۔!"

عروہ نے کہا۔

"اگر سب تلواریں میرے سامنے ہوں تو میں ان میں سے اس تلوار کو پہچان سکتا ہوں!"

عبدالملک نے حکم دیا کہ سب تلواریں سامنے لائی جائیں۔ جب تلواریں آگئیں تو عروہ نے ان میں سے ایک نہایت تیز اور آبدار تلوار نکال لی اور کہا کہ یہی میرے بھائی کی تلوار ہے۔ عبدالملک نے پوچھا کہ کیا تم اس کو پہلے ہی پہچانتے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں! اس نے کہا پھر کیسے پہچانا۔ تو حضرت عروہؓ نے کہا کہ مشہور شاعر نابغہ ذبیانی کے ایک شعر کی مدد سے میں نے اسے پہچانا ہے وہ شعر یہ ہے۔

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم
بھن فلول من قراع الکتائب

ترجمہ: میرے محبوب میں کسی قسم کا کوئی عیب اور برائی نہیں سوائے اس کے کہ مسلسل جنگ وجدل کی وجہ سے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔

کیا نبی ﷺ کے فضلات پاک ہوتے ہیں...... غرض ان گزشتہ واقعات سے ہی یہ مسئلہ نکالا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فضلات پاک تھے۔ کیونکہ آپ نے پینے والے کو منہ دھونے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی پینے والے نے خود اپنا منہ دھویا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان فضلات کا پینا جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے منہ دھونے کا حکم نہ دینے یا خون پینے کے وقت نہ روکنے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ادھر کتاب استیعاب میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پچھنے لگائی اور پھر جو خون نکلا اس کو پی لیا تو آپ نے اس سے فرمایا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہر خون یعنی اس کا پینا حرام ہے۔۔"

مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند نا معلوم ہے لہٰذا یہ حدیث گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے۔ اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ممکن ہے یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو جبکہ آپ نے اس فعل کی تصدیق فرمائی۔ واللہ اعلم۔

دانتوں کے ذریعہ چہرہ مبارک سے زرہ کی کڑیاں نکالنا...... غرض جب آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک میں زرہ کی کڑیاں گھس گئیں تو حضرت ابو عبیدہ عامر ابن جراحؓ نے آنحضرت ﷺ کے رخسار سے ان میں سے ایک کڑی اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچی جس سے ان کا سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ پھر انہوں نے دوسری کڑی بھی دانت سے پکڑ کر نکالی اور اس دفعہ دوسرا دانت ٹوٹ گیا۔

ایک قول ہے کہ یہ کڑیاں کھینچنے والے عقبہ ابن وہب کلدہ تھے اور ایک قول کے مطابق طلحہ ابن عبیداللہ تھے۔ مگر ممکن ہے کہ تینوں ہی نے اپنے اپنے طور پر کڑیاں نکالنے کی کوشش کی ہو لیکن سب سے زیادہ قوت حضرت ابو عبیدہ نے صرف کی ہو۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کے سامنے کے دانت ٹوٹ جانے کی وجہ سے وہ بوڑے ہو گئے تھے مگر بوڑوں میں ان سے زیادہ خوبصورت کوئی دوسرا شخص دیکھنے میں نہیں آیا کیونکہ اس بوڑے پن نے ان کے منہ کے دھانے کو بڑا دلکش بنایا تھا۔

قتل کی افواہ کے بعد آنحضرت ﷺ کا اچانک دیدار...... (جنگ کے دوران جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو مشرکوں نے یہ افواہ مشہور کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے ہیں) حضرت ابو عبیدہؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس وقت سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا کہ آپ زندہ سلامت موجود ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو آپ کی آنکھوں کی وجہ سے پہچانا جو خود کے نیچے سے روشن اور منور نظر آ رہی تھیں۔ خود وہ خول ہوتا ہے جو جنگ کے وقت سپاہی سر اور چہرے کی حفاظت کے لئے اوڑھتا ہے۔ غرض میں نے جیسے ہی آپ کو پہچانا تو پوری قوت سے چلایا۔

"اے مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو۔ یہ رسول اللہ ﷺ موجود ہیں!"

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے مجھے روکا کہ خاموش رہو۔

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ جب شیطان نے یہ افواہ گرم کی کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو ہمیں اس خبر کی سچائی میں کوئی شک نہیں تھا (کیونکہ اچانک جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کی وجہ سے صورت حال ایسی ہی نازک اور ناگفتہ بہ ہو گئی تھی) چنانچہ بہت دیر تک ہم اس پر یقین کئے رہے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ حضرت سعد ابن

معاذ اور حضرت سعد ابن عبادہ کے درمیان آتے ہوئے نمودار ہوئے اور ہم نے آپ کی چال سے آپ کو پہچان لیا۔ اس وقت ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے نہ ہمیں شکست ہوئی اور نہ ہمارا کوئی نقصان ہوا۔

پروانہ ہائے نبوت آنحضرت ﷺ کے گرد...... پھر جب سب مسلمانوں نے آپ کو دیکھ اور پہچان لیا تو وہ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور آپ ان سب کو لے کر ایک گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت حرث ابن صمہؓ تھے۔

علامہ زمخشری کی کتاب خصائص عشرہ میں ہے کہ احد کے دن حضرت زبیرؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ رہے اور انہوں نے اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ سے موت کی بیعت کی تھی یعنی یہ عہد کیا تھا کہ آپکی حفاظت میں جان دے دیں گے مگر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

رافضیوں کی لغو روایات...... بعض رافضیوں کا قول ہے کہ جنگ احد میں سوائے حضرت علیؓ کے تمام صحابہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے پسپا ہو کر ادھر ادھر ہو گئے تھے۔ مگر یہ قول بالکل لغو ہے۔ اسی طرح رافضیوں کا ایک قول ہے کہ احد کے دن حضرت علیؓ کی لڑائی اور اس کی شان دیکھ کر فرشتے بھی حیران ہو رہے تھے اسی طرح ایک روایت کہ جب جبرئیلؑ آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ سوائے ذوالفقار کے کوئی تلوار نہیں اور سوائے علیؓ کے کوئی جواں مرد نہیں ہے۔ ایک قول ہے کہ اس غزوہ احد میں حضرت علی نے سب سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا اور اس طرح اس جنگ کی فتح کا سہرا حضرت علیؓ کے نام ہی ہے۔

ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ غزوہ احد میں مشرکوں کے سولہ وار میرے لگے جن میں سے چار چوٹوں سے میں زمین پر گر پڑا۔ اسی وقت میرے سامنے ایک حسین و خوش شکل انسان آیا جس کی داڑھی بھی بڑی خوبصورت تھی اور اس شخص کے جسم میں سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے میری بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے اپنے سہارے سے اٹھایا اور پھر کہا۔

"دشمن پر ٹوٹ پڑو اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں جنگ کرو کیونکہ وہ دونوں تم سے راضی ہیں!"

میں نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو سنایا تو آپ نے پوچھا کہ علی کیا تم اس شخص کو نہیں پہچانتے۔ میں نے عرض کیا نہیں مگر مجھے اس میں دحیہ کلبی کی شباہت آرہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا۔

"علی! اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کیں کیونکہ وہ جبرئیلؑ تھے۔!"

رافضیوں کی پیش کی ہوئی یہ تمام روایتیں لغو ہیں۔ امام ابو العباس ابن تیمیہ نے ان سب کا رد کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تمام لوگوں کے نزدیک یہ سب قول اور روایات جھوٹ اور باطل ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اس سلسلے میں ایک لمبی بحث کی ہے جس کا ذکر یہاں ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ پر ایک اور حملہ...... (قال) جبکہ آنحضرت ﷺ مشرکوں کے گھیرے سے نکل کر اپنے جاں نثاروں کے ساتھ اس گھاٹی کی طرف جارہے تھے عثمان ابن عبد اللہ ابن مغیرہ ایک سیاہ و سفید گھوڑے پر آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھا وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا اور اس گھاٹی کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر رسول اللہ ﷺ جارہے تھے وہ کہہ رہا تھا کہ یا تو وہ زندہ رہیں گے اور یا میں۔ آنحضرت ﷺ اس کی آواز سن کر ٹھہر گئے اسی وقت عثمان کے گھوڑے کو ان گڑھوں میں سے ایک میں ٹھوکر لگی اور وہ اس میں گر پڑا۔ اسی وقت حضرت حرث ابن صمہ اس کی طرف جھپٹے تھوڑی دیر دونوں میں تلواروں کے وار ہوئے اچانک حضرت حرث نے اس کے

پاؤں پر تلوار ماری عثمان اس زخم سے ایک دم بیٹھ گیا اسی وقت حضرت حرث نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کی زرہ بکتر اتار لی آنحضرت ﷺ نے اس دشمن خدا کو کشتہ ہوتے دیکھ کر فرمایا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس کو ہلاک کر دیا۔!"

اسی وقت عبید اللہ ابن جابر عامری نے حضرت حرث پر حملہ کیا اور ان کے مونڈھے پر وار کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ ان کے ساتھی انہیں اٹھا کر لے گئے ساتھ ہی حضرت ابودجانہ نے لپک کر عبید اللہ پر حملہ کیا اور اسے اپنی تلوار سے ذبح کر کے واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔

آنحضرت ﷺ کے زخموں کی دھلائی...... رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس گھاٹی کے دہانے پر پہنچ گئے حضرت علیؓ جا کر اپنے مشکیزے میں پانی بھر لائے پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے خون دھویا۔ ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔

"ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت سخت ہو گا جنہوں نے اسکے نبی کے چہرے کو خون سے رنگین کر دیا۔!"

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔ تو وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا۔ تو اس کے بعد انہوں نے بھی وہ جملہ فرمایا تھا جو گزشتہ سطروں میں ذکر ہوا۔ یہ بات آپ کے زخم دھوئے جانے سے پہلے کی ہے۔

ٹیلے پر چڑھنے کے لئے طلحہؓ کے شانوں کا سہارا...... (قال) پھر آنحضرت ﷺ نے اس چٹان کے اوپر جانے کا ارادہ کیا جو گھاٹی کے اندر ابھری ہوئی تھی۔ مگر جب آپ چڑھنے لگے تو خون نکل جانے اور کمزوری کی وجہ سے طاقت نے ساتھ نہیں دیا کیونکہ ان زخموں میں سر مبارک کا بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا پھر اس کے ساتھ میں آپ کے جسم پر دو زرہوں کا بوجھ تھا یہ دیکھ کر حضرت طلحہ ابن عبید اللہ جلدی سے آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ کو کاندھوں پر بٹھا کر چٹان کے اوپر لے گئے۔ اسی وقت آپ نے فرمایا۔

"طلحہ اس کے اس نیک عمل کی وجہ سے ان کے لئے جنت واجب ہو گئی۔!"

طلحہؓ کو اس خدمت کا انعام...... ایک قول ہے کہ حضرت طلحہؓ کی ایک ٹانگ میں لنگڑاہٹ تھی جس سے وہ صحیح چال کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے جب وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر لے چلے تو وہ بہت کوشش کر کے اپنی چال اور اپنے قدم ٹھیک رکھ رہے تھے تاکہ لنگڑاہٹ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد ان کے چال سے ہمیشہ کے لئے وہ لنگ ختم ہو گیا اور وہ ٹھیک ہو گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے اور صحابہ کی اس جماعت کے قریب پہنچ گئے جو چٹان پر چڑھ کر مورچہ بنا چکے تھے یہ چٹان اس گھاٹی کے اندر تھی آپ چٹان کے نیچے ہی تھے کہ اوپر سے صحابہ کی نظر پڑی مگر وہ کچھ تو فاصلے کی وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ آپ زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے آپ کو پہچان نہیں سکے چنانچہ ان میں سے ایک صحابی نے آپ کو دیکھتے ہی کمان میں تیر چڑھایا۔ وہ آپ پر تیر چلانے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ آپ نے پکار کر فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں یہ سنتے ہی وہ لوگ خوشی سے سرشار ہو گئے کہ (ناامیدی میں جبکہ وہ آپ کے قتل کی خبر سن چکے تھے) آپ زندہ سلامت مل گئے۔ ادھر آنحضرت ﷺ بھی اپنے جاں نثاروں کے درمیان پہنچ کر مسرور و مطمئن ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کو پیاس...... (قال) اسی وقت آنحضرت ﷺ کو سخت پیاس لگی جو پانی حضرت علیؓ آپ کا

منہ دھلانے کے لئے اپنے مشکیزے میں لے کر آئے تھے اس میں آپ کو کچھ بو محسوس ہوئی اس لئے آپ نے اس میں سے پانی نہیں پیا تھا۔ اب آپ کو پیاس لگی تو حضرت محمد ابن مسلمہ پانی لینے کے لئے گھاٹی میں پھرے مگر کہیں پانی نہ ملا۔ آخر وہ ایک چشمہ پر گئے اور وہاں سے آپ کے لئے ٹھنڈا اور میٹھا پانی لے کر آئے جسے آنحضرت ﷺ نے سیر ہو کر پیا اور حضرت محمد ابن مسلمہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضرت فاطمہؓ کے ذریعے مرہم پٹی...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مدینے کی کچھ عورتیں احد کی طرف آئیں۔ ان خواتین میں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں جیسے ہی انہوں نے اپنے والد ماجد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا بے اختیار آپ سے لپٹ گئیں اور پھر آپ کو زخمی دیکھ کر آپ کے زخم دھونے لگیں حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے مگر دھونے کی وجہ سے خون پہلے سے بھی زیادہ نکلنے لگا حضرت فاطمہؓ نے یہ دیکھا تو جلدی سے اپنی چادر میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے جلایا جب وہ جل کر راکھ ہو گیا تو وہ راکھ انہوں نے آپ کے زخموں میں بھر دی جو جلد ہی زخموں میں چپک گئی اور خون بند ہو گیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں خون کو روکنے کی بڑی زبردست صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ یہ راکھ زخم میں جم جاتی ہے اور خون نکالنے والی رگوں کا منہ تنگ ہو کر بند کر دیتی ہے (ساتھ ہی جل جانے کی وجہ سے یہ راکھ زخم کو CEPTIC ہونے یعنی خراب ہونے اور پکنے سے بھی روک دیتی ہے)۔

ایک غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلی ہوئی ہڈی سے اپنے زخموں کا علاج کیا۔ مگر اس حدیث کو صحیح ماننے کی صورت میں کہا جائے گا کہ راوی نے جلے ہوئے کپڑے کو یعنی اس کی راکھ کو جلی ہوئی ہڈی کی راکھ سمجھا۔

کیا آنحضرت ﷺ کے زخموں کو داغا گیا تھا...... آپ کے چہرہ مبارک کے زخموں پر جلے ہوئے کپڑے کی گرم گرم راکھ رکھے جانے کو بعض علماء نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ آپ نے اپنے چہرے کے زخموں کا علاج کرنے کے سلسلے میں ان کو داغنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس طرح ان علماء نے اس روایت کو اس صحیح حدیث کے مخالف بتا دیا ہے جس میں ہے کہ ایسے ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے جو اپنے جسموں پر داغ نہیں لگواتے۔ (کیونکہ بہت سے لوگ شوقیہ یا آرائش کے طور پر جسموں کو دغوا لیتے ہیں)۔

جسم دغوانا جائز نہیں ہے...... اسی طرح یہ روایت بھی اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ کے زخم کے علاج کے سلسلے میں دو مرتبہ زخم کو داغا تاکہ خون بند ہو جائے۔ اسی طرح آپ نے حضرت سعد ابن زرارہ کے علاج کے سلسلے میں بھی ان کا جسم داغا جو ذبحہ کے مرض میں مبتلا تھے (یہ ذبحہ حلق کے درد کی بیماری کو کہتے ہیں) چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سعد ابن زرارہ کی موت جس مرض میں واقعہ ہوئی اس کو ذبحہ کہا جاتا ہے۔ اسی کے علاج کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے ان کو خود اپنے دست مبارک سے داغا تھا اور فرمایا تھا۔

"ان یہودیوں پر خدا کی مار ہو وہ مجھے کہتے ہیں کہ تم اپنے ساتھی کا مرض بھی دور نہ کر سکے۔ حالانکہ میں اس کے لئے تو کیا خود اپنے لئے بھی کوئی قدرت نہیں رکھتا۔"

ان روایتوں سے جو اس حدیث صحیح پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں وہ داغنا مراد ہے جو مرض پیدا ہونے کے خطرہ کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یا آپ کے زخموں کو اس لئے داغا گیا تھا کہ صحابہ کے نزدیک چونکہ

آپ کا معاملہ بہت زیادہ اہم تھا اور انہیں خطرہ تھا کہ بیماری پیدا ہو جائے گی اور اگر انہوں نے اس حصے کو نہ داغا تو یہ عضو شل ہو جائے گا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث ہے کہ جس نے اپنا بدن دغوایا جو شخص دوسری تدبیریں ہونے کے باوجود اس طریقہ کو اختیار کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ یہ طریقہ مجبوری کی صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح ایک اور روایت ہے کہ فرشتے حضرت عمران ابن حصینؓ کے ساتھ تیس سال تک مصافحہ کرتے رہے اور ان کے گھر کی طرف رخ کر کے ان پر سلام بھیجتے رہے جبکہ وہ اپنی تکلیف برداشت کرتے تھے مگر پھر وہ اپنے بواسیر کے مرض کے لئے اپنا بدن دغوانے لگے تو فرشتوں نے سلام بھیجنا چھوڑ دیا اس طرح بدن دغوانے سے ان کو وقتی طور پر آرام ملتا تھا۔ لیکن پھر انہوں نے اس عارضی آرام کی خاطر بدن دغوانا چھوڑ دیا (اور اپنی تکلیف پر صبر کرتے رہے) تو فرشتے پھر ان پر سلام بھیجنے لگے۔ یہ بات توکل کے خلاف تھی اس لئے اس روایت سے بھی اس صحیح حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

علاج کے تین طریقے...... اسی طرح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

" شفاء و صحت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے (یعنی علاج کے تین طریقے ہیں) شہد پینے سے، پچھنے لگوانے سے اور آگ کے ذریعہ بدن کو داغنے سے۔ میں اپنی امت کو داغنے کا علاج اختیار کرنے سے روکتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں داغے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ !"

جسم دغوانے کی ممانعت...... اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت کراہت کی حد تک ہے حرمت کی نہیں ورنہ حضرت عمران یہ جانتے ہوئے اپنا بدن نہ دغواتے۔ کتاب ھُدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جو یہ ارشاد ہے کہ میں امت کو داغنے کا طریقہ اختیار کرنے سے روکتا ہوں۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ داغنے کا طریقہ صرف اسی وقت اختیار کیا جائے جب کوئی دوا اور کوئی طریقہ اثر نہ کرے یعنی علاج کی ابتداء ہی اس سے نہ کی جائے۔ اسی لئے آپ نے اس کو سب سے آخر میں رکھا۔

ایک قول ہے کہ فصد کھلوانا بھی پچھنے لگوانے میں ہی شامل ہے مگر گرم ملکوں میں فصد کھلوانے کے مقابلے میں پچھنے لگوانا زیادہ مفید اور نفع بخش ہے۔ یہاں تک اس قول کا حوالہ ہے۔

اس ٹیلے پر دشمن کا سامنا اور نبی کی دعا...... غرض جب کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ اس چٹان پر قیام فرما تھے اچانک قریش کی ایک جماعت پہاڑ کے اوپر پہنچ گئی اس جماعت میں خالد ابن ولید بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دشمن کو اوپر دیکھ کر دعا فرمائی۔

"اے اللہ! ان کا غالب آجانا ہمارے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ اے اللہ! ہماری طاقت و قوت صرف تیری ہی ذات ہے۔"

اسی وقت حضرت عمر فاروقؓ نے مہاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پیچھے دھکیل کر پہاڑی سے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ اسی واقعہ کے سلسلے میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۴ آیت ۱۳۹

ترجمہ :اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر پورے مومن رہے۔

یعنی نہ تو جنگ میں کمزوری دکھاؤ اور نہ اس پر غم کرو کہ مشرکوں کے مقابلے میں کامیاب ہونے کے بعد تمہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ غالباً یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ آنحضرت ﷺ اس چٹان کے اوپر چڑھے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ ورنہ پھر یہ پہاڑ اس چٹان سے اونچا رہا ہوگا۔

صرف ایک تیر سے دشمن دستے کی پسپائی...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ جب مشرک پہاڑ پر نظر آئے تو آپ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان کو پسپا کرو۔ انہوں نے عرض کیا۔

"میں اکیلا کس طرح ان کو پسپا کروں گا۔"

آپ نے پھر فرمایا کہ ان کو پسپا کرو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ اب میں نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور نشانہ لے کر ایک شخص پر چلایا جو کشتہ ہو کر گرا۔ اس کے بعد میں نے دوسرا تیر نکالا۔ اب دیکھتا ہوں تو یہ وہی تیر ہے جو میں نے ابھی چلایا تھا۔ میں نے وہ تیر پھر چلایا اور ایک اور شخص قتل ہو کر گرا۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ تیر نکالا تو پھر یہ وہی تیر تھا جو میں دو مرتبہ ابھی چلا چکا تھا میں نے پھر اسے چلایا اور تیسرا آدمی بھی قتل ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے چوتھی بار تیر نکالا تو میرے ہاتھ میں پھر وہی تیر تھا جو تین بار چلا چکا تھا۔ میں نے پھر اسے چلایا اور چوتھا آدمی بھی ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کی وہ جماعت جو پہاڑ پر آگئی تھی وہاں سے گھبرا کر نیچے اتر گئی (اس کے بعد وہی تیر پھر ترکش میں موجود تھا) میں نے کہا یہ بڑا مبارک تیر ہے۔ اس کے بعد یہ تیر ہمیشہ میرے ترکش میں رہا اور کبھی ترکش سے غائب نہیں ہوا۔ حضرت سعدؓ کے بعد یہ تیر ان کی اولاد کے پاس نسلوں تک باقی رہا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کی اس جماعت کو حضرت سعد نے اکیلے ہی اس تیر سے پسپا کر دیا تھا جبکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ ان لوگوں کو حضرت عمرؓ نے مہاجر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ سے پسپا کیا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (ورنہ ایک کو غلط ماننا ہوگا)۔

حضرت سعدؓ سے ہی ایک روایت ہے کہ احد کے دن میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں ایک تیر چلاتا تھا جس کو فوراً ہی ایک گورے رنگ کا خوبصورت آدمی جو میرے لئے اجنبی تھا واپس لا دیتا تھا۔ وہ شخص میرے لئے جنگ کے بعد بھی انجان ہی رہا آخر میں نے سمجھ لیا کہ وہ کوئی فرشتہ رہا ہوگا۔

ان ہی سے ایک روایت میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں وہ تیر چلاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ وہی تیر مجھے واپس دے دیتے تھے وہ میرا ہی تیر تھا اور میں اس کو پہچان لیتا تھا۔ یہ صورت تقریباً آٹھ یا نو مرتبہ پیش آئی کہ میری تیر افگنی کے بعد آپ مجھے وہی تیر دے دیتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہ بڑا خونی تیر ہے چنانچہ میں نے اس کو ہمیشہ اپنے ترکش میں رکھا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: پچھلی روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ۔ پھر میں نے اور تیر لیا۔ اور یہاں کہا گیا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے تیر دیا۔ مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ سعدؓ نے ترکش میں سے ہی تیر لیا بلکہ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دینے پر لیا ہو۔ اسی طرح اس بات سے بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ ایک گورے رنگ کا خوبصورت آدمی تیر دے رہا تھا جو میرے لئے اجنبی تھا جو تیر واپس کر دیتا تھا کیونکہ ممکن ہے یہی شخص مرنے والے کے جسم سے تیر نکال کر لاتا ہو تاکہ ان کے ترکش کے تیر ختم

نہ ہو جائیں کیونکہ وہ شخص تیر واپس لا کر سعد کو نہیں دیتا تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کو دیتا تھا اور آپ ﷺ وہ تیر سعدؓ کو دے دیتے تھے۔

اسی طرح پہلی روایت میں انہوں نے تیر چلانے کا جو ذکر کیا ہے ان کی تعداد پانچ تک پہنچتی ہے جبکہ اس دوسری روایت میں آٹھ نو مرتبہ تیر اندازی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں ممکن ہے پانچ مرتبہ تو ہر تیر سے ایک ایک آدمی مرا ہو اور باقی تیروں سے دشمن کو نقصان نہ پہنچا ہو (لہٰذا پہلی روایت میں صرف ان ہی تیروں کا ذکر کیا گیا جو نشانے پر لگے اور جن سے کوئی شخص ہلاک ہوا۔ بہرحال یہ اختلاف قابل غور ہے، اللہ اعلم

کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی کیونکہ زخموں کی وجہ سے آپ نڈھال ہو رہے تھے آپ کے پیچھے صحابہ نے بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ غالباً یہ نماز دشمن کے واپس چلے جانے کے بعد پڑھی گئی جہاں تک صحابہ کے بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو انہوں نے ایسا اسلئے کیا تاکہ امام اور مقتدی کی نمازوں میں یکسانیت رہے اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یا یہ صورت ہو گی کہ جن لوگوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی وہ بھی زخمی ہی رہے ہوں گے اور چونکہ اکثریت زخمی صحابہ کی تھی جنہوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی اس لئے یہ لفظ استعمال کئے گئے کہ مسلمانوں نے بیٹھ کر پڑھی (یعنی ان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے بھی تھے مگر وہ صرف وہ لوگ تھے جو زخمی نہیں تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی اکثریت زخمیوں کی تھی لہٰذا اکثریت کا لحاظ کرتے ہوئے سب مقتدیوں کے بارے میں یہی کہہ دیا گیا کہ مقتدیوں نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

صحابہؓ کے زخموں کی کیفیت...... صحابہ کے زخمی ہونے کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس میں ہے کہ صرف حضرت طلحہؓ کے جسم پر کم و بیش ستر زخم تھے جن میں کچھ نیزوں اور برچھوں کے تھے کچھ تلوار کے اور کچھ تیروں کے تھے۔ نیز ان کی انگلیاں بھی کٹ گئی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق انگلیوں کے پورے کٹ گئے تھے۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ بہت اچھا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم بسم اللہ کہتے تو ابھی فرشتے تمہیں اس طرح اٹھا کر لے جاتے کہ یہ لوگ تمہیں آسمانوں کی بلندیوں میں گم ہوتے ہوئے کھلی آنکھوں دیکھتے۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ اور تم دنیا میں رہتے ہوئے اپنا وہ محل دیکھ لیتے جو حق تعالیٰ نے جنت میں تمہارے لئے بنایا ہے!"

طلحہ کا عشق رسول ﷺ...... بخاری میں قیس ابن ابو حازم سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں حضرت طلحہؓ جس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما رہے تھے وہ لڑتے لڑتے زخمی ہو کر بے کار ہو گیا یعنی اس میں ایک تیر آکر پیوست ہو گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ اس میں نیزہ لگا تھا۔ اس سے مسلسل خون بہنے لگا یہاں تک کہ کمزوری کی وجہ سے حضرت طلحہؓ بیہوش ہو گئے حضرت ابو بکرؓ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگے جس سے انہیں ہوش آیا تو انہوں نے فوراً ہی پہلا سوال یہ کیا۔

"رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"آپ بخیریت ہیں اور آپ ﷺ ہی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔!"

حضرت طلحہؓ نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے۔!"

حضرت طلحہؓ کا لقب فیاض تھا جو آنحضرت ﷺ نے ان کو غزوہ عشیرہ میں دیا تھا جیسا کہ بیان ہوا پھر احد میں آپ نے ان کو طلحۂ جُود کا خطاب دیا۔ لفظ جُود کے معنی بھی فیاض کے ہیں۔ یہ خطاب آپ نے اس لئے دیا کہ اس غزوہ کے موقعہ پر حضرت طلحہؓ نے سات سو درہم اپنی طرف سے خرچ کئے تھے غزوہ احد ہی میں آپ نے ان کو طلحۂ خیر کا لقب عطا فرمایا۔

اسی طرح حضرت عبد الرحمٰن کے منہ پر اس غزوہ میں ضرب آئی جس سے ان کے دانت ٹوٹ گئے اس کے علاوہ ان کے جسم پر بیس زخم تھے اور ایک روایت کے مطابق بیس سے بھی زائد ہی رہے ہوں گے ایک زخم ان کے پیر میں بھی آیا تھا جس سے وہ لنگڑے ہو گئے تھے۔

حضرت کعب ابن مالک کے دس زخم آئے تھے اور ایک روایت کے مطابق بیس زخم لگے تھے۔ (اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہ میں سے اکثر حضرات بہت زیادہ زخمی حالت میں تھے اسلئے یہ بات بڑی حد تک قرین قیاس ہے کہ سب نے یا اکثر صحابہ نے زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے آپکے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی ہو)۔

قزمان ایک شہید قوم...... حضرت عاصم ابن عمر ابن قتادہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک اجنبی آدمی رہتا تھا مگر ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کن لوگوں میں سے اور کس قوم سے ہے ظاہر میں مسلمان ہی معلوم ہوتا تھا اس شخص کا نام قزمان تھا اور یہ بڑا بہادر اور بے خوف شخص تھا مگر جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوتا تو آپ فرماتے کہ وہ جہنمی ہے۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا تو وہ بھی مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا اور اس نے بڑی زبردست جنگ کی۔ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے جس شخص نے تیر چلایا وہ یہی تھا۔ وہ دھواں دھار تیر افگنی کر رہا تھا اور اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھانے شروع کئے اور زبردست سر فروشی سے لڑا۔ وہ مشرکوں کے اونٹ سوار دستے پر ٹوٹ پڑا اور آٹھ یا دس مشرکوں کو آن کی آن میں خاک و خون میں لٹا دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قزمان کی اس سر فروشی اور جاں بازی کی خبر ہوئی تو آپ نے پھر یہی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ مسلمانوں کو اس ارشاد پر بے حد حیرت اور تعجب ہوا۔

قزمان کی سر فروشی اور محرومی...... جب قزمان لڑتے لڑتے بہت زیادہ زخمی ہو گیا تو اس کو میدان جنگ سے اٹھا کر بنی ظفر کے محلے میں پہنچا دیا گیا کیونکہ یہ بنی ظفر کا حلیف تھا (یعنی بنی ظفر سے اس کا معاہدہ تھا کہ ان کی مصیبت کے وقت یہ ان کا ساتھ دے گا) غرض یہاں مسلمان اس سے کہنے لگے کہ قزمان آج تم نے بڑی زبردست جان فروشی کا ثبوت دیا ہے اس لئے تمہیں خوش خبری ہو (یعنی تمہیں اس جاں فروشی کی جزاء ضرور ملے گی) یہ سن کر قزمان نے کہا۔

"مجھے کا ہے کی خوش خبری خدا کی قسم میں تو صرف اپنی قوم کی عزت و فخر کے لئے لڑا ہوں اگر قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ لڑتا۔!"

یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ بلند کرنے کے لئے نہیں لڑا تھا اور نہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کو مٹانے کے لئے لڑا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت قتادہؓ نے قزمان کو زخموں سے چور حالت میں دیکھ کر کہا۔

قزمان! تمہیں شہادت کا مرتبہ مبارک ہو۔

اس نے کہا۔

"ابوعمرو! خدا کی قسم میں کسی دین ومذہب کے لئے نہیں لڑا۔ میں نے تو صرف اس خطرہ کے پیش نظر جنگ کی ہے کہ قریشی حملہ آور ہماری سرزمین کو پامال کر رہے ہیں۔!"

زخموں سے بیتاب ہو کر قزمان کی خودکشی...... جب قزمان کے زخموں میں بہت زیادہ تکلیف اور سوزش ہو گئی تو اس نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر خود ہی اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ یعنی اس نے اس تیر کے پھل سے زرہ کے نیچے ایک رگ کاٹ ڈالی جس کو زواہن کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنی تلوار کی نوک اپنے سینے پر رکھی اور پھر اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جس سے تلوار اس کے سینے کے آرپار ہو گئی اور یہ ہلاک ہو گیا۔ کتاب نور میں ہے کہ یہی بات زیادہ صحیح ہے ممکن ہے کہ اس نے دونوں حرکتیں کی ہوں۔

واقعہ دیکھتے ہی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس دوڑا ہوا گیا اور کہنے لگا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔!"

آپ نے فرمایا۔ کیا ہوا۔

اس نے کہا۔

"ابھی آپ نے جس شخص کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے اس نے ایسا ایسا کیا ہے یعنی خودکشی کر لی ہے۔!"

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے تین طرح کے آدمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ ایک وہ جو بہادری کی وجہ سے لڑتا ہے۔ دوسرا وہ جو حمیت وغیرت اور خودداری کی وجہ سے لڑتا ہے اور تیسرا وہ جو ریاکاری کی وجہ سے لڑتا ہے۔ یعنی ان تینوں قسموں کے لوگ اس لڑائی میں حصہ لیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو رہی ہے۔ تو ان کے بارے میں کیا مسئلہ ہے، آیا ان کی جنگ فی سبیل اللہ ہو گی۔ آپ نے فرمایا۔

"جو شخص اس نیت کے ساتھ لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ ہی سربلند ہونا چاہئے۔ اسی کی جنگ فی سبیل اللہ ہو گی۔!"

اس طرح آپ نے اس شخص کے انجام کی تصدیق فرمادی۔

عمل کا ظاہر اور باطن...... پھر آپ نے اسی شخص کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"بعض دفعہ تم میں کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کی نظروں میں جنتیوں کا عمل ہوتا ہے مگر وہ شخص حقیقت میں جہنمی ہوتا ہے اور کبھی کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کے نزدیک جہنمیوں کا عمل ہوتا ہے لیکن وہ شخص جنتی ہوتا ہے۔!"

اس فرمان میں یہ اشارہ ہے کہ کبھی کبھی عمل کی حقیقت اس کی ظاہری شکل کے خلاف ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حمایت ایک ایسے شخص سے بھی کرا دیتا ہے جو فاجر ہوتا ہے۔ امام سبکی نے اسی قزمان کے واقعہ کی طرف اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وقلت لشخص یدعی الدین انه
بنار فا لقی نفسه للمنیة

ترجمہ: میں نے کہا کہ جو شخص کسی کے بارے میں یہ دعوی کرتا ہے کہ فلاں شخص جہنم میں ہے اس نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ علامہ ابن جوزی نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ خیبر میں گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو خود کو مسلمان کہتا تھا فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اس شخص نے زبردست جنگ کی اور وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا اس وقت آنحضرت ﷺ سے کسی نے کہا۔

"یارسول اللہ! اس شخص نے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، آج بڑی خوں ریز جنگ کی ہے اور مر گیا ہے۔!"

آپ نے پھر پہلے کی طرح فرمایا کہ وہ جہنم میں پہنچ گیا۔ پھر آپ کو بتلایا گیا کہ وہ مرا نہیں بلکہ بہت زیادہ زخمی حالت میں ہے۔ غرض پھر رات کو جب اس کے زخموں کی تکلیف نا قابل برداشت ہو گئی تو اس نے خود کشی کر لی۔ اس وقت آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔!"

پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت میں سوائے مسلمان کے کوئی دوسرا شخص داخل نہیں ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔ اس شخص کا نام قزمان تھا اور یہ منافقوں میں سے تھا۔ یہاں تک ابن جوزی کا حوالہ ہے اور یہ اختلاف قابل غور ہے کیونکہ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ایک شخص کے دو نام ہوں اور دونوں کے ساتھ ایک ہی واقعہ پیش آیا ہو ہاں یہ ممکن ہے راوی نے غلط فہمی کی وجہ سے غزوہ احد کے بجائے غزوہ خیبر کہہ دیا ہو۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس دین کی حمایت ایک فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔ تو یہ ایک عام جملہ ہے جس میں ہر وہ بادشاہ اور عالم بھی شامل ہے جس نے اپنے اقتدار یا علم کو دنیاداری اور حرام خوری میں صرف کیا ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ان کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ دلوں کو زندہ فرما دیتا ہے اور ان کے اعمال کے ذریعہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے حالانکہ وہ دونوں فاجر ہوتے ہیں۔

<u>ایک مشرک کو توفیق خداوندی</u>...... بنی عبد الاشہل کا ایک شخص اصیرم بھی غزوہ احد میں قتل ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصیرم ہمیشہ اپنی قوم کو اسلام لانے سے روکنے کی کوشش کرتا تھا اور خود بھی مسلمان نہیں ہوا (مگر بنی عبد الاشہل کے لوگ مسلمان ہو گئے)۔

جس روز رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لئے مدینے سے روانہ ہوئے۔ یہ مدینے آیا اور اپنی قوم کے لوگوں یعنی بنی عبد الاشہل کے متعلق معلوم کیا کہ وہ لوگ کہاں ہیں (بنی عبد الاشہل آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ احد کے لئے روانہ ہو چکے تھے) اس کو بتلایا گیا کہ وہ میدان احد کی طرف گئے ہیں۔ اس وقت اچانک اس کو بھی اسلام کی طرف رغبت ہوئی چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور اس کے بعد اپنی تلوار و نیزہ لے کر اور زرہ وغیرہ پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور میدان جنگ میں پہنچ کر مسلمانوں کی ایک صف میں شامل ہو کر لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ جنگ کرتے کرتے وہ بے انتہا زخمی ہو کر گر پڑا۔ جنگ کے بعد جب بنی عبد الاشہل کے لوگ اپنے مقتولوں کو تلاش کر رہے تھے اچانک انہیں اصیرم نظر آیا جو زخموں سے چور پڑا تھا۔ وہ لوگ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے کہ خدا کی قسم یہ تو اصیرم ہے (انہیں اس کو میدان جنگ میں زخمی دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اصیرم اسلام کا دشمن اور آنحضرت ﷺ کا مخالف ہے) انہوں نے اس سے کہا۔

"تم یہاں کیسے آئے تھے۔ کیا قومی جذبہ سے یا اسلام سے رغبت پیدا ہونے کی بناء پر۔۔۔

اصیرم نے کہا

"نہیں۔ اسلام سے رغبت ہونے کی وجہ سے۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ پھر میدان میں آکر میں نے جنگ کی یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر اس حال کو پہنچ گیا۔!"

بغیر نماز پڑھے جنت کا حقدار...... اس کے تھوڑی ہی دیر بعد اصیرم کا دم آخر ہو گیا۔ بنی عبدالاشہل نے آکر رسول اللہ ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مجھے ایسے شخص کے بارے میں بتلاؤ جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی اور وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ ان کا اشارہ اصیرم کی طرف ہوتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا وہ گزشتہ ارشاد اس واقعہ پر صادق آتا ہے کہ کبھی کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جو لوگوں کے نزدیک جنمیوں کا عمل ہوتا ہے لیکن وہ شخص جنتی ہوتا ہے۔

اسی طرح ایسے لوگوں میں جو کبھی نماز نہ پڑھنے کے باوجود جنتی ہیں اسود بھی ہے جو خیبر کے ایک یہودی کا چرواہا تھا۔ وہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوا۔

"یارسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش کیجئے۔!"

چنانچہ آپ نے اس کو اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ فوراً ہی جہاد میں شریک ہوا جہاں ایک پتھر لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ اس نے اس وقت تک ایک دفعہ بھی نماز نہیں پڑھی تھی (مگر وہ شخص جنتی ہے) جیسا کہ آگے غزوہ خیبر کے واقعہ میں اس کی تفصیل آئے گی۔

غرض اسی غزوہ احد میں حضرت حنظلہ ابن ابوعامر فاسق بھی شہید ہو گئے۔ ان کا باپ ابوعامر جاہلیت کے زمانے میں ابوعامر راہب کہلاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا لقب راہب کے بجائے فاسق رکھ دیا جیسا کہ بیان ہوا۔

ابوعامر فاسق...... یہ ابوعامر فاسق اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول مدینے کے بڑے سرداروں میں سے تھے اور مدینے والوں پر بادشاہی کے لئے اپنی تاجپوشی کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ یہ ابوعامر قبیلہ اوس میں سے تھا اور اس کو ابن صیفی کہا جاتا تھا۔ دوسری طرف عبداللہ ابن ابی قبیلہ خزرج میں سے تھا ان میں سے عبداللہ ابن ابی نے تو ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا مگر ابوعامر فاسق اپنے کفر پر جما رہا یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ تن تنہا اور بیکسی کی حالت میں مر گیا۔ اس کی موت کے لئے آنحضرت ﷺ نے بددعا فرمائی تھی جس کے بعد جلد ہی یہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدے کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

ومات ابن صیفی علی الصفة التی
ذکرت وحیدا بعد طردو غربة

ترجمہ: ابن صیفی اسی طرح سے مرا جیسے آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی یعنی تن تنہا اور راندہ درگاہ ہو کر اور بیکسی و کس مپرسی میں۔

ابوعامر قریش کے دامن میں...... یہ ابوعامر فاسق آنحضرت ﷺ سے کنارہ کشی اور بیزاری کے جذبہ کے ساتھ مدینے سے نکل گیا تھا۔ اسکے ساتھ پچاس غلام تھے۔ ایک قول ہے کہ پندرہ تھے جو سب کے سب اسی کی قوم اوس کے تھے۔ یہ انکو لے کر مکے میں قریش کے پاس پہنچ گیا تھا اس نے قریش کو یقین دلایا تھا کہ (جب میں تمہارے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جاؤں گا تو) سامنے مسلمانوں میں جو لوگ میری قوم اوس کے ہوں گے وہ

سارے متفق ہو کر میرا ساتھ دیں گے اور ان میں دو آدمی بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو میرے خلاف جائیں۔ چنانچہ جب وہ قریش کے لشکر کے ساتھ جنگ احد میں آیا تو اس نے مسلم صفوں میں اوسیوں سے پکار کر کہا۔

"اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں۔!"

اس پر مسلمانوں میں سے قبیلہ اوس کے لوگوں نے جواب میں کہا۔

"اے فاسق۔ خدا تجھے ہر نعمت و مسرت سے محروم رکھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اے فاسق۔ تو خوش آمدید یا کسی نیک کلمے کا مستحق نہیں۔!"

ممکن ہے مسلمانوں نے یہ دونوں ہی جملے کہے ہوں۔ ابو عامر نے جب اوسیوں کا یہ جواب سنا تو کہنے لگا۔

"میرے بعد میری قوم بہت بڑی برائی میں مبتلا ہو گی۔!"

پھر اس نے مسلمانوں کے مقابلے میں بڑی خوں ریز جنگ کی۔ یہی ابو عامر فاسق ہے جس نے میدان احد میں جگہ جگہ گڑھے کھدوائے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان کے اندر گر پڑیں۔ ان ہی میں سے ایک گڑھے میں آنحضرت ﷺ گر پڑے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ ابو عامر فاسق ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے جنگ کی آگ کو ہوا دی اور کفر کی پوری قوت و طاقت ساتھ لے کر مسلمانوں کے سروں پر چڑھ آیا۔

(ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہ آنحضرت ﷺ کے سچے غلاموں میں سے تھے) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ اپنے باپ کو خود قتل کریں۔ مگر آپ نے ان کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

ابو عامر کے بیٹے حضرت حنظلہؓ ...... حضرت حنظلہ کے قتل کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران وہ ایک دفعہ ابوسفیان کے سامنے پہنچ گئے ابوسفیان گھوڑے پر تھا حضرت حنظلہؓ نے اس کے گھوڑے پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا جس کے نتیجہ میں گھوڑے نے ابوسفیان کو نیچے گرا دیا۔ ابوسفیان نیچے گرتے ہی چلانے لگا۔ ادھر حضرت حنظلہؓ نے فوراً تلوار بلند کر کے ابوسفیان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا مگر اسی وقت شداد ابن اوس کی ان پر نظر پڑی۔ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں شداد ابن اوس ہی ہے مگر ایک قول کے مطابق صحیح نام شداد ابن اسود ہے۔ غرض شداد نے حضرت حنظلہ کو ابوسفیان پر تلوار بلند کرتے دیکھا تو اس نے جلدی سے حضرت حنظلہؓ پر تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دیا!

حنظلہ جنہیں فرشتوں نے غسل دیا ...... آنحضرت ﷺ نے حضرت حنظلہ کے قتل پر فرمایا۔

"تمہارے ساتھی یعنی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔

"میں فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے برتنوں میں صاف و شفاف پانی لئے حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔!"

حضرت حنظلہؓ کی بیوی کا نام جمیلہ تھا اور یہ سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی بیٹی اور حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی سگی بہن تھیں۔ حضرت جمیلہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر عرض کیا۔

"وہ یعنی حضرت حنظلہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں ہی میدان جنگ میں آگئے تھے۔!"

یعنی ان کو غسل کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ احد سے ایک دن پہلے ہی ان کی شادی

ہوئی تھی اور اس رات میں انہوں نے حضرت جمیلہ کے ساتھ عروسی اور شادی کی پہلی رات منائی تھی جس کی صبح کو جنگ احد ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جمیلہ کی بات سن کر فرمایا۔

"اسی لئے فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں۔!"

نوشاہ حنظلہ اور نئی نویلی دلہن جمیلہ ...... حضرت حنظلہ رات کو اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ عروسی منانے کیلئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر گئے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کیلئے روانہ ہوئے تو ان کی بیوی بھی اصرار کر کے ان کے ساتھ ہو گئیں اس طرح وہ ان کے ساتھ تھیں اور حضرت حنظلہؓ کو غسل کی ضرورت ہو گئی مگر اسی وقت آنحضرت ﷺ کی طرف سے لشکر کے کوچ کا اعلان ہو گیا اور حضرت حنظلہ کوچ کی جلدی میں غسل نہ کر سکے۔ ایک روایت میں حضرت جمیلہ نے آنحضرت ﷺ سے یوں کہا تھا کہ جب حنظلہ نے دشمن کے مقابلے کیلئے کوچ کا اعلان سنا تو بغیر غسل کئے ہی نکل کھڑے ہوئے تھے۔

یہاں روایت میں تین لفظ ہیں ایک ھاتفہ دوسرا ھائعہ اور تیسرا ھیعہ ان تینوں کے معنی ہیں وہ اعلان جو گھبراہٹ یا جلدی ظاہر کرنے کے لئے ہو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ بہترین شخص وہ ہے جو گھوڑے کی لگام پکڑے تیار کھڑا ہو اور جیسے ہی اعلان سنے فوراً چل کھڑا ہو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حنظلہ نے غسل شروع کر دیا تھا اور ابھی جسم کے ایک ہی حصے پر پانی ڈال پائے تھے کہ اعلان ہو گیا لہٰذا وہ بقیہ حصے پر پانی ڈالے بغیر ہی نکلے اور میدان جنگ کو روانہ ہو گئے۔

دولہا کے متعلق دلہن کا خواب...... اسی رات میں حضرت جمیلہ نے خواب دیکھا تھا کہ اچانک آسمان میں ایک دروازہ کھلا اور ان کے شوہر حضرت حنظلہ اس دروازے میں داخل ہوئے اس کے بعد فوراً ہی وہ دروازہ بند ہو گیا (جس سے وہ سمجھ گئی تھیں کہ ان کے شوہر کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے)۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جمیلہ نے اپنی قوم کی چار عورتوں کو اس بات کا گواہ بنایا تھا کہ حضرت حنظلہ میرے ساتھ ہم بستری کر چکے ہیں ایسا ان کو اس لئے کرنا پڑا کہ ان کے حمل کے سلسلے میں لوگوں کو شبہات نہ پیدا ہوں۔ حضرت جمیلہ خود کہتی ہیں کہ ایسا اس لئے کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان میں ایک دروازہ کھلا جس میں وہ داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ حنظلہ کا وقت آچکا ہے اور میں ان کے ذریعہ اسی رات حاملہ ہو گئی تھی اس حمل سے عبداللہ ابن حنظلہ پیدا ہوئے تھے۔ یہی وہ عبداللہ بن حنظلہ ہیں جن کو مدینے والوں نے اس وقت اپنا امیر بنایا تھا جب انہوں نے یزید ابن معاویہ کو برطرف کر دیا تھا۔ یہ واقعہ پھر جنگ حرہ کا سبب بنا۔

ابو عامر کی وجہ سے حنظلہ کی لاش کے ساتھ رعایت...... قریش نے حضرت حنظلہ کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش کے کان اور ناک آنکھ کاٹ کر اسے مثلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کا باپ ابو عامر فاسق ان کے ساتھ تھا۔ (یاد رہے کہ قریش مکہ نے دوسرے تمام مقتول صحابہ کی لاشوں کا مثلہ کر دیا تھا)۔

لاشوں کی بے حرمتی پر قتادہ کا غصہ...... کتاب امتاع میں ہے کہ حضرت ابو قتادہ انصاری نے جب دیکھا کہ مشرکوں نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کیا ہے تو انہوں نے مشرکوں کی لاشوں کا بھی مثلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"اے ابو قتادہ! قریش کے لوگ بڑے امانت والے ہیں۔ ان میں جو لوگ سرکشی اور سینہ زوری کرنے والے ہیں ان کی سرکشی کو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مار دے گا (ورنہ ان کا مقام یہ ہے کہ) شاید جلد ہی (ان کے ہدایت پا جانے کے بعد) تم ان کے اعمال کے سامنے اپنے اعمال کو اور ان کے کارناموں کے سامنے اپنے کارناموں کو کمتر سمجھنے لگو گے۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش اترانے اور اکڑنے لگیں گے تو میں ان کو بتلاتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کیا مقام اور درجہ محفوظ ہے۔!"

حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! مجھے اس وقت جو غصہ آیا تھا وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر آیا تھا!"

آپ نے فرمایا۔

"تم نے سچ کہا۔ یہ لوگ اپنے نبی کے لئے بہت بری قوم ثابت ہوئے۔!"

بد دعا کا ارادہ اور ممانعت...... (قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دشمنوں کے لئے بد دعا کرنے کا ارادہ فرمایا اس وقت وہ آیت نازل ہوئی تھی جو گزشتہ صفحات میں ذکر ہوئی۔ یعنی لیس لك من الامر شیئ۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ان کے لئے بد دعا کرنے سے رک گئے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی اس بد دعا کے بعد ہی نازل ہوئی تھی کہ اے اللہ فلاں شخص پر لعنت فرما۔ اے اللہ فلاں شخص پر لعنت فرما۔ جیسا کہ پیچھے بعض روایتوں کے حوالے سے بیان ہوا (تو گویا بد دعا آپ پہلے بھی فرما چکے تھے جس پر آیت نازل ہوئی تھی)۔

اس کے جواب میں یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے مستقل اور دائمی طور پر بد دعا کرنا چاہتے تھے جس سے اس آیت نے آپ کو روکا۔ لہٰذا اب آپ کے بد دعا کرنے اور بد دعا کرنے کا ارادہ کرنے کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ ممکن ہے مراد یہ ہو کہ آپ نے دوبارہ ان دشمنانِ خدا اور رسول کے حق میں بد دعا کرنے کا ارادہ کیا ہو (اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی)۔

حضرت حنظلہ کے بارے میں پیچھے حدیث بیان ہوئی ہے کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ اسی لئے ان کو غسیل ملائکہ کہا جاتا ہے) حضرت ابو سعید ساعدی سے روایت ہے کہ ہم حضرت حنظلہ کی لاش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔

بخاری، مسلم اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کے دن ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میں جنگ میں قتل ہو گیا تو کہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے فوراً وہ کھجوریں پھینک دیں جو ہاتھ میں لئے کھا رہا تھا اور جنگ کی آگ میں کود گیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے قتل ہو گیا۔

کتاب طرح تہذیب میں علامہ خطیب نے کہا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر کا ہے غزوہ احد کا نہیں ہے اس طرح انہوں نے صحیحین کی اس روایت کو ضعیف قرار دیئے جانے کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس بات کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ذریعہ دوسری بات کو ضعیف قرار دینے کی ایک مثال ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو ایک واقعہ قرار دے دیا جبکہ یہ دونوں واقعے صحیح ہیں اور دو مختلف آدمیوں کے دو علیحدہ علیحدہ واقعے ہیں۔ یہاں تک طرح تہذیب کا حوالہ ہے۔ غزوہ بدر کے بیان میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ بات قابلِ غور ہے۔

ایک مشرک کی مبارزت طلبی...... جنگ کے دوران ایک مشرک صفوں میں سے نکل کر سامنے آیا۔ وہ سر

سے پیر تک لوہے میں غرق تھا اس نے گویا مقابلہ کے لئے للکارتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ میں ابن عویف ہوں۔ یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک شخص آگے بڑھے جن کا نام رشید انصاری فارسی تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ابن عویف کی گردن پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی زرہ کٹ گئی۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا۔ لے میر اوار سنبھال میں ایک فارسی غلام ہوں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے اور آپ نے ان دونوں کے جملے بھی سنے تھے آپ ﷺ نے حضرت رشید سے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ لے میر اوار سنبھال میں ایک انصاری غلام ہوں۔

اس کے بعد ابن عویف کا بھائی رشید انصاری کے مقابلے کے لئے آگیا۔ وہ بھی یہی کہتا ہوا آیا کہ۔ میں ابن عویف ہوں۔ یہ بھی اپنے سر پر لوہے کا خود لوڑھے ہوئے تھا۔ حضرت رشید نے اس کے سر پر وار کیا جو خود کو کاٹتا ہوا اس کے سر کو اڑا گیا۔ ساتھ ہی حضرت رشید نے کہا۔ لے میر اوار سنبھال میں ایک انصاری غلام ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ! تم نے خوب کہا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت رشید کو اس موقعہ پر ابو عبداللہ کہا جسکے معنی ہیں عبداللہ کے باپ حالانکہ اس وقت تک رشید انصاری کے کوئی بیٹا یا اولاد نہیں تھی (یعنی آپ نے یہ لقب ان کو پہلے ہی دے دیا تھا)۔

ایک معذور صحابی کا جوش جہاد ...... اس غزوہ احد میں حضرت عمرو ابن جموح شہید ہوگئے ان کی ٹانگ میں بہت سخت لنگ تھا ان کے چار بیٹے تھے جو شیر کی طرح بہادر اور جنگ جو تھے اور ہر غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے غزوہ احد کے موقعہ پر ان چاروں نے اپنے والد حضرت عمرو ابن جموح کو جنگ میں شریک ہونے سے روکنا چاہا اور ان سے بولے کہ آپ کے پاس قدرتی عذر موجود ہے۔ حضرت عمروؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جنگ میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں مگر خدا کی قسم میری تمنا ہے کہ میں اپنے اس لنگ کے ساتھ ہی جنت میں پہنچ جاؤں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور کر دیا ہے اسلئے تم پر جہاد فرض نہیں ہے!"

پھر آپ نے ان کے بیٹوں سے فرمایا۔

تمہیں انکو جہاد میں شریک ہونے سے روکنا نہیں چاہئے ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرما دے۔!"

شہادت کی دعا اور قبولیت ...... یہ سنتے ہی حضرت عمرو نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت انہوں نے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔

"اے اللہ! مجھے شہادت کی نعمت عطا فرما اور واپس گھر والوں کے پاس زندہ آنے کی رسوائی سے بچا۔!"

چنانچہ یہ اس جنگ میں شہید ہوگئے۔

اللہ جن کی قسموں کا پاس کرتا ہے ...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات میں قسم کھا جائیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے عمرو ابن جموح بھی ہیں۔

میں نے انہیں جنت میں ان کے اسی لنگ کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا ہے۔!

یعنی حق تعالیٰ نے قیامت کے دن کا ان کا حال آنحضرت ﷺ پر آشکار افرمادیا تھا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا۔

"یارسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا قتل ہو جاؤں تو کیا جنت میں پہنچ کر میری یہ ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی اور میں چل سکوں گا۔"

آنحضرت ﷺ نے ان کے قریب آکر فرمایا۔

"یوں سمجھو گویا میں تمہیں جنت میں اس طرح چلتا پھرتا دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری یہ ٹانگ بالکل ٹھیک ہے۔!"

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں جو اختلاف ہے وہ اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ ابتداً میں جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلے پھریں گے اور اس کے بعد ان کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی۔

یہ عمرو ابن جموح جاہلیت کے زمانے میں بتوں کے خادم اور دربان تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ذمہ جو خدمت لی وہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا جب کوئی نکاح ہوتا تو یہ ولیمہ کی دعوت کا انتظام کرتے تھے۔

ایک اور قسم کے سچے صحابی...... اسی طرح کی قسم کا ایک اور واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ انس ابن نضرؓ کا ہے جو حضرت انس ابن مالکؓ کے چچا تھے اور یہ حضرت انس ابن مالک رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے۔ ان انس ابن نضر کی بہن ربیع نے ایک دفعہ مار پیٹ میں ایک انصاری باندی کے سامنے کے دانت توڑ دیئے اس باندی کے گھر والوں نے قصاص اور بدلے کا مطالبہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قصاص کے طور پر ربیع کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں اس پر ربیع کے بھائی انس ابن نضرؓ نے کہا۔

"خدا کی قسم ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔!"

اب آنحضرت ﷺ جب بھی یہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قصاص کا حکم فرمایا ہے تو وہ ہر دفعہ یہی جملہ قسم کھا کر کہتے کہ خدا کی قسم ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ آخر اس باندی کے گھر والے خود ہی دیت یعنی مال لینے پر راضی ہو گئے۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کے نام پر کوئی قسم کھالیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم پوری فرمادیتا ہے۔!"

عظیم المرتبہ لوگ...... یہی بات آنحضرت ﷺ نے حضرت انس ابن مالک کے بھائی براء ابن مالک کے حق میں بھی فرمائی تھی چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اکثر پھٹے حال اور پراگندہ سر آدمی جن کی طرف لوگ توجہ بھی نہیں کرتے ایسے درجہ کے ہوتے ہیں کہ اگر کسی معاملے میں وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر قسم کھا جائیں تو حق تعالیٰ ان کی قسم جھوٹی نہیں ہونے دیتا۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک براء ابن مالک بھی ہیں۔!"

اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرت براءؓ کی قسم کا پاس...... چنانچہ حضرت براء ابن مالک کے ساتھ ایسا ہی ایک

واقعہ پیش آیا تھا جس سے اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ مسلمانوں کی جنگ فارسیوں یعنی ایرانیوں سے ہو رہی تھی ان میں حضرت براء بھی موجود تھے۔ ایک موقعہ پر ایرانی فوجیں مسلمانوں پر غالب آنے لگیں۔ اس وقت مسلمانوں نے حضرت براء سے کہا۔

"اے براء! اپنے پروردگار کا نام لے کر (ہماری فتح کی) قسم کھا جاؤ۔!"

حضرت براءؓ نے کہا۔

"اے اللہ! میں اس نام پر تیری قسم کھاتا ہوں کہ تو نے ہمیں ان کے مقابلے کی نعمت عطا فرمائی اور یہ کہ تو مجھے اپنے نبی محمد ﷺ کے پاس پہنچا دے گا۔!"

یہ کہہ کر حضرت براءؓ نے فارسیوں پر حملہ کر دیا اور ان کے ساتھ ہی مسلم فوجوں نے بھی ایک زبردست یلغار کی جس کے نتیجہ میں ایرانی لشکر کا ایک بڑا حصہ تو قتل ہو گیا اور باقی لوگ شکست کھا کر بھاگ اٹھے ساتھ ہی حضرت براء بھی شہید ہو کر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔

براء کا ایک اور واقعہ...... حضرت براء ابن مالکؓ کا ایک او. واقعہ ہے کہ ایک جنگ میں وہ اپنے بھائی حضرت انسؓ کے ساتھ تھے عراق میں دشمن کے ایک قلعہ کے قریب مسلم لشکر فروکش تھا۔ دشمن قلعہ سے لوہے کی زنجیروں کے ساتھ لوہے کے آنکڑے لٹکاتا تھا اور مسلمان۔ پاہیوں کو ان آنکڑوں میں الجھا کر زنجیر کھینچتا تھا جس سے سپاہی کے جسم کا بہت گوشت آنکڑے میں الجھ کر ادھڑ جاتا تھا اور آدمی پھنسا رہ جاتا تھا۔ ایسے لوگوں میں جن کا گوشت اس طرح ادھڑا تھا حضرت انسؓ بھی تھے وہ اس میں الجھے ہوئے تھے اچانک حضرت براءؓ نے اپنے ہاتھ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہاتھ کا تمام گوشت صاف ہو چکا تھا اور ہڈیاں رہ گئی تھیں مگر اس طرح انہوں نے اپنے بھائی حضرت انسؓ کو بچالیا۔

اویس قرنی کی قسم کا پاس...... قسم کے متعلق اسی قسم کا ایک ارشاد نبوی ﷺ حضرت اویس قرنی کے بارے میں بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ تابعین میں سب سے بہترین آدمی ایک شخص ہوگا جس کا نام اویس ابن عامر قرنی ہوگا۔ تم میں سے جو شخص بھی اس سے ملے وہ اس سے درخواست کرے کہ تمہاری مغفرت کے لئے دعا کرے۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے خو. حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

تمہارے پاس اویس ابن عامر یمن والوں کی امداد و حمایت کے ساتھ آئے گا۔ (اس کی پہچان یہ ہے کہ) اس کو برص کا مرض رہا ہوگا جس سے اس کو شفا ہو جائے گی صرف ایک درہم کے برابر جسم پر ایک داغ باقی ہوگا۔ اس کی ماں زندہ ہوگی جس کا وہ بے حد اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوگا۔ وہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی معاملے میں کوئی قسم کھالے گا تو حق تعالیٰ اس کی قسم جھوٹی نہیں فرمائیں گے۔ اگر تم ان سے اپنی مغفرت کی دعا کرا سکو تو ضرور کرا لینا۔ واللہ اعلم۔

ہندہ کے شوہر، بھائی اور بیٹے کی شہادت...... غرض غزوہ احد میں حضرت عمرو ابن جموح خود بھی شہید ہوئے اور ایک ان کے بیٹے بھی شہید ہوئے جن کا نام خلاد تھا۔ اسی طرح ان کے سالے یعنی ان کی بیوی ہندہ بنت حزام کے بھائی بھی قتل ہوئے ان کا نام عبد اللہ تھا جو حضرت جابر ابن عبد اللہ کے بھائی تھے۔

ہندہ کا صبر اور عشق نبوی ﷺ...... حضرت ہندہ ان تینوں یعنی اپنے شوہر، بیٹے اور بھائی کی لاشیں ایک

اونٹ پر رکھوا کر لے چلیں تاکہ ان کو مدینے میں دفن کرائیں۔ راہ میں ان کی ملاقات حضرت عائشہؓ سے ہوئی جو کچھ عورتوں کے ساتھ حالات معلوم کرنے کے لئے مدینے سے آرہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ کیا لشکر کی خبر آئی ہے۔ حضرت ہندہ نے کہا۔

"جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو آپ بخیریت ہیں اور آپ کی خیریت کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد اب ہر مصیبت ہیچ اور بے حقیقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔!"

پھر حضرت عائشہؓ نے ان کے اونٹ پر لاشیں دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے کہا۔

"میرا بھائی عبداللہ، میرا بیٹا خلاد اور میرے شوہر عمرو ابن جموح ہیں۔!"

<u>لاشیں مدینے میں دفن کرنے کا ارادہ اور اونٹ کا چلنے سے انکار</u>...... اسی وقت وہ لاشوں والا اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ اب اس کو کھڑا کر کے جب بھی مدینے کی طرف ہانکنا چاہتے وہ فوراً بیٹھ جاتا لیکن جب میدان احد کی طرف اس کا رخ کرتے تو فوراً چلنے لگتا۔ آخر حضرت ہندہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس گئیں اور آپ کو پورا واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا۔

"یہ اونٹ مامور ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے مدینے نہیں جائے گا) اس لئے ان تینوں کو یہیں میدان احد میں دفن کر دو۔!"

پھر آپ نے حضرت ہندہ سے فرمایا۔

"اے ہندہ! جب سے تمہارا بھائی قتل ہوا ہے اس وقت سے اب تک فرشتے اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ کہاں دفن کیا جاتا ہے۔!"

غالباً یہ بات اس اعلان سے پہلے کی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ہر شہید کو اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوا ہے۔ حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے میرے والد حضرت عبداللہ ابن حزام قتل ہوئے تھے جن کو ابوالاعور سلمی نے قتل کیا تھا۔

<u>عائشہ صدیقہ اور ام سلیم زخمیوں کو پانی پلانے پر</u>...... صحیح بخاری میں ہے کہ میدان جنگ میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیم زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں اور اس طرح کہ ہر زخمی کے منہ میں وہ اپنے مشکیزوں سے پانی ڈال دیتی تھیں۔

(پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عائشہ میدان احد کی طرف خیریت معلوم کرنے کے لئے کچھ عورتوں کے ساتھ آرہی تھیں جس کا مطلب ہے کہ وہ میدان احد میں موجود نہیں تھیں) مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے میدان احد میں پہنچنے کے بعد ان کی یہ مصروفیت رہی ہو۔

<u>دو بوڑھوں کا جذبہ جہاد</u>...... مسلم لشکر میں حضرت حذیفہ کے والد یمان اور ثابت ابن وقس عورتوں کے پاس ان خیموں میں تھے کیونکہ یہ دونوں بہت زیادہ بوڑھے تھے اس لئے خود آنحضرت ﷺ نے ہی ان کو لشکر کے پیچھے عورتوں کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ وہاں ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"خدا کی مار۔ آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم اس عمر کو پہنچنے کے بعد اب ہم میں سے کسی کے لئے بھی کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے۔ کیوں نہ ہم اپنی تلواریں اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ

جائیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت کی دولت سے سر فراز فرمادے!"

یہ کہہ کر دونوں نے اپنی تلواریں سنبھالیں اور وہاں سے چل کر اس سمت سے جدھر مشرک تھے مسلمانوں کے ساتھ آملے۔ مسلمانوں کو ان دونوں کے آنے کا حال معلوم نہیں تھا۔ جہاں تک ان میں سے حضرت ثابت کا تعلق ہے توان کو تو مشرکوں نے قتل کر دیااور حضرت یمان کے ساتھ یہ ہوا کہ چونکہ مسلمانوں کو خبر نہیں تھی کہ یہ بھی جنگ میں شامل ہوگئے ہیں اس لئے وہ ان کو مشرکوں کی سمت سے آتا دیکھ کر تلواریں لئے ان پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح بے خبری میں یہ مسلمانوں کے ہی ہاتھوں قتل ہوگئے۔

حضرت یمان کا غلط فہمی میں قتل ...... علامہ سہیلی نے تفسیر ابن عباس کے حوالے سے لکھا ہے کہ یمان کو جس مسلمان نے غلطی سے قتل کیا تھاوہ عتبہ ابن مسعود تھے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی تھے۔ یہی عتبہ ہیں جنہوں نے پہلی بار مصحف یعنی قرآن پاک کا نام مصحف رکھا۔ غرض جیسے ہی مسلمانوں نے حضرت یمان پر حملہ کر کے ان کو قتل کیااور حضرت حذیفہ نے ان کو پہچاناوہ پکار اٹھے کہ یہ تو میرے والد یمان ہیں۔ مسلمانوں نے کہاکہ ہم ان کو قطعاً پہچان نہیں سکے۔ اس واقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ کو ان کے والد کا خون بہا یعنی جان کی قیمت ادا کرنی چاہی مگر حضرت حذیفہؓ نے مسلمانوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ ان کے اس ایثار پر آنحضرت ﷺ کے نزدیک ان کی وقعت اور زیادہ بڑھ گئی۔

حضرت یمان ...... حضرت یمان کا اصل نام حسیل تھا۔ یمان اصل میں ان کے دادا یمان ابن حرث کا نام تھا ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو یمان کہا جانے لگا تھا۔ ان کو یمان کہنے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنی قوم کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد یہ اپنی قوم میں سے بھاگ کر مدینے آگئے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے بنی عبد الاشہل کی پناہ لی اور ان کے حلیف یعنی معاہدہ بردار بن گئے۔ اس پر ان کی قوم نے ان کو یمان کہنا شروع کر دیا کیونکہ انہوں نے یمانیوں یعنی مدینے والوں سے معاہدہ کر لیا تھا۔

حضرت حذیفہؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ زندہ انسانوں میں مردہ شخص کون ہے۔ توانہوں نے کہا۔

"وہ شخص جو کہ برائی کو اپنے ہاتھوں، اپنی زبان اور اپنے دل سے برانہ سمجھے۔!"

کشاف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ جبکہ انکے باپ مسلمان نہیں ہوئے تھے آنحضرت ﷺ سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی جو مشرکوں کی صف میں تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"تم انہیں نہ چھیڑو۔ ان سے تمہارے علاوہ کوئی دوسر انمٹ لے گا۔!"

یہاں تک کشاف کا حوالہ ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ کون سے غزوہ کا واقعہ ہے۔ پیچھے حضرت یمان کے متعلق جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انصاری تھے اور بنی عبد الاشہل کے حلیف تھے مگر ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ کسی بھی انصاری نے اسلام قبول کرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ سے جنگ کی ہو لہٰذا تفسیر کشاف نے جو واقعہ لکھا ہے وہ قابل غور ہے۔

قریشی عورتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ ...... غرض جب اچانک مسلمانوں کو احد میں شکست ہو گئی اور وہ منتشر ہوگئے تو ابو سفیان کی بیوی ہندہ اور دوسری وہ عورتیں جو قریشی لشکر کے ساتھ آئی تھیں میدان جنگ میں مسلمانوں کی لاشیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا مثلہ کرنے یعنی ان کے کان، ناک اور آنکھ کاٹنے

لگیں وہ ان اعضاء کو کاٹ کر ان کے ہار بناتیں اور گلے میں ڈالتیں۔

شیر خدا حمزہ کا جگر ہندہ کے منہ میں...... ابو سفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچی۔ اس نے شیر خدا کا پیٹ چاک کر کے اس میں سے ان کا جگر نکالا اور اس کو منہ میں ڈال کر دانتوں سے چبایا مگر وہ اس کو نگل نہ سکی۔ آخر اس نے چبا کر اس کو اگل دیا۔ ہندہ نے دراصل پہلے سے یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر حضرت حمزہ پر اس کا قابو چل گیا تو ان کا جگرہ کھائے گی، رسول اللہ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا تھا تو آپ نے پوچھا۔

"کیا اس نے کچھ حصہ کھا بھی لیا ہے۔!"

لوگوں نے کہا نہیں وہ کھا نہیں سکی۔

حضرت حمزہ کا بلند مقام...... آپ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے جہنم پر حرام کر رکھا ہے کہ حمزہ کے گوشت کا کوئی حصہ بھی چھو سکے۔"

(ی) یعنی اگر ہندہ ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی کھا لیتی یعنی اس کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو ہندہ کو جہنم کی آگ نہ چھو سکتی۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اگر ان کا ذرا سا گوشت بھی ہندہ کے پیٹ میں پہنچ جاتا تو ہندہ کو جہنم کی آگ نہ چھو سکتی کیونکہ حق تعالیٰ نے حمزہ کو یہ عزت عطا فرمائی ہے کہ ان کے جسم کا کوئی جز بھی جہنم میں داخل نہیں ہو گا۔

مگر میں نے سیرت کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ہندہ نے حضرت حمزہ کا کلیجہ بھون کر اس میں سے کچھ حصہ کھا لیا تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ یہاں کھانے سے مراد صرف چبانا ہے نگلنا نہیں ہے۔

وحشی کو ہندہ کا انعام...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکالنے والا خود وحشی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ اس نے ان کا جگر نکالا اور اسے لے کر ہندہ کے پاس آیا۔ پھر اس نے ہندہ سے کہا۔

"اگر میں تمہارے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا۔"

ہندہ نے کہا۔ میرے جسم کا تمام سامان اور لباس وغیرہ۔

وحشی نے کہا۔ تو سنبھالو یہ حمزہ کا جگر ہے۔!"

ہندہ کے گلے میں حمزہ کی آنکھ ناک اور کانوں کا ہار...... ہندہ نے اسی وقت وحشی کو اپنا لباس اور زیورات دے دیئے جو وہ پہنے ہوئے تھی۔ ساتھ ہی اس نے وعدہ کیا کہ مکے پہنچ کر وہ دس دینار مزید دے گی۔ اسکے بعد وحشی اس کو وہاں لایا جہاں حضرت حمزہ کی لاش پڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر ہندہ نے لاش کی ناک اور کان کاٹے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس نے لاش کے مردانے اعضاء کاٹے اور اس کے بعد ناک اور کان کاٹے۔ پھر اس نے اعضاء کے ہار اور کنگن بنا کر ہاتھوں اور گلے میں پہنے وہ ان کو پہنے پہنے ہی مکہ تک پہنچی۔

ابو حیان کی کتاب نہر میں ہے کہ وحشی کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا مگر جب اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ اس وقت وحشی کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت اور افسوس ہوا۔

ہندہ کی خوشی اور ابو سفیان کا اعلان فتح...... اس کے بعد ہندہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھی جہاں کھڑے ہو کر اس نے اس خوشی میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چند شعر پڑھے۔ اسکے بعد اس کا شوہر ابو سفیان پہاڑ پر چڑھا بخاری میں یہی لفظ ہیں کہ وہ پہاڑ کے اوپر چڑھا۔ مگر ایک روایت میں ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں تھا۔ ممکن ہے دونوں ہی باتیں رہی ہوں کہ پہلے اس نے نیچے سے آواز لگائی اور پھر اوپر چڑھا ہو۔ غرض پھر ابو سفیان پوری آواز سے چلا کر کہنے لگا۔

"ہمارا نیک شگون صحیح نکلا۔ جنگ ایک ہار جیت کی بازی ہے۔ (ی)اور بازی کبھی تمہاری ہے تو کبھی ہماری ہے۔ آج جنگ احد میں جنگ بدر کا بدلہ چکا دیا گیا۔!"

ابو سفیان اور پانسہ کے تیر...... یہاں ابو سفیان نے انعمت کا لفظ استعمال کیا ہے یہ لفظ خود اپنے آپ کو مخاطب کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور فال کے تیروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے (جیسا کہ جاہلیت کے دور میں عربوں کا دستور تھا کہ خانہ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے جو پانسہ کے تیر کہلاتے تھے جن کو عربی میں ازلام کہا جاتا ہے۔ ان پر مختلف جملے لکھے ہوئے تھے مثلاً ایک پر لکھا ہوا تھا۔ "کرو"۔ اور ایک پر لکھا ہوا تھا۔ "مت کرو"۔ قریش کوئی کام کرنے سے پہلے ان تیروں کا پانسہ ڈالا کرتے تھے۔ اگر پانسہ میں وہ تیر آگیا جس پر۔ کرو۔ لکھا ہوا تھا تو وہ اسں یقین سے کرتے تھے کہ کامیاب ہوں گے اور وہ تیر آگیا جس پر "مت کرو" لکھا ہوا تھا تو اس یقین کے ساتھ رک جاتے تھے کہ اس کام میں کامیابی نہیں ہوگی) ابو سفیان جنگ اُحد کیلئے کوچ کرنے لگا تھا تو اس نے ان تیروں کا پانسہ ڈالا تھا اور وہ تیر نکلا تھا جس پر "کرو" لکھا ہوا تھا۔

آگے ابو سفیان نے فعال کا لفظ بولا ہے اس میں فَ پر زبر ہے اور یہ کلمہ کا جز نہیں بلکہ لفظ عال ہے مراد یہ ہے کہ یہ معاملہ پانسہ اندازی یا نفس کی ملامت سے بالاتر ہو گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ عال عنی یعنی مجھ سے بلند تر ہو گیا۔

جنگ ایک بازی ہے...... ایک روایت میں ابو سفیان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ

"کوئی دن تمہارا ہے تو کوئی دن ہمارا ہے۔ ایک دن ہم غمگین ہیں تو ایک دن مسرور و مطمئن بھی ہوتے ہیں۔ آج حنظلہ کے بدلے میں حنظلہ اور فلاں کے بدلے میں فلاں کا سب حساب چکا دیا گیا ہے۔"

ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنگ ایک بازی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ۱۳۰

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ، وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَا وِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ـ الآیہ پ ۴۔ سورہ آل عمران ع ۱۴ آیت

ترجمہ: اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ان ایام کو لوگوں کے درمیان اولتے بدلتے رہا کرتے ہیں۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے۔

غرض اس کے بعد ابو سفیان نے پکار کر کہا جس سے مسلمانوں کو سنانا مراد تھا۔

مثلہ لاشوں کے متعلق ابو سفیان کا خطاب...... "تمہیں لوگوں میں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ اپنے مقتولوں میں کچھ لاشیں مثلہ کی ہوئی بھی ملیں گی۔ مگر اس کے لئے میں نے حکم نہیں دیا تھا نہ ہی مجھے اس بات سے کچھ خوشی ہوئی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ خدا کی قسم اس حرکت پر نہ تو میں خوش ہوا اور نہ ناراض ہی ہوں۔ نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ کرنے والوں کو اس سے منع کیا۔ نہ میں نے اسے پسند کیا اور نہ ناپسند کیا۔ نہ مجھے یہ ناگوار گزرا اور نہ خوشگوار ہی معلوم ہوا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تم اپنے مقتولوں میں

نہ ناک کان کٹی لاشیں پاؤ گے جو ہمارے سرداروں کی رائے سے نہیں کیا گیا۔"

اس کے بعد ابو سفیان میں جاہلیت کی ہرک اور حمیت کا جذبہ بیدار ہوا اور وہ کہنے لگا۔

"لیکن اگر یہ ایسا ہی ہوتا تو بھی ہم اس بات کو ناپسند نہ کرتے۔!"

شیر خدا کی لاش پر ابو سفیان کی بہادری...... ابو سفیان کے سامنے سے احابیش کا سردار حلیس گزرا اس وقت ابو سفیان حضرت حمزہؓ کی چاک شدہ لاش میں نیزہ کی نوک مار مار کر کہہ رہا تھا۔

ذُق عقق۔ ہماری مخالفت کرنے کا مزہ چکھ۔ اے اپنی قوم کو چھوڑنے والے شخص اپنی اس حرکت کو بھگت۔!"

اس طرح گویا ابو سفیان نے حضرت حمزہ کے اسلام کو ایک بے مقصد اور نافرمانی کی بات قرار دیا۔ حلیس نے ابو سفیان کی یہ حرکت دیکھی تو بنی کنانہ سے کہا۔

ابو سفیان پر بنی کنانہ کا طعن......اے بنی کنانہ! دیکھو یہ قریش کا سردار ہے۔ جو اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ یہ برتاؤ کر رہا ہے۔!"

ابو سفیان (کو اس وقت اپنی اس پست اور گری ہوئی حرکت کا احساس ہوا اور اس) نے کہا۔

"اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ واقعی یہ ایک نیچ حرکت ہے۔!"

پھر ابو سفیان نے بلند آواز سے کہا۔

ابو سفیان کا نعرہ ہبل...... ہبل زندہ باد۔ تیرا دین سربلند ہوا۔ یہ اسی طرح سربلند ہوتا رہے۔!

آنحضرت ﷺ کی طرف سے جواب...... آنحضرت ﷺ نے ابو سفیان کا یہ جملہ سنا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا عمر اٹھو اور اس کی بات کا جواب دو۔ اور کہو کہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سربلند و برتر ہے۔ ہماری تمہاری کوئی بات برابر نہیں ہے۔ ہمارے شہید جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں۔!"

(حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے یہ جملے کہہ کر ابو سفیان کو سنا دیئے تو) ابو سفیان نے ادھر سے پکار کر کہا۔

"تو تم اب بھی یہ سمجھتے ہو کہ ہم ہی رسوا اور خوار ہوئے ہیں۔!"

ہبل کے بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ ایک بت تھا اور اس پر تفصیلی کلام بھی ہو چکا ہے۔ علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ اب یہ ہبل نامی بت حرم کے باب بنی شیبہ کے نچلے چوکھٹ میں نصب ہے جہاں سے داخل ہونے والے لوگ اس کو پامال کرتے ہوئے اندر جاتے ہیں۔ بادشاہوں نے اس کو وہاں رکھوا کر اس کے اوپر فرش کرا دیا ہے۔

ابو سفیان و عمر فاروقؓ کا مکالمہ...... غرض اس کے بعد ابو سفیان نے پکار کر مسلمانوں سے کہا۔

"ہمارا عزیٰ ہے جبکہ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں ہے۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"ہمارا والی و آقا اللہ تعالیٰ ہے جب کہ تمہارا کوئی ایسا آقا نہیں ہے۔!"

ابو سفیان آنحضرت ﷺ کے قتل کی غلط فہمی میں...... (ابو سفیان ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ ہم محمد ﷺ کو قتل کر چکے ہیں۔ ادھر یہاں سے اس کی باتوں کا جواب بھی آنحضرت ﷺ کے بجائے حضرت عمرؓ دے رہے تھے۔ اس سے اس کو اور زیادہ یقین ہوا) آخر اس نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ عمر! ذرا سامنے آؤ۔

آنحضرت ﷺ نے فاروق اعظمؓ کو حکم دیا کہ اس کے سامنے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ ابوسفیان کے سامنے آئے تو اس نے فاروق اعظمؓ سے کہا۔

"عمر! کیا واقعی ہمارے کسی شخص نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔"

<u>**حقیقت کا انکشاف**</u>...... حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"ہرگز نہیں۔ بلکہ اس وقت حضور ﷺ تیری باتیں سن رہے ہیں!"

(واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر ابن قمہ نے اڑائی تھی۔ ابوسفیان نے کہا۔

"تم میرے نزدیک ابن قمہ سے زیادہ سچے اور قابل یقین ہو۔!"

ابن قمہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر اس لئے اڑائی تھی کہ وہ آپ کی تاک میں آگے بڑھا تھا مگر آنحضرت ﷺ کے بجائے اس کے سامنے حضرت مصعب ابن عمیر آئے ابن قمہ نے ان کو قتل کر دیا اور یہ سمجھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ وہاں سے لوٹ کر اس نے سب سے کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

<u>**ابوسفیان کی غلط فہمی کا سبب**</u>...... ایک روایت میں ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے متعلق اس افواہ کے بعد) ابوسفیان نے پکار پکار کر با آواز بلند کہا۔

"کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ موجود ہیں۔ کیا تم لوگوں میں محمد ﷺ موجود ہیں۔۔"

ابوسفیان نے تین مرتبہ یہ اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سنی مگر آپ نے صحابہ کو اس کا جواب دینے سے روک دیا۔

پھر ابوسفیان نے پکار کر پوچھا کہ۔ کیا تم لوگوں میں ابن ابو قحافہ یعنی ابو بکر موجود ہیں۔ یہ اعلان بھی اس نے تین مرتبہ کیا۔ پھر اس نے کہا۔ کیا تم لوگوں میں عمر موجود ہیں۔ یہ آواز بھی اس نے تین مرتبہ لگائی۔ ایک روایت میں ابوسفیان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ ابن ابوکبشہ کہاں ہیں۔ ابن ابو قحافہ کہاں ہیں۔ ابن خطاب کہاں ہیں۔ (مگر ابوسفیان کو ان میں سے کسی بات کا جواب نہیں ملا تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"جہاں تک ان تینوں کا معاملہ ہے تو یہ تو سب کے سب قتل ہو چکے ہیں اور تم نے ان کا کام تمام کر دیا ہے کیونکہ اگر یہ لوگ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔!"

ابوسفیان کا یہ جملہ حضرت عمرؓ نے سن لیا تو وہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے وہیں سے پکار کر کہا۔

"اے اللہ کے دشمن۔ خدا کی قسم تو بکتا ہے۔ جن جن لوگوں کو تو کہہ رہا ہے وہ سب زندہ ہیں اور تیری تباہی کے لئے باقی ہیں۔!"

<u>**ابوسفیان کا اگلے سال میدان جنگ میں ملاقات کا وعدہ**</u>...... اس کے بعد ابوسفیان نے پکار کر مسلمانوں سے کہا۔

"اچھا۔ تو آئندہ میدان بدر میں ہم تم پھر ملیں گے۔!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے ایک شخص سے فرمایا۔

"کہہ دو کہ ہاں ہمارا تمہارا ملنے کا وعدہ رہا۔"

پھر جب قریشی لشکر میدان احد سے واپس روانہ ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب

کو۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو ان کے پیچھے جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔
دشمن کی واپسی اور حضرت علیؓ کو تعاقب کا حکم...... "دشمن کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو اپنے ساتھ ہانکتے ہوئے لے جارہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ مکے ہی جارہے ہیں لیکن اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو برابر میں ہانک رہے ہیں تو سمجھو کہ وہ مدینے جارہے ہیں۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینے کا رخ کیا تو میں ہر قیمت پر مدینے پہنچ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔!"
مدینہ پر حملہ کا ارادہ اور صفوان کی مخالفت...... حضرت علیؓ یا حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پیچھے یہ دیکھنے کو روانہ ہوا کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو برابر میں ہانکتے ہوئے مکے کی طرف کوچ کر گئے۔ اس سے پہلے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا اور کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ یہاں سے مدینے پر چڑھائی کر کے لوٹ مار کی جائے۔ مگر صفوان ابن امیہ نے انہیں اس سے روکا اور کہا۔

معلوم نہیں تم ہی کیسی لپیٹ میں آجاؤ لوگ اپنے مقتولوں کی وجہ سے ویسے ہی پریشان ہیں!"
ابن ربیع کے متعلق تحقیق حال کا حکم...... ادھر مسلمان اپنے مقتول کی وجہ سے پریشان تھے۔ آنحضرت ﷺ ان سے فرمایا۔
"کوئی ہے جو جا کر سعد ابن ربیع کا حال معلوم کر کے آئے۔ آیا وہ زندہ ہے یا مردہ ہے۔۔ ایک روایت میں آگے یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ کیونکہ میں نے اس کے اوپر تلواریں چمکتے ہوئے دیکھی تھیں۔!"
ابن ربیع کو نبی کا سلام...... اس پر ایک انصاری مسلمان یعنی ابی ابن کعب نے کہا۔ اور ایک قول کے مطابق وہ محمد ابن مسلمہ تھے۔ نیز ایک قول کے مطابق زید ابن حارثہ تھے اور ایک قول کے مطابق کوئی اور تھے۔ ممکن ہے آپ نے ان سب کو ہی بھیجا ہو۔ بہر حال ان میں سے کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں جا کر دیکھتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے ان جانے والے شخص سے فرمایا۔
"اگر تم سعد ابن ربیع کو زندہ پاؤ تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ ﷺ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں ہو۔!"
لب دم حالت میں ابن ربیع کی دریافت...... یہ انصاری مسلمان حضرت سعدؓ کی تلاش میں گئے تو ایک جگہ انہوں نے سعدؓ کو زخموں سے چور پڑا پایا اس وقت تک ان میں زندگی کی کچھ رمق اور آثار باقی تھے۔ انہوں نے فوراً ہی حضرت سعدؓ سے کہا۔
"مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تمہارا حال معلوم کروں کہ آیا تم زندوں میں ہو یا مردوں میں ہو۔!"
ابن ربیع کا نبی کو سلام اور قوم کو پیغام...... حضرت سعدؓ نے کہا۔
"میں اب مردوں ہی میں ہوں۔ میرے جسم پر نیزوں کے بارہ زخم لگے ہیں میں اس وقت تک لڑتا رہا جب تک مجھ میں سکت باقی تھی۔ اب تم رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ ابن ربیع آپ ﷺ کے لئے عرض کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہی بہترین جزاء عطا فرمائے جو ایک امت کی طرف سے اس کے نبی کو مل سکتی ہے۔ نیز اپنی قوم کو بھی میرا سلام پہنچا دینا اور ان سے کہنا کہ سعد ابن ربیع تم سے کہتا

ہے کہ اگر ایسی صورت میں تم نے دشمن کو اللہ کے نبی تک پہنچنے دیا کہ تم میں جھپکنے والی ایک آنکھ۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ہلنے والا ایک بھی ہونٹ موجود ہے۔ یعنی ایک شخص بھی زندہ موجود ہے تو اس جرم کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔"

ابن ربیع کا دم واپسیں...... یہ کہنے کے چند ہی لمحوں بعد حضرت سعد ابن ربیع کا دم آخر ہو گیا۔ وہ انصاری شخص کہتے ہیں کہ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپکو سعد ابن ربیع کے متعلق ساری تفصیل بتلائی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے سعد ابن ربیع کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ لاشوں کے درمیان ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ حضرت سعدؓ نے جو زخمی پڑے تھے اس شخص سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم کس کی تلاش میں ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا حال معلوم کر کے آپ کو اطلاع دینے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر حضرت سعد نے وہی سب کہا جو بیان ہوا۔

پروانہ نبوت کا سوز و گداز عشق...... ایک روایت میں یوں ہے کہ محمد ابن مسلمہ سعدؓ کی تلاش میں آئے اور انہوں نے لاشوں کے درمیان کھڑے ہو کر لور کئی بار سعد ابن ربیع کہہ کر پکارا مگر انہیں جواب نہ ملا۔ آخر انہوں نے پکار کر کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا حال معلوم کرنے کیلئے بھیجا ہے۔ اس پر حضرت سعد ابن ربیع نے نہایت کمزور آواز میں ان کو جواب دیا۔ ایک روایت میں حضرت سعد ابن ربیع کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"اپنی قوم سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ سعد ابن ربیع کہتا ہے۔ اللہ اللہ۔ تم نے عقبہ کے مقام پر اس رات رسول اللہ ﷺ کو کیسے کیسے عہد دیئے تھے۔ ان وعدوں اور اس عہد کے بعد اب خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جا سکتا۔"

(مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے میں عقبہ کی گھاٹی میں مدینے کے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو جو بڑے بڑے عہد دیئے تھے انکے بعد اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ کسی بھی موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑیں۔ اور جنگ احد کی اس آزمائش میں انہیں اس وقت تک آنحضرت ﷺ کا ساتھ دینا واجب ہے جب تک کہ ان کے جسموں میں خون کا آخری قطرہ بھی باقی ہے)۔

ابن ربیع کے متعلق کلمات رسول ﷺ...... جب آنحضرت ﷺ کو ان کے متعلق تفصیلات معلوم ہو گئیں تو آپ نے ان کے حق میں فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ اس نے صرف اللہ اور رسول کے لئے زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں نصیحتیں کیں۔"

ابن ربیع کے پسماندگان...... حضرت سعد ابن ربیعؓ نے پسماندگان میں دو بیٹیاں چھوڑی تھیں آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد کی میراث میں سے ان دونوں کو دو تہائی حصہ دیا چنانچہ قرآن پاک میں میراث سے متعلق جو آیت ہے آنحضرت ﷺ کا یہ فیصلہ گویا اس آیت کی عملی تفسیر تھا۔ وہ آیت یہ ہے۔

فَاِنْ كُنَّ نِسَاۤءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ الآیہ پ ۴ سورہ نساء ع ۲ آیت ۱۱

ترجمہ: اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے۔

یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی تھی کہ دو بیٹیاں ہوں یا دو سے زائد ہوں۔ چونکہ یہ قرآن پاک کا

صاف حکم ہے اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں رہتی کہ دو بیٹیوں کو دو بہنوں پر قیاس کرتے ہوئے صرف اس لئے ان کا حکم یکساں مانا جائے کہ جب دونوں صورتوں میں اکیلی کو آدھا ملتا ہے تو دو دو کی صورت میں بھی دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔

خلفاء رسول ﷺ کے دلوں میں ابن ربیع کا احترام...... ان کی ایک صاحبزادی ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں آئیں تو انہوں نے ان خاتون کے بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ اسی وقت وہاں حضرت عمر فاروقؓ تشریف لے آئے فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ سے ان خاتون کے بارے میں پوچھاکہ یہ کون ہیں تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

"یہ اس شخص کی بیٹی ہیں جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا۔!"

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

"اے خلیفہ رسول وہ کون شخص تھا۔"

صدیق اکبر کی زبانی بنت ربیع کا تعارف...... صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔

"وہ شخص وہ تھا جو (سبقت کر کے) جنت نشین بھی ہو گیا اور میں اور تم رہ گئے یہ سعد ابن ربیعؓ کی بیٹی ہیں۔!"

آنحضرت ﷺ حمزہؓ کی نعش کی تلاش میں...... غرض اس کے بعد جبکہ جنگ ختم ہو چکی تھی اور مشرکین جا چکے تھے آنحضرت ﷺ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی نعش کی تلاش میں نکلے۔ اسی وقت ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔

شیر خدا کی آخری دعا...... "میں نے ان کو ان چٹانوں کے قریب دیکھا تھا۔ اس وقت وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں اللہ کا شیر ہوں اور اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے ان باتوں اور ان مقاصد سے برات و بیزاری کا اعلان کرتا ہوں جن کو لے کر ابو سفیان اور اس کے ساتھی اس لشکر کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ اور میں تیرے سامنے ان لوگوں کی اس حرکت پر معذرت پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس شکست کی صورت میں کی ہے۔!"

انس ابن نضر کی یہی دعا...... یہی دعا حضرت انس ابن نضر کے متعلق بھی نقل کی جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے خادم حضرت انس ابن مالک کے چچا تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور اس پر انہیں بے حد افسوس تھا۔ اس کے بعد غزوہ احد ہوا اور مسلمانوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ انہوں نے غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا۔

"یارسول اللہ! میں مسلمانوں کے اولین غزوہ میں شریک ہو کر مشرکوں سے جنگ نہ کر سکا۔ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکوں کے مقابلے میں لڑنے کا کوئی موقعہ عطا فرمایا تو میں دکھاؤں گا کہ میں کیا کرتا ہوں!"

پھر غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست (اور صحابہ کے آنحضرت ﷺ کے پاس سے تتر بتر) ہو جانے پر انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ان لوگوں یعنی صحابہ نے جو کچھ کیا اس کے لئے میں تیرے سامنے معذرت پیش کرتا ہوں اور ان لوگوں یعنی مشرکوں نے جو کچھ کیا اس سے میں تیرے سامنے برأت و بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔

نبی کے قتل کی افواہ پر انسؓ کا رد عمل...... جب ان انس ابن نضر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی خبر سنی تو

مجاہدوں سے کہا۔

"آنحضرت ﷺ کے بعد اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ چلو تم بھی اسی مقصد کے لئے مرجاؤ جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے!"

یہ خلد آشیاں روحیں...... یہ کہہ کر حضرت انسؓ دشمن پر جھپٹے اور حضرت سعد ابن معاذ سے بولے۔

"دیکھو یہ جنت نظر آتی ہے۔ رب کعبہ کی قسم مجھے احد کے پاس سے اس کی خوشبوئیں آرہی ہیں!"

اس کے بعد انہوں نے نہایت خون ریز جنگ کی یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے جن میں تلوار کے بھی تھے، برچھے کے بھی تھے، نیزے کے بھی تھے اور تیروں کے بھی۔

انسؓ کی لاش کا مثلہ...... جب یہ قتل ہوگئے تو مشرکوں نے ان کی لاش کو مثلہ کیا یعنی اس کے کان اور ناک آنکھ کاٹ ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بہن ربیع ان کو صرف ان کی انگلیوں کی وجہ سے پہچان سکیں ورنہ پہچاننے کی اور کوئی صورت نہیں تھی۔

ان حضرت انس ابن نضر کے بھتیجے حضرت انس ابن مالک اس آیت کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا لآیہ

پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۳ آیت ۲۳

ترجمہ: ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہدہ کیا تھا اس میں سچے اترے پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کرچکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

چچا کی مثلہ شدہ لاش پر نبی کی افسردگی...... جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے کہا کہ یہ انس ابن نضر اور مومنین میں ان جیسوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

غرض اس شخص کے بتلانے پر رسول اللہ ﷺ ان چٹانوں کی طرف چلے جہاں اس نے حضرت حمزہؓ کو دیکھا تھا۔ آخر وادی کے عین درمیان میں آپ کو شیر خدا کی لاش اس حالت میں ملی کہ ان کا پیٹ چاک تھا اور لاش کو مثلہ کر دیا گیا تھا یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے تھے نیز ان کے مردانہ اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ منظر اس قدر اندوہناک تھا کہ ایسی قلبی اذیت آپ کو کبھی کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی۔ پھر آپ نے لاش کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"آپ سے زیادہ اندوہناک حادثہ کسی کو نہیں پیش آیا۔ اس جیسا تکلیف دہ منظر میں نے کوئی نہیں دیکھا!"

دشمن کی لاشیں مثلہ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی قسم...... اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"آپ پر حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔ میں نے آپ کو ہمیشہ نیکوکار اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والا پایا۔ خدا کی قسم میں آپ کے بدلے ان کے ستر آدمیوں۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ تیس آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور موقعہ پر مجھے قریش پر غلبہ عطا فرمائے گا تو میں آپ کے بدلے ان کے ستر آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔"

آنحضرت ﷺ کے شدید رد عمل پر صحابہ کرام کا جوش!...... جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا کے لئے اس قدر حزین و غمگین دیکھا تو انہوں نے کہا۔

"اگر زمانے میں کبھی حق تعالیٰ نے ہمیں قریش پر غلبہ عطا فرمایا تو بے شک ہم لوگ ان کی لاشوں کو اس

طرح مثلہ کریں گے کہ سرزمین عرب میں آج تک کبھی کسی نے اس طرح کسی لاش کو مثلہ نہیں کیا ہوگا۔!"

قسم پر وحی کا نزول...... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیات نازل فرمائی۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۔ الآیہ پ ۱۴ سورہ نحل ع ۱۶ آیت ۱۲۶

ترجمہ: اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔ اور صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوجیے۔

نبی کی طرف سے عفو اور قسم کا کفارہ...... اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کو معاف فرمادیا اور آپ نے صبر فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے لاشوں کو مثلہ کرنے کی مسلمانوں کو ممانعت فرمادی۔ نیز آپ نے حضرت حمزہ کا بدلہ لینے کے لئے جو قسم کھائی تھی اس کا کفارہ ادا کردیا۔

ان آیتوں کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی ایک جماعت کو قتل کرا کے ان کی لاشوں کا مثلہ کرایا تھا کیونکہ انہوں نے بے وجہ چند مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گی۔

علامہ ابن کثیر نے جہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیتیں مکے میں نازل ہوئی تھیں جبکہ غزوہ احد کا واقعہ مدینے میں ہجرت کے تین سال بعد پیش آیا لہٰذا ان آیتوں کو اس واقعہ کے ساتھ کیسے جوڑا جاسکتا ہے۔ یہاں علامہ کا حوالہ ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیات ان میں سے ہوں جو ایک سے زائد مرتبہ نازل ہوئیں۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے۔

چچا کی لاش پر گریہ بے اختیار...... حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو اتنا روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا جتنا آپ حضرت حمزہؓ پر روئے۔ آپ نے لاش کو قبلہ رو کر کے دیکھا پھر آپ جنازے کے پاس کھڑے ہوگئے اور اس قدر زاروقطار روئے کہ آپ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔ اس وقت آپ لاش کو مخاطب کر کے کہتے جاتے تھے۔

"اے رسول خدا کے چچا۔ اے اللہ کے شیر۔ اے رسول خدا کے شیر۔ اے حمزہ۔ اے نیکیوں کے کرنے والے۔ اے حمزہ۔ اے برائیوں کو کھونے والے۔ اے رسول خدا کے محافظ۔!"

یعنی آپ نے یہ کلمے اس وقت نہیں فرمائے جبکہ آپ رو رہے تھے لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو وہ نوحہ و شیون ہے جو حرام ہے۔ بلکہ یہ میت کی خوبیوں کو گنانا تھا کیونکہ وہ نوحہ و ماتم جو حرام ہے رونے کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بات جاہلیت کے دور کی وہ فغان و ماتم بھی نہیں تھی جو اسلام میں ناپسندیدہ سمجھی گئی ہے کیونکہ اس صورت میں میت کا ولی مردے کے سرہانے کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر اور بین کر کر کے مردے کی خوبیاں بیان کیا کرتا تھا جس کو ندا کہا جاتا تھا کیونکہ ایسے موقعہ پر یوں ندا کرنا ناپسندیدہ اور ناجائز فعل ہے کیونکہ وہ ندا فخر و غرور اور تعظیم کے لئے کی جاتی تھی کسی نیک مقصد کے لئے نہیں ہوتی تھی کہ اس کی خوبیاں سن کر لوگ ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

اہل فلک میں حمزہ کی شہرت...... پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل نے آکر مجھے بتلایا کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں میں حمزہ کا نام جو مکتوب ہے وہ یوں ہے۔"حمزہ ابن عبد المطلب اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں۔"

بہن کو لاش نہ دکھانے کی کوشش...... پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو جو حضرت حمزہ کی بہن تھیں حضرت حمزہ کی لاش نہ دیکھنے دیں (کیونکہ ان کی لاش کی اس قدر بے حرمتی ہو چکی تھی کہ اس کو دیکھ کر وہ قابو میں نہ رہ سکتی تھیں) چنانچہ حضرت زبیر نے اپنی والدہ کے پاس جا کر ان سے کہا۔

"ماں۔! رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔!"

اس پر حضرت صفیہ نے بیٹے کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

شیر دل بھائی کی شیر دل بہن...... "کیوں آخر۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے بھائی کی لاش کو مثلہ کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ سب کچھ خدا کی راہ میں ہے لہذا مجھے اس حرکت سے زیادہ یہ بات عزیز ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔ یعنی میں اس پر دوسروں سے زیادہ راضی برضا ہوں۔ میں انشاء اللہ اس حادثہ پر صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہیں دوں گی۔"

حضرت زبیر یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپکو ان کی گفتگو بتلائی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا! انہیں آنے دو۔ چنانچہ حضرت صفیہ نے آکر بھائی کی لاش دیکھی۔ اناللہ پڑھی اور پھر ان کیلئے مغفرت کی دعا کی۔

صفیہ کے صبر و ثبات کے لئے نبی کی دعا...... ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صفیہ کی ملاقات حضرت علی اور حضرت زبیر سے ہوئی۔ انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ حمزہ کا کیا ہوا انہیں حضرت صفیہ کی حالت پر رحم آیا اور انہوں نے ان سے یہ ظاہر کیا گویا ان کو معلوم نہیں ہے۔ تب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے صفیہ کی ذہنی حالت دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر رکھا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد جب حضرت صفیہ نے بھائی کی لاش دیکھی تو اناللہ پڑھی اور رونے لگیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی اور حضرت زبیر نے ان کو دیکھنے سے روکا تو انھوں نے کہا

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک رسول اللہ ﷺ سے نہ مل لوں۔!"

پھر جب وہ آنحضرت ﷺ سے ملیں تو کہنے لگیں۔

"یا رسول اللہ! میرا ماں جایا حمزہ کہاں ہے۔"

آپ نے فرمایا وہ لوگوں کے درمیان میں ہیں۔ یہ سن کر وہ غم واندوہ کی ماری کہنے لگیں کہ جب تک میں ان کو ایک نظر نہ دیکھ لوں گی ہرگز یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی۔ اس پر حضرت علی اور حضرت زبیر نے ان کو پکڑ لیا اور وہاں جانے سے روکنے لگے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ انہیں جا کر دیکھ آنے دو۔ چنانچہ وہ سیدھی لاش کے پاس گئیں اور اسے دیکھ کر بے اختیار رو پڑیں۔ آنحضرت ﷺ ان کو روتے سسکتے دیکھتے تو خود بھی رونے لگتے۔ آخر آپ نے اپنی چادر سے لاش کو ڈھکوا دیا۔

کفن کی جستجو اور دو انصاریوں کی پیشکش......ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا ان کیلئے کوئی کفن

یعنی ڈھکنے کو چادر نہیں ہے۔ اس پر ایک انصاری شخص آگے بڑھا اور اس نے اپنی چادر ڈال کر لاش کو ڈھانپ دیا۔ پھر ایک دوسرا شخص اٹھا اور اس نے بھی اپنی چادر میت پر ڈال دی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔

"جابر! ان میں سے ایک چادر تمہارے والد کے لئے ہوگی اور دوسری میرے چچا کے لئے رہے گی۔!"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت جابر کے والد کی لاش بھی دفن نہیں کی گئی تھی مگر یہ بات گزشتہ تفصیل کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ حضرت حمزہ کے لئے دو چادریں لے کر آئی تھیں۔ پھر ان میں سے ایک حضرت حمزہ کے لئے استعمال کی گئی اور دوسری ایک انصاری شہید کے لئے استعمال کی گئی۔ غالباً وہی حضرت جابرؓ کے والد ہوں گے۔

غالباً ایسا ہوا ہے کہ (پہلے ان دو آدمیوں نے اپنی چادریں حضرت حمزہ پر ڈھانپ دیں جن میں سے ایک آپ نے حضرت حمزہ کے لئے رکھ کر دوسری ایک انصاری شہید کے لئے رکھ لی) پھر جب حضرت صفیہ دو چادریں لے کر آگئیں تو آپ نے ان دونوں آدمیوں کی دی ہوئی چادریں چھوڑ دیں اور ان کی دو چادریں ان دونوں شہیدوں کے لئے لے لیں۔

بے سر و سامانی...... ایک روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ کو ایک دھاری دار چھوٹے سے اونی کپڑے میں کفن دیا گیا۔ وہ کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ اگر اس سے سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر چادر سے سر ڈھانک دیا گیا اور پیروں پر تنکے وغیرہ اور چھال ڈال کر انہیں ڈھانپ دیا گیا۔ ایک روایت میں پیروں پر ڈالنے کے لئے جو چیز استعمال کی گئی اس کو حرمل کہا گیا ہے۔

شہیدوں کا کفن...... اب اگر ان دونوں روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ مشہور روایت یہی ہے کہ ایک چھوٹے سے اونی کپڑے کا کفن دیا گیا تھا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بڑی چادر کے مقابلے میں اس چھوٹے سے کپڑے کو اس لئے ترجیح دی کہ اس پر شہادت کا خون لگا ہوا تھا (یعنی یہ کپڑا یا چھوٹی چادر خود حضرت حمزہؓ کی ہی تھی جو وہ اس وقت اوڑھے ہوئے تھے جب ان کو شہید کیا گیا) تو غالباً آنحضرت ﷺ نے ان کو اس کپڑے میں اس لئے کفنایا کہ ان پر کسی کا کوئی احسان نہ رہے۔ پہلی بات کی تائید آگے آنے والی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ شہیدوں کو ان ہی کپڑوں میں کفنا دیا گیا تھا جن کو پہنے ہوئے وہ قتل ہوئے تھے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے کیونکہ اس واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ضرور تا کیا گیا تھا۔ آگے جو روایات آرہی ہیں ان سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے اور تردید بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہی رہتی ہے۔

مصعبؓ ابن عمیر کا کفن...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف سے روایت ہے کہ احد کے دن مصعب ابن عمیر قتل ہوئے اور ان کو کفن کے لئے ایک اتنا چھوٹا اونی کپڑا میسر آیا کہ اگر سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا (اس روایت میں اونی کپڑے کے لئے وبرۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے)

ایک روایت میں ہے کہ وہ قتل ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک اونی چادر (نمرۃ) ملی جس سے ان کی لاش کے پاؤں ڈھکے تو سر کھل گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اس کپڑے سے سر ڈھانپ دو اور پیروں پر چھال اور پھونس ڈال کر ڈھک دو!"

مصعب اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد...... یہ حضرت مصعب ابن عمیر اسلام قبول کرنے سے پہلے مکے کے بڑے شوقین مزاج نوجوانوں میں سے تھے۔ یہ ایک خوبصورت جوان رعنا تھے اور ہمیشہ نہایت عمدہ اور بہترین لباس پہنا کرتے تھے جو خوشبوؤں سے مہکتا رہتا تھا۔ پھر جب یہ مسلمان ہوگئے تو شوقین مزاجی ختم کر کے نہایت سادہ اور پراگندہ حال رہنے لگے۔

مصعب کا زھد اور خوف خدا...... حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے متعلق روایت ہے کہ ایک دن وہ روزے سے تھے افطار کے وقت ان کے سامنے کھانا لایا گیا وہ کھانے کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"مصعب ابن عمیر قتل ہوگئے جو مجھ سے کہیں بہتر انسان تھے مگر ان کو ایک چھوٹی سی چادر (بردۃ) کے سوا کفن بھی میسر نہ آیا جس سے سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اور ہمارے سامنے اتنی دنیا پھیلی ہوئی ہے اتنی نعمتیں چنی ہوئی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہمارے لئے یہ سب نعمتیں آخرت کے بجائے اس دنیا ہی میں نہ پوری کر دی جائیں۔!"

اس کے بعد وہ زارو قطار رونے لگے اور کھانا واپس کر دیا۔

مشترک کفن اور مشترک قبریں...... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر میں نے کہا کہ کپڑے موجود نہیں اور شہید اتنے ہیں۔ آخر ایک ایک کپڑے میں دو دو اور تین تین لاشوں کو لپیٹ کر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی لاش دیکھ کر فرمایا۔

چچا کی بیکسی پر آنحضرت ﷺ کے شدید جذبات...... "اگر صفیہ اور خاندان کی دوسری عورتوں کے صدمہ اور غم کا خیال نہ ہوتا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ صفیہ اس بات کو بہت زیادہ محسوس کرے گی اور یہ کہ کہیں میرے بعد لوگ اس بات کو سنت نہ بنالیں۔ تو ہم حمزہ کی لاش کو دفن بھی نہ کرتے بلکہ یوں چھوڑ دیتے یہاں تک کہ حشر کے دن وہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ میں سے نکل کر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ یہاں تک کہ جنگلی جانور ان کو کھالیتے اور حشر کے دن وہ ان کے پیٹ سے برآمد ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہوتے تاکہ ان لوگوں پر حق تعالیٰ کا غضب سخت ہو جاتا جنہوں نے ان کی لاش کی یہ بے حرمتی کی ہے۔!"

حمزہ اور دوسرے شہیدوں کی نماز...... پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی نماز پڑھی اور چار تکبیرات کہیں۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ کی لاشیں لاکر حضرت حمزہ کے برابر ایک کے بعد ایک رکھی جاتی رہیں اور آپ نے حضرت حمزہؓ کے ساتھ ہر ایک کی نماز پڑھی۔ پھر وہ لاش ہٹادی جاتی اور دوسری لاش حضرت حمزہ کے برابر رکھ دی جاتی۔ اس طرح آپ نے ہر ایک کی نماز پڑھی اور ہر نماز میں حضرت حمزہ کو شریک رکھا۔ اس طرح گویا حضرت حمزہ پر آپ نے ۷۲ نمازیں پڑھیں ایک روایت میں بانوے نمازوں کا ذکر ہے مگر یہ غریب روایت ہے۔ اسی طرح ستر والی روایت ضعیف ہے۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد میں جو صحابہ شہید ہوئے ان کی کل تعداد ۷۲ تھی اور دوسری روایت کے مطابق ۹۲ تھی۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت حمزہ کے برابر ایک کے بعد ایک لاش رکھی جاتی رہی۔ مگر یہ بات حضرت انسؓ کی اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے کہ ایک ایک کفن میں دو دو اور تین تین لاشیں کفنائی گئیں یہ بات قابل

غور ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دس دس شہیدوں پر نمازیں پڑھیں۔ یعنی نو لاشیں دوسروں کی لائی جاتی اور دسویں حضرت حمزہ کی ہوتی تھی اور آپ سب کی مشترک نماز پڑھتے تھے۔ پھر وہ نو لاشیں ہٹا دی جاتیں اور حضرت حمزہ کی لاش دہیں رہتی۔ اس کے بعد پھر دوسری نو لاشیں حمزہ کے برابر رکھ دی جاتیں اور آپ حمزہ سمیت سب کی نماز پڑھتے۔ اس طرح آپ نے سات بار کیا۔ اس حساب سے کل لاشیں ۶۳ بنتی ہیں۔ شہداءِ احد کی تعداد پر آگے گفتگو آرہی ہے۔

ایک قول ہے کہ ان جنازوں پر آپ نے نو بار، سات بار اور پانچ بار تکبیرات کہیں یعنی جبکہ اس سے پہلے آپ نے تنہا حضرت حمزہؓ پر چار تکبیرات کہی تھیں۔ بہر حال یہ بات گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ نے کتنی مرتبہ میں تکبیرات کہی تھیں جیسا کہ گذشتہ سطروں میں اس کا ذکر ہوا ہے۔

کیا شہداءِ احد کی تجہیز و تکفین اور نماز نہیں ہوئی...... ایک حدیث میں ہے کہ غزوہ احد کے شہیدوں کو نہ تو غسل دیا گیا، نہ ان کی نماز پڑھی گئی۔ ان کا جو کفن تھا وہ بھی صرف وہی کپڑے تھے جن میں وہ شہید ہوئے تھے۔ یعنی سوائے چمڑے کی چیزوں کے (جیسے ڈھال وغیرہ لباس)۔ یہ بات آگے آنے والی روایت کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ جہاں تک ان میں سے بعض کے جسموں کے کھلے ہوئے حصوں کو چھال وغیرہ ڈھک کر چھپایا گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اب اس حدیث کی روشنی میں کہا جائے گا کہ حضرت حمزہ کی تکفین ان کی چادر (نمرۃ سے) اور حضرت مصعبؓ ابن عمیر کی تکفین ان کے کپڑے (بردۃ) سے ضرورت کے مد میں نہیں کی گئی جیسا کہ گذشتہ سطروں میں عبدالرحمٰنؓ ابن عوف اور انسؓ کی روایتوں میں کہا گیا ہے۔

علامہ مغلطائی نے کہا ہے کہ حضرت حمزہ اور دوسرے شہیدوں کو بغیر غسل دیئے ان پر نماز پڑھی گئی تھی اور یہ بات کہ ان شہیدوں کو بغیر غسل دیئے ہی دفنایا گیا ایسی ہے جس میں ایک، آدھ کے سوا سب ہی علماء کا اجماع اور اتفاق ہے اختلاف کرنے والے حضرات بعض تابعین ہیں۔ مگر یہ بات یقیناً قابل غور ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حمزہ کو غسل دے رہے ہیں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ دیکھنا خواب کی بات تھی چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت قابل غور بن جاتی ہے کہ جب حضرت حمزہ شہید ہوئے تو وہ جنبی تھے یعنی ان کو غسل کی حاجت تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی کہ میں نے فرشتوں کو انہیں غسل دیتے دیکھا۔ (یعنی اس تفصیل کے بعد اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو خواب کی بات سمجھنا مناسب نہ ہوگا)۔ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی اس نے غلطی سے حنظلہ کے بجائے حمزہ کہہ دیا (کیونکہ حضرت حنظلہؓ کے بارے میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ شہادت کے وقت وہ جنبی تھے)۔

شہداء کی تجہیز و تکفین کے متعلق شافعی مسلک...... جہاں تک شہداءِ احد پر نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں امام شافعی کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں مختلف متواتر سندوں سے اتنی حدیثیں ہیں کہ اب یہ بات گویا چشم دید چیز کے درجہ میں آگئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہداءِ احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

اب جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ پر ستر تکبیر (یا نمازیں) پڑھیں تو یہ روایت درست نہیں ہے۔ اب جو شخص ان صحیح حدیثوں پر بحث اور نکتہ چینی کرتا ہے جن سے نماز نہ پڑھنا ثابت ہے تو اس کے لئے شرم کا مقام ہے کیونکہ وہ حدیث جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شہداء احد کی نماز پڑھی ہے۔ اس کے راویوں میں ایک شخص سعید ابن میسرہ بھی ہے جس نے حضرت انسؓ کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے اور اس شخص یعنی سعید بن میسرہ کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ شخص منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ شخص موضوع یعنی من گھڑت حدیثیں نقل کرتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کے راویوں میں ایک اور شخص ہے جس کا نام مقسم ہے۔ اس نے یہ حدیث ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اس کے بارے میں بھی امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیث ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ بخاری میں جو یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شہدائے احد کو بغیر نماز پڑھے ان ہی خون آلود کپڑوں میں بلا غسل دیئے دفن کرنے کا حکم دیا۔ یہ روایت اس سے زیادہ صحیح ہے جس میں ہے کہ آپ نے ان کی نماز پڑھی تھی۔

اس بارے میں ایک حدیث عقبہ ابن عامر کی ہے جس کو شیخین اور ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احد کے شہیدوں پر آٹھ سال بعد نماز جنازہ پڑھی۔ یعنی آپ نے ان کے لئے اسی طرح دعا کی جیسے میت کے لئے دعا کی جاتی ہے اور اس طرح جیسے زندوں اور مردوں سے رخصت ہونے والا کیا کرتا ہے یعنی آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا تھا۔ تو گویا آپ کی یہ دعا شہدائے احد سے ایک طرح کی رخصتی ملاقات تھی۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ آپ نے کسی بھی غزوہ میں کسی بھی شہید کی نماز جنازہ پڑھی۔ صرف یہی ایک حدیث ہے جو غزوہ احد کے متعلق ہے پھر اسی طرح آپ کے بعد کسی بھی امام نے کسی شہید پر نماز نہیں پڑھی۔

کتاب نور میں ہے کہ آپ نے ایک دوسرے غزوہ میں ایک دیہاتی شخص کی نماز جنازہ پڑھی تھی بخاری میں حضرت جابرؓ سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احد کے شہیدوں کو ان کے خون آلود کپڑوں میں بغیر غسل دیئے اور بغیر نماز دفنانے کا حکم دیا تھا۔

یہاں حضرت جابر کی حدیث کو اس بنیاد پر رد نہ کیا جائے کہ یہ نفی کرنے والی یعنی انکاری قول ہے اور اقرار قول کے مقابلے میں انکاری شہادت یعنی اثبات کے مقابلے میں نفی کی شہادت مردود ہوتی ہے کیونکہ انکاری شہادت اس صورت میں مردود یا نا قابل قبول ہوتی ہے جبکہ اس میں شاہد کا علم بھی شامل نہ ہو اور شاہد کے سامنے وہ واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ ورنہ انکاری شہادت بھی متفقہ طور پر قابل قبول سمجھی گئی ہے۔ یہ صورت ایسی ہے کہ اس معاملے میں جابر اور دوسرے راویوں کا صحیح علم بھی شامل ہے۔

ادھر حضرت حنظلہ کے واقعہ کو شافعی علماء نے اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا چاہے وہ جنابت یعنی ناپاکی کی حالت ہی میں کیوں نہ شہید ہوا ہو۔ کیونکہ حضرت حنظلہؓ کو اگرچہ فرشتوں نے غسل دے دیا تھا (جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے) مگر انسانوں میں جو لوگ شرعی احکام کے مکلف ہیں جن پر شرعی احکام لاگو ہو سکتے ہیں ان کے لئے فرشتوں کا غسل دے دینا کافی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خود غیر مکلف ہیں

اس کے برخلاف اگر کسی انسان کو کوئی جن غسل دے دے تو درست ہوگا کیونکہ خود جنات بھی اس حکم کے اور دوسرے شرعی احکام کے مکلف ہیں۔

غرض حضرت جابرؓ کی روایت میں آگے ہے کہ پھر ان شہیدوں کو ان کپڑوں میں دفن کر دیا گیا جو وہ پہنے ہوئے تھے البتہ لوہا یعنی زرہ بکتر اور خود وغیرہ ان کے جسموں سے اتار لئے گئے (جیسا کہ گذشتہ سطروں میں بیان ہوا)۔

شیر خدا کے قاتل وحشی...... حضرت حمزہ کے قاتل وحشی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ فتح مکہ کے وقت جب مکے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ وحشی مکے سے فرار ہو کر طائف چلے گئے تھے پھر جب طائف کے لوگ مسلمان ہونے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ مسلمان ہونے کے لئے آئے۔

لہو پکارے گا آستین کا...... ایک قول ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے اور مکے سے فرار ہونے کے بعد وحشی کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی اور دنیا ان کے لئے تنگ تھی۔ اس وقت ان سے کسی نے کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ خدا کی قسم جو شخص محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو جاتا ہے اس کو وہ قتل نہیں کرتے۔!"

وحشی کا اسلام اور آنحضرت ﷺ سے ملاقات...... وحشی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سے میرا سامنا صرف ایک ہی دفعہ ہوا تھا جبکہ میں نے آپکے پاس کھڑے ہو کر حق و صداقت کی شہادت دی آپ نے پوچھا تم ہی وحشی ہو۔ پھر دریافت کیا کہ تم نے حمزہ کو کیسے قتل کیا تھا۔ میں نے آپ کو وہ واقعہ بتلایا۔ تو آپ نے فرمایا۔

"تیرا برا ہو۔ میرے سامنے سے دور ہو جا۔ میں تجھے دیکھنا نہیں چاہتا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "مجھے اپنی صورت مت دکھانا۔!"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ میرے منہ پر تھوکا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے زمین پر تھوکا۔ اس وقت آپ سخت غصے میں تھے پھر وحشی یہاں سے نکل کر ملک شام کو چلے گئے۔

حمزہ کا قاتل اور فطرت کا انتقام...... حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں وحشی کو برابر شراب پینے کے جرم میں شرعی سزا دی جاتی رہی یہاں تک کہ دیوان خلافت (یعنی مجاہدوں کے رجسٹر) سے ان کا نام ہی کاٹ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق فرمایا۔

"میں جانتا تھا اللہ تعالیٰ حمزہ کے قاتل کو یوں ہی نہیں چھوڑے گا۔!"

یعنی حمزہ کے قاتل کو مصیبتوں میں مبتلا کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ ظاہر ہے ان پر شراب پینے کے جرم میں بار بار حد یعنی شرعی سزا جاری ہوتا اور دیوان مجاہدین سے ان کا نام کاٹ دیا جانا ابتلاء اور مصیبت کی بدترین قسم ہے حق تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

علامہ دار قطنی نے اپنی صحیح میں حضرت سعید ابن میتب کی روایت بیان کی ہے جو کہا کرتے تھے کہ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ حمزہ کا قاتل کیسے مصیبتوں وابتلاؤں سے نجات پائے گا۔ آخر مجھے خبر ملی کہ وہ شراب کے نشے میں ڈوبا ہوا مر گیا۔ ظاہر ہے گزشتہ سطروں میں جس ابتلاء و مصیبت کا بیان ہوا ہے یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

ابن جحش کی لاش ان کی آرزو کے مطابق...... "غزوہ احد میں جن صحابہ کی لاشوں کو مثلہ کیا گیا ان میں حضرت عبداللہ ابن جحش بھی شامل ہیں اور یہ بات ان کی دعا کے مطابق تھی جو وہ اپنے لئے کیا کرتے تھے چنانچہ غزوہ احد سے ایک دن پہلے انہوں نے یوں دعا کی تھی۔

"اے اللہ! کل کسی نہایت بہادر اور طاقتور آدمی کو میرا مقابل بنادینا جو مجھے قتل کرے۔ پھر میری لاش اٹھا کر میری ناک کاٹے اور میرے کان کاٹے اور پھر جب قیامت میں میں تیرے روبرو حاضر ہوں تو تو مجھ سے فرمائے کہ۔ اے عبداللہ! تیری ناک اور کان کس وجہ سے کاٹے گئے۔ تو میں کہوں کہ تیری اور تیرے رسول کی وجہ سے۔ اور اس وقت حق تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ۔ تو نے سچ کہا۔!"

موت کی تمنا کب ناجائز ہے...... (قال) موت کی تمنا کرنا اگرچہ ناجائز ہے مگر یہ تمنا اس میں شامل نہیں ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ موت کی جو تمنا ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ کسی آفت یا بیماری سے گھبرا کر آدمی موت کی دعائیں مانگنے لگے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

ابن جحش کی تلوار ایک معجزہ نبوی...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ غزوہ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی تھی آنحضرت ﷺ نے ان کو کھجور کی ایک ٹہنی دی جو ان کے ہاتھ میں پہنچ کر ایک آبدار تلوار بن گئی۔ اس تلوار کا نام انہوں نے عرجون رکھ دیا تھا (کیونکہ عربی میں ٹہنی کو عرجون کہتے ہیں) یہ عبداللہ اور ان کے ماموں حضرت حمزہ ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔ حضرت حمزہ ان کے خالو اس لئے تھے کہ حضرت عبداللہ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپی تھی۔ عبداللہ ابن جحش کا قاتل ابوالحکم ابن اخنس ابن شریق تھا۔ یہ ابوالحکم خود بھی اسی غزوۂ احد میں کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

ابن عمرو اور ابن جموح ایک قبر میں...... پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ عبداللہ ابن عمرو اور عمرو ابن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ یہ عبداللہ ابن عمرو حضرت جابر کے والد تھے اور یہ عمرو ابن جموح حضرت جابرؓ کی پھوپی کے شوہر تھے۔ آپ نے ان دونوں کو ایک قبر میں دفن کئے جانے کا حکم ان کی آپکی محبت و تعلق کی وجہ سے دیا تھا۔

ابن عمرو کا خون شہادت...... ان عبداللہ ابن عمروؓ کے چہرے پر زخم آیا تھا جس وقت اس زخم کی وجہ سے ان کا دم آخر ہوا تو ان کا ہاتھ اس زخم کے اوپر رکھا ہوا تھا چنانچہ جب ان کی لاش اٹھائی گئی تو ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹایا گیا مگر ہاتھ کے ہٹتے ہی پھر خون جاری ہو گیا اس پر ہاتھ کو پھر اسی جگہ رکھ دیا گیا تو خون رک گیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ احد کے علاقہ میں زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عمرو اور حضرت عمرو ابن جموح کی قبر کھل گئی (یعنی پانی کے زور سے مٹی بہہ گئی اور لاشیں سامنے آگئیں۔ یہ واقعہ غزوہ احد کے ایک طویل مدت کے بعد کا ہے مگر، ان کی لاشیں دیکھی گئیں تو ایسی نکلیں کہ ان میں کوئی فرق یا تغیر نہیں ہوا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے کل ہی دفن کی گئی ہیں۔ (حضرت عبداللہ ابن عمرو کا ہاتھ اسی طرح ان کے چہرے کے زخم پر رکھا ہوا تھا) اس وقت کسی نے ان کا ہاتھ چہرے سے ہٹا کر برابر میں رکھا مگر جیسے ہی چھوڑا ہاتھ پھر چہرے پر جا کر رکھا گیا۔ یہ واقعہ غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

چالیس سال بعد شہداء احد کے تر و تازہ لاشیں...... حضرت جابر ابن عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ۔ امیر معاویہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں میدان احد میں شہداء احد کی قبروں کے درمیان نہر کھدوانے کا

ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مردے وہاں موجود قبروں میں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردیں۔ چنانچہ ہم روتے ہوئے اپنے مقتولوں کی قبروں پر پہنچے جب ہم نے قبروں میں سے لاشوں کو نکالا تو وہ بالکل تروتازہ اور ملائم تھیں جن کے جسم کے تمام جوڑ نرم تھے۔ یہ واقعہ احد کے پورے چالیس سال بعد کا ہے۔

(پیچھے جو ایک روایت گزری ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کی قبر سیلاب کی وجہ سے کھل گئی تھی اور جب ان کے چہرے پر سے ان کا ہاتھ ہٹا کر الگ رکھا گیا تو وہ دوبارہ، اپنی جگہ پہنچ گیا۔ اس کے بارے میں یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ کچھ وقت گزر جانے کے بعد مردہ کا جسم سخت ہوجاتا ہے اور پھر لاش کے اعضا جس حالت میں ہوتے ہیں اسی طرح رہتے ہیں لہٰذا اگر چھیالیس سال بعد ان کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی گئی اور وہ دوبارہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کیونکہ جسم سخت ہوچکا تھا۔ لیکن اس روایت کے بعد یہ شبہ باقی نہیں رہتا اور اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات غیر معمولی اور قدرت خداوندی کا مظاہر تھی کیونکہ شہداء احد کے جسم سخت نہیں تھے بلکہ چالیس سال گزر جانے کے باوجود بھی تروتازہ اور ملائم تھے)

غالباً یہ واقعہ اور اس سے پہلا سیلاب والا واقعہ علامہ سہیلی کے اس قول کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ یہ بات غزوہ احد کے تیس سال بعد کی ہے (کیونکہ ہوسکتا ہے یہاں صرف تخمینی مدت بتلائی گئی ہو)

اسی میں حضرت حمزہؓ کی لاش میں یعنی پاؤں میں کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہوگیا (یعنی جسم اسی طرح تروتازہ تھا جیسے زندہ انسان کا جسم ہوتا ہے حتیٰ کہ خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اور اس طرح شریانوں میں رواں تھا کہ ذراسی خراش پر زندہ جسم کی طرح خون بہنے لگتا تھا) نیز یہ کہ اس وقت جب یہ قبریں کھول کر لاشوں کو وہاں سے منتقل کیا گیا تو ان شہداء کی قبروں سے ایسی خوشبو پھوٹ رہی تھی جیسی مشک و عنبر کی خوشبو ہوتی ہے۔

وہ لوگ جن کی لاشیں خراب نہیں ہوتیں...... ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ احد کے تقریباً پچاس سال بعد کا ہے اور جبکہ مدینے کی مٹی بھی اس قدر شور ہے کہ پہلی ہی رات میں لاش میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ (ی) اس تروتازگی کی وجہ یہ ہے کہ زمین ان شہیدوں کے جسم کو بھی اسی طرح نہیں کھاتی جو کسی غزوہ یا جنگ میں قتل ہوئے ہوں جیسے نبیوں کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ نیز بعض علماء نے ایسے لوگوں میں قرآن پاک کے قاری، عالم اور موذن کو بھی شامل کیا ہے۔ موذن کے متعلق طبرانی میں پیش کردہ ایک حدیث سے تائید ہوتی ہے جسے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ پابندی وقت کے ساتھ اذان کہنے والے شخص کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے خون میں لت پت شخص یعنی جہاد میں قتل ہونے والے شہید کا درجہ ہے کہ قبر میں اس کی لاش گلتی اور سڑتی نہیں یعنی اس کو کیڑے نہیں کھاتے۔ ایسے لوگوں کو شیخ تاج الدین سبکی ~~تاتائی~~ مالکی نے اپنے ان شعروں میں نظم کیا ہے۔

لا تاكل الارض جسما للنبى ولا
لعالم و شهيد قتل معترك

ترجمہ: زمین کسی بھی نبی کے جسم کو نہیں کھاتی اور نہ ہی کسی عالم اور ایسے شہید کے جسم کو کھاسکتی ہے جو جہاد اور معرکہ میں قتل ہوا ہو۔

ولا لقارى قران و محتسب . اذانه لا له مجرى الفلك

ترجمہ: نہ ہی قاری قرآن اور وقت پر اذان دینے والے موذن کے جسم کو کھاتی ہے جو اوقات کی رعایت سے اذان کہتا ہے۔

خارجہ اور ابن ربیع کی مشترک قبر...... اسی طرح حضرت خارجہ ابن زید اور حضرت سعد ابن ربیع ایک قبر میں دفن کیئے گئے کیونکہ یہ انکے چچازاد بھائی تھے۔ یعنی زید ابن خارجہ وہی ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا تھا۔

کہاجاتا ہے کہ حضرت خارجہؓ پر چاروں طرف سے نیزوں سے حملہ ہوا جس سے ان کے جسم پر دس بارہ زخم آئے اور یہ گر پڑے۔

خارجہ کے قتل پر صفوان کا اطمینان...... جب کہ یہ زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے ان کے پاس سے صفوان ابن امیہ ابن خلف گزرا اس نے ان کو پہچان لیا اور فوراً ہی ایک وار کر کے ان کو ختم کر دیا۔ پھر اس نے کہا۔

"اب میری تسلی ہوئی ہے جبکہ میں نے محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے اپنے برابر کے ایک آدمی کو مار دیا۔ میں نے خارجہ ابن زید کو قتل کیا، میں نے اوس ابن ارقم کو قتل کیا اور میں نے ابونوفل کو قتل کیا۔!"

کشادہ اور گہری قبریں بنانے کی ہدایت...... اسی طرح حضرت نعمان ابن مالک اور بنی حسحاس کے غلام کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ کہیں ایک ہی قبر میں تین تین شہیدوں کو بھی دفن کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ شہیدوں کی تدفین کے وقت قبر کھودنے والوں سے فرماتے جاتے تھے۔

"قبریں کھودو اور انہیں کشادہ بناؤ اور خوب گہری بناؤ۔!"

لحد میں حافظ قرآن کو آگے رکھنے کا حکم...... اسی طرح دفن کے وقت آپ ارشاد فرماتے۔

"دیکھو ان میں (یعنی ایک قبر میں دفن ہونے والوں میں) قرآن پاک جس کو یاد ہو اسے قبر یعنی لحد میں آگے رکھو۔!"

لاشوں کو مدینے سے احد واپس لانے کا حکم...... (یعنی اس کو قبلہ رو کر دو اور دوسرے کو اس کے پیچھے کر دو) بعض لوگ اپنے مقتولوں کو مدینے لے گئے تھے مگر آپ نے ان کی واپسی کا حکم دیا تاکہ ان کو وہیں دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں۔

کیا میت کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے...... اسی بات سے ہمارے شافعی علماء نے یہ دلیل حاصل کی ہے کہ مردے کو دفن سے پہلے اسکے مرنے کی جگہ سے کسی ایسی جگہ منتقل کرنا حرام ہے جو اس جگہ یا بستی کے قبرستان سے زیادہ دور جگہ ہو۔

میت کو مکے مدینے اور یروشلم منتقل کیا جاسکتا ہے...... یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ شافعی علماء نے ہی یہ بھی کہا ہے کہ لیکن اگر وہ جگہ جہاں وہ شخص مرا ہے مکے یا مدینے یا بیت المقدس سے قریب ہو تو مردے کو وہاں لے جاکر دفن کرنا جائز ہے (لیکن غزوہ احد کے شہیدوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا حالانکہ وہ مدینہ منورہ سے بالکل قریب تھے) اس بات کے لئے امام شافعی نے دلیل بھی دی ہے۔

اس کے جواب میں کہاجاتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ مردے کو مکے مدینے اور بیت المقدس لے جاکر دفن کیا جاسکتا ہے صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو شہید نہ ہوں لیکن شہید کے لئے یہی افضل ہے کہ اسے وہیں دفن کیا جائے جہاں وہ قتل ہوا ہے چاہے وہ جگہ مکے وغیرہ کے قریب ہی کیوں نہ ہو۔ شافعی علماء میں سے بعد کے علماء نے اس مسئلے کے سلسلے میں یہی تحقیق پیش کی ہے اور یہاں یعنی غزوہ احد کے شہیدوں کی تدفین سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

مشترک قبر کا مسئلہ...... اسی طرح ایک قبر میں دو دو اور تین تین لاشوں کو دفنانے کے متعلق بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے جو ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے اس قول سے پیدا ہو سکتا ہے جس میں انہوں نے ایک قبر میں دو مردے دفنانے کی حرمت بیان کی ہے چاہے وہ باپ اور بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ بے ضرورت ایسا کیا جائے لیکن جہاں بہت سے مردے ہوں تو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ قبریں کھودنا مشکل ہو گا اس لئے ایسی حالت میں یہ بات جائز ہے۔

پھر میں نے سیرت کی بعض کتابیں دیکھیں جن میں ہے کہ یہ بات صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی قبر میں دو دو اور تین تین مردوں کو دفن کرا رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے لئے یہ رعایت اس لئے فرمائی تھی کہ اگر ہر مرد کے لئے علیحدہ علیحدہ قبر کھودیں گے تو ان کو زحمت اور تکلیف ہو گی۔

ایک روایت میں ہے کہ کچھ لوگ اپنے مقتولوں کو میدان احد سے مدینہ منورہ لے گئے اور وہاں ان کو دفن کر دیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے آکر کہا کہ مقتولوں کو ان کے مقتلوں میں واپس لے جاؤ (یعنی اعلان کرنے والا اس وقت پہنچا جب کہ لوگ مقتولوں کو دفن کر چکے تھے) صرف ایک لاش ایسی باقی تھی جو اس وقت تک دفن نہیں کی گئی تھی چنانچہ اس لاش کو واپس احد لے جایا گیا اور جو دفن ہو چکی تھیں ان کو چھوڑ دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ شہداء احد کے گواہ...... جب آنحضرت ﷺ غزوہ احد کے شہیدوں کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا۔

"میں ان سب کا گواہ ہوں۔ جو زخم بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لگا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس زخم کو دوبارہ اس حالت میں پیدا فرمائے گا کہ اس کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک جیسی ہو گی۔"

اس روایت میں زخم کے لئے جرح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور ایک دوسری روایت جو اسی مضمون کی ہے اس میں زخم کے لئے جرح کے بجائے کلم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

وہ شہیدان وفا یہ طائران خوشنوا...... حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"تمہارے جو بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں ڈال دی ہیں جو جنت کی نہروں پر آکر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی ان قندیلوں پر بسیرا کرتے ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں! جب وہ شہید اپنے بہترین مشروبات اور بہترین کھانے اور بہترین کلام دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

"کاش ہمارے بھائی (یعنی دنیا والے) جانتے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر کیسے کیسے انعام فرمائے ہیں تاکہ وہ جہاد سے جی نہ چرائیں اور جنگ سے نہ بچیں۔"

اس پر حق تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ۔ "تمہاری طرف سے یہ بات ان تک میں پہنچا دوں گا۔"

چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی۔

۱۶۹ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۔ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۷ آیت

ترجمہ: اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

برزخ میں شہداء کے مختلف نشیمن...... میں نے اپنی کتاب تحفۃ العلویہ میں بیان کیا ہے کہ عالم برزخ میں روحوں کے جو مقام اور درجے ہیں ان میں زبردست فرق پائے جاتے ہیں چنانچہ اس بارے میں جو مختلف اقوال ہیں ان کو ثابت کرنے والی دلیلوں کے درمیان کوئی اور اشکال کی بات نہیں ہے (یعنی ایک دلیل سے کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو دوسری سے کوئی دوسری بات اور یہ اس لئے ہے کہ برزخ میں روحوں کے مقام اور درجے الگ الگ ہیں کسی کا درجہ اونچا ہے اور کسی کا نیچا ہے ہر ایک کے حالات الگ ہیں اور ہر ایک پر انعامات اور نوازشیں مختلف ہیں) چنانچہ انبیاء کی روحیں اگرچہ ملاء اعلیٰ یعنی سب سے بلند ترین مقام میں ہیں مگر ان کے درمیان وہاں بھی فرق موجود ہے۔ اسی طرح شہیدوں اور بچوں کے علاوہ جو مومنوں کی روحیں ہیں ان میں کچھ وہ ہیں جو سماوی یعنی آسمانی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو ارضی یعنی زمینی ہیں۔ پھر بچوں کی روحیں ہیں جو جنت کے پرندوں یعنی چڑیوں کے پوٹوں میں ہیں اور مشک کے پہاڑوں کے پاس رہتی ہیں۔ پھر شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے جسموں میں بھی رہتی ہیں اور سفید پرندوں کے جسموں میں بھی رہتی ہیں اور کچھ شہید وہ ہیں جن کی روحیں خود ہی پرندوں کی شکل میں رہتی ہیں۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہمارے علماء کے قول کے مطابق شہیدوں کی روحوں کے طبقات مختلف ہیں اور ان کے مقامات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں البتہ ان سب کے درمیان جو صفت مشترک ہے وہ یہ کہ وہ سب کھاتی اور پیتی ہیں۔ (ی) جہاں تک شہیدوں کی روحوں کے کھانے پینے کا تعلق ہے تو اس پر تفصیلی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

شہید احد ابو جابر سے کلام خداوندی...... غرض غزوہ احد میں قتل ہونے والے صحابہ میں حضرت ابو جابرؓ بھی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے جابر سے فرمایا

"اے جابر! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتلادوں۔ کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے۔ یعنی کسی شہید سے۔ کلام فرماتا ہے تو حجاب اور پردوں میں سے کلام فرماتا ہے مگر اس ذات حق نے تمہارے باپ سے روبرو کلام کیا اور فرمایا۔ مجھ سے کچھ سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میں پھر دنیا میں لوٹادیا جاؤں تاکہ وہاں پہنچ کر میں ایک بار پھر تیری راہ میں قتل ہو سکوں۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا یہ میری عادت کے خلاف ہے کہ مردوں کو دوبارہ دنیا میں لوٹاؤں۔ انہوں نے عرض کیا! اے پروردگار! تو جو لوگ میرے پیچھے یعنی دنیا میں باقی ہیں ان تک یہ پہنچادے (کہ ہمیں یہاں کیسے کیسے انعامات سے نوازا جارہا ہے)۔

اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو پیچھے تحریر ہوئی۔ ولا تحسبن الخ ممکن ہے یہ آیت ایک سے زیادہ بار نازل ہوئی ہو اس لئے اس موجودہ روایت اور گذشتہ روایت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

باپ کی لاش پر جابرؓ کی بے قراری اور مژدہ رسول ﷺ...... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد قتل ہوئے تو میں رورہا تھا اور باربار والد کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر ان کی صورت دیکھتا تھا۔ صحابہ مجھے روکنے اور منع کرنے لگے مگر آنحضرت ﷺ نے مجھے اس سے منع نہیں کیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"چاہے تم روؤیا نہ روؤ جب تک ان کی لاش یہاں رکھی ہے فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کئے رہیں گے!"

باپ کے بدلے بشیر کے لئے بہترین ماں باپ...... مگر آگے ایک روایت آرہی ہے کہ خود حضرت جابرؓ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ حضرت بشیر ابن عفراء سے روایت ہے کہ غزوۂ احد میں میرے والد شہید ہو گئے تھے اس وقت میں رو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ آپ نے مجھے روتے دیکھ کر فرمایا۔

"کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ عائشہ تمہاری ماں ہو اور میں تمہارا باپ ہوں!"

ایک عورت کی متاعِ عشق محمد ﷺ...... اسی طرح پھر آنحضرت ﷺ بنی دینار کی ایک عورت کے پاس پہنچے اس عورت کا شوہر، بھائی اور باپ تینوں اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے۔

ایک روایت میں ان تینوں کے علاوہ بیٹے کا بھی ذکر ہے یعنی شوہر، بھائی باپ اور بیٹا چاروں قتل ہو گئے تھے جب لوگوں نے اس کو یہ خبر سنائی تو اس نے فوراً پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ اے ام فلاں تمہاری خوشی کے مطابق خدا کا شکر ہے کہ آنحضرت ﷺ بخیر و عافیت ہیں! اس پر عورت نے کہا۔

"آنحضرت ﷺ کو مجھے ایک نظر دکھلا دو...... میں آپ کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں۔!

پھر جب اس نے آپ کو دیکھ لیا تو کہا کہ آپ بخیر ہیں تو اب ہر مصیبت ہیچ ہے۔ یہاں ہیچ جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ جلل کا لفظ ہے اس سے راوی کا مقصد یہی ہے کہ ہر مصیبت غیر اہم ہے۔ اس لفظ کو جس طرح چھوٹی چیز کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح بڑی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ گویا یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی دو مخالف معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نبی کے ہوتے ہوئے باپ بھائی اور شوہر کی موت ہیچ...... ایک روایت یہ ہے کہ یہ عورت اپنے بھائی، باپ، شوہر اور بیٹے کی لاشوں کے پاس پہنچی جو سیدان میں پڑی ہوئی تھیں (چونکہ اس عورت کے تقریباً سب ہی گھر والے کام آچکے تھے (اس لئے) یہ جب بھی کسی لاش کے متعلق پوچھتی کہ یہ کون ہے تو معلوم ہوتا کہ یہ اس کا بھائی ہے یا شوہر ہے یا باپ ہے اور یا بیٹا ہے۔ مگر ان جوابات پر وہ متاثر نہیں ہوتی تھی بلکہ دریافت کرتی تھی کہ آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تمہارے سامنے آرہے ہیں۔ اسی وقت وہ آپ کے پاس پہنچی اور آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگی۔

"یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ جب ہر مصیبت سے محفوظ ہیں تو اب مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔!"

نکلی ہوئی آنکھ پر آنحضرت ﷺ کی مسیحائی...... غزوۂ احد میں حضرت قتادہ ابن نعمان کی آنکھ میں زخم آیا یہاں تک کہ آنکھ نکل کر باہر لٹک گئی۔ لوگوں نے اس کو کاٹ ڈالنا چاہا اور اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا نہیں (کاٹو مت) پھر آپ نے حضرت قتادہؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کی آنکھ اپنے دست مبارک میں لے کر ہتھیلی سے اس کی جگہ پر رکھ دی۔ اور یہ دعا پڑھی۔

اللھم اکسہ جمالا۔ اے اللہ! اس آنکھ کو ان کے حسن و خوبصورتی کا ذریعہ بنا دے!"

چنانچہ یہ آنکھ دوسری سے بھی زیادہ خوبصورت اور قدرتی نظر آتی تھی اور اس کی بینائی بھی دوسری آنکھ سے زیادہ تیز اور صاف تھی۔ اس کے بعد جب بھی حضرت قتادہؓ کو آشوب چشم کی تکلیف ہوتی تو وہ دوسری

آنکھ میں ہی ہوتی تھی اس آنکھ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

آنکھ جاتے رہنے پر قتادہ کا ملال...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ احد کے دن آنحضرت ﷺ پر جو تیر اندازی ہو رہی تھی تو میں نے آپ کے چہرے کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ آپ کے سامنے کر رکھا تھا آخری تیر جو آپ کے لئے چلایا گیا وہ میری آنکھ میں آکر لگا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! میں اپنی بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اس حال میں دیکھ کر مجھ سے نفرت کرے گی۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم چاہو تو صبر کرو جس کے بدلے میں تمہیں جنت ملے گی اور چاہو تو میں اسے اس کی جگہ رکھ دوں۔ (جس سے یہ اصلی حالت پر آجائے گی) اور تمہارے لئے دعا کروں۔"

حضرت قتادہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! جنت بڑی زبردست جزا اور ایک عظیم انعام ہے جبکہ میں عورتوں کی محبت میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے کانا کہیں گی اور مجھے منہ نہیں لگائیں گی۔ آپ میری آنکھ اصلی حالت پر لوٹا دیجئے اور اللہ تعالیٰ سے میرے لئے جنت کی دعا فرمایئے۔!"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھ اصلی حالت پر لوٹا دی اور ان کے لئے جنت کی دعا فرمائی۔

نبی کا دست شفا...... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ پھوٹی ہوئی اور نکلی ہوئی دیکھی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے اسی وقت دعا فرمائی۔

"اے اللہ! قتادہ کو عافیت عطا فرمایئے جیسے اس نے اپنے چہرے کے ذریعہ تیرے نبی کے چہرے کو بچلیا۔ پس اس کی آنکھ کو بہترین بنادے اور اس کی بینائی کو پہلے سے بھی زیادہ تیز فرمادے!"

یہ دعا آپ نے حضرت قتادہ کی آنکھ کو اپنی ہتھیلی سے اسکی جگہ رکھنے کے بعد فرمائی۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے اور آپ کی مبارک ہتھیلی کا وصف بیان فرمایا ہے۔

واعادت علی قتادۃ عینا
فھی حتی مماتہ النجلاء

مطلب...... آپ کی ہتھیلی نے حضرت قتادہ کی وہ آنکھ دوبارہ اس کی اصلی حالت پر لوٹا دی اور پھر وہ ایسی تیز ہوئی کہ پہلے بھی اتنی تیز نہیں تھی۔

ایک غریب روایت ہے جس میں حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میری دونوں آنکھیں زخمی ہو کر حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں جس پر میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ نے ان کو اصلی حالت پر لوٹا دیا۔ انہیں ان کی جگہ رکھنے کے بعد آپ نے ان پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور وہ دونوں چمکنے لگیں۔

اس روایت میں دونوں آنکھوں کا ذکر ہے۔ ابن حجر ہیثمی نے ان میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی راوی نے یہ سمجھا کہ ان کی ایک آنکھ گئی تھی اور کسی راوی نے یہ سمجھا کہ دونوں آنکھیں نکل گئی تھیں۔ لہذا دونوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق روایت بیان کر دی۔ اب محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو راوی زیادہ ثقہ اور قابل اعتبار ہوتا ہے اس کی روایت کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک علامہ ہیثمی کا کلام

ہے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

قتادہ کی نسلوں کا اس واقعہ پر فخر...... حضرت قتادہ کی آنکھ کے اس واقعہ کے سلسلے میں مشہور قول تو یہی ہے کہ یہ غزوہ احد کا واقعہ ہے مگر ایک کمزور قول کے مطابق یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے۔ (لہذا) مشہور قول کی بنیاد پر اس کو غزوہ احد کا واقعہ ہی تسلیم کیا گیا ہے)

ابو عمر و ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قتادہؓ کی اولاد میں سے ایک شخص حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے پاس آیا (حضرت عمر اس کو پہچانتے نہیں تھے) انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو تو اس شخص نے اپنا تعارف اس طرح کرایا۔

انا ابن الذی سالت علی الخد عینه
فردت بکف المصطفی احسن الرد

ترجمہ: میں اس شخص کا بیٹا ہوں یعنی اولاد میں سے ہوں جس کی آنکھ اس کے رخساروں پر اٹک آئی تھی اور پھر حضرت نبی کریم کے دست مبارک سے پہلے سے بھی بہتر انداز مین اصلی حالت پر آگئی تھی۔

فعادت کما کانت لا ول امرها
فیا حسن ما عین ویا حسن مارد

ترجمہ: پھر اس کے بعد وہ بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسے شروع میں تھی۔ کتنی بہترین وہ آنکھ تھی اور کتنے بہترین انداز میں اس کو واپس وہیں رکھ دیا گیا۔

یہ تعارف سنکر حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے یہ شعر پڑھا

تلك المکارم لاقعبان من لبن
شیبا بماء فعاد ابعد ابوا لا

ترجمہ: یہ وہ فضائل ہیں جو بہت بلند ہیں۔ یہ پانی سے شاداب ہیں اور وہ پانی پیشاب سے بہت دور ہے۔

ایک اور زخمی کی معجزانہ مسیحائی...... اس کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اس کا مقصد پورا کیا۔

اسی طرح حضرت کلثوم ابن حصین کی گردن میں ایک تیر آکر پیوست ہوگیا وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس زخم پر اپنا لعاب دہن ڈالا جس سے وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

غزوہ احد میں فرشتوں کی شرکت...... (غزوہ بدر کے بیان میں گزرا ہے کہ اس موقعہ پر فرشتے مدد کے لئے بھیجے گئے تھے اور انہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ چنانچہ بہت سے مشرکین کی لاشیں ایسی ملیں جن پر تلواروں وغیرہ کے زخم کے بجائے آگ سے جلنے کے سیاہ نشان تھے) غزوہ احد میں بھی فرشتے نازل ہوئے تھے مگر اس موقعہ پر انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا۔

(قال) اس بات کی تائید مجاہد کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ فرشتوں نے غزوہ بدر کے سوا کسی دوسری جنگ میں عملی شرکت نہیں کی۔ مگر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں سفید لباس میں دو آدمی دیکھے جو انتہائی شدید انداز میں لڑتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا دفاع اور بچاؤ کر رہے تھے ان دونوں شخصوں کو نہ ہم نے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا۔ یعنی وہ دونوں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل تھے۔

شرکت کی نوعیت...... مگر اس روایت سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ علامہ بیہقی نے اس بارے میں کہا ہے کہ غزوہ احد میں فرشتوں نے مسلمانوں یعنی عام مجاہدین کا بچاؤ اور دفاع نہیں کیا۔ لہذا اب یہ بات درست

ہو جاتی ہے کہ وہ صرف آنحضرت ﷺ کی طرف سے لڑے تھے۔ (تو گویا دونوں روایتیں درست ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

عبد الرحمٰن ابن عوف کو فرشتوں کی مدد......اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کے لڑنے سے مراد صرف یہ ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کا دفاع اور حملوں سے بچاؤ کر رہے تھے (یعنی خود کسی پر حملہ آور ہو کر خون ریزی نہیں کر رہے تھے) مگر اس میں ایک اشکال ہوتا ہے یعنی حضرت حرث ابن صمہ سے ایک روایت ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ جنگ ختم ہونے کے بعد گھاٹی میں پہنچ گئے تھے تو آپ نے مجھ سے حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کے متعلق پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ان کو پہاڑ کے بازو میں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ فرشتے ان کے ساتھ ساتھ لڑ رہے تھے۔ حضرت حرث کہتے ہیں کہ میں وہاں سے فوراً حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کی طرف آیا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سامنے سات لاشیں پڑی ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ "آپ نے کمال کر دیا۔ کیا ان سب کو آپ نے ہی قتل کیا ہے۔"

انہوں نے ان لاشوں میں سے دو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جہاں تک اس کا اور اس کا تعلق ہے تو ان دونوں کو تو میں نے ہی قتل کیا ہے مگر یہ جو باقی لاشیں ہیں ان کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا۔!"

اس پر حضرت حرث نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ (ی) یہاں فرشتوں کا خاص طور پر حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف کی طرف سے لڑنا اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ غزوہ بدر میں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے لڑے تھے۔

فرشتوں کی عام مدد نہ ملنے کا سبب......کتاب امتاع میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے میدان احد کو روانہ ہونے سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ ۔ بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ ۔ ۵ا۔ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۲۵

ترجمہ: کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو اتارے جاویں گے ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوئے ہوں گے۔

مگر مسلمانوں نے اس غزوہ میں صبر نہیں کیا اور منتشر ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ کو ایک فرشتے کی مدد بھی نہیں دی گئی۔ (جیسا کہ اس غزوہ کے انجام سے ظاہر ہوتا ہے) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلامی پرچم کو فرشتے کا سہارا......جنگ کے دوران جب حضرت مصعب ابن عمیر شہید ہوئے اور اسلامی پرچم گرنے لگا تو فوراً ہی ایک فرشتے نے جو حضرت مصعبؓ کی شکل میں تھا آکر اسلامی پرچم کو سربلند کر دیا (ی) کیونکہ جب ایک حملہ میں حضرت مصعب کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا۔ اس وقت وہ آیت تلاوت کرتے جاتے تھے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۵ آیت ۱۴۴

ترجمہ: اور محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔

مصعب کی زبان پر نزول سے پہلے آیت قرآنی...... اس کے بعد جب ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے پرچم کو اپنے جسم پر سنبھالا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر دو پہلو کے سہارے رد کے رکھا۔ اس وقت بھی وہ یہی آیت تلاوت کر رہے تھے۔ اس وقت تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ جب انہوں نے جنگ کے دوران کسی کو یہ کہتے سنا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے تو اچانک یہ کلمات ان کی زبان پر جاری ہو گئے۔ پھر یہی کلمات آیت کی صورت میں اس کے بعد اسی روز نازل ہوئے جیسا کہ کتاب الدر میں ہے۔ گویا یہ آیت وہ قرآن ہے جو پہلے ہی حق تعالیٰ نے ایک صحابی کی زبان پر جاری فرمادیا تھا۔ اس کے بعد حضرت مصعبؓ شہید ہو گئے۔

یہ بات اس گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں گزرا ہے کہ حضرت مصعبؓ آنحضرت ﷺ کی مدافعت میں لڑ رہے تھے یہاں تک کہ ان کو ابن قمہ نے یہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ یا یہ کہ ان کو ابی ابن خلف نے قتل کیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ابن قمہ یا ابی ابن خلف نے ان کو اسی حالت میں قتل کیا ہو جو ذکر ہوئی۔ ادھر میں نے بعض روایتوں میں دیکھا ہے کہ حضرت مصعب کو ابن قمہ نے ہی اس حال کو پہنچایا تھا (کہ ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر دوسرے پر وار کیا وغیرہ) اور اس کے بعد آخر ان کو قتل کر دیا۔

مصعبؓ کی شکل میں فرشتہ...... آنحضرت ﷺ اس فرشتے سے جس نے مصعب کی شکل میں آکر پرچم سنبھالیا تھا۔ یہ فرمارہے تھے کہ مصعب آگے بڑھو۔ اس وقت وہ فرشتہ آنحضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بولا کہ میں مصعب نہیں ہوں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مدد فرمائی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ مصعب آگے بڑھو۔ تو انہوں نے آپ سے کہا کہ یا رسول! کیا مصعب ابن عمیر قتل نہیں ہو چکے ہیں۔۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"بے شک۔ مگر ایک فرشتے نے ان کی جگہ لے لی ہے جو ان ہی کے نام سے پکارا جا رہا ہے۔!"

یہ بات فرشتے کے اس قول کے خلاف نہیں ہے جو اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ میں مصعب نہیں ہوں کیونکہ (اگرچہ اس کا نام مصعب ہی تھا مگر) اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں وہ مصعب نہیں ہوں جو آپ کے ساتھی تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اسلامی پرچم گر گیا (تو اس کو حضرت مصعبؓ کے بھائی ابو روم نے اٹھالیا اور اس کے بعد یہ اس وقت تک ان ہی کے ہاتھ میں رہا جب تک کہ وہ مدینے میں داخل نہیں ہو گئے۔ اس روایت کی روشنی میں گذشتہ بات قابل غور ہو جاتی ہے۔

پیچھے کتاب امتاع کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ احد میں ایک بھی فرشتے کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کی گئی لہذا یہاں اس فرشتے کے وجود سے وہ بات غلط ہوتی ہے۔ (لہذا یہ بات بھی قابل غور ہے)۔

میدان احد سے واپسی اور نبی ﷺ کی دعا...... غرض جنگ ختم ہونے کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینے واپس ہونے لگے تو آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ آپ کے تمام صحابہ بھی ساتھ تھے جو عام طور پر زخمی تھے۔ آپ کے یعنی لشکر کے ساتھ چودہ عورتیں بھی تھیں۔ جب یہ لشکر احد کے دامن میں پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ "صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاؤ تاکہ میں اپنے پروردگار کے سامنے اس کی حمد و ثنا کر سکوں۔!"

چنانچہ تمام صحابہ صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے اور ان کے پیچھے عورتیں کھڑی ہوئیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا شروع کی۔

"اے اللہ! تجھے ہی تمام تعریفیں سزاوار ہیں۔ تو کشادگی عطا فرمائے تو کوئی تنگی پیدا کرنے والا نہیں۔ اور اگر تو تنگی میں ڈالے تو کوئی کشادگی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ جس کو تو گمراہی میں ڈال دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور جس کو تو ہدایت فرما دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ جن نعمتوں سے تو محروم فرما دے ان کو کوئی عطا نہیں کر سکتا اور جن نعمتوں کو تو عطا فرمائے ان کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جس چیز کو تو دور فرما دے اس کو کوئی قریب نہیں کر سکتا اور جس کو تو قریب فرما دے اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔! حدیث

حمنہ کو عزیزوں کے قتل کی اطلاع...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں آپ کو حضرت حمنہ بنت جحش جو آنحضرت ﷺ کی پھوپی زاد بہن تھیں اور آنحضرت ﷺ کی بیوی ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں ملیں آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"(اپنے عزیز کو کھو دینے پر) ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔!"

حضرت حمنہ نے پوچھا "کس کی وجہ سے یارسول اللہ ﷺ۔"

آپ نے فرمایا۔

"اپنے ماموں حمزہ کی وجہ سے۔!"

ماموں اور بھائی کے قتل پر حمنہ کا صبر و ثبات...... حضرت حمنہ نے کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور شہادت کی اس نعمت کو ان کے لئے مبارک فرمائے۔!"

شوہر کی خبر پر دامان صبر تار تار...... پھر آپ نے فرمایا کہ ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کس کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے بھائی عبداللہ ابن جحش کے لئے۔ حضرت حمنہ نے ان کے لئے بھی وہی کلمات کہے جو حضرت حمزہؓ کے لئے کہے تھے۔

آپ نے پھر فرمایا کہ ثواب کی امیدوار بن جاؤ۔ انہوں نے پوچھا کس کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا! اپنے شوہر مصعب ابن عمیر کی وجہ سے۔ حضرت حمنہ ایک دم چیخ چیخ کر رونے لگیں اور بولیں۔

"آہ۔ ان کا صدمہ بہت سخت ہے۔!"

عورت کے لئے شوہر کا درجہ...... آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت حمنہ نے اپنے بھائی اور اپنے ماموں کی موت پر کس قدر صبر و ضبط کا ثبوت دیا اور اپنے شوہر کی شہادت کی اطلاع پر ان سے صبر و ضبط کا دامن چھوٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تب آپ نے فرمایا۔

"عورت کے لئے شوہر کا درجہ ایسا ہوتا ہے کہ اس جیسا اور کا نہیں ہوتا۔!"

حمنہ اور یتیم بچوں کے لئے دعا...... پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ تم نے (شوہر کی اطلاع پر) ایسا کیوں کہا حضرت حمنہؓ نے کہا۔

"مجھے ان کے بچوں کی یتیمی کا خیال آیا۔ جس سے میں بیتاب ہو گئی۔!"

آنحضرت ﷺ کی عمرو کی والدہ کی تعزیت...... اس وقت آپ نے ان کے اور ان کے بچوں کے لئے

دعا فرمائی۔ حضرت حمنہ کے یہاں حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے محمد ابن طلحہ پیدا ہوئے تھے۔

(قال) اسی طرح حضرت سعد ابن معاذؓ کی والدہ ہانپتی کانپتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔ آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت سعد ابن معاذ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے ان کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کو خوش آمدید کہو۔ آپ نے ان کی وجہ سے اپنا گھوڑا روک لیا۔ یہاں تک کہ وہ قریب آکر آنحضرت ﷺ کو دیکھنے لگیں۔ آپ نے ان کو ان کے بیٹے حضرت عمرو ابن معاذؓ کی شہادت پر تعزیت پیش فرمائی تو انہوں نے کہا۔

جب میں نے آپ کو صحیح سلامت دیکھ لیا تو بس اب میری مصیبت اور غم ختم ہو گیا۔!"

شہداء کے عزیزوں کو بشارت...... آنحضرت ﷺ نے ام سعدؓ سے فرمایا۔

"اے ام سعد! تمہیں خوش خبری ہو۔ اور سب شہیدوں کے گھر والوں کو بھی خوش خبری دے دو کہ ان سب کے مقتولین جنت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور سب نے اپنے اپنے گھر والوں کے لئے (حق تعالیٰ سے) شفاعت اور سفارش کی ہے۔!"

پسماندگان کے لئے صبر و سکون کی دعا...... ام سعدؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! ہم سب راضی برضا اور خوش ہیں۔ اور اس خوش خبری کے بعد بھلا ان پر کون رو سکتا ہے۔!"

پھر انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! سب شہیدوں کے پسماندگان کے لئے دعا فرمائیے چنانچہ آپ نے سب شہداء احد کے گھر والوں کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے اللہ! ان کے دلوں سے غم و الم کو مٹا دے، ان کی مصیبتوں کو دور فرما دے اور شہیدوں کے جو جانشین ہیں انہیں ان کا بہترین جانشین بنا دے۔!"

حمزہ کی بے بسی پر آنحضرت ﷺ کی دلگیری...... اسی دوران میں آنحضرت ﷺ نے انصاری عورتوں کو اپنے شوہروں، اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے لئے روتے ہوئے سنا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔

"حمزہ کے لئے کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔!"

یہ کہتے کہتے آنحضرت ﷺ خود رو پڑے۔ غالباً مدینے میں حضرت حمزہ کی نہ کوئی بیوی تھی اور نہ بیٹی تھی۔ چنانچہ حضرت سعد ابن معاذؓ نے اپنے گھر کی عورتوں اور اپنی قوم کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے گھر جائیں اور حضرت حمزہ کی شہادت پر اپنے غم کا اظہار کریں اور روئیں۔

خواتین کے رونے کی آواز اور آپ کی طرف سے دعا...... غرض جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینے میں اپنے مکان پر پہنچے تو چونکہ آپ سخت زخمی تھے اس لئے حضرت سعد ابن معاذ اور حضرت سعد ابن عبادہ نے آپ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر گھوڑے سے اتارا۔ پھر آپ ان کا سہارا لئے ہوئے اپنے مکان میں تشریف لے گئے اس کے بعد کچھ ہی دیر میں حضرت بلالؓ نے مغرب کی اذان کہی اور آنحضرت ﷺ اس طرح باہر تشریف لائے کہ آپ سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کا سہارا لئے ہوئے تھے پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد جب آپ مسجد سے واپس تشریف لے جانے لگے تو آپ کو رونے کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ انصاری عورتیں حضرت حمزہؓ پر رو رہی ہیں۔ آپ نے ان خواتین کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے راضی ہو۔!"

پھر آپ نے حکم دیا کہ وہ خواتین اپنے گھروں کو واپس جائیں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر جب ایک تہائی رات گزر گئی تو حضرت بلالؓ نے عشاء کی اذان کہی کیونکہ وہ عشاء کی اذان اس وقت دیتے تھے جب شفق کی سرخی غائب ہو جاتی تھی۔ اذان کے بعد دیر تک جب رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے نہیں نکلے اور ایک تہائی رات کے بھی بعد کا وقت ہو گیا تو حضرت بلالؓ نے (حجرے کے قریب جاکر) آپ کو پکارا کہ یارسول اللہ ﷺ نماز تیار ہے۔ تب یعنی جب کہ ایک تہائی رات کے بعد کا وقت ہو چکا تھا آپ بیدار ہوئے اور حجرے سے باہر تشریف لائے اس وقت تک انصاری عورتیں مسجد کے دروازے پر کھڑی ہوئی حضرت حمزہ کی یاد میں رو رہی تھیں۔

انصار کے جذبۂ ہمدردی کی قدردانی...... یہ روایت گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ مسجد کے دروازے سے ملا ہوا تھا۔ غرض اس وقت آپ نے ان عورتوں سے فرمایا۔

"واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے۔ تم نے میرے ساتھ ہمدردی کی۔ اللہ تعالیٰ انصاریوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ کیونکہ جیسا کہ میں جانتا ہوں ان میں ہمدردی کا جذبہ ہمیشہ ہی سے ہے!"

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ مغرب کی نماز کے بعد آپ نے جن عورتوں کو رخصت کر دیا تھا وہ شاید دوسری تھیں اور پھر ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد آپ نے جن کو واپس جانے کا حکم دیا وہ دوسری رہی ہوں۔

اس واقعہ کے بعد ان میں سے ایک انصاری عورت نے یہ عادت بنالی تھی کہ اگر اس کے یہاں کوئی موت ہو جاتی تو اپنی میت پر رونے سے پہلے ہمیشہ حضرت حمزہؓ پر روتی اور اس کے بعد اپنی میت پر روتی۔ یہاں رونے سے مراد شاید نوحہ وماتم ہے (جس کے متعلق مسئلہ آگے آرہا ہے۔

مسجد کے دروازے پر تمام رات پہرہ...... غرض مدینے واپسی کے بعد اس پہلی رات میں اوس و خزرج کے انصاریوں نے تمام رات مسجد کے دروازے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا کیونکہ یہ ڈر تھا کہ قریش کے لوگ جو میدان احد سے واپس مکے کے لئے روانہ ہو چکے تھے کہیں اچانک لوٹ کر مدینے کا رخ نہ کریں۔

نوحہ وشیون کی ممانعت...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری عورتوں کو نوحہ وماتم کرنے سے منع فرمایا۔ اس پر انصاریوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے نوحہ اور ماتم سرائی کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ دراصل اس کے ذریعہ ہم اپنے مرنے والوں کی خوبیاں بیان کرتے ہیں جس سے (بے چین دلوں کو) کچھ سکون ملتا ہے۔ لہذا ہمیں اس کی اجازت عطا فرما دیجئے!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر عورتیں ماتم کریں یعنی روئیں تو نہ تو اپنا منہ نوچیں، نہ سینہ کوبی کر کے چیخیں، نہ بال بکھرائیں اور نہ کپڑے پھاڑیں۔!"

صحابہ کے جوش جہاد کی تعریف...... ایک حدیث میں آتا ہے کہ احد کے دن حضرت علیؓ نے اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دی اور کہا کہ اس کی نوک چھوڑ کر باقی ساری تلوار دھو دو۔ آنحضرت ﷺ نے (غزوہ احد کے سلسلے

میں حضرت علیؓ کی کارگزاری کا اندازہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا۔

"اگر تم نے جنگ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے تو فلاں فلاں لوگوں نے بھی خوب جہاد کیا ہے!"

آپ نے کئی صحابہ کے نام گنائے جن میں سہل ابن حنیف اور ابو دجانہ بھی شامل تھے۔

اسی طرح عکرمہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن یعنی جنگ کے بعد اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو دی اور فرمایا۔

"اس پر سے خون دھودو آج اس نے میرا پورا ساتھ دیا۔!"

یعنی اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔

پھر حضرت علیؓ نے بھی اپنی تلوار ان کو دی اور یہی کہا کہ اس پر سے خون دھودو خدا کی قسم آج اس نے میرا حق ادا کر دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

"اگر تم نے جنگ کا حق ادا کیا ہے تو تمہارے ساتھ سہل ابن حنیف اور ابو دجانہ نے بھی جنگ کا حق ادا کر دیا ہے۔!"

ابن عقبہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی تلوار خون سے رنگین دیکھی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے جنگ کا حق ادا کیا ہے تو عاصم ابن ثابت ابن ابی افلح، حرث ابن صمہ اور سہل ابن حنیف نے بھی کیا ہے۔

امام ابوالعباس ابن تیمیہ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار دھلوانے کے لئے حضرت فاطمہؓ کو دی۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے تلوار سے جنگ ہی نہیں فرمائی۔ مگر کتاب نور میں ہے کہ علامہ ذہبی نے اس حدیث کو کمزور یا غیر صحیح نہیں بتلایا ہے (حالانکہ وہ سب سے بڑے ناقد حدیث ہیں) انہوں نے کہا ہے کہ اس سے ابن تیمیہ کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔ اور یہ اختلاف قابل غور ہے۔

شہداء احد کی تعداد...... جہاں تک غزوہ احد میں مسلمان شہداء کی تعداد کا تعلق ہے تو اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ اس دن کل مقتولین کی تعداد ۷۰ تھی جن میں سے چار مہاجرین میں سے تھے جن کے نام یہ ہیں: حضرت حمزہؓ، حضرت مصعبؓ، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اور حضرت شماس ابن عثمانؓ۔

ایک قول ہے کہ شہدائے احد کی کل تعداد ۸۰ تھی جن میں سے ۷۴ حضرات انصاری تھے اور چھ مہاجر مسلمان تھے۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ (اگرچہ چھ مہاجر شہید تھے تو) شاید پانچویں حاطب ابن بلتعہ کے غلام سعد اور چھٹے ثقیف ابن عمرو تھے جو بنی عبد شمس کے حلیف یعنی معاہدہ بردار تھے۔

ادھر کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے ان کی کل تعداد ۹۶ بتلائی ہے مگر یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس قول کے مناسب نہیں ہے جو بدر کے موقعہ پر آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم چاہو تو ان قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو اور اس کے بدلے میں تم میں سے ستر آدمی اس کے بعد شہید ہو جائیں گے۔

مشرک مقتولین کی تعداد...... مشرکوں میں مرنے والوں کی کل تعداد ۲۳ تھی۔ ایک قول ہے یہ تعداد ۲۲ تھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اگر مشرکوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد یہی تھی تو گذشتہ روایت قابل غور بن جاتی ہے کہ اس جنگ میں تنہا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نے ۳۱ مشرکوں کو قتل کیا تھا۔

کیا اویس قرنی احد میں شریک تھے

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب طبقات میں ایک روایت ہے کہ حضرت اویس قرنی اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف تھے اس لئے وہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ آسکے۔ ادھر یہ روایت ہے کہ غزوہ احد میں وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھے اور اسی غزوہ کے سلسلے میں انھوں نے کہا تھا۔

خدا کی قسم احد میں جب تک میرے سامنے کے دانت نہیں ٹوٹ گئے اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے دانت نہیں ٹوٹے اسی طرح جب تک میرا چہرہ زخمی نہیں ہوگیا اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک زخمی نہیں ہوا اور جب تک میری کمر (دشمنوں کے پیروں تلے) نہیں پامال ہوئی اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی کمر پامال نہیں ہوئی۔1"

علامہ شعرانیؒ کہتے ہیں کہ یہ قول میں نے اسی طرح دیکھا ہے حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ یہاں تک شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب کا حوالہ ہے۔

اویس قرنی کی روایت...... مگر میں نے ایسی کوئی روایت نہیں دیکھی کہ غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کی کمر پامال کی گئی تھی۔ احادیث اور روایات سے جس قدر معلوم ہوا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا، دندان مبارک شہید ہوئے، دونوں رخسار زخمی ہوئے اور نچلا ہونٹ اندر سے زخمی ہوا تھا۔ نیز آپ کا مونڈھا ایک جگہ سے پھٹا اور اس کے علاوہ آپ کا گھٹنا زخمی ہوا تھا۔

فاروق اعظمؓ کی روایت...... بعض مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کو روتے ہوئے یہ کہتے سنا گیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ حق تعالیٰ کے نزدیک آپ کا مقام اس درجہ کا ہے کہ آپ کی اطاعت کو اس نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۱۱ آیت ۸۰

ترجمہ۔ جس شخص نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یارسول اللہ ﷺ۔ حق تعالیٰ کے نزدیک آپ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ اس نے آپ کو گناہوں کی خبر دینے سے پہلے آپکی بخشش کی خبر دی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ج لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ الآیہ پ ۱۰ سورہ توبہ ع ۷ آیت ۴۳

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف تو کردیا لیکن آپ نے ان کو ایسی جلدی اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوجاتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔

یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آخر میں کہا۔ آپ کی کمر کو پامال کیا گیا، آپ کے چہرہ مبارک کو خون سے رنگین کیا گیا اور دندان مبارک کو شہید کیا گیا مگر آپ نے پھر بھی ان دشمنوں کے حق میں کلمہ ءخیر کے سوا کچھ نہیں فرمایا۔ آپ نے اسوقت بھی یہی فرمایا کہ۔ اے اللہ تعالیٰ! میری قوم کو معاف فرما کیونکہ وہ ناواقف اور بے خبر ہے۔"

کیا اویس قرنی صحابی تھے...... جہاں تک حضرت اویس قرنی کے آنحضرت ﷺ سے نہ ملنے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل وہ گزشتہ روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہترین تابعی ایک شخص ہوگا جس کا نام

اولیس قرنی ہوگا۔ (تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔ اور تابعی کی زیارت کرنے والے کو تبع تابعی کہتے ہیں)۔

اولیس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی......اسی طرح علامہ بیہقی نے حضرت عمرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عنقریب تابعین میں قرن کا ایک شخص ہوگا جس کا نام اولیس ابن عامر ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے حضرت اولیس قرنی سے کہا کہ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے، اولیس قرنی نے کہا میں آپ کے لئے کیا مغفرت کی دعا کروں آپ تو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں"

حضرت عمر نے فرمایا۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ بہترین تابعی ایک شخص ہوگا جس کا نام اولیس ہوگا۔!"

یہاں مراد یہ ہے کہ تابعین میں بہترین تابعی ہوگا جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اب یہ روایت اس کے خلاف نہیں ہے جس کو امام احمد ابن حنبل وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ تابعین میں سب سے افضل تابعی حضرت سعید ابن مسیب ہوں گے۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اولیس قرنی نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا بلکہ آپ کے بعد ہوئے ہیں چنانچہ کتاب جامع صغیر میں ایک روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ عنقریب میرے بعد میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام اولیس قرنی ہوگا۔ میری امت کے لئے اس کی شفاعت اتنے بیشمار لوگوں کے لئے ہوگی جتنے بیشمار آدمی قبیلہ ربیع اور مضر کے ہیں۔

ایک شخص کا اولیس کے ساتھ تمسخر......کتاب اسد الغابہ میں یوں ہے کہ حضرت اولیس کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تو ملا لیکن وہ آپ کو دیکھ نہیں پائے۔ وہ کوفہ میں رہتے اور کوفہ کے بہت بڑے تابعین میں سے تھے لوگ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص جو حضرت اولیس قرنی کا مذاق اڑایا کرتا تھا کوفہ والوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا جو اس وقت خلیفۂ رسول تھے، حضرت عمرؓ نے اس جماعت کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا

"کیا اس جماعت میں قرنی شخص (یعنی قرن کا رہنے والا بھی ہے۔"

اس وقت وہی شخص سامنے آیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا۔

فاروق اعظم کی زبانی اولیس کے مقام کا علم......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں یمن کا ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام اولیس قرنی ہوگا۔ اس کے جسم پر بیماری کی سفیدی (یعنی سفید دھبے ہوں گے) وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریگا تو وہ سفیدی ختم ہو جائے مگر ایک دینار یا ایک درہم کے برابر باقی رہ جائیگی۔ پس تم میں سے جو شخص بھی اس سے ملے وہ اس سے درخواست کرے کہ وہ تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرے۔!"

اولیس سے دعا کی درخواست......یہ شخص جب کوفہ واپس پہونچا تو اپنے گھر والوں کے پاس جانیسے بھی پہلے حضرت اولیس قرنی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت اولیس نے اس سے کہا کہ یہ بات تو تمہاری عادت کے خلاف ہے (کہ تم اس طرح میرے پاس آؤ) اس شخص نے عرض کیا۔

"میں نے حضرت عمرؓ کو ایسا ایسا کہتے سنا۔ اب آپ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے۔"

"میں اس وقت تک تمہارے لئے دعا نہیں کروں گا جب تک تم یہ وعدہ نہیں کرو گے کہ آئندہ میرا مذاق نہیں اڑاؤ گے اور یہ کہ حضرت عمرؓ کی یہ بات کسی اور سے نہیں کہو گے۔!"

اس شخص نے ان سے یہ وعدہ کیا تو انہوں نے اس کی مغفرت کی دعا کی۔ حضرت اویس قرنی جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔

احد کی شکست پر یہود و منافقین کی خوشیاں...... غرض جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے بعد مدینہ منورہ پہونچے تو مسلمانوں کی شکست پر منافقوں اور یہودیوں کی زبانیں دراز ہو گئیں اور وہ کھلے عام مسلمانوں کو برا بھلا کہنے اور اس خوشی میں بغلیں بجانے لگے۔ اب وہ لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق انتہائی گستاخانہ باتیں کرتے کبھی کہتے۔ "محمد ﷺ صرف ایک جاہ پسند اور حکومت کے شوقین ہیں۔ آج تک کسی نبی نے اس طرح نقصان نہیں اٹھایا جیسے انہوں نے اٹھایا۔ خود بھی زخمی ہوئے اور اپنے اس قدر ساتھیوں کی جانوں سے بھی ہاتھ دھوئے۔!"

کبھی مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے۔ "تمہارے جو آدمی قتل ہوئے اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یوں اپنی جانیں نہ گنواتے۔!"

دریدہ دہنوں پر عمر کا غصہ...... حضرت عمرؓ نے ان دریدہ دہنوں کی یہ گستاخانہ باتیں سنیں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں ان لوگوں کے قتل کی اجازت دیں۔ (کیونکہ یہودی تو کھلے عام بددین اور مسلمانوں کے دشمن تھے مگر منافقین آستین کا سانپ ثابت ہو رہے تھے) مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"کیا یہ لوگ (یعنی منافقین) ظاہر میں یہ شہادت نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا" بیشک لیکن صرف تلوار کے خوف سے... اب ان کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے اور ان کے دلوں میں جو کینہ و فساد ہے وہ سامنے آگیا ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا !

"جو شخص ظاہری طور پر ہی سہی اسلام کا اعلان کرے مجھے اس کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔!"

ابن ابی کا مومن بیٹے پر غصہ...... ادھر منافقوں کا سردار ابن ابی اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ابن ابی کو ڈانٹ پھٹکار رہا تھا جو زخموں سے چور چور ہو کر لوٹے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال آیا تھا) مگر باپ کی ڈانٹ پھٹکار کے جواب میں حضرت عبداللہ نے صرف اتنا کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہی ان کے حق میں بہتر ہے۔"

ابن ابی کی ظاہر داریاں...... ہمیشہ سے عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی عادت تھی کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھتے۔ تو کھڑے ہو کر کہتا لوگو! یہ رسول اللہ ﷺ تمہارے درمیان موجود ہیں جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے تمہیں عزت و سربلندی عطا فرمائی ہے، لہذا آپ کی مدد کرو، آپ کا احترام کرو آپ کے ارشادات توجہ سے سنو اور آپ کی اطاعت کرو۔!"

صحابہؓ کی ابن ابی کو پھٹکار...... یہ کہہ کر یہ عبداللہ بیٹھ جایا کرتا تھا۔ احد سے واپسی کے بعد بھی اس نے جمعہ کے دن اپنی عادت کے مطابق ایسا کرنا چاہا تو مسلمانوں نے اس کے کپڑوں کا دامن پکڑ کر کھینچا اور (اس کو ڈانٹتے ہوئے) اس سے کہنے لگے۔

"او خدا کے دشمن بیٹھ جا۔ خدا کی قسم تو ان باتوں کا اہل نہیں ہے۔ تو نے جو کچھ کیا ہے سب کو معلوم ہے۔"

یہ سن کر عبداللہ ابن ابی صحابہ کی گردنوں پر سے پھلانگتا ہوا صفوں سے نکلا اور مسجد سے یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

"گویا میں تو فراق میں مر جاؤں گا۔" بعض انصاریوں اس سے یہ کہا۔

ابن ابی کی خود سری...... "تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر معافی مانگ لو۔ آنحضرت ﷺ تمہارے لئے

مغفرت کی دعا کریں گے۔!"

عبداللہ ابن ابی نے کہا۔

"مجھی ضرورت نہیں کہ وہ میری مغفرت کی دعا کریں!" (ان تفصیلات کے ساتھ غزوہ احد کا بیان تمام ہوا) حق تعالیٰ نے اُحد کے واقعات کے سلسلے میں سورۂ آل عمران میں آیات نازل فرمائی ہیں جو یہ ہیں۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ پ ۴ سورہ ع آل عمران ع ۱۳ آیت ۱۶۱

ترجمہ اور جبکہ آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کے لئے مقامات پر جمارہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب سن رہے تھے سب جان رہے تھے۔

باب پنجاہ (۵۰)

غزوہ حمراء الاسد

قریش لشکر کے تعاقب کا ارادہ...... آنحضرت ﷺ کے غزوہ احد سے واپس تشریف لانے کے بعد اگلے ہی دن صبح کو رسول اللہ کا قاصد مدینے میں اعلان کر رہا تھا کہ مسلمان قریش کا پیچھا کرنے کے لئے روانگی کو تیار ہو جائیں اور یہ کہ صرف وہی لوگ چلیں گے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔

یہ ارادہ قریش کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ ان کے تعاقب میں تشریف لا رہے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ مسلمانوں کی طاقت و قوت باقی ہے احد کی شکست کی وجہ سے وہ دشمن کے مقابلے میں کمزور نہیں ہو گئے ہیں۔

قریش کے خطرناک ارادے...... (قال) ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ابو سفیان قریشی لشکر لے کر مدینے پر حملہ کرنے کے لئے راستے میں واپس ہونے کا ارادہ کر رہا ہے تاکہ آنحضرت ﷺ کے جو صحابہ زندہ بچ گئے ہیں ان کا بھی صفایا کر دے (اس ارادے میں قریش کے کچھ اور سردار بھی ابو سفیان کے ساتھ تھے)) چنانچہ آپ کو معلوم ہوا کہ ان قریشوں نے دوسروں سے کہا۔

"نہ تو تم نے محمد ﷺ کو ہی قتل کیا اور نہ وہاں سے دوشیزاؤں کو پکڑ لائے۔ کیا حماقت ہے۔ چلو واپس چلو۔"

ایک روایت میں ہے کہ میدان احد سے واپس ہونے کے بعد کچھ ہی دور چلے تھے کہ وہ لوگ رک کر ساتھیوں سے کہنے لگے۔

"کیا حماقت کا کام کیا ہے۔ تم نے ان کو قتل کیا اور جب ان کی تھوڑی سی جماعت باقی رہ گئی تو تم انہیں چھوڑ کر واپس چلے آئے۔ لہذا واپس چلو اور اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اپنی طاقت و قوت جمع کر لیں ان سب کو نیست و نابود کر دو۔!"

مگر لوگوں نے اس بات کو نہیں مانا بلکہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا خوف اور رعب پیدا کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع......ایک روایت ہے کہ جس رات میں آنحضرت ﷺ احد سے واپس مدینے پہنچے اس کی صبح کو حضرت عبداللہ ابن عوف آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آرہا تھا جب میں فلاں مقام پر پہونچا تو میں نے دیکھا کہ قریش وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کو لشکر سے یہ کہتے سنا۔

"تم نے کچھ بھی نہ کیا۔ ان کے یعنی مسلمانوں کے تمام بڑے بڑے سردار تو زندہ ہیں جو پھر تمہارے خلاف لشکر جمع کرلیں گے۔ آؤ پھر واپس چلو ہم ان سب کا بھی تیاپانچہ کردیں۔" اگر صفوان ابن امیہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ "لوگو! ایسا نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مسلمان جو لشکر کے ساتھ نہیں تھے تم پر حملہ آور نہ ہو جائیں اس لئے واپس لوٹ چلو۔ ابھی تو فتح اور کامیابی تمہارے ساتھ ہے مگر ڈر ہے کہ اگر تم نے پھر مدینے کا رخ کیا تو کہیں یہ فتح و کامرانی تمہارے خلاف نہ پڑجائے۔"

حضرت عبداللہ ابن عوف کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"صفوان نے ان لوگوں کو صحیح راستہ دکھلایا حالانکہ وہ خود صحیح راستہ نہیں دیکھتا!"

تعاقب کا مشورہ اور فیصلہ......اس کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو بلایا اور ان کو عبداللہ ابن عوف کی دی ہوئی خبر سنائی۔ ان دونوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ ﷺ! دشمن کا پیچھا کیجئے تاکہ وہ لوگ ہماری عورتوں اور بچوں پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔"

صرف شرکاء احد کو تیاری کا حکم...... پھر جب آنحضرت ﷺ صبح کی نماز سے لوٹے تو آپ نے لوگوں کو جوش دلایا اور حضرت بلالؓ کو لوگوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیتے ہیں اور یہ کہ صرف وہی لوگ اس وقت تعاقب میں چلیں گے جو کل جنگ میں شریک تھے۔

جابر کے احد میں شریک نہ ہوسکنے کی وجہ......جب آپ روانگی کی تیاری فرمارہے تھے تو جابر ابن عبداللہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"یارسول اللہ! میں غزوہ احد میں اس لئے شریک نہیں ہوسکا تھا کہ میری سات بہنیں ہیں اور میرے والد نے مجھے ان کے پاس چھوڑ دیا تھا"۔ ایک قول کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ان کی بہنوں کی تعداد نو تھی۔ غرض جابرؓ نے کہا کہ میرے والد نے مجھے حکم دیا۔

"بیٹے! یہ بات نہ میرے لئے مناسب ہے اور نہ تمہارے لئے کہ ہم ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ جائیں کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ ہو۔ ادھر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے اپنے مقابلے میں تمہیں ترجیح نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی دولت میسر فرمادے۔ لہٰذا تم اپنی بہنوں کے پاس رہو۔!"

تعاقب میں ہمراہی کی درخواست اور اجازت...... چنانچہ اس طرح میں بہنوں کی نگرانی کے لئے یہاں رہ گیا تھا اور انھوں نے شہادت کے لئے اپنے آپ کو مجھ پر ترجیح دی! لہٰذا یارسول اللہ مجھے بھی اپنے ہمراہ چلنے کی اجازت عطا فرمائیں۔!"

اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت عنایت فرمادی۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ میرے سوا کوئی ایسا نہیں تھا جو غزوہ احد میں شریک نہ ہوا ہو۔

سردار منافقین کی درخواست رد......اس کے علاوہ کچھ دوسرے ایسے لوگوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے پاس آکر ساتھ چلنے کی اجازت مانگی جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان ہی میں سردار منافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی تھا۔اس نے آپ سے آکر عرض کیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کو اور ایسے دوسرے لوگوں کو رد کر دیا۔

اسلامی پرچم اور مدینہ میں قائم مقامی......اس کے بعد آپ نے اپنا جھنڈا منگایا جو ابھی تک جوں کا توں رکھا ہوا تھا یعنی وہ کپڑا کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ نے یہ پرچم حضرت علی ابن ابو طالب کی سپرد فرمایا ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکر کے سپرد فرمایا۔اور مدینے میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ پھر آپ اپنے سکب نامی گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے آنحضرت کے صحابہ میں سے کسی کے پاس گھوڑا نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ زرہ بکتر زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور سوائے آنکھوں کے چہرہ مبارک کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔

آپ کے ساتھ وہ تمام جاں نثار صحابہ بھی روانہ ہوئے جو احد میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۸ آیت ۱۷۲

ترجمہ جن لوگوں نے اللہ ور سول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے (احد کا حال بتلاتے ہوئے) کہا تھا۔

"بھانجے! جب غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کو زخم لگے اور پھر جبکہ مشرکین میدان احد سے چلے گئے (اور آنحضرت ﷺ بھی واپس مدینے تشریف لے آئے) تو تمہارے والد زبیر اور ابو بکرؓ کو ڈر تھا کہ کہیں مشرکین پھر پلٹ کر مدینے پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ہمارے ساتھ دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے چلتا ہے۔اس پر مسلمانوں میں سے ستر آدمی تیار ہو گئے۔!"

علامہ ابن کثیر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تفصیل غریب ہے کیونکہ مورخین غزوات کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ حمراء اسد کے مقام تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس موقعہ پر جو لوگ گئے تھے وہ سب لوگ تھے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔اور ان کی تعداد سات سو تھی جیسا کہ بیان ہوا ان میں سے ستر آدمی شہید ہوئے اور باقی زندہ رہے۔ یہاں تک ابن کثیر کا حوالہ ہے۔اس کی روشنی میں وہ گذشتہ روایت قابل غور ہے۔

(قال) مگر بظاہر ان دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر سب سے پہلے ستر آدمیوں نے لبیک کہی اور اس کے بعد پھر باقی لوگوں نے آپ کے حکم پر رضامندی ظاہر کی۔

زخمی صحابہ اور رسول کے حکم کی بجا آوری...... غرض تمام صحابہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے سب لوگ زخمی تھے مگر کسی نے بھی اپنے زخموں کے علاج اور دوا دارو کی طرف توجہ نہیں کی یعنی سوائے اس کے کہ انہوں نے کپڑا جلا کر زخم پر رکھا اور باندھ دیا بار بار ایسا کرنے سے زخم کی تکلیف اور درد میں کمی ہو جاتی ہے

صحابہ نے اپنے زخموں کا صرف یہی علاج کیا اس سے زائد کچھ نہیں کیا۔ لہٰذا ان کے کچھ نہ کرنے اور یہ تدبیر کرنے کے درمیان کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ یعنی اس رات صحابہ نے آگ جلائی اور اپنے زخموں کا یہ علاج کیا!
ان میں سے بعض صحابہ کے جسموں پر نو نو زخم تھے جیسے حضرت اسید بن حضیر اور عقبہ ابن عامر تھے بعض کے دس دس زخم تھے جیسے حضرت خراش ابن صمہ اور بعض کے اس سے بھی زائد زخم تھے جیسے حضرت کعب ابن مالک تھے۔ ایک صحابی ایسے تھے جن کے بدن پر ستر سے بھی زیادہ زخم تھے وہ طلحہ ابن عبید اللہ تھے ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ ایک قول ہے کہ شہادت کی انگلی کٹی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق کن انگلی کے برابر والی کٹی تھی۔ اس کی وجہ سے اس ہاتھ کی باقی تمام انگلیاں بھی شل ہو کر بیکار ہو گئی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ انگلیوں کے پورے کٹ گئے تھے جیسے کہ پیچھے گذرا۔ اسی طرح ایک صحابہ کے جسم پر بیس زخم تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ

آنحضرت ﷺ کا زخمی حالت میں کوچ...... بنی سلمہ میں سے چالیس آدمی زخمی ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو فرمایا۔ "اے اللہ! بنی سلمہ پر اپنی رحمت نازل فرما۔ غرض اس موقعہ پر جب کہ یہ زخمی صحابہ احد سے واپسی کے اگلے ہی دن آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل میں پھر جنگ کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت خود آنحضرت ﷺ بھی سخت زخمی تھے اور اسی حالت میں صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کے زخموں کی صورت یہ تھی کہ آپ کا چہرۂ مبارک زرہ کی کڑیاں گڑ جانے کی وجہ سے زخمی تھا۔ چہرۂ مبارک پر پتھر کا ایک زخم بھی تھا نیز آپ کے سامنے کے چاروں دانت ٹوٹ گئے تھے اور نچلا ہونٹ اندر کی طرف سے زخمی تھا۔

کتاب منتقی میں ہیکہ اوپر کا ہونٹ اندر سے پھٹ گیا تھا۔ اسی طرح دایاں شانہ زخمی تھا جس پر ابن قمئہ نے وار کیا تھا نیز گڑھے میں گر جانے کی وجہ سے آپ کے دونوں گھٹنے زخمی تھے۔

نبی کی پیشن گوئی...... غرض پھر آنحضرت ﷺ کو طلحہ ابن عبید اللہ ملے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ "طلحہ تمہارے ہتھیار کہاں ہیں۔"

حضرت طلحہؓ نے عرض کیا کہ قریب ہی ہیں یہ کہہ کر وہ جلدی سے گئے اور اپنے ہتھیار اٹھالائے۔ حالانکہ اس وقت طلحہؓ کے صرف سینے پر ہی نو زخم تھے۔ ان کے جسم پر کل ملا کر ستر سے اوپر زخم تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں۔

"میرے نزدیک آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں اپنے زخموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور خود زخم کھا کر آپ کا بچاؤ کر رہا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے کہ تم نے دشمن کو کہاں دیکھا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ نشیبی علاقے میں۔"

آپ نے فرمایا۔

"یہی میرا بھی خیال تھا۔ جہاں تک ان کا یعنی قریش کا تعلق ہے تو ان کو ہمارے ساتھ آئندہ کبھی اس طرح کا معاملہ کرنے کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مکہ کو ہمارے ہاتھوں فتح کر دیگا۔!"

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"اے ابن خطاب! آئندہ کبھی قریش ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کر پائیں گے یہاں تک کہ ہم (فاتح کی حیثیت سے ملے اور حرم میں داخل ہو کر) رکن یعنی حجر اسود کو بوسہ دیں گے۔!"

حمراء اسد میں پڑاؤ...... غرض اس غزوہ کے سفر میں آنحضرت ﷺ کے راہبر ثابت ابن ضحاک تھے یہ ثابت جبیر کے بھائی ثابت نہیں تھے۔ اگرچہ ایک قول ہے کہ یہ وہی ثابت تھے جو جبیر کے بھائی تھے۔

غرض یہ لشکر مشرکوں کے تعاقب میں آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ حمراء اسد کے مقام پر پہنچ کر فروکش ہوا۔ یہ حمراء اسد جس جگہ کا نام ہے وہ مدینے سی آٹھ میل فاصلے پر ہے۔ ایک قول کے مطابق دس میل کے فاصلے پر ہے۔

دو انصاریوں کا ذوق اطاعت...... ایک انصاری شخص سے روایت ہے کہ غزوہ احد میں میرا بھائی اور میں دونوں شریک تھے جہاں سے ہم زخمی حالت میں واپس آئے احد سے واپسی کے بعد فوراً ہی جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونے کا اعلان کرایا تو میرے بھائی نے مجھ سے کہا۔

"کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونے کی سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

"اگر ہم نے آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی میں غزوہ کی نعمت کو چھوڑ دیا تو یہ بہت بری بات ہو گی۔ خدا کی قسم ہمارے پاس تو سواری کے لئے کوئی جانور بھی نہیں ہے!۔"

زخمی حالت میں پیدل سفر...... (ادھر دونوں زخمی بھی تھے مگر پھر بھی پیدل ہی روانہ ہو گئے) یہ انصاری شخص کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کے مقابلے میں میرے زخم پھر کچھ کم تھے اس لئے جب بھائی چلتے چلتے تھک جاتا تو میں اس کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر چلتا اور پھر خود تھک جاتا تو اتار دیتا اور پھر دونوں پیدل چلنا شروع کر دیتے۔ آخر اسی طرح چلتے چلتے اسی مقام یعنی حمراء اسد تک پہنچ گئے جہاں پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

یہ عشاء کا وقت تھا اور مسلمان آگ جلا رہے تھے جب یہ دونوں انصاری لشکر کے قریب پہنچے تو پہرہ دینے والے دستے نے ان کو ٹوکا اس رات پہرے پر حضرت عباد ابن بشر ایک دستے کے سربراہ تھے حضرت عباد ان دونوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔

"تم لوگ کوچ کے وقت کس لئے رک گئے تھے!۔"

ان دونوں نے اپنی مجبوری بتلائی (کہ زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا اور سواری بھی نہیں اس لئے گرتے پڑتے یہاں پہنچے ہیں)۔

نبی کی طرف سے دعاء خیر...... یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے انکے حق میں دعائے خیر فرمائی اور پھر فرمایا۔

"اگرچہ آنے میں دیر لگی مگر تم دونوں کو گھوڑے، خچر اور اونٹ ملیں گے اگرچہ وہ تمہارے لئے اس سے بہتر چیز نہیں ہیں!۔"

یہ دونوں انصاری شخص حضرت عبد اللہ اور حضرت رافع ابن سہیل تھے اور ان میں جس کے لئے چلنا زیادہ دوبھر ہو رہا تھا وہ حضرت رافع تھے اور ان کو اٹھا کر چلنے والے حضرت عبد اللہ تھے۔

حکمت عملی سے قریش پر رعب...... اس مقام پر مسلمانوں نے تین رات قیام کیا۔ ہر رات اپنے پڑاؤ میں صحابہ پانچ سو جگہ آگ روشن کرتے تاکہ بہت دور سے بھی روشنی نظر آتی رہے۔ مسلمانوں کے پڑاؤ سے مختلف آوازیں اور آگ کی روشنی دور دور تک پہنچتی تھی اور اس کے نتیجہ میں دشمن کے دلوں میں خوف اور رعب بیٹھ گیا تھا (کیونکہ دشمن کے جاسوس ہر قسم کی خبریں اپنے آقاؤں تک پہنچاتے تھے۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں عام طور پر مسلمانوں کے ساتھ جو زادراہ اور کھانا تھا وہ کھجوریں تھیں۔ حضرت سعد ابن عبادہ اپنے ساتھ تیس لونٹ لے کر چلے تھے جو حمراء اسد تک پہنچ گئے۔ قربانی کے لئے جو جانور ساتھ تھے ان میں سے کسی دن دو اور کسی دن تین کاٹے جاتے۔

ادھر قریشی لشکر کو احد سے چلنے کے بعد راہ میں معبد خزاعی ملے جو اس وقت تک کافر تھے۔ قریش سے ان کی ملاقات روحاء کے مقام پر ہوئی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کے لشکر کے ساتھ قریش کے تعاقب میں کوچ کرتے بھی دیکھا تھا۔ جب قریش نے احد سے واپسی میں اچانک مدینے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو معبد خزاعی نے ان کو بتلایا کہ ان سے پہلے خود آنحضرت ﷺ ان کا پیچھا کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ سن کر قریشی لشکر خوفزدہ ہو گیا اور انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ سیدھے مکے کو ہی واپس چلے جائیں۔

معبد خزاعی کی طرف سے احد کے نقصان پر تعزیت...... (قال) جب رسول اللہ ﷺ حمراء اسد کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے معبد خزاعی آپ سے آکر ملا۔ یہ معبد بنی خزاعہ کا شخص تھا بنی خزاعہ کے لوگوں میں مسلمان بھی تھے اور کافر بھی۔ مگر سب کے سب رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتے تھے۔ غرض معبد نے آنحضرت ﷺ سے آکر عرض کیا۔

"اے محمد ﷺ! اس جنگ یعنی احد میں آپ کی ذات کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس سے ہمیں بے حد تکلیف پہنچی ہے۔ ہماری آرزو تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی شان بلند فرمائے اور آپ کے دشمنوں کو مبتلا فرمائے!۔"

معبد کی ابوسفیان سے ملاقات...... (اس طرح گویا معبد خزاعی نے غزوہ احد کی شکست پر آنحضرت ﷺ کے سامنے تعزیت اور اظہار افسوس کیا تھا) معبد پہلے آنحضرت ﷺ سے ملا تھا اور ان کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہوا یہاں تک کہ روحاء کے مقام پر پہنچا۔ ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو فوراً خود سے بولا کہ یہ معبد آرہا ہے اس کے پاس یقیناً نئی خبریں ہوں گی۔ پھر اس نے معبد سے کہا۔

"معبد! تم اپنے پیچھے کیا حالات چھوڑ کر آرہے ہو۔"

معبد مسلمانوں کا ایک مشرک ہمدرد...... معبد نے کہا۔

میں اپنے پیچھے محمد ﷺ اور ان کے صحابہ کو چھوڑتا ہوا آرہا ہوں۔ ان کا لشکر تمہارے تعاقب میں نکلا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ اتنا بڑا لشکر ہے کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وہ سب کے سب تمہارے خلاف غیظ و غضب کا پتلا بنے ہوئے ہیں۔ اس دفعہ ان کے ساتھ قبیلہ اوس اور خزرج کے وہ مسلمان بھی آئے ہیں جو کل کسی وجہ سے جنگ احد میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان سب نے آپس میں یہ عہد کیا ہے کہ وہ تم سے ٹکرائے اور انتقام لئے بغیر کسی قیمت پر واپس نہیں جائیں گے سب لوگ اپنی قوم پر بھی ناراض ہیں اور خود قوم کے لوگ اپنی پسپائی پر نادم ہیں۔ ان میں اس قدر جوش و غضب ہے کہ میں نے آج تک کبھی نہیں دیکھا!۔"

مسلمانوں کے جوش پر ابوسفیان کا خوف و دہشت...... ابوسفیان نے یہ (وحشت ناک خبر) سن کر کہا۔

"تیرا ناس ہو۔ کیا کہہ رہا ہے!۔"

معبد نے کہا۔

"خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اس طرف کو چلو گے تو فوراً ہی تمہیں ان کے گھوڑوں کی

پیشانیاں نظر آنے لگیں گی!۔"

ابو سفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم ہم نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم یہیں سے لوٹ کر مدینے پر حملہ کریں اور بچے کھچے مسلمانوں کا صفایا کر دیں۔"

معبد نے کہا۔

"میں تمہیں ہرگز اس کا مشورہ نہیں دوں گا!۔"

مسلمانوں کو ابوسفیان کا جھوٹا پیغام...... معبد کی زبانی یہ خبر سن کر قریشی لشکر افتاں و خیزاں وہاں سے مکے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جس وقت ابوسفیان اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے جا رہا تھا تو اسے کچھ لوگ ملے جو مدینے کو جا رہے تھے، ابوسفیان نے اس قافلے کے ذریعہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس کہلایا کہ ہم لوگوں نے (مدینے پر چڑھائی کرنے کے لئے راہ میں سے ہی لوٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کو ابوسفیان کے یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا۔

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے۔ اور اس وقت حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لآیہ پ ۴۔ سورہ آل عمران ع ۱۸ آیت ۱۷۲

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کے لئے پتھروں کا ایک نشان مقرر کر دیا ہے۔ اگر وہ لوٹتے تو اس نشان پر پہنچ کر وہ سب کے سب اس طرح نیست و نابود ہو جائیں گے جیسے گزری ہوئی کل کا دن۔!"

مسلمانوں کی واپسی...... ادھر معبد خزاعی نے بھی قریش کو وہاں سے چلتا کر دینے کے بعد ایک شخص کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع بھجوائی کہ ابوسفیان اپنے لشکر کے ساتھ ڈر کر واپس مکے چلا گیا ہے۔ چنانچہ اس خبر کے بعد آنحضرت ﷺ بھی حمراء اسد کے مقام سے ہی مدینے کو واپس ہو گئے۔

ابو عزہ شاعر کی دوبارہ گرفتاری...... یہیں حمراء اسد کے مقام پر آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کے شاعر ابو عزہ کو گرفتار کیا۔ یہ وہ ابو عزہ ہے جو غزوہ بدر کے وقت مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا تھا اور پھر اس کی درخواست اور گریہ وزاری پر آنحضرت ﷺ نے اس پر یہ احسان فرمایا تھا کہ اس کو بغیر فدیہ یعنی جان کی قیمت لئے یوں ہی رہا کر دیا تھا کیونکہ اس نے منت سماجت کی تھی کہ میرے کئی بیٹیاں ہیں اور میں غریب اور تہیدست آدمی ہوں فدیہ کی رقم ادا نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ عہد لے کر اس کو رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ نہ تو آنحضرت ﷺ سے جنگ کو آئے گا، نہ آپ کے خلاف لشکر اکٹھے کرے گا اور نہ آپ کے خلاف کسی کو اکسائے گا۔ (اس نے رسول اللہ ﷺ سے ان سب باتوں کا وعدہ کیا اور رہائی حاصل کر کے مکے چلا گیا) جیسا کہ پیچھے گزرا۔

ابو عزہ کی گزشتہ بد عہدی...... مگر اس کے بعد اس نے اپنا عہد توڑ دیا اور جنگ احد میں قریش کے ساتھ پھر

آیا۔ یہ لوگوں کو جوش دلاتا تھا اور اپنے شعروں کے ذریعہ انہیں بھڑکاتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف جان کی بازی لگا کر جنگ کریں۔ یہ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ یہ شخص اس دفعہ بچ کر نہ نکلنے پائے چنانچہ یہ پھر گرفتار ہو گیا۔ ایک قول ہے کہ جنگ احد کے بعد جب مشرکین وہاں سے واپسی میں حمراء اسد کے مقام پر ٹھہرے تو یہ ابو عزہ سو گیا۔ قریشی لشکر وہاں سے آگے روانہ ہوا تو کسی کو اس کا خیال نہ آیا اور اسے یونہی سوتا چھوڑ کر لشکر آگے بڑھ گیا۔ یہ دن چڑھے تک غافل پڑا سوتا رہا (۔ اس کے بعد اگلے دوسرے دن ہی آنحضرت ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ حمراء اسد کے مقام پر پہنچے اور اس کو گرفتار کر لیا گیا) اس کو گرفتار کرنے والے شخص حضرت عاصم ابن ثابت تھے۔ اس غزوۂ حمراء اسد میں یہی تنہا مشرک تھا جو گرفتار ہوا۔ ایک قول ہے کہ اس کو گرفتار کرنے والے عمیر ابن عبداللہ تھے۔ مگر کتاب نور میں ہے کہ عمیر ابن عبداللہ نامی کسی صحابی کو میں نہیں جانتا۔

<u>جان بخشی کے لئے ابو عزہ کی دوبارہ خوشامد</u>...... غرض گرفتاری کے بعد یہ شخص ابو عزہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس نے کہا۔

"اے محمد! مجھے چھوڑ دیجئے۔ مجھ پر احسان فرمائیے۔ اور میری بیٹیوں کی خاطر مجھے رہا کر دیجئے میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی اس قسم کی حرکت نہیں کروں گا!۔"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں۔ خدا کی قسم اب تیرے چہرے کو مکہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ۔ اب تو اپنی اس داڑھی کے ساتھ حجر اسود کے پاس بیٹھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں محمد کو دھوکہ دے آیا۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ کہ میں نے محمد پر دونوں مرتبہ جادو کر دیا۔ پھر آپ نے حضرت زید کی طرف متوجہ ہو کر حکم دیا۔ زید اس کی گردن مار دو۔"

<u>ابو عزہ کا قتل</u>...... ایک روایت میں ہے کہ یہ حکم آپ نے حضرت عاصم ابن ثابت کو دیا تھا اور ایک روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ کو دیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا!۔"

اس کے بعد ابو عزہ کی گردن مار دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا سر ایک نیزے پر لگا کر مدینے لے جایا گیا تھا۔ اور یہ کہ یہ پہلا انسانی سر ہے جو اسلام کے زمانے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا گیا۔ بعض علماء نے یہی لکھا ہے۔

آگے ایک قول آئے گا کہ اسلام کے دور میں سب سے پہلے جو انسانی سر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا گیا وہ کعب ابن اشرف یہودی کا سر تھا۔ اس کا تفصیلی واقعہ آگے بیان ہوگا جہاں صحابہ کی فوجی مہمات کا ذکر ہے۔ مگر گزشتہ روایت اور اس روایت میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہاں مراد یہ ہے کہ ابو عزہ کا سر وہ پہلا سر ہے جو نیزہ پر رکھ کر مدینے لے جایا گیا۔

اسی طرح آگے ایک روایت بیان ہوگی کہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے میں جب ان کے مخالفین ان کے مکان میں گھسے تو ان چاروں آدمیوں میں چوتھے شخص عمرو ابن جموح تھے اور یہ حضرت علیؓ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ کی خلافت کا دور آیا تو یہ فرار ہو کر عراق

چلے گئے۔ وہاں ان کو ایک سانپ نے ڈس لیا۔ یہ گھبرا کر ایک غار میں گھس گئے اور وہیں مر گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع عراق کے حاکم زیاد کو ہوئی تو اس نے ایک شخص کو غار میں بھیج کر ان کا سر کٹوا کر منگایا اور پھر وہ سر امیر معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔

اس طرح اسلام کے دور میں یہ پہلا سر ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا گیا۔ مگر اس سے بھی گزشتہ روایت کی تردید نہیں ہوتی جیسا کہ ظاہر ہے (۔یعنی گزشتہ روایت میں مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں وہ پہلا سر تھا جبکہ یہ اس دور کے بعد کی بات ہے)۔

نبی کے ایک ارشاد کی وضاحت...... پیچھے ایک مثل گزری ہے کہ مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ (ایک بار دھوکہ اٹھانے کے بعد) انسان کو چاہئے کہ وہ پوری طرح ہوشیار اور محتاط ہو جائے۔ یہ مثل آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے سے سننے میں نہیں آئی۔ اس مثل کے استعمال کا موقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اچانک تلوار سونتی اور آنحضرت ﷺ پر وار کیا مگر اس کا وار خالی گیا۔ اس نے فوراً ہی کہا۔

"اے محمد! میں تو مذاق کر رہا تھا!۔"

آنحضرت ﷺ نے اس کو معاف فرمایا۔ مگر اس کے بعد پھر ایک دفعہ اس شخص نے یہی حرکت کی اور وار خالی جانے پر پھر وہی بات کہہ دی۔ مگر آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا کہ مومن کو ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاسکتا۔

معاویہ کو عثمان غنیؓ کی پناہ کی تلاش...... غرض واپسی کے وقت یہیں حمراء اسد کے مقام پر آپ نے معاویہ ابن مغیرہ ابن ابوالعاص کے قتل کا حکم دیا۔ یہ عبدالملک ابن مروان کا نانا تھا۔ اس نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عثمان ابن عفان کی پناہ ڈھونڈ ی تھی یعنی جان بچانے کے لئے اس نے حضرت عثمانؓ کا سہارا تلاش کرنا چاہا تھا۔ یعنی جب کفار قریش جنگ احد کے بعد لوٹ گئے تو معاویہ اپنی ناک کی سیدھ میں چل پڑا۔ پھر یہ حضرت عثمان کے مکان کے دروازے پر آیا اور دستک دی۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی یعنی رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا عثمان کا چچازاد بھائی۔ انہوں نے کہا عثمان اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا۔

"ان کو ذرا ابھی بلوا بھیجو کیونکہ ان کی ایک رقم میرے اوپر واجب ہے۔ میں نے ان کے مال سے کچھ تجارتی سامان خریدا تھا!۔"

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ آگئے جیسے ہی انہوں نے معاویہ کو دیکھا تو کہنے لگے۔

"تم خود بھی تباہ ہوئے اور مجھے بھی ہلاکت میں ڈال دیا!۔"

معاویہ نے کہا۔

"بھائی۔ کل تک تم سے زیادہ میرا ہمدرد اور خیر خواہ کوئی نہیں تھا۔ مجھے پناہ دے دو!"

معاویہ کی تلاش کا حکم...... آخر حضرت عثمانؓ نے ان کو گھر میں بلا لیا اور مکان کے ایک حصہ میں اس کو چھپا کر خود آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ اس کے لئے آپ سے امان اور جاں بخشی کا وعدہ حاصل کرلیں۔ جیسے ہی حضرت عثمانؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سنا آنحضرت ﷺ یہ فرما رہے تھے۔

"معاویہ اس وقت مدینے میں موجود ہے اسے وہاں سے تلاش کر کے لاؤ!۔"

گرفتاری اور مشروط رہائی...... لوگ فوراً معاویہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور کچھ لوگ حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہوئے (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ حضرت عثمان کا چچازاد بھائی ہے) جیسے ہی یہ لوگ مکان کے اندر گھسے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نے ان لوگوں کو اشارہ سے بتلادیا کہ معاویہ اس حجرے میں چھپا ہوا ہے۔ لوگوں نے اس کو باہر نکالا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

فرار کے لئے تین دن کی مہلت...... "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق وصداقت دے کر بھیجا میں اس وقت صرف اس شخص کے لئے امان حاصل کرنے آیا تھا اس لئے اس کو مجھے عنایت فرما دیجئے!۔"

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے معاویہ کو ان کے حوالے کر دیا اور تین دن کے اندر اندر اس کو مدینے سے نکال دینے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ اگر تین دن بعد آپ نے اس شخص کو یہاں موجود پایا تو اسے قتل کرادیں گے۔

معاویہ کی خلاف ورزی اور قتل...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ حمراء اسد کی طرف روانہ ہوگئے۔ ادھر معاویہ تین دن تک مدینے میں ٹھہرا رہا اور آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرتا رہا تاکہ یہاں سے جا کر اپنی جاسوسی کا حال قریش کو سنا سکے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق ضروری خبریں قریش کو پہنچا دے۔ چوتھے دن آنحضرت ﷺ مدینے واپس تشریف لے آئے جبکہ معاویہ اس وقت تک بھی مدینے میں موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر وہ مدینے سے فرار ہوا مگر حضرت زید ابن حارثہ اور عمار ابن یاسر نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ ایک جگہ انہوں نے معاویہ کو جالیا اور اس پر تیر چلا کر اسے قتل کر دیا۔ ان دونوں صحابہ کو آنحضرت ﷺ نے ہی معاویہ کے تعاقب میں روانہ کیا تھا اور ان سے فرمایا تھا۔

"تم دونوں کو وہ فلاں جگہ مل جائے گا۔"

یہ جگہ مدینے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ چنانچہ ان دونوں نے اسے وہیں جا پکڑا اور قتل کر دیا۔ ایک قول ہے کہ اس کا پیچھا کرنے والے حضرت علیؓ تھے اور انہوں نے ہی معاویہ کو قتل کیا تھا!۔"

دو مسلم جاسوسوں کا قتل...... رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حمراء اسد کو روانگی کے وقت بنی اسلم کے تین آدمیوں کو دشمن کے تعاقب میں آگے روانہ فرمادیا تھا (تاکہ وہ ان کے متعلق خبریں معلوم کریں) ان میں سے دو آدمیوں نے دشمن کو حمراء اسد کے مقام پر جالیا (مگر دشمن نے ان کو پکڑ لیا اور قتل کر کے وہیں ڈال گئے۔ جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو آپ کو ان دونوں کی لاشیں ملیں۔ آپ نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرا دیا۔ مقتولین احد کے متعلق جو بات پیچھے بیان ہوئی ہے وہ یہاں صادق نہیں آتی۔

حرث اور مجذر نامی دو مسلمانوں کا واقعہ...... حمراء اسد سے آنحضرت ﷺ کی واپسی کے بعد جبکہ آپ مدینے آچکے تھے آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے بتلایا کہ حرث ابن سوید نامی شخص اس وقت قباء میں موجود ہے لہذا وہاں پہنچ کر اس سے اس مسلمان کا قصاص اور بدلہ لیجئے جسے اس نے غداری کر کے احد کے دن قتل کیا تھا۔ حرث ابن سوید نے مجذر کو قتل کیا تھا۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ مجذر زیاد کے بیٹے تھے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ جاہلیت کے زمانے میں حرث کے باپ سوید نے مجذر کے باپ

زیادہ کو قتل کر دیا تھا۔اس کے بعد ایک دن مقتول کے بیٹے مجذر کو سوید پر قابو حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے باپ کے قاتل کو مار ڈالا۔یہ دونوں واقعے اسلام سے پہلے کے ہیں اور یہی واقعہ جنگ بعاث کا سبب بنا تھا۔اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے تو دونوں مقتولوں کے بیٹے یعنی حرث ابن سوید اور مجذر ابن زیادہ مسلمان ہو گئے اور دونوں ہی غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے (مگر ان لوگوں کے دلوں میں اس واقعہ کا زخم موجود تھا یعنی حرث کا باپ سوید، مجذر کے باپ زیاد کا قاتل تھا اور مجذر، حرث کے باپ سوید کا قاتل تھا، لہذا غزوہ بدر کے دوران بھی حرث اپنے باپ کے قاتل مجذر کی تلاش میں رہا تا کہ موقعہ ملے تو اس کو اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرے۔ مگر غزوہ بدر میں اسے اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکی۔

حرث کے ہاتھوں مجذر کا قتل...... اس کے بعد غزوہ احد کا موقعہ آیا۔جب مسلمان جنگ میں مصروف تھے اچانک حرث ابن سوید خاموشی سے مجذر کے پیچھے آیا اور تلوار کے ایک وار میں مجذر کی گردن کاٹ دی۔ایک قول ہے کہ حرث ابن سوید نے قیس ابن زید کو بھی قتل کر دیا تھا۔

حرث کے قتل کا آسمانی حکم...... غرض جبرئیل کے خبر دینے کے بعد آنحضرت ﷺ فوراً ہی قبا تشریف لے گئے اس روز آپ بالکل ناوقت قبا پہنچے۔دوپہر کا وقت تھا اور سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ آپ ایسے وقت کبھی وہاں نہیں جایا کرتے تھے۔ آپ وہاں پہنچے تو انصاری مسلمان آپ کے پاس آ کر جمع ہو گئے ان میں حرث ابن سوید بھی تھا جو ایک نرم کپڑا پہنے ہوئے تھا۔ایک روایت کے مطابق ایک نرم چادر لپیٹے ہوئے تھا۔اور ایک روایت کے مطابق دو تفشین یعنی کا مدار کپڑوں میں تھا اسی وقت اچانک رسول اللہ ﷺ نے عویمر ابن ساعدہ کو حکم دیا کہ حرث کی گردن مار دیں آپ نے ان سے فرمایا۔

"حرث ابن سوید کو مسجد کے دروازے پر جا کر پکڑو اور اس کی گردن مار دو۔"

حرث کی گرفتاری...... ایک قول ہے کہ یہ حکم آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کو دیا تھا چنانچہ وہ حرث کو ان کی گردن مارنے کے لئے مسجد کے دروازے کے پاس لائے۔اس وقت حرث ابن سوید نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آخر کیوں (میری گردن ماری جا رہی ہے) آپ نے فرمایا۔

"تمہارے مجذر ابن زیاد اور قیس ابن زید کو قتل کرنے کی وجہ سے!۔"

یہ سننے کے بعد حرث نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔اس کے بعد ان کی گردن مار دی گئی۔

اقبال جرم اور معافی کی درخواست...... (قال) ایک روایت میں ہے کہ یہ سن کر حرث نے کہا۔

"خدا کی قسم! میں نے اس کو یعنی مجذر کو قتل ضرور کیا ہے مگر اس وجہ سے ہرگز قتل نہیں کیا کہ میں اسلام سے پھر گیا ہوں اور نہ ہی اس لئے کہ مجھے اسلام کی سچائی میں (خدانخواستہ) کوئی شک وشبہ ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ شیطان نے مجھے غیرت اور عار دلائی تھی۔اور اب میں اپنے اس فعل سے جس کا آپ کو علم ہے خدا رسول کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔اور مقتول کا خون بہا یعنی جان کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں (نیز اس جرم کے کفارہ کے طور پر) مسلسل دو مہینے کے روزے رکھوں گا اور ایک غلام آزاد کروں گا۔"

حرث کا قتل...... مگر رسول اللہ ﷺ نے حرث کی اس معافی کو قبول نہیں فرمایا (۔چنانچہ حرث کو وہیں قتل کر دیا گیا)۔

اس روایت میں حرث نے صرف مجذر کے قتل کا ذکر کیا ہے قیس ابن زید کے قتل کا ذکر نہیں کیا

(جبکہ آنحضرت ﷺ نے حرث کے سامنے دونوں کے قتل کا تذکرہ فرمایا) شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حرث نے یہ گفتگو صرف مجذر کے قتل پر کی ہو۔ ویسے جب حرث کو مجذر کے مارنے کے بدلے میں قتل کا مستحق قرار دیا گیا تو قیس ابن زید کے بدلے میں یقیناً ہی وہ قتل کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

حسن ابن علیؓ کی پیدائش...... یہ واقعات ۳ھ کے ہیں۔ اسی سال حضرت علی ابن ابو طالب کے گھر میں حضرت حسنؓ پیدا ہوئے۔ انہوں نے ان کا نام حرب رکھا مگر پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام حسن رکھا۔ کیونکہ حضرت حسن کی پیدائش کے بعد جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو آپ نے فرمایا۔

"مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ۔ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے۔"

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! حرب نام رکھا ہے!۔"

تو آپ نے فرمایا۔

"نہیں وہ حسن ہے!۔"

اس کے بعد آپ نے بچے کی تحنیک کی یعنی کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی۔

شراب کی حرمت کا حکم...... اسی سال یعنی ۳ھ میں شراب حرام ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شراب کی ممانعت ۴ھ میں ہوئی جبکہ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کے یہودی قبیلے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے (یہ قبیلہ مدینے ہی کے ایک محلے میں آباد تھا۔) نیز ایک قول یہ بھی ہے کہ شراب کی حرمت و ممانعت غزوہ حدیبیہ اور غزوہ خیبر کے درمیانی عرصہ میں ہوئی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق خیبر کے مقام پر ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شراب ان دو درختوں سے حاصل کی جاتی ہے کھجور اور انگور ایک روایت میں نخلہ یعنی کھجور اور عنبہ کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں عنبہ کے بجائے کرمہ کا لفظ ہے۔ عنبہ اور کرمہ دونوں لفظ انگور کی بیل کے لئے بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک روایت میں کرم اور نخل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مسلم میں اسی طرح ہے۔

غالباً انگور کے لئے کرم کا لفظ اس حدیث میں اس وقت استعمال کیا گیا جبکہ کرم کو انگور کے لئے استعمال کرنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص انگور کو ہرگز کرم نہ کہے (کیونکہ کرم کے معنی شریف کے ہیں اور) کرم یعنی شریف و بلند مرتبہ صرف مرد مومن ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کرم مسلمان کا دل ہوتا ہے۔

(اب یا تو انگور کے لئے اس حدیث میں کرم کا لفظ اس کی ممانعت سے پہلے کا ہے اور) یا قصداً حدیث میں یہ لفظ استعمال کیا گیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ ممانعت صرف تنزیہی ہے (یعنی انگور کی بیل کو کرم کہہ دینا حرام نہیں ہے)۔

شراب کی ممانعت کے لئے تین حکم...... شراب کی ممانعت و حرمت تین مرتبہ کی گئی (جس سے اس بارے میں شریعت کی سختی کا اندازہ ہو سکتا ہے، سب سے پہلے حق تعالیٰ کے اس ارشاد میں ممانعت ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ. قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ. الآیہ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۷ ۲ آیت ۲۱۹

ترجمہ: جو لوگ آپ سے شراب اور قمار (جوئے) کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان

دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے۔ پھر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے ان دونوں چیزوں کے متعلق سوال کیا تو اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

دوسری مرتبہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے کچھ صحابہ کو مغرب کی نماز پڑھائی اس وقت وہ شخص نشے کی حالت میں تھا جس کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی تلاوت میں گڑبڑا گیا اور ادھر کی آیت ادھر کر کے پڑھ گیا۔ تب حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۷ آیت ۴۳

ترجمہ: اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

الآیہ پ ۷ سورہ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۰

ترجمہ: اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو۔

حضرت حمزہ کی ایک بار شراب نوشی...... چنانچہ اس تاکید کے بعد لوگ شراب پینے سے رک گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت حمزہؓ نے ایک بار شراب پی لی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پاس موجود لوگوں سے کہا۔

"تم سب میرے باپ کے غلاموں کے سوا کیا ہو!۔"

مدہوش حمزہ کا نبی سے کلام...... چنانچہ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت حمزہ نے شراب پی لی تو وہ گھر سے نکلے راہ میں ان کو حضرت علیؓ کی دو اونٹنیاں نظر آئیں حضرت حمزہ نے فوراً ان اونٹنیوں پر اپنی تلوار بلند کی اور ان کے پہلو کاٹ ڈالے۔ پھر انہوں نے ان کے جگر گردے نکالے اور کوہان چیر ڈالے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تکلیف دہ منظر دیکھا اور فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے پاس اس وقت زید ابن حارثہ بھی موجود تھے۔ میں نے آپ کو سارا واقعہ کہہ سنایا آنحضرت ﷺ اسی وقت مکان سے نکل کر روانہ ہوئے اور زید آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی چلا۔ آنحضرت ﷺ حمزہ کے مکان میں ان کے پاس پہنچے اور آپ ان پر ناراض ہوئے اس وقت حمزہ نے نگاہ اٹھائی اور کہا۔

"تم سب میرے باپ کے غلاموں کے سوا کیا ہو!۔"

یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ وہاں سے الٹے قدموں پیچھے لوٹے یہاں تک کہ باہر نکل آئے۔ یہ واقعہ شراب کی ممانعت سے پہلے کا ہے۔ اب چونکہ اس وقت تک نشہ جائز تھا اس لئے حضرت حمزہ کے اس قول سے وہ نتیجہ مرتب نہیں ہوگا جو مسئلہ کے مطابق ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہا کہ

تو میرا غلام ہے یا میرے باپ کا غلام ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

حرمت کا حکم اور صحابہ کا ذوق اطاعت...... ایک قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی ممانعت کا حکم ۴ھ میں ہوا اور یہ کہ حضرت انس اس وقت کچھ ساتھیوں کے لئے ساقی یعنی شراب پلانے والے کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ اعلان سنا کہ شراب حرام ہو گئی ہے تو انہوں نے وہ مٹکہ جس میں شراب بھری تھی گرا کر شراب بہادی۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے ہی روایت ہے کہ میں ایک روز کھڑا ہوا ابو طلحہ اور فلاں فلاں یعنی ابو ایوب، ابو دجانہ، معاذ ابن جبل، سہیل ابن بیضاء، ابی ابن کعب اور ابو عبیدہ ابن جراح کو شراب پلا رہا تھا کہ اچانک ایک شخص وہاں آیا اور کہنے لگا۔

"کیا تم لوگوں تک خبر نہیں پہنچی۔"

میں نے کہا کیسی خبر تو اس نے کہا

"شراب حرام ہو گئی ہے!۔"

یہ سنتے ہی وہاں موجود پینے والوں نے مجھ سے کہا۔

"انس! ان مٹکوں کی شراب اسی وقت بہادو!۔"

چنانچہ میں نے تمام شراب بہادی۔

ایک روایت میں حضرت انسؓ کے یہ لفظ ہیں کہ۔ میں یہ سنتے ہی فوراً شراب کے مٹکے کی طرف بڑھا اور میں نے اس کی تلی میں چوٹ ماری جس سے وہ مٹکہ ٹوٹ گیا۔

دوا کے لئے بھی شراب سازی کی حرمت...... مسلم میں ابو طارق سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں دوا کے لئے شراب بناتا ہوں!۔"

آپ نے فرمایا۔

"وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ خود بیماری ہے۔"

گزشتہ روایت کے مطابق حضرت انسؓ نے شراب بہادی تھی حالانکہ اس وقت وہ جائز تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بہانے کا حکم نہیں فرمایا تھا تو یہاں اس کو بہانا شراب کی حرمت اور ممانعت میں سختی کو ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس سے بیزاری پیدا ہو جائے۔

ایک دفعہ لوگوں نے علامہ جلال سیوطی سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ کے پاس سے الٹے قدموں کیوں واپس تشریف لے آئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ شاید حملہ کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا تاکہ اس بارے میں ڈرنے والوں کو رہنمائی ہو سکے (یعنی خود آپ خوفزدہ نہیں تھے بلکہ لوگوں کو اس کا جواز بتلانا مقصود تھا اور یا یہ مقصد تھا کہ آپ کی نگاہیں ان پر رہیں۔) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں راوی نے الٹے قدموں سے مراد صرف واپس گھر چلے جانا مراد لیا ہو۔ یہ نہیں کہ آپ پیٹھ پھیرے بغیر الٹے قدموں وہاں سے نکلے تھے۔

ادھر یہ بات ثابت ہے کہ حضرت انسؓ ۴ھ تک رسول اللہ ﷺ کے خادم نہیں بنے تھے بلکہ اس کے بعد خادم بنے لہٰذا اب اگر یہ کہا جائے کہ ۳ھ میں شراب حرام ہوگئی تھی تو اس کو ماننا مشکل ہوگا۔

اعشیٰ ابن قیس کا اسلام اور شراب سے توبہ...... پھر اس سے بھی زیادہ مشکل وہ روایت ہو جاتی ہے جس کو ابن ہشام نے اعشیٰ ابن قیس کے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ اعشیٰ اسلام قبول کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ جب وہ مکے پہنچا تو بعض مشرکوں نے اس کو روکنا چاہا اور پوچھا کہ کہاں اور کس مقصد سے جا رہے ہو۔ اعشیٰ نے بتلادیا کہ وہ رسول اللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس پر ایک مشرک نے کہا۔

"اے ابونصیر! وہ تو زنا کو حرام قرار دیتے ہیں!۔"

اعشیٰ نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ تو ایسا معاملہ ہے جس سے مجھے خود ہی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

پھر اس شخص نے کہا۔

"مگر وہ شراب کو بھی حرام کہتے ہیں!۔"

اعشیٰ نے کہا۔

"جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے تو بے شک نفس کے واسطے اس میں دلکشی ہے اس لئے اب تو لوٹ کر اپنے گھر چلا جاتا ہوں اور پھر اس پورے سال جی بھر کر شراب پیوں گا تاکہ شراب سے سیر ہو جاؤں۔ اس کے بعد میں محمد کے پاس جاکر مسلمان ہو جاؤں گا!۔"

چنانچہ اس کے بعد وہ وہیں سے واپس اپنے وطن چلا گیا پھر اسی سال اس کا انتقال ہوگیا اور اس کو آنحضرت ﷺ کے پاس آنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہاں تک علامہ ابن ہشام کا کلام ہے۔

مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکے کا ہے حالانکہ شراب مکے میں حرام نہیں ہوئی بلکہ ۳ھ یا ۴ھ میں مدینے میں حرام ہوئی۔

بعض علماء نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ اعشیٰ حقیقت میں مدینے ہی جا رہا تھا راستے میں وہ مکے سے گزرا تو وہاں بعض قریشیوں نے اسے روک کر یہ گفتگو کی۔

اس روایت پر ایک شبہ اور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق اعشیٰ سے یہ گفتگو ابوجہل نے کی تھی۔ اور یہ بات چیت عتبہ ابن ربیعہ کے گھر میں ہوئی تھی۔ حالانکہ ابوجہل ۲ھ میں غزوہ بدر میں ہی قتل ہو چکا تھا (اور ابوجہل کی زندگی میں شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا)۔

اب اگر اس روایت کو درست مانا جائے تو اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ شاید اس موقعہ پر ابوجہل نے جان بوجھ کر یہ جھوٹ بولا تاکہ اعشیٰ اسلام سے بیزار ہو جائے کیونکہ ابوجہل جانتا تھا کہ اعشیٰ کو شراب کا بے حد شوق ہے اور وہ اسے چھوڑنا گوارا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ابوجہل نے شراب کی حرمت کی اطلاع اپنی طرف سے دے دی تاکہ اعشیٰ اسلام نہ قبول کرلے۔

مرحوم صحابہ کے متعلق اضطراب...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: جب شراب کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ کچھ لوگ آج اس حالت میں قتل ہو چکے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں

تھی۔ کیونکہ کچھ مسلمانوں نے غزوہ احد کی صبح میں شراب پی تھی اور پھر اسی دن وہ لوگ شہید ہوگئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

الآیہ پ ۷ سورہ مائدہ ع ۱۲ آیت ۹۳

ترجمہ : ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں۔

حضرت انس خادم رسول ﷺ...... جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت انس ۴ھ کے بعد ہی آنحضرت ﷺ کے خادم بنے ہیں تو یہ قول اس گزشتہ روایت کے خلاف ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینے پہنچے تو حضرت انسؓ کی والدہ حضرت انسؓ کو آنحضرت ﷺ کے خادم کے طور پر لے آئی تھیں تاکہ وہ آپ کی خدمت کیا کریں۔

بخاری میں حضرت انس سے ہی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے پہنچے تو آپ کا کوئی خادم نہیں تھا۔ پھر ابو طلحہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے اور آپ سے کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! انس ایک نہایت عمدہ خادم ہیں جو آپ کی خدمت کیا کریں گے!۔"

چنانچہ اس کے بعد میں نے سفر اور قیام دونوں موقعوں پر آنحضرت ﷺ کی خدمت کی۔

یہاں کئی روایتیں ہیں ایک کے مطابق حضرت انسؓ کو ابو طلحہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے اور دوسری روایت کے مطابق انسؓ کی والدہ ان کو لے کر آئی تھیں۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت کا بیان گزر چکا ہے۔

بخاری میں حضرت انسؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔

"اپنے غلاموں میں سے میرے لئے ایک غلام تلاش کرو جو خیبر کو میرے سفر کے وقت میری خدمت کر سکے!"

چنانچہ ابو طلحہ مجھے ساتھ لے کر چلے۔ میں اس وقت کم عمر تھا اور بلوغ کی عمر کو پہنچ رہا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ جب بھی سواری سے اترتے تو میں ان کی خدمت کرتا۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کو اپنے ساتھ خیبر چلنے کا حکم خود نہ دیا ہو اور آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ شاید ان کی والدہ بیٹے کو اجازت نہ دیں مگر پھر جب آپ نے ابو طلحہ سے یہ بات فرمائی تو وہ انس کو ہی آپ کے پاس لے کر آئے۔ واللہ اعلم۔

باب پنجاہ و یکم (۵۱)

غزوۂ بنی نضیر

تاریخ غزوہ...... یہ بنی نضیر مدینے کے یہودیوں کا ہی ایک خاندان تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ بنی نضیر خیبر کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور ان کی بستی کو زہرہ کہا جاتا تھا۔ یہ غزوہ ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا۔ ایک قول ہے کہ یہ غزوہ احد سے پہلے کا واقعہ ہے اور راوی کے مطابق امام بخاری کا قول بھی یہی ہے۔ مگر علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ غزوہ بنی نضیر کو غزوہ احد کے بعد ذکر کرنا ہی درست اور صحیح ترتیب ہے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے جو غزوات کے علم میں امام ہے۔

اس غزوہ کا سبب...... رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں اور ان کے مقابلے کو چلیں۔ اس غزوہ کے سبب میں اختلاف ہے۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس اس لئے تشریف لے گئے تھے تاکہ یہ معلوم کریں کہ ان لوگوں میں دیت کی کیا کیفیت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان یہودیوں اور ان دو آدمیوں کے قبیلے کے درمیان پیمان اور معاہدہ تھا جن کو عمرو ابن امیہ ضمری نے اس وقت قتل کر دیا تھا جب وہ بیر معونہ سے واپس مدینے آرہے تھے۔

عمرو کے ہاتھوں یہود کے دو حلیفوں کا قتل...... (اس واقعہ کی پوری تفصیل آگے صحابہ کی فوجی مہموں میں ذکر ہوگی۔ یہاں مختصراً اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ عمرو ابن امیہ ضمری بیر معونہ سے واپس مدینے آرہے تھے۔ راستے میں قبیلہ بنی عامر کے دو مشرک بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ چلتے چلتے یہ قنات کے مقام پر ایک باغ میں ٹھہرے۔ یہ دونوں مشرک یہاں پہنچ کر پڑتے ہی سو گئے۔ عمرو ابن امیہ ضمری نے اس وقت یہ سوچا کہ ان کے سردار عامر ابن طفیل نے ستر مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے لہذا ان کے بدلے میں کم از کم ان دو آدمیوں کو ہی مار دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دیا مگر رسول اللہ ﷺ نے اس قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا جس کی عمرو ابن امیہ ضمیر کو خبر نہیں تھی۔ وہاں سے مدینے آتے ہی عمرو نے آنحضرت ﷺ کو یہ سارا واقعہ بتلادیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے تو ہمارا معاہدہ ہے اس لئے ان کا خون بہا دینا ضروری ہے ادھر بنی عامر کا قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں سے بھی معاہدہ تھا اور بنی نضیر اور مسلمانوں کے درمیان بھی معاہدہ تھا لہذا

اس معاہدہ کی رو سے بنی نضیر کو بھی خون بہا ادا کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت کرنی ضروری تھی)۔

چنانچہ ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی مقصد سے بنی نضیر کے محلے میں گئے تھے تاکہ بنی عامر کو ادا کی جانے والی دیت یعنی خون بہا کی رقم میں یہودیوں سے بھی مدد لیں جیسا کہ معاہدے کی رو سے وہ اس کے پابند تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ جب کسی کا خون بہا دینے کا موقعہ ہو گا تو وہ اس کی فراہمی میں آپ کی مدد کیا کریں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ ان دونوں بنی عامر کے مقتولوں کی دیت ہی وصول کرنے کے لئے بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے تھے کیونکہ بنی نضیر ان دونوں مقتولوں کے قبیلے کے معاہدہ بردار تھے۔

کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں اسی طرح ہے مگر یہ بات قابل غور ہے کیونکہ اس کے مطابق مقتول کے حلیفوں سے بھی خون بہا لیا جا رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ مشورہ کیلئے بنی نضیر میں...... آنحضرت ﷺ صحابہ کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ بنی نضیر کے یہاں تشریف لے گئے جن کی تعداد دس سے کم تھی۔ ان میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے (آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچ کر ان سے رقم کی بات کی تو) یہودیوں نے کہا۔

"ہاں ہاں ابو القاسم! آپ پہلے کھانا کھائیے پھر آپ کا کام بھی کر دیا جائے گا۔"

آنحضرت ﷺ کے قتل کے لئے یہود کی سازش...... (اس طرح یہودیوں نے ظاہری طور پر تو بڑی خندہ پیشانی سے آپ سے بات کی اور اندر اندر آپ کے قتل کی سازش کی) اس وقت آنحضرت ﷺ ایک دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہودیوں نے آپس میں سازش کی اور کہنے لگے کہ اس شخص کو یعنی آنحضرت ﷺ کو ختم کرنے کے لئے تمہیں اس سے بہتر موقعہ نہیں ملے گا۔ اس لئے بتاؤ کون ہے جو فوراً اس مکان کی چھت پر چڑھ کر دیوار پر سے ایک بڑا پتھر ان کے اوپر گرا دے تاکہ ہمیں ان سے نجات مل جائے۔ اس پر یہودیوں کے ایک سردار عمرو ابن حجاش نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔ مگر اسی وقت سلام ابن مشکم نامی ایک دوسرے یہودی سردار نے اس ارادہ کی مخالفت کی اور کہا۔

"یہ حرکت ہرگز مت کرنا۔ خدا کی قسم تم جو کچھ سوچ رہے ہو اس کی انہیں ضرور خبر مل جائے گی۔ یہ بات بد عہدی کی ہے جب کہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ موجود ہے۔!"

وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو سازش کا علم...... (مگر یہودی نہیں مانے) پھر وہ شخص جب اوپر پہنچ گیا تاکہ آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینک مارے تو آنحضرت ﷺ کے پاس آسمان سے اس سازش کی خبر آئی کہ یہودی کیا کرنے والے ہیں۔ آپ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر اس طرح روانہ ہو گئے جیسے آپ کو کوئی کام ہے۔ آپ تیزی کے ساتھ واپس مدینے چلے گئے۔ آپ کے ساتھیوں کو کچھ خبر نہیں ہوئی کہ آپ کہاں اور کیوں چلے گئے۔ آخر جب دیر ہو گئی تو صحابہ آپ کی تلاش میں اٹھے۔ راستے میں ان کو مدینے سے آتا ہوا ایک شخص ملا صحابہ نے اس سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے آپ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔ صحابہ فوراً مدینے میں آپ کے پاس پہنچے۔ تب آپ نے ان لوگوں کو بتلایا کہ بنی نضیر نے کیا سازش کی تھی اور کیوں آپ اچانک اٹھ کر واپس تشریف لے آئے تھے۔

امام سبکی نے اپنے قصیدہ میں اس واقعہ کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وجاءك وحي بالذي اضمرت بنو النضير وقد هموا بالقاء صخرة

ترجمہ۔ بنی نضیر کے یہودیوں نے جو سازش کی اور آپ پر پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تھا اس کے متعلق آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع مل گئی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ صرف پانچ سات صحابہ کے ساتھ بنی نضیر کی بستی میں پہنچے تو یہودیوں نے اتنے کم صحابہ کو دیکھ کر کہا کہ آؤ ہم محمد ﷺ کو قتل کر دیں اور ان ساتھیوں کو قیدی بنا کر کے لے جائیں اور قریشیوں کے ہاتھوں بیچ دیں۔ بہر حال یہ دونوں باتیں ممکن ہیں۔

یہود کا فریب...... آنحضرت ﷺ کے بنی نضیر کی بستی میں جانے کا ایک سبب اور بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلایا تھا کہ آپ اپنے تیس صحابہ کے ساتھ ہمارے یہاں آیئے اور ہم میں سے تیس مذہبی پیشوا آپ سے ملیں۔ اگر ان سب نے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی اور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

چنانچہ اگلے دن آنحضرت ﷺ تیس صحابہ کے ساتھ ان کے یہاں پہنچے اس وقت یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان کی ساتھ تو تیس آدمی ہیں تم کیسے ان پر ہاتھ ڈالو گے جب کہ ان کا ہر ساتھی چاہتا ہے کہ ان کے لئے جان کی بازی لگا دے۔ اس لئے اب محمد سے کہو کہ اپنے تین صحابہ کے ساتھ آئیں اور ہمارے بھی تین ہی عالم آپ سے ملیں گے اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی آپ کی پیروی کو قبول کر لیں گے۔

ایک مسلمان کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع...... آنحضرت ﷺ اس پر تیار ہو گئے ادھر یہودیوں کی طرف سے جو تین آدمی سامنے آئے انھوں نے اپنے پاس خنجر چھپا رکھے تھے۔ اس وقت بنی نضیر کی ایک عورت نے اپنے بھائی کو اس سازش کی اطلاع کر دی۔ اس عورت کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ اس شخص نے یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو بتلا دیا۔ آنحضرت ﷺ اس خبر پر فوراً بنی نضیر کے یہاں سے واپس لوٹ آئے۔

اس طرح آنحضرت ﷺ کے بنی نضیر کے یہاں جانے کے سبب میں اختلاف ہے لیکن اس سے کوئی شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں جانے کا وہ سبب بھی رہا ہو جو پیچھے بیان ہوا اور یہ بھی رہا ہو۔ دونوں باتوں کے پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ مگر سیرت شمس شامی میں یہ بھی ہے کہ اس سازش کی خبر آنحضرت ﷺ کو بنی نضیر کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو گئی تھی لہذا آپ پہلے ہی لوٹ گئے تھے۔

یہود کی ناکامی و خواری...... غرض ادھر وہ شخص مکان کی چھت پر پہونچا اور ادھر آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ دیوار کے نیچے سے اٹھ کر مدینے تشریف لے گئے۔ یہودیوں کو آپ کے جانے کی خبر نہیں ہوئی۔ وہ لوگ چھت پر پہنچ کر پتھر تول رہے تھے کہ مدینے کے یہودیوں میں سے ایک شخص ان کے پاس پہنچا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو۔ یہودیوں نے بتلایا کہ ہم نے اس وقت ایک پتھر لڑھکا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اس شخص نے لوگوں سے کہا۔

"اور محمد کہاں ہیں!"۔

یہودیوں نے (غالباً اوپر سے جھانکے بغیر) کہا کہ یہ نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس شخص نے کہا "خدا کی قسم میں تو ابھی محمد ﷺ کو مدینے کے اندر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔!"

یہ سنتے ہی یہودی حیران و پریشان اس شخص کا منہ دیکھنے لگے۔ آخر میں بولے۔ "انھیں ہماری سازش

کی خبر ہو گئی!"

یہود کو جلاوطنی کا حکم......ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مدینے پہنچنے کے بعد حضرت محمد ابن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا۔

"میرے شہر یعنی مدینے سے نکل جاؤ۔ کیونکہ یہ شہر مسلمانوں کی علمبرداری میں تھا۔ تم لوگ اب میرے شہر میں نہیں رہ سکتے۔ اس لئے تم نے جو کچھ منصوبہ بنایا تھا وہ غداری تھی۔"

شہر خالی کرنے کے لئے دس دن کی مہلت......اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کی پوری سازش بتلائی کہ کس طرح عمرو ابن حجاش نامی یہودی چھت پر گیا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینک مارے (حالانکہ اس سازش کا حال ان چند یہودیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا، آپ کی زبانی یہ تفصیلات سنکر وہ لوگ خاموش رہ گئے اور ایک لفظ بھی منہ سے نہ بول سکے۔ پھر حضرت محمد ابن مسلمہ نے ان سے کہا۔

آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ تم لوگ دس دن کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ جو شخص بھی اس مدت کے بعد یہاں پایا گیا اس کی گردن ماردی جائے گی۔

یہاں آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے پاس جو پیغام بھجوایا اس میں صرف پتھر پھینکنے کی سازش کو فاش کہا گیا آپ کے قتل کے اردہ کا ذکر نہیں کیا گیا مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ ممکن ہے روایت بالمعنی ہو)۔

ایک قول ہے کہ اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

ترجمہ : اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہئیں کہ یہ آیت جیسا کہ پیچھے غزوہ ذی امر کے بیان میں گزرا دعثور نامی شخص کے واقعہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک ہی آیت مختلف موقعوں پر نازل ہو۔

منافقوں کی طرف سے یہود کو سہارا......غرض آنحضرت ﷺ کا یہ حکم پہونچنے کے بعد بنی نضیر کی یہودیوں نے مدینہ سے جلاوطنی کی تیاری شروع کردی اور اونٹوں کا انتظام کرنے لگ گئے مگر اسی وقت منافقین نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے گھر بار اور وطن چھوڑ کر ہر گز کہیں مت جاؤ ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم سے جنگ کی نوبت آئی تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اور اگر تم لوگوں کو یہاں سے نکلنے اور جلاوطن ہونے پر ہی مجبور ہونا پڑا تو ہم تم سے پیچھے نہیں رہیں گے۔

ابن ابی کی طرف سے مدد کا وعدہ......یہودیوں کو روکنے میں سب سے پیش پیش منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔ اس نے یہودیوں کو پیغام بھیجا۔ "اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہر گز کہیں مت جاؤ بلکہ اپنی حویلیوں میں جمے رہو۔ میرے ساتھ دو ہزار جاں باز موجود ہیں جن میں میری قوم کے لوگ بھی ہیں اور عرب کے دوسرے قبائل بھی ہیں وہ لوگ وقت پر تمہاری حویلیوں میں تمہارے ساتھ آملیں گے اور آخر دم تک تمہارے لئے جنگ کریں گے۔ تم پر آنچ آنے سے پہلے وہ اپنی جانیں پیش کریں گے۔ اسی طرح بنی قریظہ کے لوگ اور قبیلہ غطفان میں ان کے حلیف یعنی دوست بھی تماری طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتے ہیں۔"

یہود کو ڈھارس اور جلاوطنی سے انکار...... ابن ابی کا یہ پیغام ملنے پر بنی نضیر کو زبردست ڈھارس بندھی اور انہوں نے جلاوطنی کا ارادہ ختم کر دیا ساتھ ہی انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس یہ کہلایا ہم اپنا وطن ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کا جو دل چاہے کر دیکھئے۔

یہ پیغام سن کر رسول خدا ﷺ نے کلمہ تکبیر بلند کر فرمایا اور مسلمانوں نے آپ کے ساتھ تکبیر کہی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہود برسر پیکار ہو چکے ہیں۔

ابن مشکم کی حیؑ کو فہمائش...... ادھر اس سرکشی میں جو شخص یہودیوں کی سربراہی کر رہا تھا وہ حیی ابن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ کا باپ تھا اور بنی نضیر کا سردار تھا۔ بنی نضیر کے ایک دوسرے سردار یعنی سلّام ابن مشکم نے حیی کو اس سرکشی سے روکا اور کہا۔

"حیی! خدا کی قسم اپنے اس سرکش ارادہ سے باز رہو کیونکہ ابن ابی کی بات اور وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے وہ صرف چاہتا ہے کہ تمہیں محمد ﷺ سے لڑا کر ہلاکت میں ڈال دے اور خود گھر بیٹھ کر تماشہ دیکھے۔ دیکھتے نہیں اس نے بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسد قرظی کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ بنی قریظہ کے لوگوں کو اس موقعہ پر تمہاری یعنی بنی نضیر کے یہودیوں کی مدد کرنی چاہئے مگر کعب نے جواب دے دیا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو نہیں توڑے گا۔ اس پر وہ بنی قریظہ سے مایوس ہو گیا۔ جیسا وعدہ اس نے تم سے کیا ہے ایسا ہی وعدہ بنی قینقاع کے اپنے حلیفوں سے بھی کیا تھا (چنانچہ بنی قینقاع کے لوگ اس کی باتوں میں آگئے اور) انھوں نے محمد ﷺ سے بھی جنگ کی اور معاہدہ توڑ کر اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا اور ابن ابی اور اس کی مدد کا انتظار کرنے لگے مگر وہ اپنے گھر میں چھپا بیٹھا رہا اور محمد ﷺ اپنا لشکر لے کر بنی قینقاع کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئے یہاں تک کہ محمد ﷺ کے حکم پر بنی قینقاع کو جلاوطنی اختیار کرنی پڑی۔ اب خود سوچ لو جب ابن ابی نے ان لوگوں کی مدد نہیں کی جو اس کے حلیف اور دوست تھے اور جو اس کے دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے تو ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ سے قبیلہ اوس کی حمایت میں قبیلہ خزرج سے لڑتے آرہے ہیں۔"

نصیحت ماننے سے حیؑ ابن اخطب کا انکار...... کیونکہ قبیلہ اوس قبیلہ خزرج کے درمیان جب کبھی جنگ ہوئی تھی تو بنی قینقاع کی یہودی تو قبیلہ خزرج کی حمایت میں میدان میں نکلتے تھے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودی قبیلہ اوس کی حمایت میں نکلتے تھے۔ غرض یہ سب کہنے کے بعد سلام نے حیی سے کہا۔

اب تم خود سوچ لو کہ ابن ابی کی بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"ہمارے سامنے محمد ﷺ کی دشمنی اور ان سے جنگ کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

بھیانک نتائج کی طرف انتباہ...... سلام نے کہا۔

"تو پھر خدا کی قسم اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ہم اپنے وطن سے بے وطن کر دیئے جائیں گے، ہمارا مال و دولت اور عزت و اعزاز فنا ہو جائیگا، ہمارے گھر والے قیدی اور غلام بنائے جائیں گے اور ہمارے جنگ آزما نوجوان قتل ہو جائیں گے......"!

حیی کے لئے بنی نضیر کی تابعداری...... مگر حیی آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے پر تلا رہا۔ ادھر بنی نضیر کے یہودیوں نے اس سے کہا۔

"ہمارا معاملہ تمہارے تابع ہے ہم کسی حال میں بھی تمہاری مخالفت نہیں کریں گے۔!"

مسلمانوں کا بنی نضیر کی طرف کوچ...... چنانچہ حیی نے رسول ﷺ کے پاس وہ پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنا وطن ہر گز نہیں چھوڑیں گے اس لئے جو تمہارے جی میں آئے کر دیکھو۔ اس پیغام پر مسلمان جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جب تمام مسلمان جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بنی نضیر کے مقابلے کے لئے کوچ فرمایا اس موقعہ پر آپ نے مدینے میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ جنگی پرچم حضرت حضرت علی ابن ابو طالب نے اٹھایا۔ آنحضرت ﷺ مسلم لشکر کے ساتھ آگے بڑھے یہاں تک کہ شاہم کے قریب آپ نے بنی نضیر کی بستی میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور ان کے چوک میں عصر کی نماز ادا فرمائی۔ اودھر یہودی اپنی حویلیوں میں قلعہ بند ہو گئے تھے اور چھتوں پر سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔

یہود کی ہٹ دھرمی و سرکشی...... بعض مورخوں نے یوں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بنی نضیر کی طرف کوچ کا حکم دیا اور جب آپ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو آپ نے انکو کعب ابن اشرف یہودی کی موت پر اسکا ماتم کرتے ہوئے پایا۔ کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ آگے صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا یہودی کہہ رہے تھے۔

"اے محمد ﷺ صدموں پر صدمے دیکھنے پڑ رہے ہیں اور ایک کے بعد دوسرے پر رونا پڑ رہا ہے روتے روتے ہماری آنکھیں خشک ہو چکی ہیں۔ مگر اب تم اپنی فکر کر لو"!۔

غرض آپ نے یہودیوں سے فرمایا۔

"تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ اور مدینہ خالی کر دو۔!"

یہود نے کہا۔

"ہمارے نزدیک اس سے کہیں زیادہ آسان بات یہ ہے کہ ہم اپنی جانیں دے دیں....!"

اس کے بعد یہودیوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک ان بعض علماء کا کلام ہے۔ (قال) غرض جب عشاء کا وقت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ دس صحابہ کے ساتھ واپس اپنے گھر تشریف لے گئے اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے اور گھوڑے پر سوار تھے۔ لشکر میں آپ نے اپنا قائم مقام حضرت علی کو بنا دیا تھا اور ایک قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو بنایا تھا۔

یہود کا محاصرہ...... مسلمانوں نے رات اسی حالت میں گذاری کہ وہ یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور بار بار نعرہ تکبیر بلند کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ صبح کا اجالا ہونے لگا حضرت بلالؓ نے فجر کی اذان دی۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ ان دس صحابہ کے ساتھ واپس لشکر گاہ میں تشریف لے آئے جن کے ساتھ گئے تھے اور آپ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک قبہ بنا دیں۔ یہ قبہ لکڑی کا تھا اور اس پر اونی کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس قبہ میں قیام فرما ہوئے۔

قبۂ نبوی پر غَزوَل کی تیر اندازی...... یہودیوں میں ایک شخص تھا جس کا نام غزول تھا۔ یہ شخص نہایت بہترین اور پر زور تیر انداز تھا۔ اس کا پھینکا ہوا تیر دوسروں سے کہیں دور تک جاتا تھا (چنانچہ اس نے حویلی کی چھت پر سے ایک تیر چلایا) جو آنحضرت ﷺ کے اس قبہ تک پہونچا۔ اس پر آنحضرت نے قبہ کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ نصب کرانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

اسی دوران ایک رات حضرت علیؓ لشکر میں سے غائب پائے گئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! علی کہیں نظر نہیں آرہے ہیں۔"!

آپ نے فرمایا۔

"ان کی فکر نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے ہی ایک کام سے گئے ہیں۔"

غزول کا سر نیزہ حیدری پر...... اس کے بعد تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت علیؓ اس شخص کا سر لئے ہوئے آئے جس کا نام غزول تھا اور جس کا تیر رسول اللہ ﷺ کے قبہ تک پہنچا تھا۔ حضرت علیؓ اسی وقت غزول کی گھات میں بیٹھ گئے تھے جب وہ مسلمانوں کے کسی بڑے سردار کو مارنے کے لئے چلا تھا اس کے ساتھ ایک جماعت بھی تھی اس دستے کے ساتھ وہ کسی بڑے مسلمان کے قتل کی فکر میں تھا) حضرت علی نے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا اس کے ساتھ جو دوسرے لوگ تھے وہ سب فرار ہو گئے۔

اسلامی دستہ یہود کی تلاش میں...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ دس آدمیوں کی ایک جماعت روانہ فرمائی جس میں حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل ابن حنیفؓ بھی تھے۔ ان لوگوں نے اس جماعت کو جا پکڑا جو غزول کے ساتھ تھی اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر بھاگ گئی تھی ان لوگوں نے ان سب کو قتل کر دیا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس جماعت میں دس آدمی تھے مسلمان ان کو قتل کر کے سر لیکر آئے جنھیں بعد میں مختلف کنوؤں میں ڈال دیا گیا۔ اس روایت سے ان رافضیوں کی تردید ہو جاتی ہے جو کہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ غزول کے ساتھ جو لوگ تھے ان کو حضرت علی نے ہی قتل کر دیا تھا۔

بنی نضیر کے باغات کاٹنے کا حکم...... غرض جب یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے مسلمانوں کو چھ راتیں گزر گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے باغات کاٹ ڈالے جائیں اور انھیں جلا دیا جائے۔ ایک قول ہے کہ یہ حکم پندرہ دن تک محاصرہ کرنے کے بعد دیا گیا۔ ایک قول بیس رات ایک قول تیس رات اور ایک قول پچیس رات کا بھی ہے۔

باغات کی مشہور کھجوریں...... محاصرہ کی اس پوری مدت میں حضرت سعد ابن عبادہ مسلمانوں کے لئے کھجوریں لایا کرتے تھے یعنی ان کے یہاں سے کھجوریں لائی جاتی تھیں۔

(قال) کھجور کے باغات کاٹنے پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولیلی مازنی اور حضرت عبداللہ ابن سلام کو متعین فرمایا حضرت ابولیلی تو وہ کھجوریں توڑتے تھے جو عجوہ کہلاتی تھیں اور حضرت عبداللہ وہ کھجوریں توڑتے تھے جو رطب کہلاتی تھیں۔ ان نرم کھجوروں کو لون کہا جاتا ہے جو عجوہ یعنی خشک کھجوروں اور برنی کے علاوہ ہوتی ہیں۔ یہ دونوں مدینے کی کھجوروں کی قسمیں ہیں۔ مدینے ہی کی کھجور کی ایک اور قسم ہے جس کو صیحانی کہا جاتا ہے (یہ لفظ صیح اور صیاح سے ہے جس کے معنی چیخنے اور پکار کر کہنے ہیں)۔

فضیلت نبوی سے کھجور کا نام...... حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ اچانک کھجور کا ایک درخت دوسرے درخت سے پکارا۔ "یہ نبی مصطفے اور علی مرتضیٰ ہیں۔"

اس آواز پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"

"علی! میری فضیلت سے مدینے کے اس درخت کا نام صیحانی رکھ دیا گیا۔"

یعنی کھجور کی اس قسم کا نام صیحانی رکھ دیا گیا جس کی معنے ہیں چیخنے اور پکارنے والا۔ کیونکہ یہ درخت میری فضیلت کی وجہ سے پکارا گیا ہے۔ یہ حدیث مطعون فیہ ہے اور ایک قول ہے کہ اس میں کذب اور جھوٹ

کھجوروں کی اقسام...... لفظ برنی فارسی زبان میں عمدہ اور بابرکت ثمر باری کو کہتے ہیں۔ علامہ نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ کھجور کی ایک سو بیس قسمیں ہیں۔

علامہ سید سمہودی کی تاریخ المدینۃ الکبر میں یوں ہے کہ مدینے کی کھجوروں کی جو قسمیں شمار کی جا سکی ہیں ان کی تعداد تمیں سے کچھ اوپر ہوئی ہے۔ چنانچہ بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ ہم نے ان قسموں کو شمار کرایا تو ان کی تعداد علامہ نووی کی بتلائی ہوئی تعداد سے زیادہ نکلی۔ پھر کہتے ہیں کہ شاید اس تعداد سے زیادہ جو تعداد بتلائی گئی ہے وہ تعداد اس کے بعد سامنے آئی ہو۔!

جہاں تک مدینے کے علاوہ دوسری جگہوں کی کھجوروں کی قسموں کا تعلق ہے جیسے مغرب کا علاقہ ہے تو وہ شمار سے باہر ہیں۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ فاس کے ایک عالم محمد ابن غازی نے سلجماسہ کے ایک عالم ابرہیم ابن ہلال کے پاس آدمی بھیج کر معلوم کرایا کہ اس شہر یعنی فاس کی کھجوروں کی قسموں کی تعداد معلوم ہو تو بتلایئے علامہ ابراہیم نے علامہ محمد کے پاس ایک جھول یا دو جھول کھجوریں بھیجیں جن میں کھجور کی ہر قسم کا ایک ایک دانہ تھا۔ ساتھ ہی انھوں نے لکھا۔

"فقیر کا علم یہیں تک ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے بیٹھ جاؤ تو یہ ممکن نہیں ہے!"۔

ادھر میں نے یہ کتاب نشق الازہار میں دیکھا اس شہر میں ایک تر کھجور ہوتی ہے جس کا نام تبوتی یہ سبز رنگ کی ہوتی ہے اور ذائقہ میں شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے اور یہ کہ اس کھجور کی گٹھلی بہت زیادہ چھوٹی ہوتی ہے۔

یہ عجوہ کھجور بنی نضیر کی سب سی بڑی دولت تھی کیونکہ وہ لوگ اس کو (سال بھر کے لئے) ذخیرہ کر کے رکھا کرتے تھے۔ عجوہ کے بارے میں ہے کہ عجوہ کھجور کا درخت جنت کا ہے اور اسکا پھل بہترین غذا فراہم کرتا ہے۔ یہ بات پیچھے گذر چکی ہے کہ آدم علیہ السلام عجوہ کھجوروں کے ساتھ جنت سے اتارے گئے تھے۔

عجوہ کھجور کی تاثیر...... بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص روزانہ صبح سب سے پہلے سات عجوہ کھجوریں کھالے تو اس روز اس پر نہ زہر کا اثر ہو گا اور نہ جادو اور سحر کا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بالائی مدینے کی عجوہ میں شفا ہے اور وہ نہار منہ کھانے کی صورت میں تریاق یعنی ہر بیماری کا علاج ہے جو شخص صبح ہی صبح سات کھجوریں کھالیں تو اس دن اس پر جادو زہر کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے عجوہ کھجور کی وہ قسم ہے جو صیحانی سے بڑی ہوتی ہے اور رنگ میں سیاہی مائل ہوتی ہے۔ اور یہ ان قسموں میں ہے جو آنحضرت ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے مدینے میں بوئی تھیں۔ (ی) مگر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ کھجور بنی نضیر کے باغات میں سے تھی۔

آدمؑ کے ساتھ نازل شدہ تین چیزیں...... کتاب عرائس میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کو تین چیزیں دے کر جنت سے اتارا گیا تھا ایک آس جو دنیا کی خوشبوؤں کی سردار ہے، دوسرے گیہوں جو دنیا کے کھانوں کا سردار ہے اور تیسرے عجوہ جو دنیا کے پھلوں کی سردار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عجوہ جنت کے پودوں میں سے ہے، اور اس میں شفا ہے صبح ہی نہار منہ کھائی جائے تو یہ تریاق ہے اور تمہیں چاہیئے کہ برنی کھجور کھایا کرو کیونکہ یہ کھجور جب تک درخت پر لگی ہوتی ہے تو اللہ کی حمد و تسبیح کرتی ہے اور پیٹ میں پہنچتی ہے تو کھانے والے کے

لئے مغفرت مانگتی ہے۔ یہاں تک کتاب عرائس کا حوالہ ہے۔

کھجور کی فضیلت ...... آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ فرمایا جو پیچھے بیان ہوا اور فرمایا کہ برنی کھجور تمہاری سب سے بہترین کھجور ہے اور یہ کہ وہ کھجور دوا ہی دواء ہے اس میں کوئی بیماری نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ وہ گھر جس میں کوئی کھجور نہ ہو اس کے مکین بھوکے ہوتے ہیں۔ یہ بات آپ نے دو مرتبہ فرمائی۔

کھجوریں کٹنے پر یہود کی آہ و بکا ...... غرض جب مسلمانوں نے بنی نضیر کے باغات میں عجوہ کھجوروں کی فصل کاٹنی شروع کی تو یہودی عورتوں نے مارے رنج و غم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اپنے منہ نوچ ڈالے اور رو رو کر واویلا کرنے لگیں۔ اور وہ چند درخت جو جلائے گئے اس مقام پر تھے جو بویرہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لفظ بورہ کی تصغیر ہے جس کو یہاں حفرہ یعنی گڈھا کہا جاتا ہے۔ نیز اس کو بولہ بھی کہا جاتا ہے۔

غرض مسلمانوں کو باغات کاٹتے اور جلاتے دیکھ کر یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پکار کر کہا۔

یہود کی طرف سے امن و انصاف کی دہائی ...... "اے محمد! ایک روایت میں یوں ہے کہ اے ابوالقاسم آپ تو فساد سے منع کیا کرتے تھے اور جو کوئی کرتا تھا اس کو برا کہا کرتے تھے اب یہ باغات کیوں کاٹ اور جلا رہے ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ پھر اب یہ فساد خود کیوں پھیلا رہے ہو ۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ "اے محمد! آپ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ آپ صلاح اور امن کے لئے آئے ہیں۔ کیا باغات کاٹنا بھی آپ کی امن پسندی میں شامل ہے اور جس کلام کے متعلق آپ کا دعویٰ ہے کہ وہ آپ پر نازل ہوتا ہے کیا اس میں بھی یہ ہے کہ روئے زمین پر فساد پھیلاؤ۔

جواب میں وحی کا نزول ...... تم تو فساد کو ناپسندیدہ چیز قرار دیتے ہو۔ پھر خود یہی فساد کیوں پھیلا رہے ہیں۔ "یہودیوں کی ان باتوں کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں خیال اثر کرنے لگا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ الآیہ پ ۲۸ سورہ حشر ع ا آیت ۵

ترجمہ: جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا سو دونوں باتیں خدا ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے۔!

(ی) کیونکہ یہودیوں کے قول کے مطابق مسلمانوں کا یہ فعل فساد تھا۔ بعض علماء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ تمام باغات اور درخت جو مسلمانوں نے کاٹے یا جلائے ان کی تعداد چھ تھی۔

ابن ابی کی یہود کو یقین دہانیاں ...... ادھر منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول برابر بنی نضیر کے پاس پیغام بھیجتا رہا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو اور مقابلہ کرتے رہو کیونکہ اگر تم نے جنگ جاری رکھی تو ہم بھی تمہاری حمایت میں لڑیں گے اور اگر تم یہاں سے نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے۔

ابن ابی کی دغابازی ...... عبداللہ ابن ابی کے اس وعدے میں اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہودی ابن ابی کے وعدے پر بھروسہ کر کے اپنی حویلیوں میں جمے رہے اور اس کی مدد کا انتظار کرتے رہے مگر ابن ابی نے ان کے ساتھ دغا کی اور نہ ان کی مدد کو آیا اور نہ اس سے یہودیوں کو کوئی سہارا ملا۔ ادھر سلام ابن

مشکم اور کنانہ ابن صوریا (جو پہلے ہی ابن ابی پر بھروسہ کرنے کے خلاف تھے) حیی ابن اخطب سے کہنے لگے۔
ابن ابی کی وہ مدد کہاں گئی جس کی تم آس لگائے بیٹھے تھے۔!"

حیی کی پشیمانی و بے چارگی...... حیی ابن اخطب نے جواب دیا۔
"کیا کریں یہ مصیبت ہمارے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔!"

آخر جلاوطنی پر آمادگی...... اوھر آنحضرت ﷺ ان کا سختی کے ساتھ محاصرہ کئے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرمادیا آخرکار انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو اس شرط پر جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی جائے اور جان بخشی کر دی جائے کہ سوائے ہتھیاروں کے انہیں ایسا تمام سامان ساتھ لے جانے دیا جائے جو اونٹوں پر لادا جاسکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ شرط اور درخواست قبول فرمالی۔ چنانچہ یہودیوں نے اپنے اونٹوں پر عورتوں اور بچوں کے علاوہ اپنا وہ سامان بھی لاد لیا جو اونٹ لے جاسکتے ہیں صرف ہتھیار چھوڑ دیئے۔ ان کے ساتھ کل ملا کر چھ سو اونٹ تھے۔

سوائے ہتھیاروں کے کل سامان کے ساتھ یہود کی روانگی...... ہر شخص خود اپنا مکان ڈھا کر اس کی لکڑی جیسے دروازے اور کھڑکیاں وغیرہ تک نکال کر اونٹوں پر لاد لے گیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مکانوں کے ستون اور چھتیں تک توڑ ڈالیں، کواڑ تختے حتیٰ کہ چولیں تک نکال لیں اور محض حسد اور جلن میں اپنے مکانوں کی دیواریں تک منہدم کر دیں تاکہ وہ اس قابل نہ رہ جائیں کہ ان کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان مکانوں کو مسلمان آباد کر سکیں۔

یہودی عورتوں کی آن بان...... ایک روایت میں ہے کہ مسلمان وہ مکان اور حویلیاں ڈھانے لگے جو ان کے قریب تھے اور دوسرے مسلمان اپنے قریب کی حویلیاں منہدم کرنے لگے۔ (قال) ایک روایت میں ہے کہ یہودی عورتیں ہودجوں میں اس شان سے بیٹھ کر روانہ ہوئیں کہ ان کے جسموں پر دیباج وریشم اور سبز سرخ رنگ کے اون اور ریشم کے لباس تھے اور سونے چاندی کے کام والے دوشالے تھے۔ ان کے پیچھے یہودی عورتوں کا جتھا تھا جو دف اور باجے گاجے بجاتی ہوئی چل رہی تھیں۔

سلمٰی ام وہب ایک یہودی داشتہ...... ان میں سلمٰی ام وہب بھی تھی۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سلمٰی ام عمرو بھی تھی جو عروہ ابن ورد کی داشتہ تھی۔ یہ عروہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو شخص حاتم کو عرب کا سب سے زیادہ سخی اور فیاض آدمی کہتا ہے وہ عروہ پر ظلم کرتا ہے۔ اس عروہ نے سلمٰی ام وہب کی قوم پر یلغار کی تھی اور اسی موقعہ پر سلمٰی کو قیدی بنایا تھا۔ پھر اس نے سلمٰی کو اپنی داشتہ بنالیا چنانچہ سلمٰی کے پیٹ سے عروہ کے اولاد ہوئی۔

سلمٰی اور عروہ...... پھر بنی نضیر کے یہودیوں میں سے ایک شخص نے سلمٰی ام وہب کو عروہ سے خرید لیا اس یہودی نے یہ کیا کہ پہلے عروہ کو خوب شراب پلائی اور جب وہ شراب کے نشے میں مدہوش ہو گیا تو اس سے سلمٰی کی خریداری کی بات کرلی۔ بعد میں جب عروہ کا نشہ اترا تو اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس اور رنج ہوا۔ عروہ نے اب اس یہودی سے بات کی۔ آخر دونوں میں اس بات پر اتفاق ہوا کہ خود سلمٰی کو اس بات کا اختیار دے دیا جائے کہ وہ دونوں میں سے جس کے ساتھ رہنا پسند کرلے وہی اس کو لے جائے۔ چنانچہ سلمٰی کو یہ اختیار دے کر اس سے پوچھا گیا تو اس نے اسی یہودی کو پسند کرلیا جس نے اسے عروہ سے خریدا تھا۔

عروہ کے لئے سلمٰی کے جذبات...... ایک قول یہ ہے کہ سلمٰی کی قوم کے لوگ عروہ کے پاس آئے تھے اور سلمٰی کا فدیہ یعنی آزادی کی قیمت ساتھ لائے تھے تاکہ عروہ سے اس کو خرید کر واپس اس کی قوم میں لے جائیں (انہوں نے عروہ سے بات کی) عروہ کو یہ یقین تھا کہ اب سلمٰی میرا ساتھ چھوڑنا ہرگز پسند نہیں کرے گی اور میرے لئے اپنی قوم کو بھی چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس بھروسہ میں اس نے سلمٰی کو اختیار دے دیا کہ وہ فیصلہ کر لے کہ وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا اپنی قوم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ سلمٰی نے اپنی قوم کے ساتھ جانا پسند کر لیا۔ اس وقت عروہ کو سخت افسوس ہوا۔ پھر جب سلمٰی عروہ کو چھوڑ کر جانے لگی تو عروہ سے بولی۔

"خدا کی قسم میں سمجھتی ہوں عرب کی کسی عورت کا شوہر تم سے زیادہ نیک دل اور پاک نظر نہیں ہو سکتا تم سے زیادہ بلند مرتبہ اور دل کا غنی نہیں ہو سکتا، تم حقیقت میں محلوں کے رہنے والے اور شاہ خرچ آدمی ہو، بہترین شہسوار ہو اور دشمنوں کے لئے موت کا پیغامبر ہو، تم ایک نرم مزاج شوہر اور شریف پڑوسی ہو میں ہرگز تمہارا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھر اور قوم والوں کے ساتھ نہ جاتی اگر میں تمہاری چچازاد بہنوں کے یہ لفظ نہ سنتی کہ ام عروہ یوں کہتی ہے اور ام عروہ یوں کرتی ہے۔ مجھے اس بات سے موت کی سی تکلیف ہوتی ہے۔ خدا کی قسم تمہارا کوئی عزیز مجھے جب بھی ملے گا میں ہمیشہ اس کو تمہاری اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی نصیحت کرتی رہوں گی۔"

جلا وطنی کا عبرتناک منظر...... اس کے بعد ام وہب نے بنی نضیر میں ایک شخص سے شادی کر لی۔ غرض بنی نضیر کے لوگ اس شان سے مدینے سے جلاوطنی کے وقت نکلے کہ مدینے کی سڑکیں ان سے بھر گئیں۔ لوگ سڑکوں میں دونوں طرف کھڑے ہوئے اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور یہودی قطار اندر قطار گزر رہے تھے۔ سلام ابن ابوالحقیق نے اونٹ کی کھال کا ایک تھیلا اٹھا رکھا تھا۔ ایک قول ہے کہ بیل کی کھال کا اور ایک قول کے مطابق گدھے کی کھال کا تھا جو زیورات سے بھرا ہوا تھا اور سلام پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ یہ مال و متاع ہم نے سرد و گرم حالات کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اور جہاں تک باغات کے ہاتھ سے جانے کا تعلق ہے تو باغات ہمیں خیبر میں بھی مل جائیں گے۔ منافقوں کو بنی نضیر کے جلاوطن ہو جانے پر زبردست رنج و صدمہ تھا۔

یہود کی دولت...... یہ تمام مال و دولت اور سونا چاندی اس سودی کاروبار کا تھا جو وہ مکے کے اور دوسرے عربوں سے کرتے تھے۔ یہ تمام دولت ابوالحقیق کی اولاد کے پاس رہا کرتی تھی۔ آگے غزوہ خیبر کے بیان میں آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے اسی مال و دولت کو ساز و سامان اور خزانہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا اور اسی دولت کی وجہ سے ابوالحقیق کے دو بیٹے قتل ہوئے کیونکہ انہوں نے اس خزانہ کو آنحضرت ﷺ سے بچانے کے لئے کہیں چھپا دیا تھا۔

مدینے کے بعد خیبر میں یہود کا مسکن...... غرض بنی نضیر کے یہ یہودی مدینے سے جلاوطن ہو کر کچھ تو خیبر میں جا بسے ان میں یہودیوں کے بڑے اور سر کردہ لوگ تھے جیسے حیی ابن اخطب، سلام ابن ابوالحقیق اور کنانہ ابن ابو ربیع ابن ابوالحقیق وغیرہ۔ جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنے قدم جمانے کے لئے قرضے وغیرہ دیئے۔

یہود کے ساتھ انصاریوں کی اولاد...... اسی طرح کچھ لوگ مدینے سے نکل کر ملک شام کی طرف چلے گئے یعنی کھیتی باڑی کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ ان یہودیوں میں کچھ انصاری مسلمانوں کے بیٹے بھی تھے جس کی

وجہ یہ تھی کہ اگر کسی انصاری عورت کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی تو اسلام لانے سے پہلے ان میں یہ دستور تھا کہ وہ عورت یہ منت مان لیا کرتی تھی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کو یہودی بنادے گی (چنانچہ ایسے کئی لوگ تھے جو انصاریوں کے بیٹے تھے مگر وہ یہودی بنادیئے گئے تھے)۔

جب بنی نضیر کے لوگ جلاوطن ہونے لگے تو ان لڑکوں کے ماں باپ نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو ان کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے یہ وحی نازل فرمائی۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ الآیہ پ ۳ سورہ بقرہ ع ۳۴ آیت ۲۵۶

ترجمہ: دین میں زبردستی کا فی نفسہ کوئی موقع نہیں۔

بنی نضیر کے دو مسلمان...... تو یہ آیت ان ہی لوگوں کے لئے خاص طور پر نازل ہوئی تھی جو اسلام سے پہلے یہودی ہو چکے تھے ورنہ حربی کافروں کو اسلام کے لئے مجبور کرنا جائز ہے۔ بنی نضیر کے یہودیوں میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے ان میں سے ایک کا نام یامین ابن عمیر تھا اور دوسرے کا نام ابوسعد ابن وہب تھا۔ ان کے اسلام کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر آخر ہمیں اسلام قبول کرنے میں کس بات کا انتظار ہے۔ اس سے ہماری جانیں اور ہمارا مال بھی محفوظ ہو جائے گا۔"

(اس پر دونوں متفق ہو گئے اور صبح ہی آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اس طرح ان کا جان و مال بھی محفوظ ہو گیا۔ اس کے بعد یامین نے بنی قیس کے ایک شخص سے معاملہ کیا کہ اگر تم عمرو ابن حجاش کو قتل کر دو تو میں تمہیں دس دینار۔ اور ایک قول کے مطابق پانچ وسق کھجور دوں گا۔ یہ عمرو ابن حجاش وہی شخص تھا جس نے چھت پر سے آنحضرت ﷺ کے اوپر پتھر پھینک کر آپ کی جان لینے کا ارادہ کیا تھا۔

یامین کے ہاتھوں یہودی بد نہاد کا قتل...... اس معاملہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ یامین کے مسلمان ہونے کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا۔

"تم جانتے ہو گے کہ تمہارا چچازاد بھائی یعنی عمرو ابن حجاش میرے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتا تھا اور کس طرح میری جان لینا چاہتا تھا۔!"

اس پر یامین نے بنی قیس کے اس شخص سے عمرو کو قتل کرانے کا معاملہ کیا۔ چنانچہ ایک روز موقعہ پا کر اس شخص نے دھوکہ سے عمرو کو قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس دشمن خدا کے قتل کی خبر ملی تو آپ بہت مسرور ہوئے۔

بنی نضیر کے متعلق سورت قرآنی...... بنی نضیر کے متعلق حق تعالیٰ نے سورہ حشر نازل فرمائی۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت ابن عباسؓ تو اس سورت کو سورۂ بنی نضیر ہی کہا کرتے تھے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورہ حشر بنی نضیر کے معاملے میں ہی نازل ہوئی تھی۔ بنی نضیر کے واقعہ کے متعلق قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

خدعوا　　بالمنافقین　　وھل
ینفق　　الاعلی　　السفیہ　　الشقاء

ونھیتم　　وما　　انتھت　　عنہ　　قوم

فابید الامار و المنهاء

اسلمو هم الاول الحشر لا....
میعاد هم صادق ولا الایلاء

سکن الرعب و الخراب قلوبا
وبیوتا منهم نعاها الجلاء

مطلب...... بنی نضیر کے یہودیوں نے منافقوں کے اس وعدے میں دھوکہ کھایا کہ وہ ان کے ساتھ رہیں گے اور ان کی پوری پوری مدد کریں گے۔ جہاں تک بد بختی کا اثر ظاہر ہونے کا تعلق ہے تو وہ بے وقوف لوگوں پر ہی ہوتا ہے۔ یہاں منافقین سے مراد عبداللہ ابن ابی اور اس کے دو ساتھی تھے جو نفاق میں اس کے ساتھ تھے۔ کیونکہ جیساکہ بیان ہوا ابن ابی برابر یہودیوں کے پاس یہ پیغام بھیجتا رہا تھا کہ تم لوگ اپنی جگہ پڑے رہو اور مقابلہ کرتے رہو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم مقابلہ کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مقابلہ کریں گے اور اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہوں گے۔ ادھر سلام ابن مشکم نے بنی نضیر کے سرداروں کو ابن ابی کی بات ماننے اور اس کے وعدوں پر بھروسہ کرنے سے روکا تھا مگر لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ چنانچہ ان منافقوں نے یہودیوں کو ان کے اولین حشر اور انجام تک پہنچادیا۔ اور ان کا حشر و انجام ان کی جلا وطنی اور گھر بار چھوڑ کر نکالے جانے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ لہذا منافقوں کے بنی نضیر سے یہ وعدے کہ ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف تمہاری حمایت کریں گے بالکل جھوٹے ثابت ہوئے۔ اسی طرح اس سلسلے میں منافقوں نے جو قسمیں کھائی تھیں اور عہد کئے تھے وہ بھی قطعاً جھوٹے اور بے بنیاد نکلے۔

یہود کا اولین حشر...... موسیٰ ابن عقبہ نے لکھا ہے کہ ان یہودیوں کو جب سے یہ یہاں آباد ہوئے تھے کبھی جلا وطنی سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا اسی لئے ان کے اس حشر و انجام کو اولین حشر کہا گیا اور وہ حشر ان کی جلاوطنی اور گھر سے بے گھر ہونا تھا۔

مگر ایک قول کے مطابق حشر سے مراد میدان محشر ہے کیونکہ جب ان کو مدینے سے نکلنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے کہا تھا۔

"اے محمد! ہم آخر کہاں نکل جائیں۔"

آپ نے فرمایا۔

"حشر یعنی میدان محشر کی طرف۔!"

دوسرا حشر...... غرض یہ ان کا اولین حشر تھا اور ان کا دوسرا حشر آگ کا حشر ہوگا جو (قیامت کے قریب) عدن سے پھوٹے گی جس کے نتیجہ میں یہ لوگ (بدحواس ہو کر) بھاگیں گے اور اس مقام پر جمع ہوں گے جہاں قیامت میں حساب کتاب کا انتظار ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کا دوسرا حشر حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں ظاہر ہوا تھا کہ آپ نے ان لوگوں کو خیبر سے بھی جلاوطن کر کے تیماء اور اریحاء کے علاقوں کی طرف دھکیل دیا تھا جیساکہ آگے اس کا بیان آئے گا۔

یہود پر مسلمانوں کی ہیبت...... غرض یہودیوں کے دلوں پر آنحضرت ﷺ کا خوف طاری ہو گیا مراد یہ

ہے کہ ان کے دلوں میں یہ ڈر بیٹھ گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے زبردست انتقام لیں گے اور اسی طرح ان کے گھروں پر بربادی و تباہی طاری ہو گئی ان گھروں کو گویا یہ خبر دے دی گئی تھی کہ ان کے مکین اس طرح ہلاک ہوں گے کہ ان کے علاقوں سے انہیں نکال کر جلاوطن کر دیا جائے گا۔

اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ. وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ . لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ. لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ. لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ جُدُرٍ. بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ. تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى. ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ. كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ. وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ. كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْقَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ لآیہ پ ۲۸ سورہ حشر ع ۲ آیت ع ۱۱ تا ۱۶

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین یعنی عبداللہ ابن ابی وغیرہ کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے ہم مذہب بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں یعنی بنی نضیر سے کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جاویں گے اور تمہارے معاملے میں ہم کسی کا کبھی کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر بفرض محال ان کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔ بے شک تم لوگوں کا خوف ان منافقین کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے اور یہ ان کا تم سے ڈرنا خدا سے نہ ڈرنا اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں۔ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے۔ مگر حفاظت والی بستیوں میں یا دیوار قلعہ و شہر پناہ کی آڑ میں۔ ان کی لڑائی آپس ہی میں بڑی تیز ہے اے مخاطب تو ان کو ظاہر میں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دین کی عقل نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کی یہی مثال ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے ہوئے ہیں جو دنیا میں بھی اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہونے والا ہے۔ شیطان کی سی مثال ہے کہ اول تو انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس وقت صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

بنی نضیر سے حاصل شدہ فئی کا مال!...... بنی نضیر جو جو ہتھیار چھوڑ گئے تھے ان میں آنحضرت ﷺ نے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔ اس مال غنیمت کا آنحضرت ﷺ نے پانچواں حصہ نہیں نکالا جیسا کہ آپ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کے مال غنیمت میں پانچ حصے کئے تھے۔

(قال) حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! جو مال آپ کو ملا ہے کیا آپ اس کے پانچ حصے نہیں فرمائیں گے۔ جیسا کہ آپ نے بنی قینقاع کے مال میں کیا تھا۔!"

نبی کا مال مخصوص...... آپ ﷺ نے فرمایا۔

"میں اس میں کچھ نہیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مومنین کے میرے لئے اپنے اس ارشاد کے

ذریعہ خاص فرمادیا ہے۔"

مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى الخ لآیہ پ ۲۸ سورہ حشر ع آیت ۷

ترجمہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ اس طور پر اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے کافر لوگوں سے دلوادے۔ (جیسے فدک اور ایک حصہ خیبر کا) سو وہ بھی اللہ کا حق ہے اور رسول کا۔ الخ

اہل قریٰ..... یعنی اس مال کے طور پر جس میں دو حصے بنے ہوں۔ چنانچہ بنی نضیر کا مال و متاع اور سامان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے فئی کی حیثیت رکھتا ہے (فئی دشمن کا وہ مال ہے جو بغیر لڑے بھڑے اور جنگ کئے حاصل ہو)۔

اس بارے میں خصوصی تنبیہ غزوہ بنی قینقاع میں گزر چکی ہے۔ مفسرین نے قریٰ کی جو تفسیر کی ہے اس کے مطابق اس سے صفراء اور وادی قریٰ مراد ہیں یعنی اس کا تہائی جیسا کہ کتاب امتاع اور ینبع میں ہے اور قریٰ کی تفسیر بنی نضیر اور خیبر بھی کی گئی ہے یعنی ان علاقوں کے تین قلعے یا حویلیاں جن کے نام کتیبہ، وطیح اور سلالم تھے جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے۔ اور اسی طرح فدک یعنی اس کا نصف آپ کا تھا جیسا کہ کتاب امتاع میں ہے کہ اس کو رافعی نے شرح مسند امام شافعی میں لکھا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پہلا فئی کا مال ہے جو آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا۔ مگر پیچھے غزوہ بنی قینقاع میں جو روایت گزری اس سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ لہذا اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ فئی کا وہ پہلا مال ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے خاص فرمایا اور جس کو مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں فرمایا جیسا کہ گزشتہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے (کیونکہ فئی کا مال نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص فرمادیا تھا کہ آپ اس کے مالک ہوتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق اس میں سے اپنے گھر والوں کا سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور باقی مال ان مقاصد کے لئے خرچ فرماتے تھے جن کا اسی آیت میں آگے ذکر ہوا ہے)۔

تقسیم مال کے لئے انصار سے مشورہ اور تعریف..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے مسلمانوں کو بلایا اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد آپ نے انصاری مسلمانوں کی ان خدمات اور ایثار و قربانی کا ذکر فرمایا جو انھوں نے مہاجر مسلمانوں کے سلسلے میں کیں کہ انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور ان کے لئے اپنے مال و دولت کی قربانی دی۔ اس کے بعد آپ نے انصاری مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تمہارے مہاجر مسلمان بھائیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے پاس کسی قسم کا مال و اسباب نہیں ہے اس لئے اگر تم چاہو تو میں یہ مال جو اللہ تعالیٰ نے فئی کے طور پر مجھے مرحمت فرمایا ہے اور جسے میرے لئے مخصوص فرمایا ہے تمہارے موجودہ مال و دولت کے ہوتے ہوئے تمہارے ہی درمیان تقسیم کردوں اور اگر تم راضی ہو تو اپنا مال تم اپنے پاس رکھو اور میں یہ مال صرف مہاجر مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ اس پر انصاری مسلمانوں نے عرض کیا۔

"نہیں بلکہ آپ یہ مال بھی مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرمادیں اور ہمارے مال میں سے بھی جتنا چاہیں لے کر ان کو عنایت فرمادیں۔!"

مہاجروں کے لئے انصار کی قربانیاں..... ایک روایت کے الفاظ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے انصاریوں سے یوں فرمایا تھا کہ اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال جو بنی نضیر سے حق تعالیٰ نے فئی کے طور پر مجھے عنایت فرمایا ہے میں تمہارے اور مہاجروں دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں جبکہ مہاجروں کی رہائش کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ تمہارے مکانوں میں رہ رہے ہیں اور تمہارے ہی مال پر گزر کر رہے ہیں۔

مہاجرین جب مکے سے ہجرت کر کے مدینے آئے تھے تو وہ بالکل تہید ست اور بے سر و سامان تھے جبکہ انصاریوں کے پاس زمینیں اور جائیدادیں اور دوسرا سازوسامان موجود تھا۔ اس وقت انصاریوں نے اپنے باغات اور درختوں کے ذریعہ مہاجروں کی مدد کی۔ اب بعض مہاجروں نے تو انصاریوں کی اس پیشکش کو اپنی امداد کے طور پر قبول کر لیا کہ محنت مزدوری بھی انصار خود کرتے تھے اور ان کی پرورش کرتے تھے اور بعض نے اس مدد کو اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ وہ باغ اور کھیتوں میں کام کریں گے اور فصل یا بہار کا آدھا حصہ ان کا ہو گا۔ ان لوگوں نے اس بات کو اپنے شرف اور عزت نفس کے خلاف سمجھا کہ وہ اس طرح محض امداد کے طور پر کوئی چیز قبول کریں جس سے ان کی حیثیت پست ہو جائے اور وہ بوجھ بن جائیں۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اوس و خزرج کے لوگوں سے فرمایا۔

"اور اگر تم چاہو تو میں یہ مال مہاجروں کو دیدوں۔ (ی) تاکہ وہ تمہارے مکانات خالی کر دیں اور تمہارے مال و متاع یعنی باغات وغیرہ واپس کر دیں۔!"

انصار کی سیر چشمی..... "اس پر حضرت سعد عبادہ اور حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ" آپ اس مال کو مہاجروں میں ہی تقسیم فرمادیں اور وہ ہمارے گھروں میں ہی رہتے رہیں۔ بلکہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مکانات، زمین، جائیداد اور مال و متاع کو بھی ان ہی میں تقسیم فرمادیں کیونکہ وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں اپنے گھر بار، مال و متاع اور خاندانوں کو چھوڑ آئے ہیں ہم تمام مال غنیمت میں بھی ان کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور اس میں اپنا کوئی حصہ نہیں چاہتے۔!"

اس پر تمام انصاریوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "یا رسول اللہ! ہم اس بات پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں۔"

انصار کے جذبہ ایمانی پر نبی کی دعا..... "رسول اللہ ﷺ نے انصاریوں کے جذبہ ایمانی پر دعا فرمائی۔

"اے اللہ! انصاریوں اور انکی اولاد پر رحمت فرما۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ اور انکی اولاد کی اولاد پر بھی رحمت فرما۔"

صدیق اکبر کی طرف سے شکریہ..... پھر حضرت ابو بکر صدیق نے انصاریوں کو مخاطب کر کے انکا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا۔"

"اے گروہ انصار۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔!

انصار کی تعریف میں وحی کا نزول..... حق تعالیٰ نے اس موقع پر انصار کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ الآیہ پ ۲۸ سورہ حشر ترجمہ اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو۔ اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی اپنے دینی بھائیوں کیلئے وہ انصاری مسلمان جس چیز اور مال کا

ایثار کررہے ہیں چاہے اس کے دینے کے بعد خود کو فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے (مگر وہ اس میں ذرا پس و پیش نہیں کرتے)۔

مہاجروں میں مال کی تقسیم ...... غرض اس کے بعد آنحضرت نے وہ مال مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمادیا بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے اس مال کا تمام مہاجرین میں تقسیم نہیں فرمایا۔ جہاں تک انصاریوں کا تعلق ہے تو آپ نے اس مال میں سے دو انصاریوں کے سوا اور کسی کو کچھ نہیں دیا۔ وہ دو انصاری سہل ابن حنیف اور ابو دجانہ تھے جو بہت زیادہ ضرور تمند تھے ۔ بعض علماء نے ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرے انصاری حرث ابن صمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر بعض علماء نے اس میں یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ حرث بئر معونہ کے واقعہ میں اس سے پہلے قتل ہو چکے تھے۔

سعد ابن معاذ کو ابن ابوالحقیق کی تلوار ...... نیز آنحضرت ﷺ نے بنی نضیر کے ایک بڑے سردار ابن ابو الحقیق کی تلوار حضرت سعد ابن معاذؓ کو عنایت فرمائی۔ یہ ایک نہایت بہترین اور عمدہ تلوار تھی جس کا تمام یہودیوں میں بڑا چرچا تھا۔

بنی نضیر کی زمینوں میں سے باغ کی جو زمین تھی آنحضرت ﷺ نے اس کو زراعت کے لئے استعمال فرمایا اور اسکی فصل سے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کے کھانے پینے کا انتظام فرماتے تھے۔ اور جو مال اس سے زائد ہوتا اس سے آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے جنگی سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار فراہم فرماتے، اقول۔ مؤلف کہتے ہیں اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ نے بنی نضیر کے اس فئی کے مال کو مہاجروں میں تقسیم نہیں فرمایا (کیونکہ اس روایت کے مطابق زمینوں کو خود آپ نے زراعت کیلئے استعمال فرمایا) مگر اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ کچھ زمین کو آپ نے خود استعمال فرمایا ہو اور باقی زمینیں تقسیم فرمادی ہوں)۔

اسی بات کی تائید آگے آنے والی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ان زمینوں میں سے قابل کاشت یا دوسری زمینوں میں آنحضرت ﷺ کی زراعت کی کیا کیفیت اور نوعیت تھی میں اس سے واقف نہیں۔

خصائص صغریٰ میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ بنی نضیر کے باغات رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائے تھے اور آپ کے لئے مخصوص کئے تھے مگر آپ نے ان میں کا اکثر حصہ مہاجروں کو عنایت فرمادیا اور اسے ان کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ان میں سے کچھ حصہ آپ نے دو انصاری مسلمانوں کو بھی عنایت فرما۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بنی نضیر کے باغات سے مراد ان کا مال و دولت ہے جیسا کہ گذشتہ سطروں میں رویات سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص باغات ہی مراد نہیں ہیں (بلکہ ان سے حاصل شدہ ساز و سامان ہے)۔

پھر میں نے بعض دوسرے علماء کا یہ قول دیکھا کہ اکثر رواتیون سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بنی نضیر سے حاصل شدہ مال و متاع یعنی ان کے مویشی جیسے گھوڑے اور ان کے کھیت اور ان کا ساز و سامان خاص رسول اللہ ﷺ کا حق تھا جو حق تعالیٰ نے آپ کے لئے خاص فرمایا تھا۔ چنانچہ نہ آپ نے اس کے پانچ حصے کئے اور نہ اس میں سے کسی کا حصہ لگایا بلکہ آپ نے جتنا چاہا اس میں سے دیا اور ساز و سامان لوگوں کو ہبہ فرمادیا۔

زمینوں کی تقسیم ...... حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ حضرت صہیبؓ اور

حضرت ابو سلمہ ابن عبدالاسد کو آپ نے بنی نضیر کی مشہور ضیاع یعنی زمینیں عنایت فرمائیں (یہاں روایت میں ضیاع کا لفظ استعمال ہوا ہے) غالباً ضیاع سے مراد زمینیں ہی ہیں۔ اسی بات کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو بنی نضیر کی زمینوں میں سے زمین کا ایک قطعہ عنایت فرمایا۔ جیسا کہ امتاع کے قول کے مطابق مراد یہی ہے۔

غرض بنی نضیر کا مال آنحضرت ﷺ کے لئے صفی تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی ضروریات کے لئے خاص فرمالیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس میں سے اپنے گھر والوں پر خرچ فرماتے اور اسی میں سے صدقات دیتے تھے۔

(اب بعض روایات سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس فئی میں سے زمینیں تقسیم نہیں فرمائیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم فرمائی تھیں) مگر اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ شاید آپ نے ان میں سے کچھ زمینیں تو کچھ لوگوں کو عنایت فرمادیں اور کچھ اپنے لئے باقی رکھیں جن میں آپ کے لئے زراعت کی جاتی تھی۔

"انصار کے دیئے ہوئے مال کی واپسی کا حکم"...... جب آنحضرت ﷺ نے یہ مال مہاجرین میں تقسیم فرمایا تو ساتھ ہی ان کو حکم دیا کہ انصار کا جو مال انکے پاس ہے وہ اس کو واپس کردیں کیونکہ اس کے بعد انھیں اس مال کی ضرورت باقی نہیں رہی اور دوسرے اس لئے کہ وہ اس کے مالک نہیں ہوگئے تھے جبکہ انصاریوں نے اپنے باغات مہاجروں کو اس لئے دیئے تھے کہ وہ ان باغات کی فصلوں اور بہار سے فائدہ اٹھاتے رہیں اور ان کی ضردیات پوری ہوتی رہیں۔

ام ایمن کی غلط فہمی اور ضد...... حضرت ام ایمن کو انصاری مسلمانوں سے جو کچھ ملا تھا وہ اس کو یہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ ان کی ملک ہوگیا ہے۔ اسی لئے انھوں نے اس مال کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔ صورت یہ تھی کہ حضرت انس کی والدہ نے کچھ باغ آنحضرت کو دیئے تھے آپ نے وہ ام ایمن کو دے دیئے تھے۔ اب ام ایمن نے اس کو واپس کرنے سے انکار کیا تو آنحضرت نے ان پر یہ اصرار نہیں فرمایا کہ تمہیں وہ مال واپس کرنا ہی پڑے گا کیونکہ وہ آنحضرت کی دایہ تھیں جنھوں نے آپ کو کھلایا تھا اس لئے آپ ان کی رعایت فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان پر پچھلے مال کی واپسی کے لئے اصرار کرنے کے بجائے ان کو دوگنا مال دیکر چاہا کہ وہ پچھلا مال واپس کردیں۔ وہ پھر بھی نہیں مانیں تو آپ نے اسے تین گنا کردیا مگر وہ پھر بھی انکار کرتی رہیں۔ آخر اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے جب آپ نے کو ان کے پچھلے مال سے تقریباً دس گنا زیادہ دیدیا تب وہ راضی ہوئیں۔

مگر اس واقعہ کو بنی نضیر کے واقعات میں بیان کرنا مسلم کی اس روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق ام ایمن کا یہ واقعہ فتح خیبر کے موقعہ پر پیش آیا تھا۔ کیونکہ اس روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خیبر کی جنگ سے فارغ ہو کر مدینے واپس تشریف لے گئے تو مہاجرین نے انصاری مسلمانوں کو ان کی رعایتیں واپس کر دیں جو انصار نے بطور احسان کے اپنے باغات اور فصلوں میں سے دے رکھی تھیں۔ پھر اسی ذیل میں ام ایمن کا یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو قابل غور ہے۔ واللہ اعلم

باب پنجاہ و دوم (۵۲)

غزوہ ذات الرقاع

عجائبات کا غزوہ...... اس غزوہ کو غزوۂ اعاجیب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس غزوہ میں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے، نیز اسی غزوہ کو غزوہ محارب، غزوہ بنی ثعلبہ اور غزوہ بنی انمار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے۔

تاریخ غزوہ...... غزوہ بنی نضیر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ ربیع الاول۔ اور ایک قول کے مطابق ربیع الاول اور ربیع الثانی اور جمادی الاول و جمادی الثانی کے کچھ دنوں تک مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔

اسلامی لشکر کا کوچ...... اس کے بعد آپ نے نجد کے علاقے کی طرف کوچ کیا جہاں آپ بنی محارب اور بنی ثعلبہ کی گوشمالی کرنا چاہتے تھے کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ ان دونوں قبیلوں نے قبیلہ غطفان میں سے کافی بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں چنانچہ آپ نے چار سو اور ایک قول کے مطابق سات سو اور ایک قول کے مطابق آٹھ سو صحابہ کے ساتھ ان کی طرف کوچ کیا۔

اس غزوہ کا ترتیبی مقام...... امام بخاری نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ غزوہ غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا اور دلیل میں ابو موسیٰ کی روایت پیش کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ غزوہ ذات الرقاع میں خود شریک تھے۔ اس روایت میں ہے کہ ہم چھ آدمی آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے جبکہ ہمارے پاس اونٹ صرف ایک تھا۔ آخر ہمارے پیر پھٹنے لگے۔ خود میرے پیر چلتے چلتے پھٹ گئے اور ناخن اکھڑ گئے جس کی وجہ سے ہم نے کپڑوں کے چیتھڑے پھاڑ پھاڑ کر پیروں کو لپیٹ لئے۔ رقاع چونکہ چیتھڑوں کو کہتے ہیں اس لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔

اب اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابو موسیٰؓ غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے اور یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حبشہ سے غزوہ خیبر کے وقت ہی آئے تھے تو یہ بات ماننی ضروری ہو جاتی ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا ہے۔

اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع کو دو مرتبہ مانا جائے کہ ایک دفعہ غزوہ خیبر

سے پہلے ہوا اور دوسری مرتبہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ اب جہاں تک اس غزوہ ذات الرقاع کا تعلق ہے جس میں نماز خوف کا واقعہ پیش آیا تھا۔ تو وہ دوسرا غزوہ ذات الرقاع تھا۔

اس غزوہ کے نام کا سبب...... اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑنے کا سبب وہی ہے جو حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے پیچھے بیان ہوا ہے۔ اب اسکو اگر غزوہ خیبر کے بعد تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ غزوہ غزوہ خندق کے بعد پیش آیا ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ نماز خوف غزوہ خندق تک مشروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اگر اس وقت نماز خوف شریعت میں شامل ہو چکی ہوتی تو آنحضرت ﷺ یہ نماز ضرور پڑھتے اور اسے مؤخر نہ کرتے جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ آگے اس اختلاف کا جواب بھی آئے گا۔

ادھر علامہ شمس شامی نے بھی غزوہ ذات الرقاع کو غزوہ خیبر کے بعد ہی ذکر کیا ہے مگر کتاب اصل نے بخاری کی وہ گذشتہ روایت نقل نہیں کی ہے بلکہ اس کا مفہوم بیان کیا ہے چنانچہ کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں ہے کہ بخاری میں ابو موسیٰ کی حدیث ہم تک اس طرح پہنچی ہے کہ ان کے پیر پھٹ گئے جس پر انھوں نے کپڑے کے چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ اسی لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑا۔

پھر کہتے ہیں۔ امام بخاری نے ابو موسیٰ کی اس حدیث کو اس بات کے لئے دلیل بنایا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا ہے کیونکہ ابو موسیٰ غزوہ خیبر کے وقت ہی آئے تھے۔ مگر اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی (کہ وہ خود بھی غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے بلکہ ممکن ہے انھوں نے یوں کہا ہو کہ غزوہ ذات الرقاع میں جاتے ہوئے صحابہ کے پیر پھٹ گئے تھے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ابو موسیٰ نے اس روایت میں خود اپنا واقعہ بیان نہیں کیا بلکہ صرف ان صحابہ کی کیفیت کو روایت کیا ہے جو غزوہ ذات الرقاع میں شریک تھے۔ مگر اس تشریح میں یہ اشکال ہے کہ بخاری کی روایت میں ابو موسیٰ کے صاف الفاظ یہ ہیں کہ پھر میرے پیر پھٹنے لگے اور میرے ناخن اکھڑ گئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ خود اس غزوہ میں شریک تھے۔ کتاب اصل نے ذات الرقاع کو خیبر سے پہلے قرار دیتے ہوئے اپنے شیخ علامہ دمیاطی کا اتباع کیا ہے ساتھ ہی گذشتہ روایت کو بالمعنی بیان کرنے میں بھی ان ہی کا اتباع کیا ہے۔

علامہ دمیاطی نے اس روایت پر بھی کلام کیا ہے جو بخاری نے بالمعنی بیان کی ہے کہ یہ روایت غزوات کے علماء کے خلاف ہے جو ذات الرقاع کو خیبر سے پہلے قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ علامہ دمیاطی نے ایک صحیح حدیث کے غلط ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہ تمام سیرت نگاران کی رائے کے خلاف گئے ہیں۔ نیز یہ کہ صحیح بخاری کی۔ اس روایت پر اعتماد کرنا کہ ذات الرقاع خیبر کی بعد پیش آیا زیادہ بہتر اور مناسب ہے کیونکہ غزوات کے علماء کا اس غزوہ کے وقت میں اختلاف ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاری نے ابو موسیٰ کی یہ صاف روایت نقل کی ہے غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد پیش آیا مگر اس کے باوجود انھوں نے بھی ذات الرقاع کو خیبر سے پہلے بیان کیا ہے پھر کہتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا آیا انہوں نے اصحاب مغازی یعنی غزوات کے علماء کی بات کو تسلیم کرنے کی وجہ سے ایسا کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ذات الرقاع خیبر سے پہلے پیش آیا ہے یا جو راوی ان سے روایت نقل کرتے ہیں انھوں نے ایسا کیا ہے یا یہ ترتیب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذات الرقاع دو مختلف غزوؤں کا نام ہے جن میں سے ایک خیبر سے پہلے کا ہے اور دوسرا خیبر کے بعد کا جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ

دوسرے غزوہ ذات الرقاع کا یہ نام رکھے جانے کی وجہ ابو موسیٰ کی وہی گزشتہ روایت ہے اب جہاں تک پہلے ذات الرقاع کا یہ نام رکھنے کا تعلق ہے تو اس کا آنے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ ذات الرقاع ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے جن میں سے ایک غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور دوسرا غزوہ خندق کے بعد پیش آیا ہے۔ یعنی جو خیبر کے بھی بعد کا ہے۔ غرض جب رسول اللہ ﷺ نے غزوہ ذات الرقاع کے لئے کوچ فرمایا تو مدینے میں حضرت ابو ذر غفاری کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عثمان کو جانشین بنایا تھا۔

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اکثر علماء نے حضرت عثمانؓ کا نام ہی ذکر کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے حضرت ابوذر غفاری کے نام میں شبہ بھی ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مکے میں مسلمان ہونے کے بعد اپنی قوم کی بستیوں کی طرف چلے گئے تھے پھر ، غزوہ بدر، غزوہ احد، اور غزوہ خندق کی جنگیں ہو چکنے کے بعد ہی واپس آئے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں کہ یہ سب شبہ اسی بنیاد پر ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع خندق سے پہلے پیش آیا ہے کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ خندق اور خیبر کے بعد کا ہے تو حضرت ابوذر غفاریؓ کی قائم مقامی کے متعلق یہ شبہ بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

دشمن فرار اور عورتوں کی گرفتاری...... رسول اللہ ﷺ مدینے سے روانہ ہو کر نجد کے علاقے میں پہنچے مگر وہاں آپ کو دشمنوں میں سے کوئی نہ ملا بلکہ کچھ عورتیں ملیں۔ آپ نے ان عورتوں کو قیدی بنایا۔ ان میں ایک حسین لڑکی بھی تھی۔

پہلی نماز خوف...... اس کے بعد آپ کو ایک لشکر ملا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب آنے لگے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی بلکہ ایک دوسرے سے خوف زدہ ہونے لگے یعنی مسلمانوں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں مشرکین اچانک ایسی حالت میں ان پر حملہ نہ کر دیں کہ وہ غافل ہوں۔ یہاں تک رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف پڑھائی۔ یہ پہلی نماز خوف ہے جو آنحضرت ﷺ نے پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ پھر ظہر کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے صحابہ کو نماز ظہر پڑھائی۔ اسی وقت مشرکوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر ان ہی میں سے کسی نے کہا۔

اس وقت ان کو چھوڑ دو کیونکہ ان کے یہاں اس کے بعد ایک اور نماز ہے جو ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے

"(یعنی اس وقت حملہ کرنا) اس دوسری نماز سے مراد عصر کی نماز ہے اسی وقت جبریلؑ آنحضرت پر نازل ہوئے اور آپ کو مشرکوں کے اس ارادہ کی خبر دی چنانچہ آپ نے نماز عصر نماز خوف کے طریقہ پر پڑھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہی سب کلام بعینہ آگے غزوہ حدیبیہ کے بیان میں آئیگا جہاں عسفان کے مقام پر صلوٰۃ خوف پڑھی گئی تھی۔ مگر اس واقعہ کو دو مرتبہ ماننے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں جگہ اس ایک ہی واقعہ کا بیان ممکن ہے کسی راوی کی غلط فہمی کی وجہ سے رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

نماز خوف کا طریقہ...... غرض نماز کے وقت دشمن قبلہ کی سمت کے علاوہ دوسری سمت میں تھا۔ لہذا آنحضرت نے دشمن کے حملہ کے خیال سے مسلمانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمادیا ایک جماعت تو دشمن کا آمنا سامنا کر کے کھڑی ہو گئی اور ایک جماعت کو آنحضرت ﷺ نے قبلہ رو ہو کر ایک رکعت پڑھائی۔ پھر جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو یہ جماعت آپ سے الگ ہو گئی اور اس نے اپنی نماز پوری کی۔ اس

کے بعد یہ جماعت دشمن کے روبرو جاکر کھڑی ہو گئی اور جو جماعت دشمن کے سامنے تھی اس نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے آکر دوسری رکعت میں آپ کی اقتداء کی۔ اس طرح آپ نے اس دوسری جماعت کو بھی ایک رکعت پڑھائی۔ دوسری رکعت میں جب آپ تشہد کے لئے بیٹھے تو یہ دوسری جماعت کھڑی ہو گئی اور اس نے اپنی بقیہ نماز پوری کی اور آپ کے جلوس تشہد میں شامل ہو گئی۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سلام پھیرا۔ نماز کی یہ کیفیت غزوہ ذات الرقاع میں تھی جس کو شیخین نے روایت کیا ہے اور جس کے متعلق قرآن کی آیت بھی نازل ہوئی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ ۔الآیہ پ۵ سورہ نساء ع ۱۴ آیت ۱۰۲

ترجمہ: اور جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہیں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو نماز خوف پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں اور دوسری کو باقی دو رکعتیں پڑھائیں۔ مگر آگے بیان ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ نماز نخل کے مقام پر تھی۔

نماز خوف، آنحضرت کی خصوصیت ...... کتاب خصائص صغری میں ہے کہ نماز خوف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ ہم سے پہلی امتوں میں سے کسی پر بھی یہ نماز نہیں تھی یعنی گذشتہ شریعتوں میں سے کسی میں نماز خوف نہیں تھی۔ اور عین لڑائی کے دوران یعنی سخت خوف وخطرہ کے وقت ہونے والی نماز آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

لشکر کے لئے عبادہؓ و عمارؓ کی پہرہ داری ...... اسی غزوہ کے دوران سفر میں آپ نے ایک رات ایک جگہ قیام فرمایا اس وقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ آپ ایک گھاٹی میں فروکش ہوئے تھے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

"کون ہے جو آج رات ہمارے لئے پہرہ دے گا"

اس پر حضرت عبادہ ابن بشر اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سب کا پہرہ دیں گے۔ اس کے بعد دونوں گھاٹی کے درہ یعنی دہانے پر بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عبادہؓ ابن بشر نے حضرت عمار ابن یاسر سے کہا۔

"ابتدائی رات میں تو میں پہرہ دے لوں گا یعنی تم جاؤ اور آخر رات میں تم پہرہ دینا تاکہ میں سو جاؤں۔!"

قیدی عورت کا شوہر انتقام کی راہ پر ...... چنانچہ حضرت عمار تو سو گئے اور حضرت عبادہؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ادھر نجد کے علاقے میں آنحضرت ﷺ نے جن عورتوں کو پکڑا تھا ان میں سے ایک کا شوہر اس وقت غائب تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بیوی کو قیدی بنا کر مسلمان لے گئے ہیں۔ اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک محمد ﷺ کو نقصان نہیں پہنچالوں گا یا ان کے صحابہ کا خون نہیں بہالوں گا۔

عبادہ پر نماز میں تیر افگنی ...... (چنانچہ وہ پیچھا کرتا ہوا اس وادی کے قریب آیا جہاں آنحضرت ﷺ فروش تھے) جب اس نے وادی کے درہ پر حضرت عبادہؓ کا سایہ دیکھا تو بولا کہ یہ دشمن کا دیدبان اور پہرہ دار ہے اس کے بعد اس نے تیر کمان چڑھا کر عبادہؓ کا نشانہ لیا اور چلادیا جو عبادہؓ کے جسم میں پیوست ہو گیا (حضرت عبادہؓ اس وقت نماز میں مشغول تھے اس لئے نماز توڑ کر وہ حملہ نہیں کر سکتے تھے) انھوں نے تیر جسم سے نکال کر پھینک دیا اور نماز

جاری رکھی اس شخص نے دوسرا تیر مارا وہ بھی نشانے پر بیٹھا اور عبادہؓ کے جسم میں ترازو ہو گیا انھوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اس شخص نے تیسرا تیر چلایا وہ بھی ان کے بدن میں پیوست ہو گیا اب ان کا خون کافی بہہ گیا تھا اس لئے انہوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی اور حضرت عمار کو جگا کر کہا کہ اٹھو میں زخمی ہو گیا ہوں۔ جب اس حملہ آور نے حضرت عمار کو اٹھتے دیکھا تو اس نے سوچا کہ اس کی منت پوری ہو گئی ہے۔

پھر جب حضرت عمار نے حضرت عبادہ کو زخمی حالت میں دیکھا تو کہا۔

"بھائی آخر تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ جگایا جب تمہارے پہلا تیر لگا تھا"

حضرت عبادہؓ نے کہا

حضرت عبادہؓ کا ذوقِ عبادت...... اس وقت میں نماز میں مشغول تھا اور ایک سورت یعنی سورۂ کہف پڑھ رہا تھا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں اس سورت کو درمیان سے چھوڑ دوں"۔ ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دشمن کے مقابلے کیلئے اپنے صحابہؓ میں سے دو آدمیوں کو متعین فرمایا جن کو عبادہؓ ابن بشر اور عمار ابن یاسر کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں مہاجر صحابہ تھے ان دونوں میں سے ایک کے ایک تیر آکر لگا جس سے ان کے جسم سے خون جاری ہو گیا اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے نماز نہیں توڑی بلکہ رکوع اور سجدے کرتے رہے اور نماز جاری رکھی پھر تیر انداز نے ان پر دوسرا اور تیسرا تیر چلایا اور یہ دونوں بھی ان کے لگے مگر انھوں نے نماز نہیں توڑی۔ یہ صحابی حضرت عبادہؓ ابن بشر تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

نماز کے لئے جان کی بازی...... حضرت عبادہؓ نے اپنے ساتھی کو جگانے پر ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ جس مقصد سے آنحضرت ﷺ نے مجھے متعین فرمایا اور حکم دیا ہے وہ مقصد فوت نہ جائے تو میں ہرگز تمہیں نہ جگاتا یہاں تک کہ اسی حالت میں میری جان چلی جاتی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں اسی واقعہ سے ہمارے شافعی علماء یہ مسئلہ نکالتے ہیں وہ نجاست جو پیشاب پاخانے کے راستوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے بدن کو لگ جائے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ آنحضرت ﷺ کو عبادہؓ بن بشر کے اس واقعہ کا علم ہوا کہ (ان کے جسم سے خون نکلا مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خون نکلنے کے باوجود نماز پڑھتے رہے تو شاید ان کے کپڑوں اور جسم کو بہت تھوڑا ہی خون لگا تھا۔ (یعنی جو خون نکلا وہ ٹپک گیا بدن اور کپڑوں کو نہیں لگا۔ واللہ علم۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کے لئے غورث کا عزم...... کہا جاتا ہے کہ دشمنوں میں ایک شخص تھا جس کا نام غورث ابن حرث تھا مشہور قول یہی ہے اس کا نام غورث تھا لیکن ایک قول کے مطابق اس کا نام غویرث ابن حرث تھا یعنی تصغیر کے ساتھ لفظ غویرث تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کیا تمہارے لئے محمد ﷺ کو قتل نہ کر دوں۔"

لوگوں نے کہا۔

"ضرور کر دو۔ مگر قتل کر سکو گے"۔

غورث نے کہا۔

"میں بے خبری میں اچانک ان کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔!

نبی سے فریب کی کوشش...... "چنانچہ غورث ایسے وقت آپ کے سامنے پہنچ گیا جب کہ آپ کی تلوار

آپ کی گود میں رکھی ہوئی تھی۔ اور کہنے لگا۔

"اے محمد ﷺ ذرا مجھے اپنی یہ تلوار تو دکھلایئے......!"

یہ کہتے ہی اس نے تلوار اٹھالی اور اچانک اسے سونت کر آپ پر وار کرنے کے انداز میں لہرانے لگا مگر اللہ تعالیٰ اس کو نامراد فرمانے والا تھا۔ چنانچہ اسی طرح تلوار کو آپ کے سر پر لہرا کر اس نے آپ سے پوچھا۔

"اے محمد ﷺ تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگ رہا ہے۔

"آپ نے فرمایا۔

"بالکل نہیں........کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے میری حفاظت فرما رہا ہے۔"

غوث کی بد حواسی......اسی وقت غورث نے آپ کی تلوار آپ کو واپس کر دی۔ آپ نے تلوار سنبھال "کر اس سے پوچھا۔

"اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا"۔

"غورث نے کہا۔

"تم کو تلوار لے کر نیک سلوک کرنا چاہئے۔"

غورث کا عاجزانہ وعدہ......"آپ نے فرمایا کہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

غورث نے کہا۔

میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا اور نہ کبھی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ کے خلاف صف آرا ہوں!۔"

غورث کی ذہنی کایا پلٹ......اس پر آنحضرت ﷺ نے اسے نکل جانے دیا۔ وہاں سے وہ سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا۔

میں اس وقت سب سے بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں!۔"

بعد میں غورث نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کو صحابیت یعنی آنحضرت ﷺ کی ہمنشینی کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ غورث آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ گود میں تلوار رکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ غورث نے آکر اسی طرح آپ سے تلوار مانگی اور پھر اسے لہرا کر کہنے لگا کہ آپ مجھ سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں تم سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں۔ اس نے کہا میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے کہا اللہ تعالیٰ مجھے بچانے والا ہے۔ غورث نے تلوار میان میں ڈال کر آپ کو واپس کر دی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ غزوہ ذی امر کے بیان میں اور گزر چکا ہے جس میں دعثور نامی شخص نے اسی طرح اچانک آپ کو تنہا دیکھ کر جالیا تھا۔ مگر یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ایک دعثور کے ساتھ پیش آیا اور دوسرا غورث کے ساتھ پیش آیا۔ لہذا اس سلسلے میں جو یہ قول ہے کہ اصل میں اور بظاہر یہ دونوں واقعات ایک ہی ہیں اس میں اشکال ہے جو بالکل ظاہر ہے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ......(قال) ایک روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اس غزوہ کے بعد واپس

مدینے تشریف لارہے تھے تو ایک روز دوپہر کے وقت آپ ایک وادی میں پہنچے جہاں بہت بڑے بڑے درخت تھے اور جن میں کانٹے بھی تھے۔ یہاں پڑاؤ ڈالنے کے بعد لوگ وادی میں ادھر ادھر مختلف درختوں کے نیچے جا لیٹے خود آنحضرت ﷺ بھی ایک سائے دار درخت کے نیچے تشریف فرما ہوگئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بہت سایہ دار درخت تھا اس لئے ہم نے اس کو آنحضرت ﷺ کے لئے ہی چھوڑ دیا تھا۔

غرض آنحضرت ﷺ نے اس درخت کے نیچے پہنچ کر اپنی تلوار درخت میں ٹانگ دی۔ ادھر ہم لوگ مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہم بھی قیلولہ کے لئے لیٹے اور سو گئے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں۔ ہم آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے آکر میری تلوار پر قبضہ کر لیا۔ اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص تلوار سونتے میرے سامنے کھڑا ہے پھر اس نے کہا۔

"اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔"

میں نے کہا۔ اللہ۔ یہ بات اس نے تین مرتبہ کہی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ اب اس روایت کی تفصیل اور گزشتہ روایت کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں ایک ہی واقعہ نہیں ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ یہ شخص وہی غورث ہو جس کا گزشتہ واقعہ میں ذکر ہوا ہے اور اسی نے دو مرتبہ یہ حرکت کی ہو۔

اسی موقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

الآیہ پ ۶ سورہ مائدہ ع ۲ آیت ۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا۔

پیچھے اسی آیت کے سلسلے میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب بنی نضیر کے ایک شخص نے چھت پر سے آنحضرت ﷺ کے اوپر ایک بڑا پتھر گرانا چاہا اور حق تعالیٰ نے آپ کو اس کی خبر دے کر محفوظ فرما دیا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی گزر چکا ہے کہ ایک ہی آیت مختلف اسباب کے تحت ایک سے زائد مرتبہ نازل ہو سکتی ہے۔

کتاب شفاء میں ہے کہ ایک قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قریش کی طرف سے خطرہ تھا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی جو پچھلی سطروں میں ذکر ہوئی تو آپ کو اطمینان ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اب جو میرا ساتھ چھوڑنا یعنی مجھ سے دغا کرنا چاہے کر لے۔"

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اور یہ اطمینان تو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت زیادہ مناسب تھا۔ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کو نقصان پہنچانا چاہے گا تو کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرما رہا ہے۔ اگرچہ یہ ممکن رہا ہو کہ یہ حفاظت انفرادی ہو۔ لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔

پیچھے آنحضرت ﷺ اور اس دیہاتی کا واقعہ گزرا ہے آنحضرت ﷺ نے اس کو اس امید میں سزا نہیں دی کہ ممکن ہے اس طرح کفار کی دلداری ہو اور وہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں (کیونکہ اس نیک سلوک کے نتیجہ میں یقیناً لوگ متاثر ہوتے)۔

مدینہ میں خوشخبری...... اس غزوہ کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ پندرہ دن مدینے سے باہر رہے۔ اپنی واپسی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعال ابن سراقہ کو مدینے بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو آپ کی اور آپ کے صحابہ کی سلامتی کی خوشخبری سنادیں۔

ایک ماندہ اونٹ اور نبی کی مسیحائی...... یہ حضرت جعال ابن سراقہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ یہی وہ شخص ہیں جن کی شکل میں غزوہ احد کے موقعہ پر ابلیس ظاہر ہوا تھا اور اس نے اچانک اعلان کر دیا تھا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

جابرؓ سے اونٹ کی خریداری...... اسی طرح راستے میں چلتے چلتے حضرت جابر ابن عبد اللہ کا اونٹ تھک کر چور ہو گیا اور اسے چلنا دوبھر ہو گیا آنحضرت ﷺ نے اسے کچوکا دے کر ابھارا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک ڈنڈے سے اس کو ٹھوکا دیا جس کے بعد وہ ایک دم اتنا تیز قدم چلنے لگا کہ سارے قافلے سے آگے آگے ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اب میں اس کو روک رہا تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ سے آگے چلنے سے مجھے شرم آرہی تھی مگر وہ اپنی لگام مجھ سے کھینچے لے رہا تھا حالانکہ میں چاہتا تھا کہ وہ سب کے ساتھ رہے پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ "کیا تم یہ اونٹ مجھے فروخت کر سکتے ہو۔

اونٹ کا بھاؤ تاؤ...... (حضرت جابرؓ راضی ہو گئے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ایک اوقیہ میں ان سے اس کو خرید لیا۔ ایک قول ہے کہ چار اوقیہ میں خریدا تھا اور ایک قول کے مطابق پانچ اوقیہ میں خرید فرمایا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچ دینار میں خریدا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے آپ نے ان کو بطور مذاق کے ایک درہم دیا۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ مجھے فروخت کریں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رفتہ رفتہ ایک ایک درہم بڑھاتے رہے اور حضرت جابرؓ یہ کہتے رہے۔

"خدا کی قسم میں نے اتنے میں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے یا رسول اللہ!"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ شاید ایک ایک درہم بڑھانے سے آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے لئے ان کی استغفار بھی بڑھتی رہے۔

غرض اونٹ خریدنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔

"مدینے تک تمہیں اس پر سوار کی اجازت ہے!۔"

جابرؓ کے لئے آنحضرت ﷺ کا استغفار...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ طے کر لیا تھا کہ مدینے تک میں ہی اس پر سوار رہوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے اس رات میں حضرت جابرؓ کے لئے پچیس مرتبہ اور ایک قول کے مطابق ستر مرتبہ استغفار فرمائی۔ مدینے پہنچنے کے بعد آپ نے ان کو قیمت ادا کی اور پھر اونٹ بھی ان کو ہبہ کر دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ یعنی حضرت جابر کے اونٹ کے تھکنے کا واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب رسول اللہ ﷺ مکے سے واپس مدینے تشریف لا رہے تھے۔ ایک قول ہے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

بخاری میں خود حضرت جابرؓ سے جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا اور ایک تھکے ہوئے اور بھاری اونٹ پر سوار تھا جو سب سے پیچھے چل رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے پکار کر پوچھا کہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا جابر ابن عبداللہ ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں جس اونٹ پر سوار ہوں یہ بہت تھکا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی ٹہنی ہے۔ میں نے کہا ہاں!۔ آپ نے فرمایا مجھے دو۔ آپ نے وہ ٹہنی اونٹ کے ماری اور اسے ڈپٹا۔ اچانک وہ اتنا تیز چلا کہ سب سے آگے ہو گیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو۔ میں نے عرض کیا

"نہیں۔ بس یہ آپ کا ہو گیا!۔"

آپ نے فرمایا۔

"نہیں مجھے فروخت کر دو۔ بس میں نے اس کو چار دینار میں خرید لیا لیکن مدینے تک تم اس کی سواری کرو!۔"

پھر جب میں مدینے پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا۔

بلال۔ ان کو قیمت ادا کر دو اور کچھ زائد دے دو!۔"

خریدے ہوئے اونٹ کا جابر کو ہدیہ...... حضرت بلالؓ نے ان کو چار دینار دیئے اور ایک قیراط کا مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے اونٹ بھی دے دیا اور مال غنیمت میں سے میرا حصہ بھی عنایت فرمایا۔

ایک اور روایت میں حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مدینے پہنچ کر آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو میں بھی اندر پہنچا اور پتھر کے چوکوں کی سمت میں اونٹ کھڑا کر کے اس کو چارہ ڈال دیا پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا اونٹ ہے!۔"

آنحضرت ﷺ یہ سن کر نکلے اور اونٹ کے چاروں طرف گھومے اور پھر فرمایا۔

"اونٹ اور اس کی قیمت دونوں تمہارے ہیں!۔"

ایک روایت میں ہے کہ۔ حضرت جابرؓ نے وہ اونٹ سونے کے بدلے میں آنحضرت ﷺ کو فروخت کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو گھر تک اس پر سوار ہو کر جانے کی اجازت دی۔ مدینے پہنچ کر جب آپ نے جابر کو قیمت ادا کر دی اور وہ لوٹ گئے تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور فرمایا۔

"میں تمہارا اونٹ نہیں لے رہا ہوں۔ اس لئے اپنا اونٹ تم خود ہی رکھو۔!"

حضرت جابرؓ سے ہی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ تبوک کے راستے میں ان سے خریدا تھا اور چار اوقیہ اس کی قیمت دی تھی۔ اور ایک روایت کے مطابق بیس دینار قیمت لگائی تھی۔

اب اگر ان سب روایتوں کو درست مانا جائے تو ان کے درمیان موافقت ضروری ہے جو قابل غور ہے

کیونکہ جتنی روایتیں ہیں اگر ہر ایک کو ایک علیحدہ اور مستقل واقعہ مانا جائے تو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔

اس غزوہ کے نام کے دوسرے اسباب...... جہاں تک غزوہ ذات الرقاع کے نام کا تعلق ہے اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس غزوہ کا یہ نام ایک درخت کی وجہ سے رکھا گیا جو اس مقام پر تھا اس درخت کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔ یا یہ نام اس لئے پڑا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں کو پھاڑ کر ان کے چیتھڑے کر لئے تھے۔ اور یا اس لئے کہ انہوں نے اپنے پیروں پر چیتھڑے لپیٹ لئے تھے کیونکہ ان کے پیروں میں پھٹن پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ یا اس لئے یہ نام پڑا کہ اس غزوہ میں جو نماز پڑھی گئی وہ رقعہ یعنی ٹکڑوں میں کر کے پڑھی گئی۔

یا اس لئے کہ نجد میں مسلمان جس پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئے اس کی زمین مختلف رنگوں کی تھی جو ٹکڑوں ٹکڑوں کی طرح تھی کہ کسی جگہ سے سرخ تھی، کسی جگہ سے سیاہ تھی اور کسی جگہ سے سفید تھی۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس قول کو غریب قرار دیا ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ ممکن ہے ان باتوں کی وجہ سے اس غزوہ کا یہ نام پڑا ہو۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اور مسیحائی...... (قال) اسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بدوی عورت اپنے بیٹے کو لے کر آئی اور کہنے لگی۔

"یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے اس پر شیطان کا غلبہ ہے!۔"

آنحضرت ﷺ نے اس کا منہ کھولا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ پھر فرمایا۔

"رسوا ہوا ے خدا کے دشمن۔ میں اللہ کا رسول ہوں!۔"

پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا۔

"تمہارا بیٹا ٹھیک ہو گیا۔ اس کو جو کچھ روگ تھا اب کبھی نہیں ہو گا!۔"

نبی کے دربار میں ایک پرندہ کی دہائی...... چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس غزوہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ کے پاس ایک شخص ایک پرندہ کا چھوٹا سا بچہ لے کر آیا۔ اسی وقت اس پرند بچہ کے ماں باپ میں سے ایک وہاں پہنچا اور آکر اس شخص کے سامنے گر گیا جس نے اس کے بچے کو پکڑا تھا لوگوں کو اس بات پر بہت تعجب ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"کیا تمہیں اس پرندے پر حیرت ہو رہی ہے!۔ تم نے اس کے بچے کو پکڑ لیا اس لئے اس نے اپنے بچے کی محبت میں خود کو یہاں گرا دیا ہے۔ خدا کی قسم تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنا یہ پرندہ اپنے بچہ پر ہے۔"

شتر مرغ کے انڈے اور معجزے کا ظہور...... اسی غزوہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شتر مرغ کے تین انڈے لائے گئے۔ آپ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔

"لو جابر۔ یہ انڈے بنا کر لاؤ۔"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ انڈے پکائے اور انہیں ایک رکابی میں رکھ کر لایا۔ اب ہمیں روٹی کی تلاش ہوئی تو کسی کے پاس روٹی نہیں تھی۔ آخر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بغیر روٹی کے ہی وہ انڈے کھانے لگے یہاں تک کہ ہر ایک نے پیٹ بھر کر کھا لیا مگر رکابی میں انڈے جوں کے توں باقی تھے۔

مالک کے خلاف ایک اونٹ کی فریاد...... اسی طرح اس غزوہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک اونٹ

جھومتا ہوا آیا اور آنحضرت ﷺ سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور بلبلانے لگا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

" جانتے ہو اونٹ نے کیا کہا ہے۔ یہ اونٹ اپنے مالک سے میری پناہ مانگ رہا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کا مالک برسوں سے اس سے کھیتی باڑی کے سلسلے میں سخت مشقت لے رہا تھا اور اب اس کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ جابر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور سے بلا کر لاؤ!۔"

حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ میں تو اس کے مالک کو نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا کہ (اس اونٹ کے ساتھ جاؤ) یہ تمہیں اس کی نشاندہی کرے گا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر وہ اونٹ میرے ساتھ چلا یہاں تک کہ اپنے مالک کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ اس کے بعد میں اس شخص کو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا اور آپ نے اس سے اونٹ کے متعلق بات کی۔

عبداللہ ابن جعفر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ پھر رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ اچانک رونے لگا اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے اوپر ہاتھ پھیرا جس سے وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

"اس اونٹ کا مالک کون ہے۔۔"

اس پر ایک انصاری نوجوان سامنے آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

"کیا تمہیں اس جانور کے سلسلے میں خدا کا خوف نہیں ہوتا جس کو خدا نے تمہاری ملکیت بنایا ہے یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم نے اس کو بھوکوں مار رکھا ہے اور سخت محنت لیتے ہو۔"

مظلوم جانور کی نبی ﷺ سے سرگوشیاں...... ایک روایت میں ہے کہ ہم لوگ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک اونٹ آیا اور آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آکر کھڑا ہوا اور بلبلانے لگا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

"اے اونٹ۔ چپ ہو جا اگر تو سچا ہے تو تجھے سچ کا بدلہ مل جائے گا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو تیرا جھوٹ تیرے سامنے آجائے گا۔! حق تعالیٰ نے ہماری پناہ میں آنے والوں کو مامون فرما دیا ہے ہماری پناہ لینے والوں کو وہ محروم نہیں فرماتا۔"

ہم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے۔"

اونٹ کی شکایت...... آپ نے فرمایا۔ "اس کا مالک اسے ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا چاہتا ہے اس لئے یہ ان کے پاس سے بھاگ آیا اور اب تمہارے نبی سے فریاد کر رہا ہے!۔"

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اس اونٹ کے مالکان اس کی تلاش میں وہاں آگئے۔ اونٹ نے جیسے ہی ان کو دیکھا وہ پھر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا اور آپ کی پناہ لینے لگا۔ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! یہ ہمارا اونٹ ہے اور تین دن سے بھاگا ہوا ہے۔ اتنی تلاش کے بعد اب یہ آپ کے پاس سے ملا ہے!۔"

آپ نے فرمایا۔ -
"یہ مجھ سے فریاد کر رہا ہے!۔"
ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
"یہ کہتا ہے کہ اس نے برسوں سے تمہارے یہاں پرورش پائی گرمی کے موسم میں تم اس پر بوجھ لاد کر گرم جگہوں پر لے جاتے تھے اور سردی کے موسم میں تم اس پر سامان لاد کر سرد جگہوں پر لے جاتے تھے اور جب یہ بڑا ہو گیا تو تم نے اس کے ذریعہ نسل کشی کی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں مضبوط قسم کے اونٹ عطا فرمائے۔ اب جب کہ یہ اس کمزوری کی عمر کو پہنچ گیا تو تم اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا چاہتے ہو!"

مالک کی طرف سے شکایت کی تصدیق...... ان لوگوں نے عرض کیا۔
"خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ واقعہ تو بالکل یہی ہے!۔"
آپ نے فرمایا۔
"مگر آقا کی طرف سے ایک نیک اور وفادار خادم کا صلہ یہ تو نہیں ہونا چاہئے!۔"
ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا کہ ہم اس کو اب نہ پریشان کریں گے اور نہ ذبح کریں گے۔
آپ نے فرمایا۔
"تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس نے تم سے فریاد کی تھی مگر تم نے اس کی فریاد رسی نہ کی!۔ میں تمہارے مقابلے میں رحم و ہمدردی کرنے کا زیادہ اہل ہوں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے رحم اور ہمدردی کے جذبہ کو منافقوں کے دلوں سے نکال دیا ہے اور مومنوں کے دلوں کو اس سے لبریز کر دیا ہے!۔"

اونٹ کی خریداری اور رہائی...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سو درہم میں وہ اونٹ ان سے خرید لیا۔
پھر آپ نے اس اونٹ کو مخاطب کر کے فرمایا۔
"اے اونٹ۔ اب تو جہاں چاہے چلا جا!۔"

نبی اور اُمت کے لئے اونٹ کی دعائیں...... اس پر اونٹ نے آنحضرت ﷺ کے پہلو میں یعنی کان کے قریب منہ کر کے کچھ بتلایا تو آپ نے آمین فرمایا۔ پھر وہ دوسری مرتبہ بولا تو آپ نے پھر آمین فرمایا پھر وہ تیسری مرتبہ بولا اور آپ نے پھر آمین فرمایا۔ اس کے بعد وہ چوتھی مرتبہ بلبلایا تو آپ رونے لگے۔ ہم نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
"اس نے کہا۔ اے پیغمبر! اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور قرآن کے لئے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں نے کہا آمین۔ پھر اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو خوف اور ڈر سے اسی طرح پرسکون فرما دے جس طرح آپ نے میرے دل کو پرسکون فرمایا ہے۔ میں نے کہا آمین۔ پھر اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے خون کو اسی طرح محفوظ فرما دے جس طرح آپ نے میرے خون کی حفاظت فرما دی۔ میں نے کہا۔ آمین۔ پھر اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی قوت کو آپس کی لڑائیوں میں خرچ نہ کرائے۔ اس پر میں رو پڑا کیونکہ یہ چوتھی دعا میں نے بھی حق تعالیٰ سے مانگی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا و تمنا پوری کرنے سے انکار فرما دیا۔"
آنحضرت ﷺ کا اونٹ سے یہ فرمانا کہ۔ اب تو جہاں چاہے چلا جا۔ ہمارے شافعی علماء کے اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کو آزاد چھوڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ جاہلیت کے

اس طریقہ کے مطابق ہے جس میں کفار سائبہ کو چھوڑتے تھے۔لہذا یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جی چاہے جا یعنی تو نے جو فریاد کی تھی وہ پوری ہو گئی اب ہر حال میں تو محفوظ اور مامون ہے۔

علامہ ابن جوزی نے جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی مقصد سے یہ جملے فرمائے تھے۔اور ظاہر ہے اس تشریح پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

اونٹ کے اس واقعہ کی طرف امام سبکی نے اس قصیدے کے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے جو یہ ہے۔

ورب بعیر قد شکالک حاله

فاذهبت عنه کُلَّهُ کَلٍّ ونقله

ترجمہ : ایک اونٹ نے جب آپ کے حضور میں اپنی زبوں حالی اور مظلومیت کی فریاد کی تو آپ نے اس کی تمام کلفت اور مصائب دور کر دیئے۔

<u>ام سلمہؓ سے آنحضرت ﷺ کا نکاح</u>...... پھر اسی سال یعنی ۴ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ ہندؓ سے نکاح فرمایا جبکہ ابو سلمہ ابن عبدالاسد کا انتقال ہو گیا تھا(۔اور حضرت ام سلمہ بیوہ ہو گئی تھیں)۔

اس سلسلے میں حضرت ابن عمرؓ کی جو یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ سے ۲ھ میں نکاح فرمایا تھا۔تو یہ روایت بے معنی ہے۔

ایک قول ہے کہ اسی سال میں تیمم کا حکم بھی نازل ہوا۔

باب پنجاہ و سوم (۵۳)

غزوۂ بدر آخر

ابوسفیان سے کیا ہوا جنگ کا وعدہ...... اس غزوہ کو بدر موعد بھی کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان نے اس جنگ کا وعدہ کیا تھا اس لئے کہ جب جنگ احد کے بعد وہ وہاں سے واپس جارہا تھا تو اس نے کہا تھا۔ آئندہ بدر کے میلے کے زمانے میں ہمارا تمہارا ملنے یعنی مقابلے کا وعدہ رہا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ جواب دینے کا حکم دیا تھا کہ کہہ دو۔ ہاں انشاء اللہ۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

غزوہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے جمادی الاول کے باقی دنوں سے رجب کے آخر تک کا وقت مدینہ منورہ میں گذارا اور پھر شعبان میں آپ بدر ثانی کے لئے روانہ ہوئے۔

تاریخ غزوہ...... کتاب اصل یعنی عیون الاثر نے صرف یہی قول نقل کیا ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ آپ شوال میں روانہ ہوئے تھے اور ایک قول کے مطابق ذی قعدہ کا چاند نظر آنے پر روانہ ہوئے تھے۔ مگر ہر قول کے مطابق یہ روانگی ۴ھ میں ہوئی تھی۔

اس بارے میں موسیٰ ابن عقبہ کا یہ قول کہ یہ کوچ ۳ھ کے شعبان میں ہوا تھا۔ صرف وہم ہے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا اور غزوہ احد ظاہر ہے شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔

حافظ دمیاطی نے اس غزوہ بدر ثانی کو غزوہ ذات الرقاع سے پہلے قرار دیا ہے۔ اس بارے میں علامہ شمس شامی اور صاحب امتاع نے حافظ دمیاطی کا ہی اتباع کیا ہے (اور اس غزوہ یعنی بدر ثانی کو ذات الرقاع سے پہلے قرار دیا ہے)۔

مدینے سے روانہ ہو کر آنحضرت ﷺ ذی قعدہ کی چاند رات کو میدان بدر میں پہنچے۔ اب یہ بات اسی صورت میں ٹھیک ہو سکتی ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کی روانگی شوال کے مہینے میں مانی جائے!۔"

بدر کا میلہ...... اسی زمانے میں ہر سال بدر کا میلہ ہوا کرتا تھا جس میں شرکت کے لئے لوگ جمع ہوتے اور یہاں آٹھ دن تک قیام کرتے جیسا کہ اس سلسلے کا بیان پیچھے گزر چکا ہے (کہ جس طرح مکے کے قریب ذی المجاز وغیرہ کے سالانہ میلے لگا کرتے تھے ایسے ہی مقام بدر میں بھی سالانہ میلہ اور بازار لگا کرتا تھا جس میں شریک ہونے کے

نئے جوق در جوق لوگ آتے اور سیر و تفریح اور تجارت کیا کرتے تھے)۔

مدینے میں قائم مقامی...... مدینے سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی ابن سلول کو اپنا قائم مقام بنایا۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو قائم مقام بنایا تھا۔ اس غزوہ کے لئے آپ ڈیڑھ ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر چلے۔ اس لشکر میں دس گھوڑے سوار تھے۔

قریش کی طرف سے مسلمانوں کا کوچ رکوانے کی کوشش...... حضرت نعیم ابن مسعود اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے چنانچہ جب صحابہ کوچ کی تیاری میں لگے ہوئے تھے نعیم ابن مسعود نے قریش کو جا کر یہ خبر دے دی کہ مسلمان تم سے بدر کے مقام پر جنگ کرنے کے لئے کوچ کی تیاری کر رہے ہیں۔ ابوسفیان نہیں چاہتا تھا کہ آپ اس وقت مقابلہ کے لئے آئیں چنانچہ اس نے نعیم کو وعدہ دیا کہ اگر وہ واپس مدینے جا کر مسلمانوں کو اس کوچ سے روک دیں تو وہ ان کو بیس اونٹ دے گا۔ اور ایک قول کے مطابق دس اونٹ دے گا۔ پھر انہیں اونٹ پر سوار کرا کے ابوسفیان نے ان سے کہا۔

"میں اس وقت لشکر لے کر جانا مناسب نہیں سمجھتا اب اگر محمد ﷺ جنگ کے لئے آئیں اور ہم نہ جائیں تو اس سے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ لہذا یہ کہلوانے کے بجائے کہ ہم جنگ سے جان چرا گئے میں چاہتا ہوں لوگ یہی بات ان کے متعلق کہیں کہ وہ جنگ سے جان چرا گئے۔ اس لئے تم مدینے جاؤ اور ان لوگوں سے یہ کہو کہ میں بہت زبردست لشکر لے کر آرہا ہوں جس کا وہ کس حال میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس خدمت کے انعام میں تمہیں میں اتنے اتنے اونٹ دوں گا جو میں سہیل ابن عمرو کے ہاتھ سے تمہیں دلواؤں گا۔"

نعیم ابن مسعود سہیل ابن عمرو کے پاس آئے اور بولے۔

"اے ابو یزید! تم مجھے ان اونٹوں کی ضمانت دو۔ میں محمد ﷺ کے پاس ان کو کوچ سے روکنے جارہا ہوں۔"

نعیم کی مدینے میں ہراس پھیلانے کی کوشش...... سہیل نے اس کا اقرار کر لیا تو نعیم مدینے آئے یہاں انہوں نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ ابوسفیان کے پاس زبردست لشکر ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ نعیم ایک ایک مسلمان سے اس قسم کی باتیں کہتے پھرنے لگے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں میں خوف بیٹھ گیا اور کوچ کے سلسلے میں ان کے ارادے ڈانواں ڈول ہوگئے۔ ادھر منافقین اور یہودی مسلمانوں پر اس دہشت سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ وہ لوگ بھی سہیل کی باتیں سن کر کہتے پھرنے لگے کہ ابوسفیان کے اس لشکر سے محمد ﷺ بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

ابو بکر و عمر کا جوش اور نبی سے گفتگو...... حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے یہ باتیں سنیں تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

"یا رسول اللہ! حق تعالیٰ اپنے نبی کا بول بالا کرنے والا ہے اور وہی اپنے دین کو سربلند فرمانے والا ہے۔ ہم سے دشمن نے مقابلہ کے لئے آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے ہم اب پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کو ہماری بزدلی سمجھیں گے۔ لہذا وعدے کے مطابق چلئے خدا کی قسم اسی میں خیر اور بہتری ہوگی۔"

آنحضرت ﷺ کی مسرت اور کوچ کا عزم...... آنحضرت ﷺ یہ مشورہ سن کر بہت خوش ہوئے

پھر آپ نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں مقابلے کے لئے ضرور جاؤں گا چاہے میرے ساتھ کوئی بھی نہ چلے۔"

لشکر اسلام کی بدر کو روانگی...... اس ارشاد کے بعد مسلمانوں کے دلوں میں مشرکوں کی جو دہشت پیدا ہونے لگی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو دور فرمادیا اور سب کوچ کے لئے آمادہ ہوگئے) آنحضرت ﷺ کا پرچم حضرت علیؓ نے اٹھایا اور مسلمان اپنے ساتھ تجارت کا سامان وغیرہ بھی لے کر بدر کی طرف روانہ ہوئے جس کے نتیجہ میں ان کو دو گنا فائدہ ہوا۔

ابوسفیان کی حیلہ جوئی...... ادھر ابوسفیان نے قریش سے کہا۔

"ہم نے نعیم کو بھیجا ہے تاکہ وہ مدینے پہنچ کر محمد ﷺ کے صحابہ کو کوچ سے روک سکے۔ مگر ہم کو بھی (وعدے کے مطابق) کوچ کرنا چاہئے لیکن ہم ایک یا دو رات کی مسافت تک چل کر واپس آجائیں گے۔ اب اگر محمد ﷺ خود روانہ نہیں ہوئے اور ان تک یہ خبر پہنچی کہ ہم نے کوچ کیا تھا لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد واپس ہوگئے کہ مسلمان نہیں نکلے تو ہمارا نام اونچا اور ان کا نام نیچا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ بھی مقابلے کے لئے روانہ ہوگئے تو بھی ہم یہ کہہ کر راستے سے واپس ہو جائیں گے کہ یہ قحط کا سال ہے اور خوش حالی کے سال کے علاوہ کسی وقت جنگ کے لئے کوچ کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے۔

قریش کا برفریب کوچ...... لوگوں نے ابوسفیان کی رائے کو پسند کیا چنانچہ وہ دو ہزار قریشی لشکر کے ساتھ مکے سے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں پچاس گھوڑے سوار تھے یہاں تک کہ چلتے چلتے یہ لشکر مجنہ کے مقام تک پہنچ گیا۔ یہ مجنہ مرظہران کی سمت میں ایک مشہور بازار اور منڈی تھا (جہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا) ایک قول ہے کہ قریشی لشکر عسفان کے مقام تک پہنچ گیا۔

اس وقت ابوسفیان نے ان سے کہا۔

"اے گروہ قریش! تمہارے لئے صرف ترو تازگی کے سال میں ہی کوچ کرنا مناسب ہو سکتا ہے۔ جس میں درختوں پر سبزہ ہوتا ہے اور تمہیں پینے کا پانی آسانی سے ملتا ہے جبکہ یہ سال سخت خشکی اور قحط کا ہے میں تو واپس جاتا ہوں اس لئے تم بھی چلو۔"

راہ میں سے واپسی...... چنانچہ یہ لوگ بھی اس مقام سے واپس مکے چلے گئے۔ مکے والوں نے اپنے اس لشکر اور کوچ کو جیش السویق کا نام دیا جس کے معنی ہیں ستو والا لشکر۔ وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ تو اصل میں ستو پینے کے لئے نکلے تھے (کیونکہ لشکر نے سفر کے دوران ستو پیا اور تھوڑا فاصلہ طے کر کے واپس آگیا)۔

دشمن کے لئے آنحضرت ﷺ کا بدر میں انتظار...... ادھر رسول اللہ ﷺ بدر کے مقام پر پہنچ کر قریشی لشکر کا انتظار کرتے رہے کیونکہ ابوسفیان نے بدر کے میلے کے زمانے میں آنے کا وعدہ کیا تھا جو آٹھ دن تک ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ بدر کے مقام پر ذی قعدہ کے مہینے کی چاند رات کو پہنچ گئے تھے جیسا کہ بیان ہوا اور صبح سے یعنی ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے میلہ شروع ہوا۔ لہذا مسلمانوں نے ان آٹھ دنوں میں وہیں قیام کیا جن میں میلہ لگا ہوا تھا مسلمان جب بھی قریش کے متعلق پوچھتے تھے اور انہیں جواب ملتا کہ ان لوگوں نے تمہارے خلاف زبردست لشکر جمع کر لیا ہے تو مسلمان صرف اتنا کہتے۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

"اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہے اور وہی سب سے بہترین چارہ ساز ہے!"

مفسدوں و منافقوں کی طرف سے افواہیں...... آخر جب مسلمان بدر کے قریب پہنچ گئے تھے تو ان سے کہا گیا تھا۔

"جن جانبازوں کو ابوسفیان نے جمع کیا ہے ان سے بدر کا مقام پٹا پڑا ہے!"

ان باتوں سے ایسے مفسدوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ مسلمان انتہائی خوف و دہشت زدہ ہو جائیں اور ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔ مگر اس پر بھی مسلمان حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ہی کہتے۔

وحی کے ذریعہ مسلمانوں کی ثابت قدمی کی تعریف...... آخر جب مسلمان بدر پہنچ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہاں لڑنے والا تو کوئی بھی نہیں البتہ میلے کے بازار لگے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ

الآیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۸ آیت ۱۸۳

ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے کہ اس نے ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور کہہ دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔

اس آیت میں پہلے لفظ ناس یعنی لوگ سے مراد نعیم ابن مسعود ہیں جو اپنی سازش میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے والے لوگ چار تھے مگر اس قول سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ چار آدمی منافقوں میں سے ہوں اور انہوں نے ایکا کر کے نعیم کے ساتھ وہی سب کچھ کہنا شروع کر دیا ہو۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک نے مسلمانوں سے یہاں تک کہہ دیا کہ (قریشی لشکر اتنا بڑا ہے کہ) تم لوگ ان کے لئے ایک نوالہ کی حیثیت رکھتے ہو۔ اگر تم لوگ ان کے مقابلے کے لئے نکلے تو تم میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا۔

ایک قول ہے کہ یہ باتیں کہنے والے لوگ بنی عبدالقیس کے ایک قافلے کے تھے جو خوراک کے ذخیرہ کے لئے مدینے جا رہے تھے ابوسفیان نے ان قافلے والوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کو ڈرا کر پست ہمت کر دیا اور جنگ کے لئے کوچ کرنے سے روک دیا تو تمہارے اونٹوں کو کشمشوں سے لاد دوں گا۔ اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دونوں یا تینوں باتیں ممکن ہیں (کہ ابوسفیان نے نعیم ابن مسعود سے بھی وعدہ کیا ہو، مدینے کے منافقین بھی نعیم کی ہاں میں ہاں ملانے لگے ہوں اور ابوسفیان نے اس قافلے سے بھی کشمشوں کا وعدہ کیا ہو۔

گزشتہ سطروں میں جو آیت ذکر ہوئی ہے اس کے بارے میں ابن عطیہ نے جمہور کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کے میدان احد سے واپسی میں حمراء اسد کے مقام پر نازل ہوئی تھی۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

غرض بدر کے میلے میں مشرکوں کا انتظار کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں سے واپس مدینے تشریف لے آئے۔ ادھر مشرکوں کو یہ خبر مل گئی تھی کہ مسلمان وعدے کے مطابق مقابلہ کرنے کے لئے بدر

کی طرف کوچ کر چکے ہیں اور یہ کہ ان میں سے اکثر لوگ میلے میں تجارت کے لئے نکلے ہیں۔

قریش کو مسلمانوں کی بدر میں آمد کی اطلاع...... قریش کو مسلمانوں کے اس کوچ کی خبر معبد ابن معبد خزاعی نے دی تھی کیونکہ بدر کا میلہ ختم ہونے کے بعد وہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مکے کو روانہ ہوا تھا اور قریش کو مسلمانوں کی بدر میں آمد کے متعلق بتلایا۔ یہ سن کر صفوان ابن امیہ نے ابوسفیان سے کہا۔

"خدا کی قسم میں نے تمہیں اسی دن منع کیا تھا کہ دشمن کو یوں چھوڑ کر مت جاؤ۔ اب ان کا حوصلہ بڑھ گیا ہے اور وہ ہم پر شیر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ مقابلہ پر آنے سے ہم جان چرا گئے ہیں اور وہ یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ ہم اپنی کمزوری کی بناء پر لڑائی سے دامن بچا گئے ہیں!"

(اس طرح رسول اللہ ﷺ اس غزوہ سے اگرچہ بغیر لڑے واپس تشریف لائے مگر اس سے احد میں کھویا ہوا مسلمانوں کا وقار بحال ہو گیا)۔

باب پنجاہ و چہارم (۵۴)

غزوۂ دومتہ الجندل

دومہ کا محل وقوع...... یہ لفظ دُومتہ الجندل دپر پیش کے ساتھ ہے لیکن دپر زبر پڑھنا بھی غلط نہیں ہے مگر حافظ دمیاطی نے صرف دپر پیش والا تلفظ بیان کیا ہے۔ جہاں تک دپر زبر کے ساتھ تلفظ کا تعلق ہے تو یہ ایک دوسرے مقام کا نام ہے۔ اسی لئے علامہ جوہری نے کہا ہے کہ دپر پیش ہی درست ہے زبر کے سلسلے میں محدثین سے غلطی ہوئی ہے۔

اس جگہ کا نام ودمی ابن اسماعیل علیہ السلام کے نام کی وجہ سے دومہ پڑا کیونکہ انہوں نے یہیں قیام کیا تھا۔ اس بستی کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کے سفر کی مسافت ہے۔ یہ شام کا علاقہ ہے اور ملک شام کی بستیوں میں مدینے سے قریب ترین بستی ہے اس کے اور مدینے کے درمیان پندرہ یا سولہ رات کے سفر کی مسافت ہے۔ یہ جگہ تبوک کے مقام سے قریب ہے۔

مشرکین کے اجتماع کی خبر اور آنحضرت ﷺ کا کوچ...... آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس مقام پر مشرکوں نے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اور ہر گزرنے والے پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں اور یہ کہ وہ لوگ مدینے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور اس کے بعد ایک ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر آپ دومتہ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔

تاریخ غزوہ...... یہ واقعہ ۴ھ کے آخر کا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول ۵ھ کا ہے۔ اس بات کی تائید حافظ دمیاطی کے قول سے بھی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ غزوہ آنحضرت ﷺ کی مکے سے ہجرت کے انچاس مہینے بعد پیش آیا تھا۔

کوچ کے وقت آپ نے حضرت سباع ابن عرفطہ غفاری کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ راتوں کو سفر فرماتے اور دن کو پڑاؤ ڈالتے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کا رہبر بھی تھا جو بنی عذرہ کا تھا۔

ان کا نام مذکور تھا رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کی آمد پر مشرکوں کا فرار...... جب آنحضرت ﷺ دومتہ الجندل کے قریب پہنچے تو مشرکوں کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی وہ لوگ فوراً وہاں سے تتر بتر ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں پہنچ کر ان کے مویشیوں اور

چرواہوں کو گھیرا جس کے نتیجہ میں کچھ ہاتھ آگئے اور کچھ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔

سرکوبی کے لئے فوجی دستوں کی روانگی...... آنحضرت ﷺ نے بستی کے میدان میں قیام فرمایا مگر کوئی دشمن سامنے نہیں آیا یہاں سے آپ نے دشمن کی تلاش میں مختلف فوجی دستے ادھر ادھر روانہ فرمائے مگر وہ سب بھی ناکام واپس آگئے کیونکہ انہیں کہیں کوئی شخص یا جماعت نہیں ملی۔ مگر ہر دستہ اونٹوں کا مال غنیمت لے کر واپس ہوا۔

ایک دشمن کا قبول اسلام...... حضرت محمد ابن سلمہ کو دشمن کا ایک آدمی ہاتھ آگیا۔ وہ اسے پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے دشمن کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

"ان لوگوں نے جب یہ سنا کہ آپ نے ان کے مال پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ بھاگ گئے!"

عیینہ کی احسان فراموشی...... پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہوگیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے کو واپس ہوگئے۔ اسی سفر سے واپسی میں ایک شخص عیینہ ابن حصن نے جس کا اصل نام حذیفہ فزاری تھا آنحضرت ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ فلاں مقام پر اپنے مویشی چرائے گا۔ یہ جگہ مدینے سے چھتیس میل کے فاصلے پر تھی اس معاہدہ کا سبب یہ تھا کہ جس علاقہ میں اس کی اپنی زمین تھی وہ قحط اور خشک سالی کا شکار تھی۔ ــــــــــ مگر جب اس کے اونٹ اور بکریاں کھاپی کر موٹے تازے ہوگئے اور عیینہ اپنے علاقے میں واپس چلا گیا تو اس نے ایک جھاڑی میں چرتی ہوئی آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اس پر کسی نے اس سے کہا۔

"تم نے محمد ﷺ کو بہت برا بدلہ دیا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا کہ تمہیں اپنے علاقے میں مویشی چرانے کی اجازت دی جس کے نتیجہ میں تمہارے جانور کھاپی کر موٹے ہوگئے اور تم ان کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو!" عیینہ نے کہا۔

"وہ تو میرے ہی مویشی تھے!"

عیینہ کی گستاخی...... اس کا نام عیینہ اس لئے پڑا کہ اس کو لقوہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں (چونکہ عربی میں آنکھ کو عین کہتے ہیں) لہذا اس کا نام عیینہ پڑ گیا۔ یہ عیینہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگیا تھا۔ پھر غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوا۔

یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی تالیف قلب اور دلداری کے لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی مالی امداد فرمائی۔ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل ذکر ہوگی۔ اس کو معزز احمق کہا جاتا تھا کیونکہ دس ہزار نوجوان اس کے اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے۔

ایک دفعہ یہ بغیر اجازت لئے رسول اللہ ﷺ کے حجرہ میں داخل ہوگیا اور بے ادبی سے پیش آیا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے اس لاابالی پن کو برداشت فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا۔

"سب سے بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کی بدگوئی اور فحش کلامی کے خطرہ کی وجہ سے ملتے ہوئے ڈریں۔"

ایک قول ہے کہ یہ بات مخرمہ ابن نوفل کے متعلق فرمائی گئی تھی۔ مگر یہ ممکن ہے کہ دونوں ہی کے

متعلق یہ بات کہی گئی ہو۔

عیینہ کا اسلام، ارتداد اور پھر اسلام...... بعد میں جبکہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا یہ عیینہ مرتد ہو گیا تھا کیونکہ یہ طلیحہ ابن خویلد سے جاملا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اسی پر ایمان لے آیا تھا۔ جب طلیحہ بھاگ گیا تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کو گرفتار کر لیا اور رسیوں میں باندھ کر صدیق اکبرؓ کے پاس بھیجا جب یہ مدینے میں داخل ہوا تو شہر کے لڑکے اس کو لوہے وغیرہ سے مارنے اور کچوکے دینے لگے ساتھ ہی وہ کہتے جاتے تھے۔

"اے خدا کے دشمن! تو ایمان لانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے لگا!"

اس پر یہ کہتا۔

"خدا کی قسم۔ میں ایمان نہیں لایا تھا۔"

پھر صدیق اکبرؓ نے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا اور یہ دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ حلقہ بگوش اسلام ہی رہا۔

پردے اور قصر نماز کا حکم...... اسی سال یعنی ۴ھ میں آیت حجاب یعنی آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے پردے کی آیت نازل ہوئی۔ اسی سال قصر نماز یعنی سفر کی حالت میں نماز کو قصر کرنے کا حکم نازل ہوا۔

حضرت حسینؓ کی پیدائش...... اسی سال حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے یہاں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے جب یہ پیدا ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان کا نام حرب رکھا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ نواسے کو دیکھنے تشریف لائے تو دیکھ کر فرمایا۔

"میرا بیٹا۔ تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے۔"

نواسے کا نام...... انہوں نے کہا ہم نے ان کا نام حرب رکھا ہے۔

آپ نے فرمایا نہیں اس کا نام حسین ہے۔ جیسا کہ آپ نے حضرت حسن کے ساتھ کیا تھا جو پیچھے ذکر ہوا ہے۔

پھر جب حضرت علیؓ کے تیسرا بیٹا ہوا تو آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لائے اور فرمایا۔

"میرے بیٹے کو مجھے دکھلاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔"

حضرت علیؓ نے عرض کیا حرب نام رکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

"نہیں اس کا نام محسن ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"میں نے ان بچوں کے نام ہارون علیہ السلام کی اولاد پر شبر، شبیر اور مبشر رکھے ہیں!"

بعض علماء نے ایک عجیب روایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے درمیان کسی بات پر تیز کلامی ہو گئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد ایک دن حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور جھک کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔ اس پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"میں نے جس وجہ سے اس بات میں پہل نہیں کی وہ یہ تھی کہ آپ اپنی فضیلت میں مجھ سے بڑے

ہیں۔ لہذا میں نہیں چاہتا تھا کہ اس نیک کام میں خود پہل کر کے آپ سے الجھوں جس کے آپ اپنی بڑائی کی وجہ سے زیادہ مستحق ہیں (یعنی یہ نیک کام اگر میں پہلے کر لیتا تھا تو آپ کو شکایت ہو سکتی تھی کہ تم نے میرا انتظار کر کے مجھے اس کا موقعہ نہیں دیا)۔

یہود کی سنگ ساری حج کی فرضیت......اسی سال زناکار یہودیوں کو شرعی سزا کے مطابق سنگسار کیا گیا۔ اسی سال حج فرض ہوا۔ اس فرضیت کے متعلق مختلف قول ہیں۔)۔

ایک قول ہے کہ ۵ھ میں حج فرض ہوا۔ اسی طرح ایک قول ۶ھ کا ایک ۷ھ کا ایک ۸ھ کا ایک ۹ھ کا اور ایک ۱۰ھ کا بھی ہے۔

تیمم کا حکم...... ایک قول ہے کہ اسی سال یعنی ۴ھ میں تیمم بھی مشروع ہوا جیسا کہ بیان ہوا۔

ایک قول ہے کہ تیمم اس غزوہ دومۃ الجندل کے بعد والے غزوہ میں مشروع ہوا یعنی غزوہ بنی مصطلق میں تیمم کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول کسی دوسرے غزوہ کے متعلق بھی ہے۔

سعدؓ کی والدہ کی وفات......اس غزوہ کے دوران جبکہ آنحضرت ﷺ مدینے میں موجود نہیں تھے حضرت سعد ابن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بیٹے اس وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوہ دومۃ الجندل میں گئے ہوئے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینے واپس پہنچے تو آپ نے مرحومہ کی قبر پر ان کی نماز پڑھی۔ یہ واقعہ ان کے انتقال کے ایک ماہ بعد کا ہے۔ پھر حضرت سعدؓ نے آپ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! کیا میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر سکتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا۔ ہاں

انہوں نے پوچھا کون سا صدقہ سب سے افضل ہے۔"

آپ نے فرمایا۔

"پانی کا صدقہ!"

چنانچہ حضرت سعد ابن عبادہ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کے نام پر ہے۔

باب پنجاہ و پنجم (۵۵)

غزوۂ بنی مصطلق

اس غزوہ کا نام...... اس غزوہ کو غزوہ مُریسیع بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کا نام غزوہ محارب. بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ غزوہ محارب دوسرا غزوہ تھا۔ نیز اس کو غزوہ اعاجیب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے جیسا کہ یہ قول گذر چکا ہے اور اسی طرح غزوۂ ذات الرقاع کے متعلق بھی یہ قول گذرا ہے۔

بنی مصطلق...... یہ بنی مصطلق بنی خزاعہ کی ہی ایک شاخ تھی یہ لوگ بنی جُذیمہ تھے اور جذیمہ ہی کو مصطلق کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ مصطلق صلق سے بنا ہے جس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ مریسیع بنی مصطلق کے چشموں میں سے ایک چشمہ کا نام ہے یعنی یہ چشمے بنی خزاعہ کے تھے لفظ مُریسیع کا مادہ رسُع ہے جس کے معنی ہیں بہنا۔ چنانچہ اگر بیماری کی وجہ سے کسی کی آنکھ بہنے لگے تو کہا جاتا ہے رسعت عین الرجل یعنی فلاں شخص کی آنکھیں بہنے لگیں۔ یہ چشمہ قدید کے مقام کی طرف تھا۔

اس غزوہ کا سبب...... اس غزوہ بنی مصطلق کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنی مصطلق کے سردار حرث ابن ضرار نے آپ سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جمع کیا ہے جس میں اس کی قوم کے لوگ بھی ہیں اور دوسرے ایسے عرب بھی ہیں جن پر حرث کا اثر و رسوخ تھا۔ یہ حرث ابن ضرار بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

تحقیق حال کے لئے بریدہ کی روانگی...... اس اطلاع پر آنحضرت ﷺ نے بریدہ ابن حصیب کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔

(قال) چلتے وقت حضرت بریدہ نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ اگر کہیں میں دشمن کے ہاتھوں میں پڑ جاؤں تو جان بچانے کے لئے جو کچھ وقت پر سوجھ جائے کہ کر ان سے پیچھا چھڑا لوں چاہے وہ بات واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔

حضرت بریدہ مدینہ سے روانہ ہو کر بنی مصطلق میں پہنچے جہاں ان کو دشمن کا ایک بڑا لشکر نظر آیا۔

لوگوں نے بریدہ کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ بریدہ نے کہا۔

"تمہاری ہی قوم کا ایک شخص ہوں مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم لوگ اس شخص سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے ہو اس لئے میں بھی چلا آیا۔ اب میں اپنی قوم اور اپنے زیر اثر لوگوں میں پھروں گا تاکہ ہم سب ایک جان ہو جائیں اور اس طرح اس شخص سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارہ پالیں۔!"

بریدہ بنی مصطلق میں...... یہ سن کر بنی مصطلق کے سردار حرث نے کہا۔

"ہم تو خود یہی چاہتے ہیں اس لئے جو کچھ کرنا چاہتے ہو جلد از جلد کرو!"

بریدہ نے کہا۔

"میں ابھی جاتا ہوں اور ایک بڑا لشکر لے کر تمہارے پاس پہنچتا ہوں۔!"

اس خبر پر وہ سب لوگ بے حد خوش ہوگئے۔ حضرت بریدہ وہاں سے سیدھے آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ کو تمام صورتحال بتلائی۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً ہی جنگ کی تیاری اور کوچ کا اعلان کرا دیا۔ مسلمانوں نے بہت تیزی سے تیاری کی اور جلد ہی جنگ کے لئے کوچ کر دیا۔

اسلامی لشکر...... یہ واقعہ شعبان کا ہے مسلم لشکر کی روانگی ۲ شعبان ۵ ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۴ ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ بخاری میں بھی ہے۔ جو ابن عقبہ کی روایت ہے۔ یہی بات امام نووی نے کتاب روضہ میں کہی ہے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید یہ بات سبقت قلم سے لکھی گئی کہ راوی کو ۵ ھ لکھنا تھا مگر غلطی سے ۴ ھ لکھا گیا کیونکہ خود مغازی ابن عقبہ میں بھی مختلف سندوں سے جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ ۵ ھ کی ہی ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ ۶ ھ تھا اور اس پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے۔

مسلمانوں کے اس لشکر میں گھوڑے سوار بھی تھے جن کی تعداد تیس تھی۔ ان میں سے دس گھوڑے مہاجروں کے تھے جن میں سے دو گھوڑے یعنی زار اور ظرب خود رسول اللہ ﷺ کے تھے اور بیس گھوڑے انصاریوں کے تھے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں حضرت زید ابن حارثہ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ ایک قول ہے کہ حضرت ابوذر غفاری کو قائم مقام بنایا تھا۔ اسی طرح ایک قول حضرت غیلہ ابن عبداللہ لیثی کے بارے میں بھی ہے۔

مسلم لشکر میں منافقین...... اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ تھیں۔ نیز آپ کے ساتھ اس موقعہ پر **منافقوں** کی بھی اتنی بڑی تعداد چلی کہ اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد نہیں ہوئی تھی۔ ان میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول اور زید ابن صلت بھی تھے۔ ان لوگوں کو حقیقت میں جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ ان کے جانے کی اصل غرض یہ تھی کہ دنیاوی مال و دولت ہاتھ آئے گا اور فاصلہ یعنی سفر بھی زیادہ نہیں طے کرنا پڑے گا کیونکہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے۔

ایک شخص کو اسلام کی ہدایت...... آنحضرت ﷺ منزل بہ منزل چلتے ہوئے ایک جگہ پہنچے جہاں آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ اسی وقت بنی عبد قیس کا ایک شخص آپ کے پاس آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے گھر والے کہاں ہیں۔ اس نے کہا روحاء کے مقام پر رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا۔

"آپ ہی کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ پر ایمان لاؤں اور شہادت دوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ اور پھر آپ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمن سے جنگ کروں۔!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"تمام تعریفیں اسی ذات کو سزاوار ہیں جس نے تمہیں اسلام کا راستہ دکھلایا۔"

پھر اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل سب سے زیادہ اچھا عمل ہے۔

آپ نے فرمایا۔ "اول وقت میں نماز پڑھنا۔!"

دشمن کے ایک جاسوس کا قتل...... چنانچہ اس کے بعد وہ شخص ہمیشہ اول وقت میں اور پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔

پھر مشرکین کا ایک جاسوس آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پڑ گیا اس کو بنی مصطلق کے سردار حرث نے جاسوسی کیلئے بھیجا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دشمن کا حال معلوم کرنا چاہا مگر اس نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اسکے سامنے اسلام پیش کیا مگر اس نے اس پیشکش کو بھی نہ مانا آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس شخص کی گردن مار دینے کا حکم دیا۔ جس پر انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

دشمن پڑاؤ میں بھگدڑ...... حرث کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اس کے مقابلے کے لئے کوچ کر چکے ہیں اور یہ کہ اس کا جاسوس بھی قتل ہو گیا ہے تو اسے سخت گھبراہٹ ہوئی اور وہ اور اس کے ساتھی بہت ہراساں ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ اسی وقت اس کا ساتھ چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ برابر بڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ مُریسیع کے چشمہ پر پہنچ گئے یہاں آپ کے لئے ایک چرمی قبہ نصب کیا گیا۔ جس میں آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما مقیم ہوئیں۔

آمنا سامنا اور تبلیغ...... مسلمانوں نے جنگ کے لئے تیار ہونا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا پرچم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیا۔ ایک قول ہے کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کو دیا تھا۔ اور انصاریوں کا پرچم حضرت سعد ابن عبادہؓ کو دیا۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ مشرکوں سے یوں کہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کے ذریعہ اپنی جان و مال کو محفوظ کر لو۔"

جنگ، پسپائی اور گرفتاری...... چنانچہ حضرت عمرؓ نے مشرکوں سے یہ بات کہی مگر انہوں نے اس کو نہیں مانا۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا اور دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر تیر اندازی شروع کر دی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایک ساتھ مشرکوں پر عام حملہ کریں۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ مشرکوں میں سے ایک شخص بھی مسلمانوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ان میں سے دس تو مارے گئے اور باقی تمام کے تمام جن میں مرد عورت اور بچے شامل تھے گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں نے دشمن کے اونٹوں اور بکریوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ دو ہزار اونٹ تھے اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ ان سب کو آنحضرت ﷺ نے اپنے غلام شقران کے حوالے کر دیا جن کا نام صالح تھا اور جو حبشی نسل کے تھے۔

مال غنیمت...... قیدیوں کی تعداد دو سو گھرانوں پر مشتمل تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ قیدیوں کی تعداد سات سو سے بھی اوپر تھی۔ ان قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حرث ابن ضرار کی بیٹی برہ بنت حرث بھی شامل تھی۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دشمن کی بے خبری میں ان پر شب خون مارا تھا جس کے نتیجہ میں ان میں کے لڑنے والے قتل ہوگئے اور باقی لوگ گرفتار ہوگئے۔

بخاری اور مسلم میں یہی قول ہے اور پچھلا قول (جس کے مطابق پہلے تیر اندازی ہوئی اور پھر عام حملہ ہوا سیرت ابن ہشام میں ہے)

ان دونوں روایات میں اس طرح موافقت پیدا کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے دشمن کی بے خبری میں ان پر چھاپہ مارا مگر وہ لوگ جلد ہی سنبھل گئے اور انہوں نے اپنی صف بندی کر لی مگر پھر وہ لوگ شکست کھا گئے اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ اور فتح حاصل ہوگئی۔ اب جن لوگوں نے سنبھل کر مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا وہ قتل ہوگئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا نعرہ یامنصور امت تھا جس کے ذریعہ وہ رات کی تاریکی اور گھمسان کی جنگ میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ یہ جنگی نعرہ گویا ایک طرح کی نیک فال تھی کہ دشمن کو ہلاکت اور انہیں غلبہ و فتح حاصل ہوگی۔

پھر آنحضرت ﷺ کے حکم پر قیدیوں کی مشکیں کس دی گئیں۔ آپ نے قیدیوں کو حضرت بُریدہ کی نگرانی میں دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو لوگوں میں تقسیم فرمادیا اور وہ لشکریوں کے قبضے میں پہنچ گئے۔

اس روایت میں امام شافعی کے جدید قول کی دلیل موجود ہے (جدید سے امام شافعی کے وہ قول مراد ہیں جو ان کے مصر پہنچنے کے بعد کے ہیں اور قدیم سے وہ قول مراد ہیں جو مصر پہنچنے سے پہلے کے ہیں)

امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ عرب قیدی بھی غلام بنائے جاسکتے ہیں چنانچہ بنی مصطلق کے لوگ عرب تھے اور بنی خزاعہ کی شاخ تھے یہ بات امام شافعی کے قدیم قول کے خلاف ہے جس میں ہے کہ عربی شخص کا اپنے شرف کی وجہ سے غلام بننا جائز نہیں ہے۔ کتاب ام میں امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے گناہ گار ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمنا کرتا کہ ایسا ہی ہوتا یعنی عربی شخص کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ثعلبہ طائی کو مریسیع کے مقام سے فتح کی خوشخبری دے کر مدینے بھیجا۔ پھر دشمن کے پڑاؤ میں سے جو مال و متاع، ہتھیار، ساز و سامان اور مویشی حاصل ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے ان سب کو جمع کر لیا۔ آپ نے ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا۔

قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی! ...... مال غنیمت کے علاوہ جو قیدی ہاتھ آئے تھے ان میں سردار بنی مصطلق کی بیٹی برہ بنت حرث بھی تھی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو برہ حضرت ثابت ابن قیس اور ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔ حضرت ثابت نے اپنے چچازاد بھائی کو برہ کے حصے کے بقدر اپنی کھجوروں کے وہ پیڑ دے دیئے جو مدینے میں تھے (اس طرح گویا برہ تنہا ثابت کی ملک ہوگئیں) پھر خود ثابت نے برہ سے مکاتبت کا معاہدہ کر لیا (مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ غلام سے کہہ دیا جائے کہ تیری اتنی قیمت ہے اگر تو یہ رقم فراہم کر کے مجھے ادا کر دے تو تو آزاد ہے) حضرت ثابت نے برہ سے یہ معاہدہ کر لیا اور نو اوقیہ سونا رقم متعین کی۔ اب برہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"یا رسول اللہ! میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ یعنی اسلام قبول کر چکی ہوں کیونکہ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ میں قوم کے سردار حرث کی بیٹی برہ ہوں۔ ہمارے ساتھ نیرنگی تقدیر کا جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں کہ ایک سردار

میری بیٹی اچانک باندی بنالی گئی) اب میں ثابت ابن قیس اور اس کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئی ہوں۔ ثابت نے اپنے چچازاد بھائی سے تو دینے کے اپنے کھجور کے درخت دے کر مجھے چھٹکارہ دلادیا اور خود اپنے آپ سے چھٹکارہ کے لئے مجھے ایک ایسی رقم پر مکاتب بنایا جو میری طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ میری مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں میری مدد فرمائیے۔!"

برہ یا حضرت جویریہ سے نکاح...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر راستہ نہ بتاؤں۔ برہ نے کہا وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری مکاتبت کی پوری رقم ادا کردوں اور تم سے شادی کرلوں۔ برہ نے کہا یارسول اللہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت ابن قیس کو بلوایا اور ان سے برہ کو مانگا۔ ثابت نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں وہ آپ کی ہو گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت ثابت کو برہ کی مکاتبت کی رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ اس وقت برہ کی عمر بیس سال تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کا نام برہ کے بجائے جویریہ رکھا۔

اسی طرح حضرت میمونہ اور حضرت زینب بنت جحش تھیں کہ ان دونوں کا نام بھی برہ تھا اور پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے نام تبدیل فرما دیئے تھے۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ کی بیٹی کا نام برہ تھا پھر آنحضرت ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت برہ کو گرفتار کرنے والے حضرت علی تھے۔

قول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس بات سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ ان کو گرفتار کرنے والے حضرت علی تھے لیکن تقسیم کے وقت وہ حضرت ثابت کے حصے میں آئیں کیونکہ اس غزوہ کے متعلق یہ بات ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر قیدی اسی کے گرفتار کرنے والے کو دے دیا ہو جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا تھا۔ ہاں البتہ ابوسعید خدری کا قول ہے جو آگے آئے گا کہ ہم قیدیوں کا فدیہ یعنی جان کی قیمت لے کر ان کو چھوڑنا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قیدیوں کی تقسیم کے بعد انہوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

حضرت عائشہ اور حضرت جویریہ...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ نہایت خوبصورت عورت تھیں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی شخص ان کو دیکھے اور ان کا گرویدہ نہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے اور میں آپ کے پاس بیٹھی تھی کہ جویریہ آپ کے پاس آئیں اور آپ سے اپنی مکاتبت کی رقم میں امداد کی خواہاں ہوئیں۔ خدا کی قسم جوں ہی ان پر میری نظر پڑی مجھے ان کا آپ کے پاس آنا ناگوار گذرا کیونکہ میرے دل میں خیال آیا کہ جیسے مجھے ان کی صورت بھائی آپ بھی دیکھیں گے۔ پھر انہوں نے آپ سے وہی سب کہا جو پیچھے بیان ہوا۔

عورت کی فطرت...... حضرت عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کے پاس جویریہ کے آنے سے جو گرانی ہوئی اس کا سبب عورتوں کی فطرت اور صنفی غیرت و خودداری تھے (جو شوہر کی محبت کو صرف اپنے لئے مخصوص دیکھنا چاہتی ہے)

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے اپنا رشتہ دیا اور حضرت عائشہؓ کو بھیجا کہ وہ ان کو دیکھ آئیں۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو کہنے لگیں کہ وہ کوئی خاص خوبصورت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"بے شک۔ تم نے اس کے رخسار میں جو تل دیکھا اس سے تمہارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔!"

حضرت عائشہؓ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے مالی امداد لینے کے لئے جیسے ہی جویریہ خیمے کے دروازے پر آکر ٹھہریں اور میری ان کے چہرے پر نظر پڑی تو مجھے ان کے حسن اور ملاحت و نمکینی کا اندازہ ہو گیا۔ ساتھ ہی مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ کو بھی یہ پسند آئیں گی۔ پھر جب جویریہ نے آپ سے بات کی آپ نے ان سے فرمایا کہ اس سے بہتر شکل یہ ہے کہ میں تمہاری مکاتبت کی رقم ادا کر دوں اور تم سے شادی کر لوں۔ پھر آپ نے ان کی رقم ادا کر کے ان سے شادی کر لی۔

تشریح...... یہاں یہ روایت بھی قابل بحث ہو سکتی ہے لیکن اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ حسن سے جو حق تعالیٰ کی ایک صفت ہے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے اور حسن کو حسن سمجھنا انسانی طبیعت اور شعور ہے۔ اچھی چیز نظر آجائے گی تو اسے اچھا ہی کہا جائے گا البتہ جو چیز غیر مستحسن اور بری ہے وہ اس اچھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا ہے لیکن اگر اس شے کو جائز اور صحیح طریقوں سے حاصل کیا جائے تو یہ عین اطاعت ہے)

گذشتہ روایت میں حضرت برہ یعنی جویریہ کے حسن کے سلسلے میں ان کو ملاح (نمکین) کہا گیا ہے۔ یہ لفظ ملیح سے زیادہ اعلیٰ اور اونچے درجہ کا ہے۔ اگر کھانے میں نمک کی مقدار مناسب ہو تو اس کو طعام ملیح یعنی نمکین اور عمدہ کھانا کہا جاتا ہے یہ لفظ وہیں سے لیا گیا ہے اور حسن کی تعریف میں بولا جاتا ہے۔ مشہور ادیب و شاعر اصمعی کا قول ہے کہ {

"حسن آنکھوں کا ہوتا ہے، جمال ناک کا ہوتا ہے اور ملاحت یعنی نمکینی منہ کے دہانے کی ہوتی ہے۔"

گذشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ سے اسی وقت نکاح فرما لیا تھا جبکہ آپ مریسیع کے چشمہ پر فروکش تھے۔ اس بات کی تائید حضرت عائشہؓ کی آگے آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ شمس شامی کہتے ہیں کہ حضرت جویریہ پر رسول اللہ ﷺ کی نظر پڑی تو آپ کو ان کے حسن کا احساس ہوا جس کی وجہ سے آپ کو ان کے ساتھ شادی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا چونکہ وہ ایک مملوک باندی تھیں اور اس کے علاوہ مکاتبہ بھی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان پر نظر ڈال لی تھی ورنہ اگر وہ مملوک باندی نہ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ ان کو نگاہ بھر کر نہ دیکھتے۔ یا یہ کہ آنحضرت ﷺ کا چونکہ نکاح کا ارادہ تھا اس لئے آپ نے ان کو دیکھ لیا۔ اور یا یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس پہلو میں مولف نے علامہ سہیلی کا اتباع کیا ہے۔ ادھر یہ بات پیچھے بیان کی جا چکی ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے لئے اجنبی عورت کی طرف دیکھ لینا اور کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہا ہونا جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ فتنے سے مامون ہیں۔ لہٰذا اب اس کی روشنی میں یہ کہنا مناسب نہیں رہتا کہ اگر وہ مملوک باندی نہ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ ان کو نظر بھر کر نہ دیکھتے۔

اسی طرح یہ بات بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ باندی کے ساتھ آپ کا نکاح حرام ہے۔ لہٰذا گذشتہ قول بھی اس روشنی میں مناسب نہیں رہتا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ کا ان سے نکاح کا ارادہ تھا

اس لئے آپ نے ان کو دیکھ لیا۔ ادھر یہ کہ پردہ کی آیت راجح قول کی بنیاد پر ۳ھ میں نازل ہوئی۔

اسی طرح شوافع کے نزدیک امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ایک آزاد عورت کی طرح ایک باندی کے تمام بدن کے کسی حصے کو دیکھنا بھی حرام ہے۔ ان شوافع میں علامہ شمس شامی بھی شامل ہیں۔ لہذا اس روشنی میں اب یہ کہنا مناسب نہیں رہتا کہ چونکہ وہ ایک مملوک باندی تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان پر نظر ڈال لی تھی۔ واللہ اعلم۔

قیدی عورتیں اور مسلمانوں کی خواہش...... شیخین نے ابو سعید خدریؓ سے روایت بیان کی ہے کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ اس غزوہ میں ہم نے عرب کے بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں گرفتار کیں پھر ہم نے ان کو آپس میں تقسیم کیا اور ان کے مالک بن گئے ادھر ہمیں بیویوں سے دور ہوئے کافی دن ہو چکے تھے (جس کی وجہ سے ہم لوگ ہمبستری کو بیتاب تھے) ساتھ ہی ہم ان عورتوں کا فدیہ لینا بھی چاہتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ارادہ کیا کہ ان عورتوں سے فائدہ اٹھائیں لیکن بچوں کی پیدائش روکنے کے لئے عزل کریں (یعنی انزال فرج کے اندر نہیں کریں گے تاکہ حمل نہ ہو سکے) چنانچہ ہم نے کہا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہمیں بہت سی قیدی عورتیں ہاتھ آئیں ادھر ہمیں عورتوں کے ساتھ شہوت بھی تھی کیونکہ بیویوں سے جدا ہوئے ہمیں کافی دن ہو چکے تھے۔ ادھر ہم چاہتے تھے کہ ہم ان عورتوں کو ان کے رشتے داروں کے حوالے کر کے ان کی جان کی قیمت لے لیں۔ ساتھ ہی ہم نے چاہا کہ ہم ان سے فائدہ اٹھائیں مگر عزل کریں چنانچہ ہم نے یہی کیا جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے سامنے موجود تھے۔ آخر اس بارے میں ہم نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔

اٹل تقدیرات...... "اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم ایسا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے جس جس جاندار کی تخلیق مقدر فرمادی ہے وہ ضرور پیدا ہوگا۔"

ایک روایت میں ہے کہ۔ "یہ قطعاً ضروری نہیں کہ تم لوگ ایسا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت تک جس کو پیدا فرمانے والا ہے اس کو لکھ چکا ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ "نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تقدیری معاملات ہیں۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ منی کے ہر قطرے سے بچہ نہیں ہوتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔!"

مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگ عزل نہ کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی اگر تم فرج کے اندر ہی منی کا انزال کرو کیونکہ عزل کے معنی ہیں کہ منی کا انزال عورت کی فرج سے باہر کیا جائے کہ آدمی جب ہمبستری کر رہا ہو تو جس وقت انزال قریب ہو عضو تناسل کو فرج سے باہر نکال لے اور باہر ہی انزال کرے۔

غرض آپ ﷺ نے آگے فرمایا کہ قیامت تک جو بچہ بھی پیدا ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یعنی چاہے تم عزل کر دیا نہ کرو کیونکہ اگر بچہ کی پیدائش مقدر ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم انزال کے وقت عضو تناسل کو باہر نکال لو اور اس سے پہلے منی کا ایک قطرہ رحم مادر میں پہنچ جائے لہذا بچہ پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی فرج میں ہی انزال کرتا ہے مگر بچہ نہیں پیدا ہوتا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر پیش آیا تو صحیح قول یہی ہے مگر موسیٰ ابن عقبہ نے اس کے خلاف لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ اوطاس کے وقت پیش آیا تھا۔

پیچھے حضرت ابوسعدؓ کا یہ قول گزرا ہے کہ ہم لوگوں کو عورتوں سے جدا ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اور ہمیں عورتوں کے ساتھ ہمبستری کی خواہش ہو رہی تھی۔ تو غالباً حضرت ابوسعید خدریؓ اور ہر وہ شخص جس نے ان کی سی بات کہی مدینے میں بھی عورتوں سے علیحدہ رہتے آرہے ہوں گے کیونکہ ویسے اس غزوہ میں زیادہ دن نہیں لگے بلکہ یہ غزوہ (اور سفر وغیرہ) اٹھارہ دن میں پورا ہو گیا۔

قیدیوں کی رہائی کے لئے بنی مصطلق کا وفد...... حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ (ہماری مدینے واپسی کے بعد) بنی مصطلق کا ایک وفد ہمارے پاس یعنی مدینے میں آیا۔

چنانچہ کتاب امتاع میں ہے کہ مسلمان کچھ قیدیوں کو لے کر مدینے آگئے تو ان قیدیوں کے گھر والے آئے اور انہوں نے قیدی عورتوں اور بچوں میں سے ہر ایک کے لئے چھ فرائض فدیہ دیا اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ بنی مصطلق کے وفد کے مدینے آنے سے پہلے میں ایک باندی کو فروخت کرنے کے لئے بازار لے گیا مجھ سے ایک یہودی کہنے لگا۔

"ابوسعید! تم اس باندی کو بیچنا چاہتے ہو حالانکہ اس کے پیٹ میں تمہارا بچہ پرورش پا رہا ہے!"

یہاں پیٹ کے بچے کے لئے سخلۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اصل میں بھیڑ کے بچہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں تو عزل کیا کرتا تھا۔ اس پر وہ یہودی بولا۔

"ہاں یہ بچے کو زندہ دفن کرنے کی ایک چھوٹی شکل ہے۔!"

یہاں زندہ دفن ہوئے بچے کے لئے وأد کا لفظ استعمال ہوا ہے جو وآد کے اسم مرہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنے ہیں وہ بچی جس کو زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں میں اور خاص طور پر قبیلہ کندہ میں یہ طریقہ رائج تھا۔

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ یہودی کی یہ بات سن کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا۔

"یہودی جھوٹے ہیں۔ یہودی جھوٹے ہیں۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ جب اللہ عزوجل کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو تم اس کو بدل نہیں سکتے۔!"

خاندانی منصوبہ بندی کی ایک شکل...... اس روایت سے جو پیچھے بیان ہوئی ہے کہ عزل نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمارے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر غلام یا آزاد عورت کے ساتھ عزل کرنا جائز ہے مگر یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے چاہے یہ عزل کسی بھی صورت میں یعنی اس عورت کی رضامندی سے کیا

گیا ہو یا بغیر رضامندی کیا گیا ہو۔ ادھر علماء کی ایک جماعت نے عزل کو حرام قرار دیا ہے اور وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس طریقہ سے نسل کا سلسلہ قطع ہو جاتا ہے۔

یہود نے عزل کو زندہ دفن کرنے سے تعبیر کیا تھا۔ مسلم کی ایک حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عزل کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

"یہ بچے کو زندہ دفن کرنے کی ایک ہلکی شکل ہے۔!"

یعنی عزل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بچی کو زندہ دفن کرنا ہے جو جاہلیت کے زمانے میں فقر و فاقہ یا شرم و عار کے خوف کی وجہ سے کیا جاتا تھا۔

اب گویا دونوں روایتوں میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا۔ اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات شاید اس وقت فرمائی تھی جب کہ آپ پر عزل کے حلال ہونے کی وحی نہیں آئی تھی۔ جب یہ وحی آگئی تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور عزل جائز ہو گیا۔ اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا مسلم ہی کی ایک دوسری روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ عزل کیا کرتے تھے جب کہ قرآن کریم بھی نازل ہوتا تھا مگر اس بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"میرے پاس ایک باندی ہے جو ہماری خادمہ بھی ہے اور باغات میں کام کے دوران ہماری ساقی بھی ہے چونکہ وہ کام کاج بھی کرتی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو (یعنی میں اس سے ہمبستری کرتا ہوں مگر یہ نہیں چاہتا کہ اس کو حمل ہو جس کی وجہ سے وہ کام کاج کے قابل نہ رہ جائے)!"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم چاہو تو اس کے ساتھ عزل کر لیا کرو مگر جو بچہ اس کے لئے مقدر ہے وہ آکر رہے گا۔!"

چنانچہ اس کے بعد وہ شخص عزل کرتا رہا۔ ایک دن وہ پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یا رسول اللہ وہ باندی تو حاملہ ہو گئی ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔

میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اس کے لئے جو مقدر ہے وہ آکر رہے گا۔!"

تو اس روایت میں گویا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو عزل کی ہدایت فرمائی ہے جس کے نتیجہ میں اکثر و بیشتر بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر ساتھ ہی آپ نے اس کو یہ بھی بتلا دیا کہ عزل کرنے سے ان بچوں کی آمد نہیں رک سکتی جو مقدر ہو چکے ہیں۔

جویریہ کے باپ کا اسلام...... حضرت عبد اللہ ابن زیاد سے روایت ہے کہ غزوہ بنی مصطلق میں آنحضرت ﷺ کو جویریہ بنت حرث مال غنیمت میں حاصل ہوئیں۔ جب آنحضرت ﷺ مدینے واپس آگئے تو جویریہ کا باپ اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر مدینے کے لئے روانہ ہوا (اس فدیہ میں بہت سے اونٹ تھے) جب حرث عقیق کے مقام پر پہنچا تو اس نے فدیہ کے اونٹوں پر ایک نظر ڈالی۔ ان میں سے دو اونٹ بہت عمدہ تھے۔ ان کے بارے میں حرث کی نیت بدل گئی اور اس نے ان دونوں اونٹوں کو وہیں ایک گھاٹی میں چھپا دیا اور باقی اونٹ

لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اے محمد تم نے میری بیٹی کو پکڑ لیا ہے۔"

ایک روایت میں یوں ہے۔

"یارسول اللہ! معزز گھرانے کی بیٹی قیدی نہیں بنائی جا سکتی۔ یہ اس کا فدیہ ہے۔!"

آپ نے فرمایا۔

"اور وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم عقیق کی ایک گھاٹی میں چھپا آئے ہو۔"

حرث نے یہ سنتے ہی کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تھی۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گئے۔ غالباً یہ حرث اپنے خاندان سمیت مدینے میں داخل ہوئے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے ساتھ ہی ان کے دو بیٹے اور ان کی قوم کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے۔ لہذا اب گذشتہ روایت میں ان کے مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ فدیہ لے کر آنے کے وقت انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

جویریہ کو اختیار اور اللہ و رسول کا انتخاب..... غرض اس وقت آنحضرت ﷺ نے حرث سے کہا کہ وہ اپنی بیٹی کو ہی اس بات کا اختیار دے دیں کہ وہ واپس اپنی قوم میں جانا چاہتی ہیں یا یہیں رہنا چاہتی ہیں۔ حرث نے اس بات کو پسند کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے صحیح بات کی اور انصاف کا معاملہ کیا۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا۔

"بیٹی! اپنی قوم کو شرمندہ نہ کرنا۔!"

اس پر حضرت جویریہ نے کہا کہ میں نے اپنے لئے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لیا۔

اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ گذشتہ ایک روایت کے مطابق حضرت جویریہ سے نکاح کر چکے تھے تو آپ نے کیسے اپنی بیوی کو اختیار دیا کہ وہ رہنا چاہتی ہیں یا جانا چاہتی ہیں۔ کیونکہ گذشتہ روایت کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ جویریہؓ کے ساتھ اسی وقت نکاح کر چکے تھے جب کہ آپ بنی مصطلق کے چشمہ پر تھے۔ ادھر میں نے امام ابو العباس ابن تیمیہ کا قول دیکھا جو اس بات سے انکاری ہیں کہ حضرت جویریہؓ کے باپ بیٹی کا فدیہ لے کر آئے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا۔ لہذا یہ بات قابل غور ہو جاتی ہے۔

جویریہ کے بھائی آغوش اسلام میں...... کتاب استیعاب میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیوی حضرت جویریہ کے بھائی عبداللہ ابن حرث اپنی قوم یعنی بنی مصطلق کے قیدیوں کا فدیہ لے کر آئے تھے۔ مگر راستے میں انہوں نے ان سب جوان لونٹوں اور ایک حبشی باندی کو ایک مقام پر چھپا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر قیدیوں کے فدیہ کے متعلق بات کی۔ آپ نے فرمایا۔

"ہاں۔ مگر تم فدیہ کے لئے کیا لے کر آئے ہو۔"

انہوں نے کہا کہ میں تو کچھ بھی نہیں لایا۔

آپ نے فرمایا اور وہ ذود یعنی جوان اونٹ اور سیاہ فام باندی کہاں ہیں جن کو تم نے فلاں فلاں جگہ چھپا دیا ہے۔

یہ سنتے ہی عبداللہ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی نہیں تھا جبکہ میں نے

فدیہ کے اس مال کو چھپایا تھا اور نہ ہی اس واقعہ کے بعد مجھ سے پہلے آپ تک کوئی دوسرا شخص پہنچا ہے (جس نے آپ کو یہ خبر سنائی ہو)۔ غرض اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔

مگر اس روایت میں وہی اشکال ہوتا ہے جو ان کے والد کے متعلق گذر چکا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم یہاں سے برک غماد تک چلے جاؤ۔ یہاں تک کتاب استیعاب کا حوالہ ہے۔

اس روایت میں جوان اونٹوں کے لئے ذود کا لفظ استعمال ہوا ہے جو تین سے لے کر دس سال تک کی عمر کے اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ صرف یہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی فدیہ کیلئے لے کر آئے تھے مگر پھر انہوں نے سوچا کہ لاؤ پہلے بغیر کسی مال کے ہی قیدیوں کی رہائی کیلئے بات کر دیکھوں۔ چنانچہ انہوں نے ان جوان اونٹوں اور اس باندی کو اس لالچ میں چھپا دیا کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ صرف اس بنیاد پر ہی قیدیوں کو چھوڑ دیں کہ عبداللہ کی بہن آپ کے پاس ہیں (یعنی حضرت جویریہ کے بدلے میں ہی سب قیدیوں کی رہائی ہو جائے)

مگر یہ احتمال بھی ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختصار ہو اور آنحضرت ﷺ کے سوال کی اصلی تفصیل اس طرح ہو کہ۔ اور فدیہ کا وہ باقی مال کہاں ہے جو اس کے علاوہ تھا جو تم لے کر آئے ہو۔

گویا فدیہ کا مال صرف وہ جوان اونٹ اور ایک سیاہ فام باندی ہی نہ رہی ہوں بلکہ اور مال بھی ہو اور یہ دونوں چیزیں اس مال کا صرف ایک حصہ رہی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے جو یہ کہا کہ میں کچھ نہیں لایا تو اس کا مطلب یہ ہو کہ جو کچھ آپ کے سامنے لے کر آیا ہوں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس احتمال کو اس لئے پیش کیا گیا کہ بغیر مال کے قیدیوں کو چھڑاتے کے لئے آنا قرین قیاس نہیں بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ جب حضرت جویریہ کے باپ اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آئے تو بیٹی نے وہ فدیہ واپس لوٹا دیا پھر وہ مسلمان ہو گئیں اور بہت اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ کے لئے اپنا رشتہ حرث یعنی جویریہ کے باپ کو دیا جو قبول کر لیا گیا اور حرث نے اپنی بیٹی کی شادی آنحضرت ﷺ سے کر دی آنحضرت ﷺ نے چار سو درہم مہر طے کیا۔

کتاب امتاع میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ کا مہر یہ متعین کیا کہ بنی مصطلق کے ہر ہر قیدی کو آزاد کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کا مہر یہ طے کیا کہ ان کی قوم کے چالیس قیدیوں کو آزادی دے دی۔

<u>جویریہ سے آنحضرت ﷺ کے نکاح کی برکت</u>...... یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حضرت جویریہ کے باپ کا اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آنا اس گذشتہ روایت کے ہر صورت میں خلاف ہے جس کے مطابق آپ نے بنی مصطلق کے چشمے پر ہی جویریہ سے شادی کر لی تھی۔ اوھر اس گذشتہ روایت میں اور اس روایت میں بھی موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس میں ہے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے بنی مصطلق کے بارے میں کہا کہ اب یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے سسرالی ہیں۔ اور پھر بنی مصطلق کے جو قیدی بھی ان کے پاس تھے انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

کتاب امتاع میں یہ عبارت ہے کہ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ نے جویریہ سے شادی کر لی ہے تو اس وقت وہ لوگ بنی مصطلق کے قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر کے ان کے مالک بن چکے تھے اور

ان میں جو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ہم بستری کر چکے تھے۔ مگر اس خبر کے بعد انہوں نے کہا کہ اب یہ آنحضرت ﷺ کے سسرالی ہو گئے ہیں لہذا جس کے پاس جو قیدی تھا اس نے اسے آزاد کر دیا۔

خود حضرت جویریہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح فرمالیا تو بھی خدا کی قسم میں نے آپ سے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق بات نہیں کی بلکہ خود مسلمانوں نے ہی اس کے بعد ان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ مجھے اس بات کی خبر بھی اپنی چچازاد بہن سے ملی جس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

قیدیوں کی رہائی کیسے ہوئی...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ حضرت جویریہ نے اپنی شب عروسی میں آنحضرت ﷺ سے اپنی قوم کے قیدیوں کی رہائی چاہی جو آپ نے منظور فرمالی۔ ان دونوں روایتوں میں موافقت کی ضرورت ہے۔ اب ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے یا بغیر فدیہ کے رہا کرنے کی روایتوں میں اختلاف دور کرنے کے لئے یوں کہا جاتا ہے کہ غالباً حضرت جویریہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرنے سے پہلے کچھ قیدیوں کا فدیہ لیا گیا تھا مگر پھر جویریہ سے نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ نے باقی قیدیوں کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ لہذا یوں کہنا چاہئے کہ ان میں سے کچھ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا اور باقی دوسرے لوگوں کو یونہی بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ قیدیوں کی تعداد بہر حال بہت کافی تھی کیونکہ وہ دو سو گھرانوں کے لوگ تھے۔

بعض علماء کے ایک قول سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اس قول میں ہے کہ جو قیدی تھے ان میں کچھ وہ لوگ تھے جن کو آنحضرت ﷺ نے بلا فدیہ کے آزاد کر کے ان پر احسان کیا اور کچھ وہ تھے جن کا فدیہ لیا گیا۔ اسی بات کی تائید آگے حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بلا فدیہ کے جن لوگوں کی رہائی ہوئی وہ ایک سو گھرانوں کے لوگ تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ سو گھرانوں کے لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور سو گھرانوں کو بغیر فدیہ کے آزاد کیا گیا۔

پیچھے حضرت جویریہ کا جو یہ قول گزرا ہے کہ میں نے اپنی قوم کے قیدیوں کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی بات نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فدیہ کے بدلے رہا ہونے والوں کے بعد جو قیدی رہ گئے تھے ان کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

ادھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ فدیہ کے سلسلے میں حضرت جویریہ کے والد کا آنا یا ان کے بھائی کا آنا یا بنی مصطلق کے ایک وفد کا آنا اس گذشتہ روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق بنی مصطلق کے تمام ہی لوگ یعنی مرد اور عورتیں اور بچے گرفتار ہو گئے تھے اور ان میں سے ایک بھی بچ کر نہیں نکل سکا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کے ان لوگوں پر حملے کے وقت ان لوگوں کا قبیلے سے غائب ہونا خاص طور پر حضرت جویریہ کے والد کا غائب ہونا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ وہ یعنی حرث قوم کے سردار تھے۔ لہذا اگر ان تمام روایتوں کو درست مانا جائے تو ان سب کے درمیان موافقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم

بنی مصطلق کا اسلام ولید کی بھیانک غلط فہمی...... پھر اس کے بعد بنی مصطلق کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے دو سال بعد آنحضرت ﷺ نے ولید ابن عقبہ ابن معیط کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ ولید ابن عقبہ اور بنی مصطلق کے درمیان جاہلیت کے زمانے سے ایک جھگڑا اور دشمنی چلی آرہی تھی۔ مگر اس وقت جب بنی مصطلق کو معلوم ہوا کہ ولید ابن عقبہ آرہے ہیں تو (انہوں نے جاہلیت کی دشمنی کو فراموش کر دیا اور) وہ ان کے استقبال کے لئے تلواریں حمائل کئے نہایت خوش خوش بستی

سے باہر آئے۔ ولید ابن عقبہ اس گذشتہ دشمنی کی وجہ سے یہ سمجھے کہ یہ لوگ ان کو قتل کرنے کے لئے تلواریں لئے آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے واپس بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینے پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ لوگ مرتد ہوگئے ہیں یعنی اسلام سے پھر گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس خبر پر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر مسلمانوں میں بھی اس بات کا چرچا ہوگیا (اور وہ لوگ بنی مصطلق سے جنگ کی باتیں کرنے لگے)۔

اسی اثناء میں اچانک بنی مصطلق کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور انہوں نے بتلایا کہ ہم لوگ تو ولید ابن عقبہ کا اعزاز کرنے کے لئے ان کے استقبال کو بستی سے باہر آئے تھے۔ ساتھ ہی صدقہ کی واجب رقم بھی آپ کو ادا کردی۔

تحقیق کے لئے حضرت خالدؓ کا کوچ...... ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق حال کے لئے حضرت خالد ابن ولید کو بنی مصطلق میں بھیجا تو لوگوں نے ان کو سارا ماجرا سنایا۔ حضرت خالد کو روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا۔

"نماز کے وقت ان کا حال دیکھنا اگر ان لوگوں نے نماز چھوڑدی ہے تو تم مناسب کارروائی کرنا۔"

بنی مصطلق کی اسلام سے محبت...... چنانچہ حضرت خالدؓ سورج غروب ہونے کے وقت وہاں پہنچے اور ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جہاں سے وہ دیکھ سکیں کہ آیا لوگ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی سورج غروب ہوا موذن نے اٹھ کر اذان دی۔ پھر اس نے تکبیر کہی اور لوگوں نے نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد جب شفق کی سرخی غائب ہوئی تو پھر موذن نے اذان دی پھر تکبیر کہی اور اس کے بعد لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر جب آدھی رات گزر گئی تو حضرت خالد نے دیکھا کہ وہ لوگ تہجد پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد جب فجر طلوع ہوئی تو ان کے موذن نے پھر اذان دی۔ پھر تکبیر کہی اور اس کے بعد لوگوں نے فجر کی نماز پڑھی۔

اس کے بعد جب لوگ مسجد سے لوٹے اور دن کا اجالا پھیلنے لگا تو بستی میں انہیں گھوڑوں کی پیشانیاں نظر آئیں۔ انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ کسی نے بتلایا کہ یہ خالد ابن ولید آئے ہیں۔ اب لوگوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا۔ انہوں نے کہا۔

"خدا کی قسم آپ ہی لوگوں کے لئے آیا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر خبر دی تھی کہ تم لوگوں نے نماز چھوڑدی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنے لگے ہو۔!"

حقیقت حال...... یہ سن کر وہ لوگ رو پڑے اور کہنے لگے۔

"اللہ کی پناہ۔ دراصل ولید ابن عقبہ ابن معیط کے اور ہمارے درمیان جاہلیت کے زمانے میں دشمنی تھی۔ جب وہ یہاں آئے تو ہم لوگ احتیاط کے طور پر تلواریں لے کر ان کے استقبال کو نکلے کہ وہ مبادا پرانی دشمنی اور آویزش کا بدلہ لینے نہ آئے ہوں۔!"

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور ولید کے متعلق وحی...... اس پوری تحقیق حال کے بعد حضرت خالدؓ اپنے دستے کے ساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی وقت حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ

لاآیہ ۲۶۔ سورہ حجرات۔ ع ۱ آیت ع ۶

ترجمہ : اے ایمان والو۔ اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لادے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی اس تاویل کے سلسلے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ آیت جو ذکر ہوئی ولید ابن عقبہ ابن معیط کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے ان کے پاس بھیجا تھا۔

اسی طرح ان ہی ولید اور حضرت علیؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُنَ لاآیہ پ ۲۱ سورہ سجدہ ع ۲ آیت ع ۱۸

ترجمہ : تو کیا جو شخص مومن ہو گیا وہ اس شخص جیسا ہو جاوے گا جو بے حکم۔ وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو ان ولید ابن عقبہ کو فاسق کہا جاتا تھا۔

ولید ابن عقبہ ابن معیط...... جہاں تک ان کو بنی مصطلق کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجے جانے کی روایت ہے تو اس سے کچھ لوگوں کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے جس کے مطابق ولید فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے (کیونکہ بنی مصطلق کا یہ واقعہ اس سے کافی پہلے کا ہے) اور یہ کہ اس وقت ولید سن بلوغ کے قریب پہنچ رہے تھے۔

اسی طرح سے اس روایت کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو بعض علماء نے خود ولید سے ہی بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمالیا تو مکے کے لوگ اپنے بچوں کو آپ کے پاس لے لے کر آئے آپ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ان کو برکت کی دعا دیتے۔ اس وقت مجھے آپ کے پاس لایا گیا میرے بدن پر اس وقت زعفرانی خوشبو میں لگائی ہوئی تھیں مگر آپ نے میرے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ آپ نے صرف زعفرانی خوشبو کی وجہ سے مجھ پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ (تو چونکہ اس روایت میں ولید کی عمر اس قدر کم بیان کی گئی ہے اس لئے یہ روایت پہلی روایت سے رد ہو جاتی ہے)

اسی طرح آگے آنے والی اس روایت کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ یہ ولید اور ان کے بھائی عمارہ اپنی بہن حضرت ام کلثوم کو ہجرت سے روکنے اور لوٹانے کے لئے روانہ ہوئے کیونکہ حضرت ام کلثوم کی ہجرت مدت حدیبیہ کے وقت ہوئی تھی (جبکہ ولید گذشتہ روایت کے مطابق غزوہ بنی مصطلق سے بھی پہلے مسلمان ہو چکے تھے)

حضرت سعد کی جگہ ولید کوفے کی گورنری پر!...... یہ ولید ابن عقبہ حضرت عثمان غنیؓ کے ماں شریک بھائی تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے دور میں ان کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو جو پہلے سے کوفے کے گورنر تھے، برطرف کر دیا تھا۔ جب ولید کوفہ پہنچ کر حضرت سعد ابن ابی وقاص کے پاس گئے تو حضرت سعدؓ نے کہا۔

"خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ ہمارے بعد تم سمجھ داری کا ثبوت دو گے یا تمہیں یہ عہدہ سونپ دینے پر ہم بے وقوف کہلائیں گے۔"

خلافت و ملوکیت...... ولید نے کہا۔

"بلبلاؤمت ابو اسحاق۔ یہ سلطنت و حکومت تو دھوپ چھاؤں ہے صبح کسی کے پاس ہے تو شام کسی کے پاس۔!"

حضرت سعدؓ نے کہا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں یعنی بنی امیہ نے خلافت کو حکمرانی و سلطنت کی گدی بنالیا ہے!"

ولید کی گورنری پر لوگوں کو اضطراب...... ادھر حضرت عثمانؓ کے اس حکم نامے پر لوگوں نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ عثمان ابن عفان نے بہت برا کیا کہ حضرت سعدؓ جیسے نرم مزاج، بامروت زاہد و پرہیزگار اور مستجاب الدعوات آدمی کو برطرف کر کے اپنے اس بھائی کو گورنر بنادیا جو خائن اور فاسق ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

پھر ولید کی ملاقات حضرت ابن مسعودؓ سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کیسے آئے۔ ولید ابن عقبہ نے کہا کہ میں امیر یعنی گورنر کی حیثیت سے آیا ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا۔

"ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے بعد تم بھلائی کرو گے یا فتنہ وفساد پھیلاؤ گے۔!"

ولید کا فسق و فجور...... اگرچہ عام حالات میں یہ ولید ابن عقبہ ایک بہت بذلہ سنج شاعر، حلیم مزاج، بہادر اور شریف طبیعت کا تھا (مگر بہت شراب پیتا تھا) اس نے ایک دفعہ شروع رات سے شراب پینی شروع کی اور مسلسل پیتا رہا یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ جب موذن نے فجر کی اذان دی تو یہ مسجد گیا اور کوفہ والوں کو چار رکعت نماز پڑھائی۔ رکوع اور سجدوں میں یہ بجائے تسبیحات پڑھنے کے یہ کہتا رہا۔ اشرب و اسقنی۔ یعنی خود بھی پیو اور مجھے بھی پلاؤ۔ پھر نماز ہی کی حالت میں اس نے شراب مسجد میں قے کی اور اس کے بعد سلام پھیرا۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے کچھ زیادتی کر دی ہے۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے کہا۔

"خدا نہ تیری بھلائی میں اضافہ کرے اور نہ اس شخص کی جس نے تجھے ہم پر مسلط کیا ہے۔!"

ولید پر لوگوں کا غصہ...... اس کے بعد انہوں نے پیر کا جوتا لے کر ولید کے منہ پر مارا پھر دوسرے لوگوں نے بھی پتھر اٹھا اٹھا کر اس کے مارے۔ آخر ولید اسی حالت میں پتھر کھاتا ہوا مسجد سے نکلا اور محل میں داخل ہو گیا۔ اس وقت بھی یہ نشے میں سرشار تھا۔ اسی واقعہ کی طرف حطیئہ نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

شهد الحطيئة يوم يلقى ربه
ان الوليد احق بالعذر

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن حطیئہ گواہی دے گا کہ اے اللہ ولید کا عذر قبول فرمالے کیونکہ یہ واقعی معذور ہے۔

نادى وقد تمت صلاتهم
الازيد كم سكرا وما يدرى

ترجمہ: نماز ختم کرنے کے بعد ولید نے پوچھا تھا کہ میں نے نماز میں کچھ زیادتی کر دی۔ وہ نشہ کے عالم میں پوچھ رہا تھا اور اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔

خلیفہ کے حکم سے ولید پر شرعی سزا...... پھر جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ولید کی شراب نوشی کی شہادت دی تو خلیفہ نے ولید کو دارالحکومت میں طلب کیا اور اس پر شرعی سزا جاری کر کے اس کے کوڑے لگوائے۔ خلیفہ نے ولید کے کوڑے مارنے کا حکم حضرت علیؓ کو دیا چنانچہ انہوں نے ولید کے کوڑے

لگائے۔ ایک قول ہے کہ خلیفہ کے حکم کے بعد بجائے خود کوڑے لگانے کے حضرت علیؓ نے اپنے بھتیجے عبداللہ ابن جعفر سے کہا کہ ولید کے کوڑے تم لگاؤ۔ اس سے پہلے انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن کو اس کا حکم دیا تھا مگر پھر رک گئے اور اپنے بھتیجے کو حکم دیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ نے کوڑا اٹھایا اور مارنا شروع کیا حضرت علیؓ کوڑے گنتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب چالیس کوڑے ہوگئے تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا۔

"بس کرو۔ شراب نوشی پر رسول اللہ ﷺ نے چالیس کوڑے ہی لگائے تھے پھر حضرت ابوبکرؓ بھی اپنی خلافت کے دور میں چالیس کوڑے ہی لگواتے تھے البتہ حضرت عمرؓ اسّی کوڑے لگواتے تھے۔ یہ دونوں طریقے سنت ہیں مگر مجھے چالیس کوڑوں کی یہ سنت حضرت عمرؓ کے اسی کوڑوں سے زیادہ محبوب ہے۔!"

حد شرعی میں کوڑوں کی تعداد...... مگر بخاری میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے ولید کے اسی کوڑے لگائے تھے۔ اس اختلاف کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل اس کوڑے کے دوہرے تھے (لہٰذا ہر ضرب کو دو کوڑے شمار کیا گیا)۔

حضرت علیؓ کا جو یہ قول گذرا ہے کہ یہ تینوں طریقے سنت ہیں اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چالیس کوڑوں کی سزا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی سنت ہے اور اسی کوڑوں کی سزا حضرت عمرؓ کی سنت ہے جو انہوں نے اس وقت بعض صحابہ کے مشورہ سے متعین کی جب یہ دیکھا کہ کثرت سے لوگ شراب نوشی میں مبتلا ہونے لگے ہیں۔

ولید کی معزولی اور حضرت سعدؓ کی بحالی...... غرض حضرت عثمانؓ نے ولید کے کوڑے لگوانے کے بعد اس کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور حضرت سعد ابن ابی وقاص کو واپس اس عہدہ پر متعین کیا۔

دوبارہ کوفہ کی گورنری پر مقرر ہونے کے بعد جب حضرت سعدؓ کے ممبر پر چڑھ کر خطبہ دینے کا وقت آیا تو حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں اس ممبر پر اس وقت تک نہیں چڑھوں گا جب تک تم اس ممبر کو دھو نہیں ڈالو گے تاکہ ولید جیسے فاسق شخص کے آثار اس پر سے مٹ جائیں کیونکہ وہ شخص نجس اور ناپاک ہے۔ چنانچہ لوگوں نے ممبر کو دھویا (تب حضرت سعدؓ نے اس پر سے خطبہ دیا) جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

جہاں تک ولید ابن عقبہ کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بنی مصطلق میں صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجنے کا تعلق ہے تو (اگر یہ روایت درست ہوتی تو اس کا ذکر صحابہ کی فوجی مہمات میں ہونا چاہئے تھا اسی طرح حضرت خالدؓ کو وہاں بھیجنے کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا۔

حضرت جویریہ کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے علم میں اپنی قوم کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت عورت کوئی نہیں ثابت ہوئی کہ ان سے شادی کر لینے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک سو گھرانوں کو آزاد کیا۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ قیدیوں کی رہائی کا یہ واقعہ قبیلۂ اوطاس کے قیدیوں سے پہلے ہے جن کو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن کی وجہ سے رہا کیا گیا تھا جس کا بیان آئے گا ان خاتون کے بارے میں بھی اسی قسم کا ایک قول ہے میں نے ان سے زیادہ ان قوم کے لئے کوئی عورت بابرکت نہیں دیکھی۔

مسلمانوں کی لشکر کشی سے پہلے حضرت جویریہ کا خواب...... حضرت جویریہ بیان کرتی ہیں کہ بنی مصطلق پر آنحضرت ﷺ کی یلغار سے تین رات پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ یثرب سے چاند طلوع ہو کر

چلا اور چلتے چلتے میری گود میں آرہا۔ جویریہ کہتی ہیں کہ میں نے کسی سے اس خواب کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

پھر جب ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے قیدی بن گئے تو میں نے خواب کے پورا ہونے کی آرزو کی۔ حضرت جویریہ سے ہی روایت ہے کہ جب ہم لوگ مریسیع کے چشمہ پر تھے اور وہاں رسول اللہ ﷺ پہنچے تو میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ لو ہم پر وہ مصیبت آگئی جس کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس وقت میں نے مسلم لشکر پر نظر ڈالی تو مجھے اتنے بے شمار انسان، گھوڑے اور ہتھیار نظر آئے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ پھر جب میں مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمالیا اور ہم مدینے کو روانہ ہوئے تو میں پھر مسلم لشکر کو دیکھنے لگی مگر اب وہ اتنی بڑی تعداد میں نہیں نظر آرہے تھے۔ اس وقت میں نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رعب ہے جو مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے (اور انہیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگتی ہے)

ادھر اسی روایت سے اس گذشتہ حدیث کی مزید تائید ہوتی ہے جس کے مطابق حضرت جویریہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے اس چشمہ پر ہی نکاح فرمالیا تھا جس کا نام مریسیع تھا۔

غزوہ بنی مصطلق میں فرشتوں کی شرکت...... ان ہی لوگوں میں ایک شخص تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور نہایت دیندار مسلمان بنا۔ وہ کہتا ہے کہ مسلم لشکر میں ہمیں کچھ سفید فام لوگ نظر آتے تھے جو سیاہ و سفید گھوڑوں پر سوار تھے اور جنہیں ہم نے نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد ہی وہ لوگ دیکھنے میں آئے۔

اب ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے شریک تھے۔

غزوہ بنی مصطلق میں مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص قتل ہوا جس کو ایک انصاری مسلمان نے غلطی سے قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ اس شخص کو دشمن کا آدمی سمجھے تھے ان کا نام ہشام ابن صبابہ تھا۔

غلط فہمی سے مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا قتل...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: حافظ دمیاطی نے بھی اپنی سیرت کی کتاب میں یہی بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں صرف ایک مسلمان قتل ہوا تھا۔ کتاب ھدیٰ کے مصنف نے اس قول پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ محض غلط فہمی اور وہم ہے ورنہ اس غزوہ میں کوئی مسلمان قتل نہیں ہوا کیونکہ اس موقعہ پر جنگ نہیں ہوئی تھی۔

مگر یہ اعتراض خود بیجا ہے اور غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ مصنف ھدیٰ نے یہ سمجھ کر اعتراض کیا ہے کہ وہ مسلمان کسی کافر کے ہاتھوں قتل ہوا تھا حالانکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ شخص ایک مسلمان ہی کے ہاتھوں قتل ہوا جس نے غلطی سے اس کو دشمن کا آدمی سمجھا تھا۔ واللہ اعلم۔

مقتول کے بھائی کا اسلام اور ارتداد...... اس کے بعد اس مقتول شخص کا بھائی مکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس اسلام کا اعلان کر کے آیا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے بھائی کا خوں بہا یعنی جان کی قیمت مانگتا ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دیت اور خون بہا دیئے جانے کا حکم دیا اور اس طرح اس شخص نے سو اونٹ دیت کے لئے۔ اس کے بعد یہ شخص کچھ دن آنحضرت ﷺ کے پاس ٹھہرا اور ایک روز اچانک اس نے اپنے بھائی کے قاتل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مدینے سے مکے کو فرار ہو گیا۔ چنانچہ پھر فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے خون کو جائز قرار دے دیا اور اسی دن یہ ایک مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس واقعہ کی جو تفصیل یہاں پیش کی گئی ہے وہ صحیح ہے اگرچہ آگے فتح مکہ کے بیان میں کتاب اصل کے حوالے سے جو تفصیل آئے گی وہ اس کے خلاف ہے وہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے بھائی کے قتل کا واقعہ غزوہ ذی قرد میں پیش آیا تھا۔

انصار و مہاجرین میں تصادم کا امکان...... غرض غزوۂ بنی مصطلق سے فارغ ہونے کے بعد جب کہ مسلمان ابھی اس چشمہ پر ہی تھے کہ حضرت عمر فاروق کے ایک اجیر کی بنی خزرج کے ایک حلیف سے لڑائی ہوگئی۔ یہ شخص حضرت عمر کا اجیر یعنی ان کی پناہ میں تھا جو ان کے گھوڑے کی نگہبانی بھی کرتا تھا۔ اس کا نام جہجاہ تھا۔

غرض قبیلہ خزرج کے ایک حلیف سے اور ایک قول کے مطابق عمرو ابن عمرو کے ایک حلیف سے اس کی لڑائی ہوگئی۔ ایک قول ہے کہ وہ شخص عبداللہ ابن ابی ابن سلول کا حلیف تھا اور اس کا نام سنان ابن فروہ تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے حلیف نے اس پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوگیا اور اس کے خون بہنے لگا۔

ایک روایت ہے کہ جہجاہ نے اس کو دھکا دے کر گرا دیا۔ اس پر اس شخص نے اپنے حامیوں کو پکارتے ہوئے کہا اے گروہ انصار۔ ایک قول کے مطابق اس نے گروہ خزرج کہہ کر فریاد کی ادھر حضرت عمر کے حلیف نے اپنے حامیوں سے فریاد کرتے ہوئے انہیں پکارا کہ اے گروہ مہاجرین

ایک قول ہے کہ اس نے یہ کہہ کر پکارا اے بنی کنانہ۔ اے گروہ قریش۔ فریاد ہے! اس فریاد پر ایک طرف سے انصاری دوڑ پڑے اور دوسری طرف مہاجرین دوڑے۔ دونوں نے ہتھیار اٹھانے شروع کر دیئے۔ قریب تھا کہ دونوں گروہوں کے درمیان تصادم ہو کر ایک بڑا فتنہ پیدا ہو جائے کہ اسی وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے (آپ نے لوگوں کا اے گروہ خزرج اور اے گروہ قریش کا نعرہ سنا تھا) آپ نے لوگوں سے فرمایا۔

"یہ جاہلیت کے زمانے کی طرح کیوں فریادیں کی جا رہی ہیں۔"

کلمات جاہلیت...... اس پر آپ کو واقعہ بتلایا گیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری شخص کو مارا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمے یعنی اے فلاں اور اے گروہ فلاں۔ چھوڑ دو کیونکہ یہ نہایت برے اور گندے جاہلیت کے کلمے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت کے کلموں کے ساتھ کسی کو پکارا تو وہ شخص دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ اس پر کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ چاہے وہ شخص روزے رکھنے اور نماز پڑھنے والا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں چاہے وہ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کی مدد کرے چاہے وہ بھائی ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ اگر وہ ظالم ہے تو (مدد یہ ہے کہ) اس کو ظلم سے منع کرے اس طرح یہ بھائی کی مدد ہوگی اور اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد یوں کرے کہ اس پر ہونے والے ظلم کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

جہجاہ و سنان کا تصفیہ...... غرض اس کے بعد لوگوں نے جہجاہ اور سنان ابن فروہ کے جھگڑے میں مضروب اور مظلوم شخص سنان سے بات کی اور اسے سمجھایا جس پر اس نے بدلے کے سلسلے میں اپنا حق اور مطالبہ چھوڑ دیا اور یہ

فتنہ دب گیا جو دونوں گروہوں کے تصادم کی صورت میں ظاہر ہونے کو تھا۔

یہ جہجاہ اور سنان دونوں مسلمان تھے۔ جہجاہ سے عطاء ابن یسار نے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافر پیٹ کے سات خانوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک خانے میں کھاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ فی کفرہ و اسلامہ اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے اس میں ان کے متعلق ہے کہ اسلام لانے سے پہلے وہ سات بکریوں کا دودھ پی لیتے تھے اور اسلام لانے کے بعد ان کا یہ حال تھا کہ ان سے ایک بکری کا دودھ بھی نہیں پیا جاتا تھا۔ آگے اسی قسم کی ایک حدیث ثمامہ حنفی کے متعلق بھی آئے گی۔

ابو عبید نے کہا ہے کہ وہ شخص جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا ابو بصرہ غفاری تھے۔ مگر یہ بات ممکن ہے کہ یہی بات جہجاہ کے علاوہ ان کے بارے میں بھی فرمائی گئی ہو۔ لہذا اب یوں کہنا چاہئے کہ آپ نے یہ بات تین موقعوں پر تین مختلف آدمیوں کے بارے میں فرمائی کیونکہ یہ لوگ اپنے کفر کے زمانے میں اسلام کے زمانے سے زیادہ پُر خور تھے۔

جہجاہ اور عثمان غنی...... علامہ ابن عبد البر کا قول ہے کہ یہی جہجاہ ہیں جنہوں نے ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں خلیفہ کے ہاتھ سے اس وقت آنحضرت ﷺ کا عصائے مبارک چھین کر توڑ دیا تھا جبکہ وہ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے وہ عصا لے کر اپنے گھٹنے پر رکھا اور توڑ دیا۔ اس سے ان کے گھٹنے میں خراش آگئی جو اتنی مہلک ثابت ہوئی کہ اس سے ان کی وفات ہو گئی یہاں تک علامہ ابن عبد البر کا حوالہ ہے۔

علامہ سہیلی نے یوں لکھا ہے کہ جہجاہ نے یہ عصا حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے اس وقت چھینا تھا جب ان کو مسجد نبوی سے نکال دیا اور وہاں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت عثمانؓ کے جو مخالفین تھے ان میں سے ایک جہجاہ بھی تھے۔ یہاں تک سہیلی کا کلام ہے۔

بہر حال ان دونوں باتوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے کہ عصا خطبہ کے دوران چھینا گیا یا اس وقت چھینا گیا جب حضرت عثمانؓ کو مسجد سے نکالا گیا کیونکہ ممکن ہے ان کو مسجد سے خطبہ کے دوران ہی نکالا گیا ہو اور اسی وقت عصا چھینا گیا ہو۔

جہجاہ پر ابن اُبی کا غصہ اور مہاجرین کو گالیاں...... غرض غزوہ بنی مصطلق کے بعد جب جہجاہ اور سنان کے درمیان جھگڑا ہوا تو عبداللہ ابن ابی ابن سلول ایک دم بگڑ اٹھا کیونکہ وہ خود بھی قبیلہ خزرج سے تھا جس کے حلیف کو جہجاہ نے مارا تھا اور دوسرے یہ سردار منافقین تھا جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا) اس کے ساتھ اس وقت اس کے قبیلہ خزرج کے منافقوں کا ایک گروہ تھا۔ وہیں ان لوگوں کے پاس اس وقت حضرت زید ابن ارقمؓ بھی موجود تھے جو اس وقت ایک نوعمر لڑکے تھے۔ غرض عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے غضبناک ہو کر کہا۔

ابن ابی کی یاوہ گوئی...... "خدا کی قسم! آج کی جیسی رسوائی ہماری کبھی نہیں ہوئی۔ اب یہ لوگ (یعنی مہاجرین) ہمارے ہی وطن میں رہ کر ہمیں ہی آنکھیں دکھاتے اور ہمیں دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمارے شیرازہ بندی اور قومیت کو ختم کر دیا ہے۔ خدا کی قسم ہم انصاریوں اور ان خانہ بدوش قریشیوں کی مثال ایسی ہے جیسے پچھلے لوگوں نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو خوب کھلاؤ پلاؤ تو وہ سب سے پہلے تمہیں ہی پھاڑ کھائے گا اور اسے بھوکا رکھو تو وہ تمہارے پیچھے دم ہلائے گا خدا کی قسم میں سمجھتا تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی پکارنے والا یہ پکارے جو میں نے آج سنا ہے میں مر جاؤں گا۔ اب خدا کی قسم مدینے واپس پہنچنے کے بعد ہم میں سے معزز گروہ

ذلیل گروہ کو نکال باہر کرے گا۔ (یعنی جو عزت دار ہے وہ رہے گا اور جو ذلیل ہے وہ نکال دیا جائے گا)۔"

یہاں معزز سے مراد ابن ابی نے خود اپنی ذات لی اور ذلیل سے مراد (خام بدہن) نبی کریم ﷺ کو لیا تھا۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ ابن ابی نے یہ بات غزوہ تبوک کے موقعہ پر کہی تھی یہاں تک استیعاب کا حوالہ ہے مگر اس میں کافی شبہ ہے۔

ابن ابی خزرجیوں کو مشتعل کرنے کی کوشش میں...... گذشتہ روایت میں مہاجروں کے لئے ابن ابی نے "جلابیب قریش" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "خانہ بدوش قریشیوں" کے لفظ سے کیا ہے۔ یہ جلبیب کی جمع ہے۔ اصل میں اس کے معنی ہیں وہ لوگ جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں جا کر رہنے لگیں مطلب ہے اجنبی لوگ۔ (مگر چونکہ ابن ابی نے یہ لفظ مہاجروں کی توہین کے طور پر استعمال کیا ہے اس لئے ہم نے اس کے معنی خانہ بدوش سے کئے ہیں) ایک قول ہے کہ جلبیب اس موٹے چاول کو بھی کہتے ہیں جو کمیاب ہے۔

غرض اس کے بعد ابن ابی ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت وہاں موجود تھے (اور جو اس کی قوم خزرج کے منافقین تھے) اس نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

یہ سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے گھروں میں بٹھالیا اور اپنا مال و دولت بھی ان کے حوالے کر دیا۔ خدا کی قسم اگر تم اپنا مال و دولت اور جائیدادیں ان کو نہ دیتے تو یہ لوگ کسی اور شہر میں جا بستے۔ پھر تم لوگوں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس کے بعد اپنی جانوں کو بھی ان کی اغراض کے لئے ہبہ کر دیا اور اس شخص کے یعنی رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کے لئے جنگیں شروع کر دیں اور اب تم ان کے لئے اپنی اولادوں کو یتیم کر رہے ہو، اپنی تعداد کو گھٹا رہے ہو اور ان کی تعداد کو بڑھا رہے ہو۔ اس لئے ان لوگوں پر اپنا روپیہ پیسہ اس طرح مت لٹاؤ کہ انجام کار یہ لوگ محمد ﷺ کے ساتھ تم پر چھا جائیں۔"

زید کی آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور صحابہ کی بے یقینی...... ابن ابی کی یہ ساری باتیں حضرت زید ابن ارقم نے سن لیں۔ صحیح قول یہی ہے مگر ایک قول کے مطابق یہ باتیں سفیان ابن قیم نے سنی تھیں وہ فوراً ہی رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ کو تمام واقعہ سنایا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت عمر فاروقؓ اور کچھ دوسرے مہاجر اور انصاری صحابہ بھی موجود تھے۔

بخاری میں حضرت زید ابن ارقمؓ سے روایت ہے کہ میں نے یہ ساری باتیں اپنے چچا یا حضرت عمرؓ سے جا کر بیان کیں انہوں نے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے آپ کو بھی یہ سب سنایا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ باتیں سن کر بہت تکلیف پہنچی اور آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا۔

"لڑکے! شاید تم اس شخص یعنی ابن ابی سے ناراض ہو۔!"

خبر کو تسلیم کرنے میں آنحضرت ﷺ کا تامل...... زید نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں نے یہ باتیں اسی طرح اس سے سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے سننے میں غلطی کی۔ اس پر ان انصاریوں نے جو وہاں موجود تھے زید کو ملامت کرنی شروع کر دی اور کہا کہ تم اپنی قوم کے سردار کے خلاف زبان زوری کر رہے ہو اور اس کی طرف وہ باتیں منسوب کر رہے ہو جو اس نے نہیں کہیں۔

چنانچہ بخاری ہی میں ایک اور روایت ہے جس میں زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری

بات سن کر مجھے جھٹلادیا۔ اس پر مجھے اس قدر رنج ہوا کہ اس سے پہلے کبھی مجھے ایسی تکلیف اور رنج نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ میں اپنے خیمہ میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گیا۔

میرے چچا نے مجھ سے کہا کہ تمہیں اس سے کیا ملا کہ رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولا اور آنحضرت ﷺ نے تمہیں جھٹلادیا۔ زید نے کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ ابن ابی نے کہا تھا میں نے وہی سنا تھا۔ اگر یہ بات میں اپنے باپ سے بھی سنتا تو جا کر آنحضرت ﷺ سے اسی طرح بیان کر دیتا۔ اب میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر وحی نازل فرما کر میری سچائی کو ثابت فرمادے۔

زید کا ابن ابی کو جواب...... ایک قول ہے کہ جب ابن ابی نے یہ جملہ کہا تھا کہ خدا کی قسم مدینے پہنچ کر جو عزت دار ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ تو زید ابن ارقم نے اس سے کہا تھا کہ خدا کی قسم تو ہی ذلیل اور اپنی قوم کا بدترین شخص ہے جب کہ محمد ﷺ خدا کے فضل و کرم سے معزز ہیں اور مسلمانوں کی قوت و طاقت ان کے ساتھ ہے۔ یہ سن کر ابن ابی نے کہا خاموش رہو میں تو مذاق کر رہا تھا۔

ابن ابی کے قتل کے لئے عمر فاروقؓ کی اجازت طلبی...... ادھر جب اس اطلاع پر آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدلا تو حضرت عمرؓ نے آپ سے ابن ابی کو قتل کرنے کی اجازت چاہی اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر آپ مجھے اس کا حکم نہ دینا چاہیں تو کسی اور کو حکم دیجئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب ابن ابی کی اس حرکت کا مجھے علم ہوا تو میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے اور ایک لڑکا آپ کی کمر دبا رہا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید آپ کی کمر میں کچھ تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا رات میں اونٹنی پر سے گر گیا تھا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ابن ابی کی گردن مار دوں یا پھر محمد ابن مسلمہ کو حکم فرمائیے کہ وہ اسے قتل کر دیں ایک روایت میں ہے کہ یا عباد ابن بشر کو اس کے قتل کا حکم فرمادیں۔

آپ نے فرمایا۔

"عمر! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں اور صحابہ کو قتل کرتا ہے!"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اس کو پسند نہ کریں کہ کوئی مہاجر اسے قتل کرے تو کسی انصاری کو اس کا سر قلم کرنے کا حکم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں اس کے قتل سے یثرب میں بہت سے لوگوں کے کان کھڑے ہوں گے اور بہت سوں کی ناک چڑھ جائے گی۔

غیر وقت میں غیر معمولی رفتار سے کوچ!...... یہاں آنحضرت ﷺ نے مدینے کو یثرب کے لفظ سے یاد کیا ہے حالانکہ اس کے متعلق پیچھے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ نے مدینے کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ دراصل اس لئے ہے تاکہ لوگوں کو اس کا جواز معلوم ہو جائے (کہ اگرچہ اب مدینے کو یثرب نہیں کہنا چاہئے مگر یثرب کہنا ناجائز نہیں ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس ممانعت سے پہلے کا ہو۔

غرض پھر آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ لشکر میں کوچ کا اعلان کر دو۔ یہ وقت ایسا تھا جس میں کبھی آنحضرت ﷺ کوچ نہیں فرمایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں میں ابن ابی کا یہ واقعہ مشہور ہوا تو اس روز سوائے اس کے کوئی ذکر نہیں تھا۔ اسی وقت اچانک کوچ کا اعلان ہو گیا جب کہ ایسے وقت میں روانگی بھی آنحضرت ﷺ کی عادت کے

خلاف تھی کیونکہ یہ دوپہر اور شدید گرمی کا وقت تھا۔

غرض لوگ اسی وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئے اسی اثناء میں حضرت اسید ابن حضیرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام نبوت کے ساتھ آپ کو سلام کیا یعنی انہوں نے کہا السلام علیك ایھا النبی ورحمة الله وبرکاته پھر انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ غیر وقت میں کوچ فرمارہے ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ نے کبھی ایسے شدید وقت میں کوچ نہیں فرمایا کیونکہ آپ ہمیشہ ٹھنڈے وقت میں روانہ ہوا کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ تمہارے ایک ساتھی نے کیا کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کون سے ساتھی نے یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے۔ انہوں نے پوچھا اس نے کیا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کہتا ہے کہ مدینے پہنچنے کے بعد عزت دار لوگ ذلیل کو وہاں سے نکال دیں گے حضرت اسیدؓ نے عرض کیا۔

ابن ابی کے شکستہ خواب...... "تب تو خدا کی قسم یارسول اللہ اگر آپ چاہیں تو اسے مدینے سے نکال سکتے ہیں کیونکہ خدا کی قسم وہی ذلیل شخص ہے اور آپ معزز ہیں۔"

پھر حضرت اسیدؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ فرمایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آپ کو بھیج دیا ہے ورنہ اس کی قوم کے لوگ اس کے لئے زروجواہر اور نگینوں کا انتظام کررہے تھے تاکہ تاج شاہی بناکر اس کی تاجپوشی کرسکیں۔ تمام نگینے آ بھی چکے تھے صرف ایک نگینہ یوشع یہودی کے پاس باقی رہ گیا تھا (کہ آپ تشریف لے آئے) اب وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی حکومت وسلطنت چھین لی ہے۔!"

آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی...... حضرت اسید ابن حضیر کی طرف سے ابن ابی کے لئے رحم وکرم کی یہ درخواست اس سے پہلے بھی ایک موقعہ پر گزر چکی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے کہ آپ اپنی سواری کے پیٹ پر ہنٹر مارتے جاتے تھے۔ آپ اس پورے دن چلتے رہے اور پوری رات چلتے رہے یہاں تک کہ اگلا دن آگیا اس روز بھی آپ برابر اس وقت تک سفر کرتے رہے جب تک کہ سورج کی تمازت اور تپش قابل برداشت رہی اس کے بعد آپ نے قیام فرمایا۔ لوگ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ زمین پر لیٹتے ہی سوگئے آپ نے یہ طویل اور مسلسل سفر اس لئے فرمایا تھا کہ لوگ ابن ابی کی اس بات کو بھول جائیں اور سفر کی تھکاوٹ میں ان کا خیال بٹ جائے۔

ابن ابی کو معافی خواہی کے لئے فہمائش...... (قال) اسی اثناء میں جن لوگوں نے اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی گفتگو اور لڑکے یعنی زید ابن ارقم کو آپ کا جواب سنا تو بعض انصاری عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس گئے۔ انہوں نے اس سے کہا۔

"ابوحُباب! اگر تم نے واقعی وہ باتیں کہی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے گوش گذار کی گئیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر آپ کو سب کچھ سچ سچ بتلاؤ تاکہ آنحضرت ﷺ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا فرمائیں کیونکہ ایسی صورت میں اگر تم انکار کروگے تو تمہارے متعلق وحی نازل ہوجائے گی جس سے تمہارے جھوٹ کا پول کھل جائے گا۔ اور اگر تم نے واقعی یہ باتیں نہیں کہی ہیں تو بھی آنحضرت ﷺ کے پاس جاکر اپنی برات اور صفائی کرو اور حلف اٹھاکر کہہ دو کہ تم نے یہ سب کچھ نہیں کہا تھا۔"

ابن اُبی کو آنحضرت ﷺ کی فہمائش...... ابن ابی نے یہ سنتے ہی وہیں حلف اٹھاکر کہا کہ میں نے ہرگز یہ

باتیں نہیں کہیں۔ اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا۔
"اے ابن ابی! اگر وہ بات تمہارے منہ سے یوں ہی نکل گئی تھی تو تم توبہ کرلو۔!"

ابن ابی کا جھوٹا حلف...... اس پر ابن ابی نے قسمیں کھائی اور حلف اٹھانے شروع کر دیئے کہ میں نے یہ باتیں کہی ہی نہیں تھیں جو زید نے بیان کی ہیں۔ میں نے ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ باتیں سن کر خود آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر ابن ابی کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا یہ باتیں تم نے ہی کہی تھیں جو تمہارے حوالے سے مجھ تک پہنچی ہیں۔ اس پر ابن ابی نے حلف کے ساتھ کہا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ میں نے ان میں سے کوئی بات نہیں کہی۔ زید بالکل جھوٹا ہے۔!"

لوگوں کا حسن ظن...... اس وقت وہاں جو انصاری مسلمان بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ممکن ہے اس لڑکے کو بات کے بیان کرنے میں کچھ بھول چوک ہو گئی ہو اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو صحیح طور پر نہ یاد رکھ سکا ہو۔ ایک روایت کے مطابق ان انصاریوں نے یہ کہا۔

"یا رسول اللہ ﷺ یہ یعنی ابن ابی ہمارا بڑا ہے اور بوڑھا آدمی ہے اس کے مقابلے میں ایک لڑکے کی بات کو وزن نہیں دیا جاسکتا۔"

کافر باپ کو قتل کرنے کے لئے بیٹے کی پیش کش...... ادھر عبداللہ ابن ابی کے لڑکے حضرت عبداللہ تھے (جو آنحضرت ﷺ کے جان نثار اور ایک سچے مسلمان تھے) ان کا اصل نام حُباب تھا (اور ان ہی کی نسبت سے ابن ابی کو ابوحُباب کہا جاتا تھا) پھر جب ابن اُبی کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحُباب کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا۔ غرض جب ان کو حضرت عمرؓ کی گفتگو کا علم ہوا جو انہوں نے ابن ابی کو قتل کرنے یا کسی اور کے ہاتھوں کرا دینے کے متعلق کی تھی تو حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

یا رسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عبداللہ ابن ابی (یعنی ان کے والد) کو قتل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایسی بیجا بات کہی ہے۔ اس لئے اگر میں ہی یہ کام کر سکوں تو مجھے حکم دیجئے کہ ان کا سر لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ خزرج کے لوگ جانتے ہیں کہ اس قبیلے میں کوئی شخص اپنے باپ کا مجھ سے زیادہ تابعدار نہیں ہے اس لئے مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ نے میرے علاوہ کسی اور کو یہ حکم دیا تو وہ مومن (جو میرے باپ کا قاتل ہوگا) میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گا اور اس طرح میرا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔"

نبی کی طرف سے مہربانی کا معاملہ...... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ہم اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کریں گے اور جب تک وہ ساتھ ہے اس کو ہم نشینی کا موقعہ دیں گے۔

ایک روایت میں حضرت عبداللہ کے یہ لفظ ہیں کہ

آپ مجھے حکم دیجئے تاکہ میں آپ کے یہاں سے اٹھنے سے پہلے اپنے باپ کا سر لا کر خدمت عالی میں پیش کردوں کیونکہ اگر آپ نے کسی اور سے یہ کام لے لیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو اطمینان سے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا بلکہ اس کو قتل کر کے جہنم کا مستحق بن جاؤں گا۔ آپ مجھے اس بے ادبی اور گستاخی کے لئے معاف فرمائیں کیونکہ آپ کے عفو و درگزر کی شان بہت بلند ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا اس کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ نہ ہی میں نے کسی شخص کو ابن ابی کے قتل کا حکم دیا ہے بلکہ جب تک وہ ہمارے درمیان موجود ہے ہم اسے اپنی ہمنشینی کا موقعہ دیں گے۔ تب حضرت عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ابن ابی کے متعلق یہاں کے یعنی مدینے کے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی تاجپوشی کر کے ان کو باقاعدہ یہاں کا بادشاہ بنادیں مگر اسی دوران میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں بھیج دیا جس سے ان کی سلطنت رہ گئی اور حق تعالیٰ نے ہمیں آپ کے ذریعہ سر بلند فرمادیا۔"

ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔

"ان کے ساتھ ان کی قوم یعنی منافقوں کا ایک گروہ بھی ہے جو ہر وقت ان کے گرد گھومتا رہتا ہے اور ان باتوں کی انہیں خبر دیتا رہتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مغلوب کر دیا ہے۔"

واضح رہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھ اپنے باپ کے متعلق اسی قسم کا ایک واقعہ پیچھے گزر چکا ہے۔

دار قطنی نے ایک مسند روایت نقل کی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ ابن ابی بھی موجود تھا آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو سلام کیا اور پھر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ اسی وقت عبداللہ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابوکبشہ یعنی آنحضرت ﷺ نے اس علاقے میں بڑا سر ابھار لیا ہے۔ یہ بات ابن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ نے بھی سنی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ اپنے باپ کا سر لا کر خدمت گرامی میں پیش کریں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہر گز نہیں بلکہ اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔!"

<u>کافر کی ناپاک روح کا تعفن</u>...... غرض آنحضرت ﷺ تیزی کے ساتھ مدینے کی طرف رواں تھے۔ مدینے سے کسی قدر قریب پہنچنے پر اچانک ہوا کا شدید طوفان آیا۔ ہوا کہ اتنا شدید طوفان تھا کہ ایسا لگتا تھا سوار کو بھی لے اڑے گی (یہ ہوا بدبودار تھی) لوگوں کو خوف تھا کہ شاید مدینے میں اور مدینے والوں پر کوئی بڑا حادثہ پیش آیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور عیینہ ابن حصن کے درمیان جو ناجنگ معاہدہ تھا یہ اس کے ختم ہونے کا زمانہ تھا لہٰذا لوگوں کو اس کی طرف سے مدینہ کے متعلق اندیشہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں عیینہ ابن حصن سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب تک مدینے میں ایک بھی دروازہ موجود ہے فرشتہ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور جب تک تم مدینے نہ پہنچ جاؤ وہاں کوئی دشمن داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکتا۔

جہاں تک اس گندی ہوا کے چلنے کا تعلق ہے تو یہ کسی بڑے کافر کی موت کی علامت ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ کسی بڑے منافق کی موت کی نشانی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ آج مدینہ میں کوئی زبردست منافق مرا ہے۔

چنانچہ جب آپ مدینہ پہنچے تو اس بات کی تصدیق ہوگئی کیونکہ اس روز زید ابن رفاعہ ابن تابوت مرا تھا جو منافقوں کا ایک زبردست سرگروہ تھا۔ یہ شخص بنی قینقاع کے سرکردہ یہودیوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو ظاہری طور پر مسلمان ہوگئے تھے۔ اسی واقعہ کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وقد عصفت ریح فاخبرت انها
لموت عظیم فی الیهود بطیبة

ترجمہ : اس روز ایک بدبودار ہوا چلی جس نے پیغام دیا کہ طیبہ یعنی مدینے کے یہودیوں میں سے ایک بڑے یہودی کی موت واقع ہوئی ہے۔

رفاعہ کی موت کے متعلق آسمانی اطلاع......ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نام لے کر اس کافر کی موت کی اطلاع دے دی تھی چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت نے ابن ابی سے کہا کہ اے ابوحُباب تمہارا دوست مر گیا ہے۔ ابن ابی نے پوچھا کون دوست حضرت عبادہ نے فرمایا وہ دوست جس کی موت سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے فتح کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ابن ابی نے کہا کہ آخر وہ کون شخص ہے۔ حضرت عبادہ نے کہا زید ابن رفاعہ۔ ابن ابی نے گھبرا کر کہا آہ افسوس صد افسوس۔ مگر ابو ولید تمہیں اس کی موت کی کیسے خبر ہوئی (کیونکہ ابن ابی اور حضرت عبادہؓ مسلم لشکر اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینے کو جا رہے تھے اور کسی کو مدینے کا حال معلوم نہیں تھا) حضرت عبادہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ ابھی ابھی زید ابن رفاعہ مر گیا ہے۔ یہ سن کر ابن ابی کو سخت صدمہ ہوا۔ پھر مدینہ پہنچنے پر مدینے والوں نے بتلایا کہ ایسی بدبودار ہوا مدینے میں بھی چلتی رہی یہاں تک کہ جب اس خدا کے دشمن کو دفن کر دیا گیا تو یہ ہوا رکی۔

رفاعہ اور زمانۂ جاہلیت کا ایک دستور...... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر علامہ ابن جوزی کے کلام میں زید ابن رفاعہ کے متعلق جو حضرت قتادہ ابن نعمان کا چچا تھا خود حضرت قتادہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس کا اسلام درست تھا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ زید ابن رفاعہ منافق تھا ہی ممکن ہے اس نے حضرت قتادہؓ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کو ظاہر کیا ہو تو وہ یہ سمجھے ہوں کہ یہ سچا مسلمان ہے۔

ادھر علامہ ابن جوزی نے اپنے کلام میں لکھا ہے کہ زید کا باپ رفاعہ ابن تابوت محدثین کے نزدیک صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بات اصابہ میں بیان کی گئی ہے۔

ابن جوزی کہتے ہیں کہ رفاعہ کا ذکر ایک مرسل حدیث میں آیا ہے جو اس طرح ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ احرام باندھنے کے بعد سوائے قریش کے باقی کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اپنے گھر میں صدر دروازے سے داخل ہو سکے بلکہ پشت کی طرف سے گھر میں داخل ہوتے تھے۔

(دراصل یہ بھی قریش کی اپنی ایجاد تھی جس سے انہیں عربوں میں اپنا امتیاز پیدا کرنا مقصود تھا چنانچہ ان کے سوا کوئی عرب احرام کی حالت میں گھر کے دروازے سے داخل نہیں ہوتا تھا یہ فخر اور امتیاز صرف قریش کو حاصل تھا کہ وہ اس پابندی سے مستثنیٰ تھے) اور ان لوگوں کو یعنی جو اس حکم کے پابند نہیں تھے حُمس کہا جاتا تھا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ جو قریش میں سے تھے ایک باغ میں داخل ہوئے پھر جب آپ اس باغ کے دروازے سے نکلے تو آپ کے ساتھ ساتھ ایک شخص اور بھی دروازے سے ایسے ہی نکلا جس کا نام رفاعہ ابن تابوت تھا حالانکہ یہ شخص حُمس میں سے نہیں تھا۔ اس پر صحابہ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ رفاعہ منافق ہو گیا ہے (کہ حُمس میں سے نہ ہونے کے باوجود وہ بھی احرام کی حالت میں مکان کے دروازے سے

نکالا) آپ نے رفاعہ سے پوچھا کہ خمس میں سے نہ ہونے کے باوجود تم نے ایسا کیوں کیا۔ رفاعہ نے کہا اس لئے کہ ہمارا دین ایک ہے۔ اس پر حق تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

لآ یہ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۲۴ آیت ۱۸۹

ترجمہ: اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو۔ ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالی سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

آگے اسی قسم کا ایک واقعہ قطبہ ابن عامر کے متعلق بھی آئے گا۔ ممکن ہے یہ واقعہ دونوں ہی کے ساتھ پیش آیا ہو۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جو مسلم نے پیش کی ہے کہ ایک زبردست قسم کی ہوا چلی تھی اور جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ تیز ہوا کسی بڑے اور زبردست منافق کی موت کی علامت ہے اور وہ شخص رفاعہ ابن تابوت ہے۔ تو یہ ایک دوسرے شخص کے متعلق ہے یہ رفاعہ نہیں تھا۔ کیونکہ یہی واقعہ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہوا تو اس میں رفاعہ ابن تابوت کے بجائے رافع ابن تابوت ہے لہذا یہ سمجھنا چاہئے کہ مسلم کی اس حدیث میں جہاں رفاعہ کا لفظ ہے شاید کسی راوی کی غلطی ہے۔

ادھر کتاب اصابہ میں یہ ہے کہ رفاعہ ابن زید کو جو حضرت قتادہ ابن نعمان کا چچا تھا ابن تابوت کہیں نہیں کہا گیا جیسا کہ اس کو ابن جوزی نے ابن تابوت کہہ دیا ہے۔ (ی) تو گویا ابن جوزی نے کسی راوی کی غلطی کی وجہ سے رفاعہ کو ابن زید کے بجائے ابن تابوت لکھ دیا ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے واللہ اعلم۔

(قال) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اچانک نہایت گندی ہوا چلی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کچھ منافقوں نے کچھ مومنوں کی غیبت کی ہے (جس کی یہ بدبو ہے اور) اسی لئے یہ ہوا چلی ہے۔ مگر جابر نے اس حدیث میں اپنے سفر کو متعین کر کے نہیں بتلایا کہ یہ کون سا سفر تھا۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس غزوہ سے متعلق ہو جیسا کہ واقعہ کی تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی دوسرا سفر مراد ہو۔

اونٹنی کی گمشدگی اور ایک منافق کی بکواس...... ادھر اسی غزوہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک رات اچانک رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء اونٹوں کے درمیان سے گم ہو گئی مسلمان چاروں طرف اس کی تلاش میں نکل پڑے۔ ادھر مسلمانوں کے ساتھ جو منافق تھے ان میں ایک شخص زید ابن صلت تھا۔

یہ شخص میرے علم کے مطابق بنی قینقاع کے منافقوں میں سے تھا اور اس وقت جبکہ مسلمان اونٹنی کی تلاش میں پھر رہے تھے یہ زید کچھ انصاریوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کہنے لگا کہ یہ لوگ چاروں طرف کس لئے گھومتے پھر رہے ہیں۔ لوگوں نے بتلایا کہ یہ سب آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی تلاش میں پھر رہے ہیں جو گم ہو گئی ہے۔ زید بولا کہ اللہ تعالی اپنے پیغمبر کو کیوں نہیں بتلا دیتا کہ اونٹنی کہاں ہے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ پھر یہ شخص کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ علم غیب کو جاننے والا ہے جبکہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔ نہ ہی اسے اس خدا کی طرف سے خبر ملتی ہے جس کی طرف سے

اس کے پاس وحی آتی ہے۔ اس پر لوگوں کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا۔

"تجھ پر خدا کی مار اے اللہ کے دشمن تو نفاق کی باتیں بک رہا ہے۔!"

نبی کو واقعہ کے متعلق آسمانی خبر...... لوگوں کو اس شخص پر اتنا غصہ آگیا تھا کہ انہوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور وہ اس پر جھپٹے۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ شخص جان بچانے کے لئے وہاں سے آنحضرت ﷺ کی طرف بھاگا تاکہ آپ کی پناہ حاصل کر سکے۔ یہ شخص آپ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے جسے اس نے بھی سنا کہ۔

"منافقوں میں سے ایک شخص نے جب یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی ہے تو یہ کہا کہ اللہ نے انہیں کیوں نہ بتلا دیا کہ اونٹنی کس جگہ ہے۔ تو خدا کی قسم حق تعالیٰ نے مجھے بتلا دیا ہے کہ میری اونٹنی کہاں ہے لیکن غیب کا علم صرف اللہ کو ہی ہے۔ میری اونٹنی اس گھاٹی میں ہے جو تمہارے سامنے ہے اور اس کی نکیل ایک درخت میں الجھی ہوئی ہے۔!"

منافق سچے دل سے مسلمان...... یہ سنتے ہی لوگ اس گھاٹی کی طرف دوڑے اور اسی جگہ سے اونٹنی پکڑ لائے جہاں آپ نے بتلائی تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ منافق شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی کے ساتھ چل کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس کو آتا دیکھ کر ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے قریب مت آنا۔ اس نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں سے کسی نے محمد ﷺ کے پاس جا کر کیا میری بات بتلائی تھی۔ ان سب نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم ہم تو اس جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا۔

"ان کے بارے میں جو کچھ میں نے یہاں کہا تھا وہ ان کو معلوم ہو چکا ہے جس کو میں نے خود سنا اس لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں اب سے پہلے مسلمان نہیں تھا بلکہ ابھی مسلمان ہو رہا ہوں۔"

نبی کے سامنے اقبال اور دعائے مغفرت کی درخواست...... لوگوں نے کہا کہ پھر تم ابھی رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تاکہ آنحضرت ﷺ تمہارے لئے اللہ سے مغفرت چاہیں۔ چنانچہ یہ شخص اسی وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور اپنے گناہوں کا اعتراف و اقبال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔

(قال) کہا جاتا ہے کہ پھر یہ عمر بھر نہایت بزدل رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ غزوہ تبوک میں بھی پیش آیا ہے کہ زبردست ہوا چلی اور آنحضرت ﷺ کی اونٹنی گم ہوئی۔

اونٹوں اور گھوڑوں کی دوڑ...... پھر رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر اسے دوڑایا تو وہ سب اونٹوں سے آگے نکل گئی حضرت ابو سعید ساعدی نے آنحضرت ﷺ کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی دوسرے گھوڑوں سے دوڑ کی۔ اس گھوڑے کا نام ظرب تھا۔ یہ گھوڑا بھی دوسرے سب گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دوسری اونٹنی عضباء سے کوئی جیت نہیں سکتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک دیہاتی اپنی سواری پر آیا اور دوڑ کی تو عضباء سے آگے نکل گیا۔ یہ بات مسلمانوں کو گراں ہوئی مگر

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات تقدیر فرمادی ہے کہ (ہر عروج کو زوال ہوگا اور) جو بھی کامیاب رہنے والی چیز ہے اسے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک ایک بار ناکام نہ فرمادے۔

آنحضرت ﷺ اور عائشہؓ کا دوڑ میں مقابلہ......اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ کتاب امتاع میں ہے کہ اسی غزوہ کے سفر میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور آپ ﷺ نے بھی قبا سمیٹی اور دونوں دوڑے تو آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے جیت گئے پھر آپ نے ان سے فرمایا۔

یہ اس دفعہ کا بدلہ ہے جبکہ تم مجھ سے جیت گئی تھیں۔!"

نبی کی بے تکلفی اور مزاح......اس جملہ میں آنحضرت ﷺ نے ایک گذشتہ واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں کوئی چیز دیکھی۔ آپ نے ان سے دیکھنے کو مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا اور وہاں سے بھاگیں آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ ہی ان کی طرف دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئیں بلکہ آگے نکل گئیں۔

ادھر علامہ ابن جوزی نے اپنے کلام میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں گئی اس وقت میں کم عمر اور دبلی پتلی تھی آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ دوڑ لگاؤ چنانچہ سب نے دوڑ لگائی پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ ہم تم دوڑ میں مقابلہ کریں چنانچہ دوڑے تو میں آگے نکل گئی۔ اس کے بعد کافی عرصہ گزر گیا اس دوران میں میرا بدن کچھ بھاری ہو گیا تھا۔ پھر ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک اور سفر میں گئی۔ اس دفعہ پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ دوڑ لگاؤ چنانچہ سب نے دوڑ لگائی اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا آؤ دوڑ میں مقابلہ کریں چنانچہ مقابلہ ہوا اور اس دفعہ آپ جیت گئے اس وقت آپ ہنسنے لگے اور فرمانے لگے کہ یہ پچھلی دفعہ کا بدلہ ہے۔ ان دونوں روایتوں کا اختلاف قابل غور ہے۔

ابن ابی کا بیٹے کے سامنے اعتراف شکست وذلت......(قال) غرض جب رسول اللہ ﷺ وادی عقیق میں پہنچے (جہاں سے مدینے کی حدود میں داخل ہوتا تھا) تو اچانک عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہؓ آگے بڑھ آئے اور ٹھہر گئے یہاں تک کہ جب ان کا باپ ابن ابی وہاں سے گزرنے لگا تو انہوں نے اچانک اس کی سواری کی اگلی ٹانگیں دبالیں اور اسے روک لیا۔ ابن ابی نے کہا نالائق کیا کرتا ہے۔

انہوں نے کہا،

"خدا کی قسم آپ اس وقت تک شہر کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک یہ اقرار نہ کرلیں کہ آپ ذلیل ہیں اور رسول اللہ ﷺ معزز ہیں اور جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کو شہر کی حدود میں داخلے اجازت نہ دے دیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ معزز کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ آپ یا رسول اللہ ﷺ"

اس پر ابن ابی کہنے لگا۔

"نہیں میں تو بچوں کے مقابلے میں بھی ذلیل ہوں۔ میں تو عورتوں سے بھی گیا گزار ہوں۔"

اسی وقت آنحضرت ﷺ وہاں پہنچ گئے اور آپ نے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ کا راستہ چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو جانے دیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

جب ابن ابی وہاں سے گزرنے لگا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے اس سے کہا پیچھے ہٹو۔ ابن ابی نے

کہا کیا کرتے ہو نالائق۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ آپ اس وقت تک مدینے میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کیلئے اجازت نہ دے دیں اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ آج کون معزز ہے اور کون ذلیل ہے۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ۔ جب تک آپ یہ نہ کہہ دیں کہ رسول اللہ ﷺ معزز ہیں اور آپ ذلیل ہیں۔ ابن ابی نے کہا کہ کیا تم بھی میرے لئے عام آدمیوں کی طرح ہو۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں بھی عام لوگوں کی طرح ہوں۔

ابن ابی کی نبی سے شکایت...... آخر ابن ابی آنحضرت ﷺ کی طرف لوٹ کر گیا اور آپ سے اپنے بیٹے کی حرکت کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے ذریعہ حضرت عبداللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ابن ابی کو جانے دو۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ نے باپ سے یہ کہا کہ اگر آپ اللہ و رسول کی عزت و سربلندی کا اقرار نہیں کریں گے تو میں آپ کی گردن مار دوں گا۔

ابن ابی نے کہا تیرا ناس ہو کیا تیرے یہ ارادے ہیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا ہاں۔ آخرت ابن ابی نے بیٹے کے تیور دیکھے تو فوراً کہہ دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام عزت و سربلندی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کے لئے ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس پر حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالی تمہیں اپنے رسول اور تمام مومنوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس موقعہ پر حق تعالی نے **سورۂ منافقین** نازل فرمائی (جس میں اللہ تعالی نے حضرت زید کی بات کی تصدیق کی جو انہوں نے ابن ابی کے متعلق کہی تھی۔ نیز ابن ابی کے کہے ہوئے الفاظ اس سورت میں نقل کئے جو یہ ہیں۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

الآیہ پ ۲۸ سورۂ منافقون ع ۱ آیت ۸

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینے میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا اور یہ کو ناحیل محض ہے بلکہ اللہ کی ہے عزت بالذات اور اس کے رسول کی بواسطہ تعلق مع اللہ کے اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے لیکن منافقین جانتے نہیں۔

زید ابن ارقم کی تصدیق......(حضرت زید ابن ارقم نے ابن ابی کے وہ جملے سنے تھے کہ مدینے پہنچ کر عزت مند ذلیل کو نکال دے گا۔ پھر جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو یہ بات بتلائی تو کسی نے ان کی بات کا یقین نہیں کیا تھا) حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ اچانک راہ میں میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پر بہت زیادہ تکان اور بوجھ کے اثرات ظاہر ہوئے آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے نمودار ہوئے اور آپ کی سواری کی ٹانگیں بوجھل ہو گئیں۔

میں نے یہ صورت دیکھ کر سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ ساتھ ہی میرے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالی میری بات کی تصدیق فرمادے۔ آخر جب آنحضرت ﷺ کو افاقہ ہوا تو اچانک آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اوپر اٹھانا شروع کیا۔ میں اس وقت اپنی سواری پر تھا آپ نے مجھے کان سے پکڑ کر اتنا اٹھایا کہ میرے کولھے سواری کی پشت سے اٹھ گئے۔ ساتھ ہی آپ یہ فرماتے جاتے تھے۔

زید کی مزلحاً گوشمالی...... "سن لو لڑکے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق فرمادی ہے اور منافقوں کو جھٹلا دیا ہے۔"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ یہی وہ لڑکا ہے جس کے کانوں کی اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرمائی ہے اور وحی نازل فرمائی ہے کہ وَتَعِیَهَا اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت زید ابن ارقم کو ذواُذن واعیہ یعنی یاد رکھنے والے کانوں والا۔ کہا جانے لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ لآیہ پ ۲۹ سورۂ حاقہ ع ۱ آیت ۱۲

ترجمہ: تاکہ ہم اس معاملے کو تمہارے لئے یادگار اور عبرت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اس کو یاد رکھیں۔

بعض رافضیوں نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد "وَتَعِيَهَا اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ" ایک حدیث کے مطابق حضرت علیؓ کے متعلق نازل ہوا تھا۔ مگر امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے اور اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر اس کو درست بھی مان لیا جائے تو بھی اس آیت کے ایک سے زائد بار نازل ہونے سے کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

نبی کی رائے اور دور اندیشی...... ادھر سورۂ منافقون کے نازل ہونے کے بعد عبداللہ ابن ابی کی قوم اس کو لعنت ملامت کرنے اور اس سے نفرت کرنے لگی۔ جب آنحضرت ﷺ کو ابن ابی کے لئے اس کی قوم کی نفرت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عمر! کیا خیال ہے خدا کی قسم اگر (تمہارے کہنے پر) اس روز میں ابن ابی کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو بہت سے لوگ اس کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے اور آج اگر میں اس کے قتل کا حکم دے دوں تو تم ہی اس کو قتل کر سکتے ہو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ بے شک میں نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے میری رائے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بابرکت اور صحیح ہوتی ہے۔

ابن ابی کی کج فہمی اور خیر خواہوں کو جواب...... ایک حدیث میں ہے کہ جب سورہ منافقون نازل ہوئی جس میں ابن ابی کو جھٹلایا گیا ہے تو اس وقت اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو جاؤ تاکہ آنحضرت ﷺ تمہارے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں مگر اس نے انکار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ایمان لے آؤں چنانچہ میں ایمان لے آیا۔ پھر تم نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ دیا کروں چنانچہ میں نے زکوٰۃ دینی شروع کر دی۔ اب اس کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہی کہ میں محمد ﷺ کو سجدہ کرنے لگوں۔!"

ابن ابی جیسوں کے متعلق ارشاد حق...... اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ

لآیہ پ ۲۸ سورۂ منافقون ع ۱ آیت ۵۔

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ استغفار کریں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ تکبیر کرتے ہوئے بے رخی کرتے ہیں!

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق تعالیٰ کا جو یہ ارشاد ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لآیہ پ ۲۸ سورۂ مجادلہ ع ۳ آیت ۲۲

ترجمہ : جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں۔

بیٹے کی خیر خواہی اور ابن ابی کی رذالت...... اس کے بارے میں سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت عبد اللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ایک روز اس کے بیٹے آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے کوئی چیز نوش فرمائی تو حضرت عبد اللہؓ نے کہا کہ بخدا یا رسول اللہ ﷺ آپ جو کچھ پی رہے ہیں اس میں سے کچھ بچا دیں تاکہ میں وہ اپنے باپ کو پلا دوں۔ ممکن ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پاک کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس میں سے کچھ بچا کر انہیں دے دیا جسے وہ اپنے باپ کے پاس لائے۔ ابن ابی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے مشروب میں کا بچا ہوا ہے۔ یہ میں آپ کے پاس اس لئے لایا ہوں کہ آپ اسے پی لیں شاید حق تعالیٰ اس کی برکت سے آپ کے دل کو پاک فرما دے۔ اس پر ابن ابی نے کہا۔

"تو میرے لئے اپنی ماں کا پیشاب کیوں نہ لے آیا اس سے زیادہ پاک تو میرے لئے وہی ہے!"

باپ کی حرماں نصیبی پر بیٹے کا غم و غصہ...... یہ سن کر حضرت عبد اللہ سخت غضبناک ہو گئے اور فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا آپ مجھے اجازت نہ دیں گے کہ میں اپنے باپ کا قصہ ہی پاک کر دوں!۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اپنے باپ کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرو اور اس کا ادب کرو۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اجازت دیں تو میں چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کو آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پلاؤں ممکن ہے اس طرح ان کے قلب میں کچھ نرمی اور نیکی آجائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وضو فرمایا اور اس کا پانی انہیں دے دیا۔ حضرت عبد اللہ یہ پانی لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچے اور اسے پلا دیا۔ جب ابن ابی نے پانی پی لیا تو بیٹے نے کہا آپ کو معلوم ہے میں نے آپ کو کیا پلایا ہے۔ ابن ابی نے کہا۔ ہاں میں جانتا ہوں تم نے مجھے اپنی ماں کا پیشاب پلایا ہے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا۔ نہیں میں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا پیشاب پلایا ہے۔

اس سفر کے متفرق واقعات...... غرض بنی مصطلق کے غزوہ سے نمٹ کر آنحضرت ﷺ رمضان کی چاند رات کو مدینے پہنچے۔ آپ اس طرح ستائیس دن مدینے سے غیر حاضر رہے۔

(قال) اسی غزوہ میں ایک عورت اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بیٹا ہے اس پر شیطان کا اثر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس لڑکے کا منہ کھولا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا۔ اللہ کا دشمن خوار ہوا میں رسول خدا ہوں۔ آپ نے یہ جملہ تین بار فرمایا۔ پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا لو اپنے بچے کے ساتھ خوش بخوش رہو اس کو جو عارضہ تھا اب کبھی نہیں ہوگا۔

اسی غزوہ میں ایک شخص آنحضرت ﷺ کے لئے تین انڈے لے کر آیا یہ شتر مرغ کے انڈے تھے آپ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا جاؤ جابر! یہ انڈے بنا کر لاؤ۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے وہ انڈے بنائے اور آپ کے پاس لے کر آیا اب ہمیں روٹی کی تلاش ہوئی مگر کسی کے پاس روٹی نہ ملی۔ آخر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ سب نے بغیر روٹی کی ہی انڈے کھانے شروع کئے یہاں تک کہ ہر ایک نے سیر ہو کر انڈے کھائے مگر

تینوں انڈے جوں کے توں باقی تھے۔

اسی غزوہ میں ایک اونٹ لنگڑاتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے پاس آکر زور سے بولا آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے یہ اونٹ اپنے مالک سے میری پناہ چاہ رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ میرے سے کھیتی باڑی کا کام لیتا ہے اور اب مجھے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ جابر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اسے ہمارے سامنے لے کر آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس کے مالک کو نہیں جانتا آپ نے فرمایا یہ اونٹ تمہیں بتلائے گا کہ وہ کون ہے۔ چنانچہ وہ میرے آگے آگے چلا اور اپنے مالک کے پاس پہنچ کر ٹھہر گیا۔ میں اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آیا تو آپ نے اس سے اونٹ کے متعلق باتیں کیں۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ یہ تینوں واقعے یعنی عورت اور اس کے بیٹے کا واقعہ، انڈوں کا واقعہ اور اونٹ کا واقعہ غزوہ ذات الرقاع میں بھی گزر چکے ہیں۔ اب یہ کہنا کہ یہ واقعات ایک سے زائد بار پیش آئے ہوں گے اور یہ کہ ان ہی واقعات کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ اعاجیب کہا جاتا ہے قرین قیاس نہیں ہے۔ جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ ان واقعات کا تکرار کسی راوی کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بہر صورت یہ بات قابل غور ہے۔

افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کا واقعہ

اسی غزوہ میں حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کا واقعہ پیش آیا جس کو واقعۂ افک کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جیسی پاک دامن و پاکباز خاتون پر جھوٹا بہتان باندھا گیا (جس سے آنحضرت ﷺ اور ام المومنین دونوں کو اور ان کے ساتھ عام مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی)

لشکر سے دور ہار کی گمشدگی...... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس غزوہ سے فارغ ہو کر مدینے کو واپسی کے دوران ایک رات کوچ کا اعلان ہوا تو میں فوراً ہی قضائے حاجت کے لئے اٹھ کر لشکر سے دور ایک طرف چلی گئی۔ جب میں فارغ ہو گئی تو واپس لشکر گاہ کی طرف روانہ ہوئی۔ میرے گلے میں نگینوں یعنی اظفار کا بنا ہوا ایک ہار تھا۔ بخاری میں یہ لفظ الف کے ساتھ اظفار ہے۔ ایک روایت میں صرف ظفار کا لفظ ہے اس میں الف نہیں ہے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اس میں الف کا اضافہ غلط ہے۔ شاید مطلب یہ ہے کہ اس روایت کے خلاف ہے۔ ایک روایت میں ظفاری کا لفظ ہے یعنی میرے نگینے تھے۔ ایک روایت میں ظفری کا لفظ ہے۔ بہر حال ممکن ہے یہ سب الفاظ حضرت عائشہؓ کی مختلف روایتوں میں ہوں جو انہوں نے مختلف اوقات میں بیان کیں۔

بعض علماء نے کہا کہ جَزْعْ جیم کے زبر زاء پر جزم اور عین کے ساتھ جزع ہے جس کے معنی نگینہ کے ہیں اور لفظ ظفار یعنی ظ کے ساتھ ہے۔ یہ ہار کو ہار کا تھا یہ لفظ کو بار تیر زیر کے ساتھ ہے اور یہ یمن کا ایک گاؤں ہے۔ بہر حال یہ ہار معمولی قیمت کا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی قیمت بارہ درہم کے برابر تھی۔

واپسی میں تاخیر اور لشکر کا کوچ...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ قضائے حاجت کے بعد لشکر گاہ کی طرف آتے ہوئے راستے میں میرا وہ ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ جب مجھے اس کا احساس ہوا تو میں اس ہار کی تلاش میں واپس چلی اور وہاں تک پہنچی جہاں میں نے قضائے حاجت کی تھی۔ غرض اس ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی۔ ادھر وہ لوگ جو میرا ہودج اٹھا کر سواری پر رکھا کرتے تھے آگئے انہوں نے آکر میرا ہودج یعنی محل اٹھایا اور

میرے اونٹ پر رکھ کر روانہ ہو گئے۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں ہودج میں موجود ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں عام طور پر ہلکی پھلکی تھیں کیونکہ وہ بہت تھوڑا کھاتی تھیں اور اکثر حالات میں چربی اور موٹاپا زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ غرض تمام لشکر روانہ ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ وہ شخص جو ان کا ہودج لے کر چلتا تھا اور اس اونٹ کو ہنکاتا تھا رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو موہبہ تھے جو ایک نہایت صالح اور نیک آدمی تھے اس روایت سے حضرت عائشہؓ کے اس قول پر شبہ نہیں ہونا چاہئے جس میں ہے کہ پھر ہودج اٹھانے والے لوگ آگئے۔ یا ان کا ایک دوسرا قول ہے کہ۔ جب ان لوگوں نے ہودج اٹھایا اور کاندھوں پر رکھا تو انہیں اس میں وزن نہ ہونے سے شبہ پیدا نہیں ہوا۔

ان دونوں باتوں سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے (کہ ایک جگہ ایک ہی آدمی کا ذکر ہے جبکہ دوسری جگہ کئی لوگوں کا ذکر ہے) کیونکہ ممکن ہے اصل ذمہ دار تو حضرت ابو موہبہ ہی ہوں اور باقی لوگ اس سلسلے میں ان کی مدد کیا کرتے ہوں۔

لشکر گاہ میں سناٹا اور عائشہؓ کی حیرانی...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ کافی تلاش کے بعد میرا ہار مل گیا اور تب میں لشکر گاہ میں آئی مگر وہاں دور، دور تک سناٹا تھا نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ جواب دینے والا۔ میں نے جس جگہ قیام کیا تھا وہیں ٹھہر گئی کیونکہ میں نے سوچا کہ جب انہیں میری گمشدگی کا پتہ چلے گا تو سیدھے یہیں آئیں گے۔ ابھی میں بیٹھی ہوئی تھی کہ تھوڑی دیر میں ہی مجھے نیند آنے لگی اور میں سو گئی۔

لشکر کے عقب میں چلنے والے صفوان سلمی...... ادھر صفوان سلمی ایک صحابی لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے وہ ہمیشہ لشکر کے عقب میں چلا کرتے تھے تاکہ اگر کسی شخص کا کوئی سامان گر جائے اور انہیں ملے تو اٹھا لیا کریں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت صفوان اصل میں بہت گہری نیند سویا کرتے تھے چنانچہ لشکر کوچ کر جاتا اور وہ سوتے رہ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کی شکایت بھی کی تھی اور کہا تھا کہ وہ صبح کی نماز نہیں پڑھتے اس پر خود حضرت صفوان نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری نیند بہت گہری ہے اور سورج نکل آنے تک میری آنکھ نہیں کھلتی۔ آپ نے فرمایا کہ خیر جب بیدار ہوا کرو اسی وقت نماز پڑھ لیا کریں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس کا علم تھا کہ وہ صبح کی نماز کے وقت سوتے رہتے ہیں پھر ان کی بیوی نے کہا کہ جب میں قرآن پاک پڑھتی ہوں تو یہ مجھے مارتے ہیں۔ صفوان نے کہا کہ میرے پاس ایک ہی سورت ہے یعنی قرآن پاک کی ایک ہی سورت ہے دوسری نہیں مگر یہ بھی اسی کو پڑھتی ہیں۔

آپ نے فرمایا تم ان کو ملامت کرو کیونکہ یہ ایسی سورت ہے کہ اگر تمام لوگوں میں بھی تقسیم ہو جائے تو سب کو (اپنے ثواب میں) کافی ہو جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوان کو خیال تھا کہ ان کی بیوی جب اس سورت کی تلاوت کرتی ہیں تو ان کے ثواب میں حصہ دار بن جاتی ہیں (یعنی جو صفوان کا ثواب ہے اسی میں سے بیوی کو بھی حصہ ملتا ہے) یہ بات قابل غور ہے۔

صفوان کی آمد...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت صفوان جو لشکر کے پیچھے چلا کرتے تھے وہ اپنے

مقام سے رات میں روانہ ہوئے اور صبح کو اس جگہ پہنچے جہاں میں بیٹھی ہوئی تھی (ی) یعنی وہ اپنی عادت کے خلاف رات کو اپنے مقام سے روانہ ہو گئے تھے۔ یہاں پہنچے تو سنسان صحرا میں انہیں ایک انسانی ہیولیٰ نظر آیا۔

یعنی انہوں نے دیکھا کہ کوئی شخص پڑا ہوا سو رہا ہے۔ وہ قریب آئے اور مجھے دیکھ کر پہچان گئے انہوں نے مجھے دیکھتے ہی اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھی۔ ان کی آواز سے میں جاگ گئی۔ انہوں نے اناللہ اس لئے پڑھی کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر سے چھوٹ جانا ایک مصیبت اور پریشانی کی بات تھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ انہیں دیکھتے ہی میں نے فوراً اپنی اوڑھنی کا پلہ اپنے چہرے پر ڈال لیا۔ یہاں جلباب کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ کپڑا روپٹہ سے چھوٹا ہوتا ہے (اس لئے اس کا ترجمہ اوڑھنی کیا گیا ہے) اس کو عربی میں مقنعہ یعنی نقاب بھی کہا جاتا ہے جس سے عورت اپنا سر ڈھانکتی ہے۔

ام المومنین نے اپنا چہرہ اس لئے چھپایا کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم ہونے کے بعد کا ہے جس کے متعلق یہ آیت حجاب نازل ہوئی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ۔

الآیہ پ ۲۲ سورہ احزاب ع ۷ آیت ۵۳

ترجمہ: اے ایمان والو نبی کے گھروں میں بے بلائے مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔

کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ پردے کی آیت ۳ھ میں نازل ہو چکی تھی جیسا کہ کتاب اصل کے مصنف کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے۔ مگر کتاب امتاع میں ہے کہ بعض محدثین کے نزدیک حضرت زینبؓ سے جن کی وجہ سے پردے کی آیت نازل ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی شادی ذی قعدہ ۵ھ میں ہوئی تھی۔

مگر واضح رہے کہ یہ قول آگے آنے والی حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں حضرت زینبؓ ہی وہ بیوی تھیں جو (آنحضرت ﷺ کے نزدیک محبوبیت میں) میرا مقابلہ کرتی تھیں۔

تو اس روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت زینبؓ کی آنحضرت ﷺ کے ساتھ شادی حضرت عائشہؓ کے اس واقعۂ افک سے پہلے ہو چکی تھی اور اس واقعہ کے وقت حضرت زینبؓ آپ کی بیوی تھیں کیونکہ خود یہ غزوہ بنی مصطلق ۶ھ میں پیش آیا ہے!

ام المومنین کو دیکھ کر حیران و ششدر صفوان...... غرض حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ صفوان نے مجھے دیکھنے کے بعد خدا کی قسم مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نہ میں نے ان کے منہ سے ایک کلمہ سنا یعنی نہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے کوئی بات کی اور نہ خود سے ہی کچھ کہا۔ ایک قول ہے کہ اس ہولناک واقعہ کو دیکھ کر وہ حیرت وادب کی وجہ سے ساکت رہ گئے اور ان کی زبان گنگ ہو گئی۔ غرض جب انہوں نے وہاں پہنچ کر اپنا اونٹ بٹھایا تو سوائے اناللہ کے ان کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔

ام المومنین کے لئے صفوان کا احترام...... پھر انہوں نے اونٹنی کی اگلی ٹانگوں پر پیر مارے یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ اونٹنی پر سوار ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر حضرت صفوانؓ نے اونٹ کو ام المومنین کے قریب کیا اور عرض کیا کہ سوار ہو جائیے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ماں اٹھیئے اور سوار ہو جایئے اور وہ خود اونٹ کا سر پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔
ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ سوار ہو گئیں تو انہوں نے کہاحسبی اللہ و نعم الوکیل اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مجھے کافی ہے اور وہی میرا بہترین سہارا ہے۔
اب ان تینوں روایتوں کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔ نیز ان سے گذشتہ قول میں بھی مطابقت پیدا کرنی ہو گی اگر ان سب روایات کو درست مانا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اصل میں بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہؓ نے سوائے اناللہ کے ان کے منہ سے اور کچھ نہیں سنا (اس لئے وہ یہی سمجھیں کہ حضرت صفوان کچھ بولے ہی نہیں) نہ حضرت صفوان نے حضرت عائشہؓ کے قریب اپنا اونٹ لانے تک ان سے کچھ کہا اور نہ خود سے بولے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔ پھر جب وہ اونٹ کو قریب لے آئے تو انہوں نے یہ لفظ کہے کہ ماں اٹھیئے اور سوار ہو جایئے۔
یہ جملہ بھی اس لئے کہا گیا کہ اونٹ کو قریب لانے اور اس کو بٹھانے سے یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ حضرت عائشہؓ کو سوار ہونے کی اجازت ہے۔چنانچہ حضرت صفوان نے وہ لفظ استعمال کیا جس سے ام المومنین کی انتہائی عظمت واحترام اور توقیر ظاہر ہوتی تھی۔
اگرچہ بعض راویوں نے صرف اسی قدر الفاظ نقل کئے ہیں کہ۔"سوار ہو جایئے۔" پھر جب حضرت عائشہؓ سوار ہو گئیں اور اس اچانک واقعہ کی ہول کم ہو کر اطمینان ہوا تو حضرت صفوان نے یہ لفظ کہے کہ آپ کیسے پیچھے رہ گئیں۔ یہ بات انہوں نے صرف اظہار حیرت کے لئے کہی سوال کے طور پر نہیں کہی تھی۔
صفوان کی ساربانی میں حضرت عائشہؓ کی روانگی...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر صفوان میری اونٹنی کے آگے آگے اسے ہانکتے ہوئے چلے یہاں تک کہ ہم اسلامی لشکر میں پہنچ گئے جو نحر ظہیرہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔اس وقت سورج اپنی مسافت طے کر چکا تھا یعنی نصف النہار ہو چکا تھا۔
حضرت عائشہؓ کے لئے تمام امت کے لوگ محرم...... اسی واقعہ سے ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر اس طرح کوئی اجنبی عورت قافلے سے چھوٹی ملے تو اس کے ساتھ تنہائی یعنی اسے لے کر سفر کرنا جائز ہے بلکہ اگر اس کو وہاں تنہا چھوڑنے یا تنہا بھیجنے کی صورت میں اس عورت کے لئے خطرہ ہو تو اس کو ساتھ لے کر جانا واجب ہے۔
کتاب خصائص صغیر میں امام طحاوی کی معانی آثار کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ تمام لوگ حضرت عائشہؓ کے لئے محرم تھے (کیونکہ وہ سارے مسلمانوں کی ماں ہیں) لہذا حضرت عائشہ کسی بھی مسلمان کے ساتھ سفر کریں تو ان کا یہ سفر محرم کے ساتھ سفر کہلائے گا مگر دوسری عورتیں ان کی طرح نہیں ہیں۔ یہاں دوسری عورتوں میں آنحضرت ﷺ کی دوسری تمام ازواج بھی شامل ہیں۔لہذا یہ بات قابل غور ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ اور دوسری امت کی ماؤں یعنی ازواج مطہرات کے درمیان فرق نہیں کیا جا سکتا (کیونکہ مسئلہ کی جو نوعیت ہے اس میں سب کا حکم برابر ہونا چاہئے)۔
اسی طرح آگے جو روایت آرہی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے شخص کی سزا قتل تھی جبکہ دوسری ازواج مطہرات پر تہمت لگانے والے کی سزا عام شرعی سزا یعنی کوڑے مارنے کی دو سزائیں تھیں (چنانچہ یہ روایت بھی قابل قبول نہیں بلکہ قابل غور ہے)

ام المومنین اور صفوان کو دیکھ کر ابن ابی کی دریدہ دہنی...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب ہم لشکر میں پہنچ گئے تو جن لوگوں کے مقدر میں ہلاکت و بربادی تھی وہ بہتان اور تہمت تراشی کر کے برباد ہوئے

(ی) ایسے لوگوں میں منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے اس واقعہ کو سارے لشکر میں شہرت دی۔ یہ شخص اگرچہ سارے لشکر کے ساتھ تھا مگر جہاں بھی لشکر پڑاؤ ڈالتا تو ابن ابی اپنے منافقوں کے گروہ کے ساتھ عام لوگوں سے ہٹ کر ذرا فاصلے سے ٹھہرا کرتا تھا۔

ابن ابی کی شرمناک بکواس اور واقعہ کی تشہیر...... اب جب حضرت عائشہ اور حضرت صفوان منافقوں کی گروہ کے پاس سے گزرے تو ابن ابی نے پوچھا یہ عورت کون ہے۔ اس کے ساتھیوں نے کہا عائشہ اور صفوان ہیں۔ ابن ابی نے فوراً کہا کہ رب کعبہ کی قسم ان دونوں کا ملاپ ہو چکا ہے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ نہ یہ عورت اس شخص سے محفوظ رہی اور نہ یہ مرد اس عورت سے محفوظ رہا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ خدا کی قسم یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مبتلا ہو چکے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ لو تمہارے نبی کی بیوی ایک دوسرے شخص کے ساتھ پوری رات گزار چکی ہے۔

ابن ابی کی مجلسوں میں چرچے...... اس کے بعد جب سب لوگ مدینہ پہنچ گئے تو ابن ابی نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی شدید دشمنی اور نفرت کی بناء پر اس بات کو شہرت دینی شروع کی۔ بخاری میں یوں ہے کہ اس کی مجلسوں میں اس کے ساتھی منافقین اس بات کا ذکر کرتے تو یہ اس کی تائید کرتا، بڑی توجہ سے سنتا اور اس معاملے پر بحث مباحثہ سے اس میں باریکیاں پیدا کرتا۔

بہر حال دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے ممکن ہے مدینے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے خود اسی نے اس بات کو پھیلایا ہو اور پھر اپنی مجلسوں میں لوگوں سے سن سن کر اس کی تائید کرتا ہو تاکہ اس بات کی زیادہ سے زیادہ شہرت ہو جائے۔

حضرت عائشہ کی بیماری اور آنحضرت ﷺ کی سرد مہری...... پھر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہم مدینے آگئے۔ یہاں پہنچتے ہی میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے تک بیمار رہی جبکہ لوگ تہمت تراشوں کی باتوں پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ شدہ شدہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ اور میرے والدین تک بھی پہنچ گئیں لیکن اب تک مجھے کسی بات کا بھی پتہ نہیں تھا مگر مجھے اس بات پر حیرت و افسوس ضرور تھا کہ اس مرتبہ مجھے آنحضرت ﷺ کے طرز عمل میں وہ محبت و مہربانی محسوس نہیں ہوئی جو میری بیماری کے زمانے میں (خاص طور پر) ہوا کرتی تھی۔

یہاں مہربانی کے لئے لطف کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ لطف جب کسی آدمی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے معنی مہر و محبت کے ہوتے ہیں اور جب اس کی نسبت حق تعالی کی طرف ہو تو اس کے معنے توفیق کے ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ ام مسطح کے ساتھ...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لاتے جہاں میری والدہ بھی میری تیمارداری کے لئے ٹھہری ہوئی تھیں آپ سلام کرتے اور پھر فرماتے کیا حال ہے۔ آپ اس کے سوا اور کچھ نہ کہتے اور اس کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔ اسی اجنبی طرز عمل کی وجہ

سے میں پریشان تھی۔ آخر جب مجھے قدرے افاقہ ہوا تو میں کمزوری کی حالت میں گھر سے نکلی میرے ساتھ ام مسطح بھی چلیں۔ یہ ام مسطح حضرت ابو بکرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ مسطح حضرت ابو بکرؓ کی خالہ کے بیٹے تھے مگر یہ بات درست نہیں ہے بلکہ بغیر اصل معنی مراد لئے ہوئے کہہ دی جاتی ہے جس کو تجوّز کہتے ہیں۔ یہ مسطح یتیم تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی پرورش میں تھے۔ یہ بالکل مفلس آدمی تھے اور ان کے اخراجات حضرت صدیق اکبر ہی پورے کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم دونوں یعنی وہ اور ام مسطح اس مقام پر جا رہے تھے جہاں عورتیں قضائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ گھروں میں بیت الخلاء بنانے شروع نہیں کئے گئے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ازواج کو جب قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تو وہ رات کے وقت منصع کے مقام پر جایا کرتی تھیں جو کشادہ جگہ تھی۔

بہتان کی اچانک اطلاع اور شدید رد عمل...... چنانچہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہو گئے اور میں چلنے لگی تو ام مسطح اپنے پاجامے میں الجھ گئیں انہوں نے ایک دم کہا مسطح یعنی ان کے بیٹے کا ناس ہو۔ لفظ مسطح اصل میں خیمہ کے بانس کو کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ میں نے کہا بری بات ہے تم ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہو جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ ام مسطح نے کہا لڑکی کیا تمہیں معلوم نہیں مسطح کیا کیا کہتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے مجھے تہمت تراشوں کی باتیں بتلائیں یہ سن کر میرا مرض لوٹ آیا اور میں پھر بیمار ہو گئی اور مرض اور زیادہ بڑھ گیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی۔

مرض کا اعادہ...... ایک روایت میں حضرت عائشہؓ یوں بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں ایک ضرورت سے نکلی میرے ساتھ مسطح بھی تھیں۔ میں ایک لوٹا لئے ہوئے تھی جس میں پانی بھرا تھا۔ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور لوٹے سے کچھ پانی گر گیا۔ ام مسطح نے کہا مسطح کا ناس ہو۔ میں نے کہا کیا تم اپنے بیٹے کو کوس رہی ہو۔ اس پر وہ خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد اتفاق سے مجھے پھر ٹھوکر لگی۔ ام مسطح نے پھر کہا کہ مسطح کا ناس ہو۔ میں نے پھر کہا کہ کیا تم اپنے بیٹے کو کوس رہی ہو۔ اس کے بعد مجھے پھر تیسری بار ٹھوکر لگی۔ ام مسطح نے پھر وہی لفظ کہے اور میں نے پھر انہیں ٹوکا تو وہ کہنے لگیں کہ خدا کی قسم میں اسے تمہاری ہی وجہ سے کوس رہی ہوں۔ میں نے کہا میری وجہ سے کیوں۔ تو اس وقت انہوں نے ساری بات میرے سامنے کھولی۔ میں نے کہا کیا واقعی یہ سب ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں!"

مجھے اسی وقت لرزہ سے بخار چڑھ آیا اور میں گھر لوٹ آئی۔ گھر پہنچنے کے بعد مجھے پوری رات (بے قراری میں) گزر گئی کہ نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ آنکھوں میں نیند کا پتہ تھا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میں برابر روتی رہی۔ اسی وقت رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے سلام کے بعد پوچھا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں؟!

ام المومنین اپنے میکہ میں...... میں چاہتی تھی کہ اپنے والدین سے اس خبر کی تصدیق کر لوں۔

(ی) کیونکہ جب حضرت عائشہؓ کو کچھ آرام ہو گیا تھا تو ان کی والدہ بیٹی کے پاس سے واپس اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ لہٰذا اب یہ بات حضرت عائشہؓ کے اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں انہوں نے کہا تھا کہ میری والدہ میرے ہی پاس (یعنی رسول اللہ ﷺ کے یہاں) میری تیمارداری کیلئے ٹھہری ہوئی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے میکہ جانے کی اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی۔ آنحضرت ﷺ نے میرے ساتھ غلام کو بھیج دیا تھا۔ میں جب اپنے گھر پہنچی تو اس وقت ام رومان یعنی میری والدہ مکان کے نچلے حصہ میں تھیں اور ابو بکر بالائی حصے میں تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ نے مجھے اچانک دیکھ کر پوچھا تم کیسے آگئیں تو میں نے ان کو پورا واقعہ بتلایا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عائشہؓ بیماری سے اچھی ہونے کے بعد اور ام مسطح سے تہمت تراشی کا واقعہ سننے کے بعد اپنے میکے گئی تھیں۔ مگر سیرت ابن ہشام میں جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پہلے ہی اپنے میکے آچکی تھیں۔ اور یہ کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی میرے پاس آتے تو صرف اتنا پوچھتے کہ کیا حال ہے اس کے سوا کچھ نہ فرماتے یہاں تک کہ آپ کے اس طرز عمل سے میرے دل کو تکلیف ہونے لگی۔

آخر ایک روز جب میں نے آپ کی یہ بے اعتنائی دیکھی تو آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت دے دیں۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے والدین کے گھر آگئی جہاں میری والدہ میری تیمار داری کرنے لگیں جبکہ مجھے اس وقت تک کچھ پتہ نہیں تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔

چنانچہ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ جو ابو بکرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں قضاء حاجت کیلئے چلی کہ اچانک ام مسطح اپنے ازار میں الجھیں اور انہیں ٹھوکر لگی اور انہوں نے کہا۔ مسطح کا ناس ہو۔ میں نے کہا خدا کی قسم بہت بری بات ہے کہ تم ایک ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو مہاجروں میں سے ہے اور غزوہ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔

انہوں نے کہا اے بنت ابو بکر! کیا تمہارے کانوں تک کوئی بات نہیں پہنچی۔ میں نے کہا کیسی خبر تو انہوں نے مجھے سارا واقعہ بتلایا کہ تہمت تراش کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا کیا واقعی؟ انہوں نے کہا ہاں خدا کی قسم یہی چرچا ہے۔ یہ سنتے ہی خدا کی قسم میں قضاء حاجت کو بھی نہیں گئی بلکہ وہیں سے لوٹ گئی اور اس کے بعد خدا کی قسم میں اتنا روئی کہ معلوم ہوتا تھا میرا جگر پھٹ جائے گا۔ یہ روایت ابن ہشام سے نقل کی گئی ہے اور گزشتہ روایت اس کے علاوہ ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ قابل غور ہے اور اگر ان دونوں کو صحیح مانا جائے تو ان کے درمیان موافقت قابل غور ہے۔

<u>والدہ سے تذکرہ اور ان کی فہمائش</u>...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ خدا آپ کو معاف فرمائے۔ لوگ کیا کیا کہہ رہے ہیں مگر آپ نے مجھ سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے والدہ سے کہا۔ ماں۔ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک روایت میں یہی بات دوسرے الفاظ میں ہے۔

تو انہوں نے کہا۔ بیٹی رنج نہ کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اپنے آپ کو سنبھالو دنیا کا دستور یہی ہے کہ جب کوئی خوبصورت اور خوب سیرت عورت ایسی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے دل میں بھی گھر کئے ہوئے ہو اور اس کی سوکنیں (مراد جلنے اور حسد کرنے والی عورتیں) بھی ہوں تو وہ ہمیشہ اس کے درپے آزار رہتی ہیں یعنی اس کی عیب جوئی کیا کرتی ہیں۔"

<u>ازواج مطہرات اس طوفان سے علیحدہ رہیں</u>...... یہاں جس لفظ کا ترجمہ سوکن کیا گیا ہے وہ ضرائر ہے

جو ضرہ کی جمع ہے اس کے معنی سوکن کے ہیں۔ اب یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی سوکنیں آنحضرت ﷺ کی دوسری ازواج یعنی امہات المومنین تھیں مگر ان میں سے کسی نے بھی اس مسئلے پر لب کشائی نہیں کی تھی اور نہ حضرت عائشہؓ کے متعلق کچھ کہا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کی والدہ نے سوچا ہو کہ چونکہ عام عادت یہی ہے کہ سوکنیں شوہر کے نزدیک مقبول بیوی کے خلاف طرح طرح کی باتیں کیا ہی کرتی ہیں (اس لئے ان ہی نے خدانخواستہ یہ باتیں کہی ہوں گی) للذا ام رومان نے یہ کہہ دیا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے کہا خدا کی پناہ تو لوگ ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کیا میرے والد کو بھی ان باتوں کا علم ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! مجھے اس بات سے سخت تکلیف پہنچی اور میں پھر رونے لگی۔ میرے رونے کی آواز ابو بکرؓ نے سنی تو وہ فوراً نیچے اتر کر آئے اور میری والدہ سے پوچھنے لگے کہ اسے کیا ہوا انہوں نے بتایا کہ اس کے بارے میں لوگ جو افواہیں اڑا رہے ہیں وہ اس تک پہنچ گئی ہیں۔ یہ سن کر ابو بکرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت عائشہؓ کی بے قراری...... اس رات بھی میں صبح تک مسلسل روتی رہی نہ میرے آنسو خشک ہوئے اور نہ اس دوسری رات میں بھی میری پلک جھپکی۔ صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس آئے وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ میں اس وقت بھی رو رہی تھی میرے ساتھ میرے والدین بھی رو رہے تھے اور گھر کے دوسرے تمام لوگ بھی رو رہے تھے۔ اسی وقت ایک انصاری عورت میرے پاس آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اسے اندر بلا لیا وہ بھی بیٹھ کر میرے ساتھ رونے لگی۔ میں نے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے گھر میں جو بلی تھی وہ بھی بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے استفسار...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابھی ہم سب بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے آپ نے سلام کیا اور پھر بیٹھ گئے حالانکہ جب سے یہ باتیں شروع ہوئی تھیں آپ میرے پاس آکر بیٹھتے نہیں تھے (بلکہ کھڑے کھڑے مزاج پرسی کر کے واپس تشریف لے جاتے تھے) ادھر ان واقعات کو چلتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا مگر میرے سلسلے میں آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے بیٹھ کر کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"امابعد! عائشہ۔ مجھے تمہاری متعلق ایسی ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اب اگر تم ان تہمتوں سے بری اور پاک ہو تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری برات فرمادے گا لیکن اگر تم اس گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار اور اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

"عائشہؓ! لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے تم اللہ سے ڈرو۔ اگر تم نے کوئی برائی اور گناہ کیا ہے جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔!"

بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو گناہ کا اعتراف کرنے کی ہدایت دی ان کو چھپانے کا حکم نہیں دیا۔ (ی) حالانکہ ایسے میں مطلوب اور قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے گناہ کیا ہے وہ کسی کو اس

کی خبر نہ کرے (یعنی برائی کر کے اس کو کہتے پھرنا اور زیادہ برا ہے)

حضرت عائشہ کی حالت میں پرجوش تغیر...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے یعنی اس طرح رک گئے کہ ایک قطرہ بھی آنکھ میں محسوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا جواب دیجئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کہوں۔

پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ میں نہیں جانتی رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

میں نے اپنے والدین سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ تو انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کیا جواب دیں۔

بے لاگ جواب...... آخر میں نے کہا آپ سب نے یہ باتیں سنیں جو آپ کے دلوں میں بیٹھ گئیں (یعنی آپ سب کو ان باتوں پر یقین آگیا ہے) اب اگر میں یہ کہوں کہ میں ان الزامات سے بری ہوں۔ **اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ لوگ اس پر یقین نہیں کریں گے اور اگر میں ان الزامات کا اقرار کر لوں جبکہ میرا خدا جانتا ہے کہ میں ان سے بری ہوں تو آپ لوگ اس** ـــــــــــــــــــــــ کا یقین کر لیں گے اس لئے اب خدا کی قسم آپ کے اور اپنے لئے میں وہی مثل پیش کر سکتی ہوں جو یوسفؑ کے والد کا قول ہے۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ الآیہ پ ۱۲ سورہ یوسف ع ۲ آیت ۱۸

ترجمہ: سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہو گا اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے حضرت یعقوبؑ کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر باوجود کوشش کے نام یاد نہ آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ قرآن حکیم پ ۱۳ سورہ یوسف ع ۱۰ آیت ۸۶

ترجمہ: میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ کی تمنا...... اس حدیث سے یہ دلیل اور مسئلہ نکالا گیا ہے کہ قرآن کریم کی آیت سے مثال دینا جائز ہے۔

غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں اٹھی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حق تعالیٰ میرے معاملے میں بھی قرآن پاک نازل فرمائے گا جس کی تلاوت ہوا کرے گی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ

جس کو مسجد میں اور نمازوں میں پڑھا جایا کرے گا۔ کیونکہ میرے نزدیک میری حیثیت اس بات سے کہیں زیادہ کمتر تھی کہ میرے کسی معاملے میں وحی نازل ہو اور اس کی تلاوت ہوا کرے البتہ میں تمنا ضرور کرتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ میرے **متعلق** کوئی خواب دیکھ لیں جس کے ذریعہ حق تعالیٰ مجھے بری فرمادے۔

صدیق اکبر کا تاثر اور حزن و ملال...... اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں عرب کے کسی گھرانے پر ایسی افتاد نہیں پڑی ہو گی جیسی مجھ پر پڑی ہے خدا کی قسم جاہلیت کے زمانے میں بھی ہمارے **متعلق**

ایسی بات نہیں کہی گئی جبکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جیسی اب اسلام کے زمانے میں کہی جارہی ہے۔ اس کے بعد وہ غصہ میں حضرت عائشہؓ کی طرف مڑے۔

نزولِ وحی کے آثار...... اسی وقت دیکھا تو آنحضرت ﷺ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو وحی کے نزول کے وقت ہوا کرتی تھی یعنی ایک تنگی اور تکلیف کے سے آثار ظاہر ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو فوراً کپڑا اڑھادیا اور آپ کے سر کے نیچے ایک چمڑے کا تکیہ رکھ دیا۔

آثار وحی پر حضرت عائشہؓ کا اطمینان...... ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ہیں کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ پر وحی کے آثار دیکھے تو خدا کی قسم مجھے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی کیونکہ میں جانتی تھی کہ میں بری ہوں اور حق تعالیٰ ظالم اور بے انصاف نہیں ہے۔ مگر جہاں تک میرے والدین کا تعلق ہے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ پر سے وہ کیفیت ختم نہیں ہو گئی اور آپ نے وحی کی اطلاع نہیں دے دی۔ اس وقت ان کی یہ حالت تھی کہ میں سمجھتی تھی اس خوف سے ان کی جانیں نکل جائیں گی کہ اللہ تعالیٰ اب ان باتوں کا کھرا کھوٹا ظاہر فرمادے گا جو لوگ کہہ رہے ہیں۔

ام المومنین کو نبی ﷺ کی طرف سے خوشخبری...... آخر آنحضرت ﷺ پر سے وحی کی کیفیت اور آثار ختم ہوئے تو آپ ہنس رہے تھے اور آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے موتی ہوں یا چاندی کے دانے ہوں۔ آپ اپنے چہرے مبارک سے پسینے کے قطرے پونچھنے لگے۔ اس وقت آپ نے جو پہلا جملہ ارشاد فرمایا وہ یہ تھا۔

"عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بری کر دیا ہے۔!"

نازشِ عفّت...... جبھی میری والدہ نے مجھ سے کہا کہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم نہ میں اٹھوں گی اور نہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کا شکریہ ادا کروں گی۔

ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کے یہ لفظ ہیں کہ۔

"عائشہ! خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت اور صفائی میں وحی نازل فرمائی ہے۔"

میں نے کہا کہ ہم اللہ کا شکریہ ادا کریں گے اور کسی کا شکریہ نہیں ادا کریں گے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے میرا کپڑا پکڑ کر کھینچا تو میں نے اپنے ہاتھ سے ایک طرف کر دیا یعنی آپ کا ہاتھ اپنے کپڑے سے ہٹانے لگی۔ ابو بکر نے یہ دیکھ کر مجھے مارنے کے لئے اپنا جوتا اٹھایا۔ میں ان کو روکنے لگی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ہنسنے لگے اور ابو بکرؓ سے بولے کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں یہ مت کرو۔

عظیم باپ اور عظیم بیٹی...... ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت میں آیات نازل فرمادیں تو حضرت ابو بکرؓ اٹھ کر بیٹی کے پاس گئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ نے پہلے ہی میری بات کو کیوں نہیں مانا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔

"بیٹی! کون سی زمین مجھے پناہ دیتی اگر میں وہ بات کہتا جو مجھے معلوم نہیں تھی!"

آیات برأت...... اس روایت اور گذشتہ روایت میں کوئی مخالفت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے جو پہلی روایت ہے

وہ بعد کی رہی ہو۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے جو آیتیں نازل فرمائیں وہ یہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ. لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ. بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ. لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ. فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ. تا. وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

~~۱۱ تا ۲۰~~

الآیات پارہ ۱۸ سورہ نور ع ۲

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہؓ کی نسبت) برپا کیا ہے اے مسلمانو! وہ تمہارے میں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے تم اس طوفان بندی کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ باعتبار انجام کے تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کہا تھا گناہ ہوا۔ اور ان میں جس نے اس طوفان میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہو گی۔ (آگے ان قاذفین مومنین کو ناصحانہ ملامت ہے) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ گمان نیک کیوں نہ کیا اور زبان سے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے (آگے اس حسن ظن کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ) یہ قاذف لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ سو جس صورت میں یہ لوگ قاعدہ کے موافق گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہو تا دنیا میں اور آخرت میں تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہو تا جبکہ تم اس جھوٹ کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو کسی دلیل سے مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات یعنی غیر موجب گناہ سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات ہے۔ اور تم نے جب اس بات کو اول سنا تھا تو یوں کیونکہ نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا بڑا حکمت والا ہے جو لوگ ان آیات کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں سزا اور دناک مقرر ہے اور اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اے تائبین اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے تم کو توبہ کی توفیق دی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے تو تم بھی وعید سے نہ بچتے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت میں دس آیتیں نازل فرمائیں مگر تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اٹھارہ آیتیں ہیں۔

علامہ سہیلیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی متعلق برأت کا نزول مسلمانوں کے غزوہ بنی مریسیع سے مدینے واپس آنے کے سینتیس دن بعد ہوا جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے۔

حضرت عائشہ پر تہمت تراشی کے متعلق مسئلہ...... اب جو لوگ حضرت عائشہؓ کی طرف زنا کو منسوب کرتے ہیں وہ کافر ہوں گے کیونکہ اس طرح نص اور آیات قرآنی کو جھٹلانا اور ان سے انکار ثابت ہو گا اور آیات قرآنی کو جھٹلانے والا کافر ہوتا ہے۔

خواب میں الفاظ دعا کی تعلیم...... کتاب حیات الحیوان میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ جب لوگ تہمت تراشیاں کر رہے تھے تو میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا جس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات

ہے۔ میں نے کہا کہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اس کی وجہ سے غمگین ہوں۔ اس نے کہا کہ ان کلمات کے ساتھ دعا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانی دور فرمائے گا میں نے کہا وہ دعا کیا ہے۔ تو اس نے کہا یوں دعا کرو۔

یا سابغ النعم ویا دافع النقم ویا فارج الغمم ویا کاشف الظلم ویا اعدل من حکم ویا حسیب من ظلم ویا اول بلا بدایۃ ویا آخر بلا نہایۃ اجعل لی من امری فرجا و مخرجا

ترجمہ: اے نعمتوں کی تکمیل کرنے والے اور اے غموں کو دور کرنے والے، پریشانیوں کو دور کرنے والے، مصیبتوں کے اندھیروں سے نکالنے والے، فیصلوں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے اور ظالم سے بدلہ لینے والے اور اے اول اور اے آخر۔ میری اس پریشانی کو دور فرما دے اور میرے لئے گلو خلاصی کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔

چار لوگوں کی چار براتیں...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے کہا بہت اچھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے سکون یعنی برأت نازل فرما دی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ چار لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کے ذریعہ بری فرمادیا۔ حضرت یوسفؑ کو زلیخا کے گھر والوں میں سے ایک گواہ اور شاہد کے ذریعہ بری فرمایا۔ موسیٰؑ کو ان کے متعلق یہودیوں کے اس قول سے بری فرمایا کہ ان کے اعضاء مردانہ میں نقص اور عیب ہے چنانچہ وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر فرار ہوا جس پر کپڑے رکھے تھے۔ حضرت مریم کو ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰؑ کے جھولنے میں کلام کے ذریعہ بری فرمایا اور حضرت عائشہؓ کو ان کے متعلق ان آیات کے ذریعہ بری فرمایا۔

مسطح کے خلاف ابو بکر کی کارروائی...... پیچھے مسطح کا ذکر گزرا ہے جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قریبی عزیز تھے اور اس رشتہ داری کی وجہ سے ہی صدیق اکبر نے ان کے اخراجات اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ پھر یہ کہ مسطح بالکل مفلس اور نادار تھے (اس لئے بھی صدیق اکبر ان کی خبر گیری کرتے تھے مگر اس موقعہ پر مسطح نے بھی حضرت عائشہؓ پر تہمت طرازی میں حصہ لیا۔)

ابو بکر کا حلف...... حضرت ابو بکرؓ نے بیٹی کی برأت نازل ہونے کے بعد حلف کیا کہ آئندہ وہ مسطح پر اپنا کوئی پیسہ خرچ نہیں کریں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت یہ کہا۔

"خدا کی قسم آئندہ کبھی بھی مسطح پر اپنا مال خرچ نہیں کروں گا اس نے عائشہ کے خلاف جو بہتان باندھا اور ہماری آبرو کے درپے ہوا اس کی وجہ سے آئندہ میری ذات سے اسے کبھی کوئی نفع نہیں پہنچے گا۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مسطح کو اپنے گھر سے بھی نکال دیا اور ان سے کہا کہ آئندہ میں کبھی ایک درہم سے بھی تیری خبر گیری نہیں کروں گا اور نہ کبھی تیرے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ کروں گا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ الآیہ پ ۱۸ سورہ نور ع ۳ آیت ۲۲

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ یہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کر دے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

قسم کا کفارہ اور مسطح کی امداد...... اسی وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمادے حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم میں یقیناً چاہتا ہوں کہ میری مغفرت ہو ۔ پھر وہ مسطح کے پاس گئے اور ان کے جو اخراجات بند کر دیئے تھے وہ پھر جاری کر دیئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم آئندہ میں کبھی مسطح کا خرچہ بند نہیں کروں گا۔

کتاب معجم طبرانی کبیر اور نسائی میں ہے کہ اس تہمت سے پہلے حضرت ابو بکرؓ مسطح کو جو اخراجات اور نفقہ دیا کرتے تھے اس کے بعد انہوں نے اس کا دوگنا کر دیا یعنی جتنا پہلے دیتے تھے اس آیت کے بعد اس سے دوگنا دینے لگے۔ ساتھ ہی چونکہ حضرت ابو بکرؓ نفقہ بند کرنے پر قسم کھا چکے تھے اس لئے انہوں نے قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

ایک مسئلہ...... صحیح بخاری میں بھی آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے اور اس کے بعد اس سے بہتر دوسرا کام نظر آئے جس میں زیادہ خیر ہو تو وہ یہ دوسرا کام کر سکتا ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے

ان دونوں روایتوں کی روشنی میں ہمارے یعنی شافعی فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس شخص نے کسی جائز کام کے نہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ اپنی قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے۔

ایک دلچسپ واقعہ...... یہاں ایک لطیفہ بھی ہے کہ ابن مقری کے بیٹے نے کوئی ایسی حرکت کی جس کی بنا پر سرزنش اور تادیب کے طور پر ابن مقری نے اس کا خرچہ بند کر دیا۔ اس پر ابن مقری کے بیٹے نے اپنے باپ کو یہ شعر لکھ کر بھیجے۔

لاتقطعن عادة بر ولا
تجعلن عقاب المرء فی رزقه

ترجمہ: نیکی کی عادت مت چھوڑو اور کسی کا رزق بند کر کے اس کو سزا نہ دو۔

فان امر الافك من مسطح
يحط قدر النجم من افقه

ترجمہ: دیکھو مسطح کی تہمت تراشی ایسی خوفناک تھی کہ آسمان کے تارے ٹوٹ جاتے۔

وقد جرى منه الذى قدجرى
وعو تب الصديق فى حقه

ترجمہ: اور جو کچھ مسطح نے کیا وہ سب کچھ معلوم ہی ہے لیکن اس کے باوجود جب صدیق اکبرؓ نے ان کا وظیفہ بند کرنا چاہا تو ان سے اس پر بھی مواخذہ فرمایا گیا۔

اس کے جواب میں ان کے والد نے ان کو یہ شعر لکھ کر بھیجے

قديمنع المضطر سمن ميتة
اذا عصى بالسير فى طرقه
لانه يقوى على توبة

ترجمہ: کبھی بھوک سے بیتاب شخص کو بھی مردار کھانے سے روک دیا جاتا ہے جبکہ اس کا سفر گناہ کا سفر ہو کیونکہ اس موقعہ پر رزق کی پابندی سے اسے توبہ کی توفیق ہو گی۔

تکون ایصا لا الی رزقه
لولم یتب مسطح من ذنبه
ماعوتب الصدیق فی حقه

ترجمہ: پھر اس توبہ سے اس کا رزق جاری ہو گا۔ اگر مسطحؓ گناہوں سے توبہ نہ کرتے تو صدیق اکبرؓ کو ان کے بارے میں تنبیہ نہ کی جاتی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عالی اوصاف...... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر ﷺ کو بڑے بلند اوصاف اور خوبیوں کا مالک بنایا تھا جو آنحضرت ﷺ کے عالی اوصاف اور بلند خصائل سے موافقت رکھتی تھیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ فوراً اپنی جگہ سے سرکے اور حضرت علیؓ کو اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بٹھالیا۔ یہ دیکھ کر خوشی و مسرت سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کہ بزرگوں کی بزرگی کو بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں۔

تہمت کے متعلق نبی ﷺ کا صحابہ سے مشورہ...... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب تہمت طرازیوں کا سلسلہ چل رہا تھا اور کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی وحی نازل نہیں ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلے میں کچھ صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ عائشہؓ سے آپ کی شادی کس نے کی تھی (یعنی کس نے یہ جوڑی قائم فرمائی تھی) آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ پھر کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ان کی حقیقت کی پردہ پوشی کی ہو گی (یعنی اگر وہ ایسی ہوتیں خدانخواستہ۔ تو اللہ تعالیٰ ان کو آپ کے لئے منتخب نہ فرماتا) پاک ہے وہ ذات اور حقیقت میں یہ زبردست، بہتان اور جھوٹی تہمت ہے۔ اس کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

حضرت علیؓ کی رائے...... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور اسامہ ابن زیدؓ کو بلایا تاکہ آپ اپنی بیوی یعنی مجھے علیحدہ کرنے نہ کرنے کے بارے میں مشورہ فرمائیں جہاں تک حضرت اسامہؓ کا تعلق ہے انہوں نے تو یہ کہا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ آپ کی بیوی ہیں آپ ان کو ہرگز علیحدہ نہ فرمائیں ان میں ہم نے ہمیشہ خیر اور بھلائی ہی دیکھی ہے۔

مگر حضرت علیؓ نے اس پر مشورہ دیتے ہوئے یہ کہا۔

"یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی کمی نہیں کی ہے عائشہ کے علاوہ اور بہت سی عورتیں موجود ہیں آپ کسی اور سے ان کی جگہ پُر کر سکتے ہیں۔!"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

"آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے آپ ان کو طلاق دے کر کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیں (جہاں تک تحقیق حال کا تعلق ہے تو) اگر آپ اس باندی یعنی بریدہ سے پوچھیں تو وہ آپ کو صحیح بات بتلائے گی۔!"

بریرہ سے پوچھ گچھ...... حضرت علیؓ نے حضرت بریرہ کا نام اس لئے لیا کہ حضرت بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی

خادمہ رہ چکی تھیں۔یا تووہ خریداری سے پہلے ان کی خادمہ تھیں یا خریداری کے بعد فتح مکہ کے بعد ان کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ اس رائے کے مطابق آنحضرت ﷺ نے حضرت بریرہ کو بلایا اور فرمایا کہ اے بریرہ ! کیا تم نے (عائشہ) کے متعلق کوئی ایسی بات کبھی دیکھی جس سے تم کو شک ہوا ہو۔ بریرہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ میں نے کبھی ان کی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس سے ان کا کوئی عیب اور برائی ظاہر ہوتی ہو سوائے اس کے کہ وہ ابھی بہت کم عمر لڑکی ہیں اور گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بکری آکر اسے کھا جاتی ہے (یعنی وہ تو اس قدر سیدھی سادھی ہیں کہ ان کو آٹے دال کا بھی پتہ نہیں۔وہ ان چالاکیوں اور برائیوں کو کیا جانیں)

بریرہ پر سختی اور ان کی بے لاگ رائے...... یہاں جس لفظ کا ترجمہ بکری کیا گیا ہے وہ لفظ داجن ہے۔ داج کسی بھی پالتو جانور کو کہا جاتا ہے جو گھروں ہی میں رہتا ہے چراگاہ وغیرہ میں نہیں جاتا یہاں اس سے مراد بکری ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ !

آنحضرت ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور ان سے وہی سوال کیا (جو پیچھے ذکر ہوا) اسی وقت حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور وہ بریرہ کو پکڑ کر بری طرح مارنے لگے۔ ساتھ ہی وہ بریرہ سے کہتے جاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے سچی سچی بات بتلاؤ مگر بریرہ جواب میں یہی کہتی رہیں کہ خدا کی قسم میں نے ان میں سوائے خیر اور بھلائی کے کچھ نہیں دیکھا۔ میں عائشہ پر سوائے اس کے اور کوئی الزام نہیں لگا سکتی کہ میں اپنا آٹا گوندھ کر ان سے کہہ جایا کرتی کہ اسے اٹھا کر حفاظت سے رکھ دو مگر وہ سو جاتیں اور بکری آکر سارا آٹا کھا جاتی۔

اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو مارا۔ جیسا کہ علامہ سہیلی نے کہا ہے۔ جبکہ بریرہ نے کوئی جرم نہیں کیا اور وہ پٹنے کی مستحق نہیں تھیں نہ ہی حضرت علیؓ نے ان کو مارنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے بریرہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اصل بات کو چھپا کر اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کر رہی تھیں جب کہ اس کو چھپانے کی ان میں طاقت نہیں تھی۔ یہاں تک علامہ سہیلی کا کلام ہے۔

بخاری میں یوں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے بریرہ سے تحقیق کی تو ایک صحابی نے بریرہ کو ڈانٹا اور کہا کہ اللہ کے رسول سے سچ سچ بات بتلاؤ۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ ! خدا کی قسم میں ان کے بارے میں وہی جانتی ہوں جو ایک کاریگر اپنی سونے کی تبر کے بارے میں جانتا ہے (یعنی جیسا کہ سونے کی تبر بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی تبر کے بارے میں پورے یقین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خالص سونے کی ہے اسی طرح مجھے ان کے بارے میں پورے یقین سے معلوم ہے کہ وہ پاکدامن اور عصمت و عفت مآب ہیں)

کتاب امتاع میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بریرہ کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ان سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں پوچھا تو بریرہ نے کہا کہ وہ یعنی عائشہ صدیقہؓ سونے کے کھرے پن سے زیادہ کھری اور پاک صاف ہیں۔ خدا کی قسم میں نے ان میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ اگر وہ ایسی ویسی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کو بتلا دیتا۔

بریرہؓ سے ایک روایت...... جہاں تک حضرت بریرہ کا تعلق ہے تو عبدالملک ابن مروان نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا کہ عبدالملک نے کہا کہ خلافت حاصل ہونے سے پہلے میں مدینے میں حضرت بریرہؓ

کے پاس جاکر بیٹھا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ عبدالملک مجھے تم میں کچھ خصوصیات نظر آتی ہیں۔ تم اپنے اخلاق کے لحاظ سے اس قابل ہو کہ مسند خلافت تم کو ملے۔ اس لئے اگر واقعی خلافت تم کو مل جائے تو خون ریزی سے اپنا دامن بچانا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص بغیر حق کے یعنی ظلم کے ذریعہ کسی مسلمان کا خون بہائے گا تو اس کو جنت کے دروازے تک لے جاکر اور دور سے ہی جنت کا نظارہ کرا کے واپس دھکیل دیا جائے گا۔

ام المومنین زینبؓ کی رائے...... حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین حضرت زینب بن جحش سے بھی پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں عائشہ کے متعلق کچھ معلوم ہو یا تم نے کوئی بات دیکھی ہو تو بتلاؤ۔

حضرت زینب نے عرض کیا میرے کان بہرے ہو جائیں اگر میں یوں کہہ دوں کہ میں نے سنا ہے جبکہ حقیقت میں، میں نے کچھ نہیں سنا اور میری آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں یوں کہہ دوں کہ میں نے دیکھا ہے حالانکہ حقیقت میں، میں نے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ مجھے ان میں سوائے خیر اور بھلائی کے کبھی کچھ نظر نہیں آیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ!

"بخدا میرے کان آنکھ جاتے رہیں (اگر میں نے کچھ سنا یا دیکھا ہو) میں نے ان میں خیر ہی خیر دیکھی ہے۔ خدا کی قسم میں ان کے لئے حاضر و غائب کوئی غلط بات نہیں کہوں گی۔ اور جب کہوں گی صرف حق بات ہی کہوں گی۔"

حضرت زینبؓ..... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج میں حضرت زینبؓ ہی وہ ہستی تھیں جو آنحضرت ﷺ کے نزدیک محبت و الفت میں میرا مقابلہ کرتی تھیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے باوجود محفوظ رکھا۔ اسی لئے کتاب نور میں ان کو حضرت عائشہ و حضرت خدیجہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی ازواج میں سب سے افضل خاتون قرار دیا گیا ہے۔

کتاب نور میں ہے کہ یہی بات ہے جو اس کو ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج میں حضرت عائشہ و حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے افضل خاتون حضرت زینب بنت جحش ہیں (یعنی آنحضرت ﷺ کے دل میں اپنی محبت و منزلت کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ کے ہم پلہ وہی تھیں یعنی ایسی صورت میں سوکن کا رشتہ بہت زیادہ اُبھرنا چاہئے مگر اس کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے ان کے جو الفاظ ہیں وہ حضرت زینبؓ کی عظمت اور انسانی رفعت کو ظاہر کرتے ہیں)

حضرت عائشہؓ ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں نے دین کے لحاظ سے زیادہ باخبر اللہ سے ڈرنے والی، سچ بات بولنے والی، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والی، صدقات دینے والی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو مارنے والی زینب بنت جحش سے بڑھ کر کوئی دوسری عورت نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ وہ مزاج کی تیز تھیں اور بڑی جلدی انہیں غصہ آجاتا تھا مگر اتنی ہی تیزی سے ان کا غصہ ختم بھی ہو جاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ اور ابن ابی کی طرف اشارہ...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب وحی کے آنے میں تاخیر ہوئی اور لوگ منتظر تھے تو ایک دن آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا پہلے آپ نے حق تعالیٰ جل شانہٗ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا۔

"لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ مجھے میری اہل یعنی بیوی کے متعلق تکلیف پہنچاتے ہیں اور میرے اہل کے

متعلق خلاف حق بات کہتے ہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ!

آنحضرت ﷺ نے ابن ابی کی اس حرکت پر اس کی طرف اشارہ فرمایا چنانچہ آپ ﷺ نے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

”کون ہے جو اس شخص کے مقابلے میں میری مدد کرے جس نے مجھے میرے اہل کے متعلق ایذا اور تکلیف پہنچائی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنے گھر والوں میں سوائے خیر کے کبھی کچھ نہیں دیکھا۔ لوگ اس سلسلے میں ایک شخص یعنی صفوان سلمی کا نام لیتے ہیں مگر میں نے اس میں سوائے خیر کے کوئی بات نہیں دیکھی۔“

ایک روایت میں ہے کہ ”حالانکہ وہ شخص کبھی ایسے وقت میرے گھر بھی نہیں آتا۔“

ایک روایت میں ہے کہ۔ وہ شخص میرے حجروں میں سے کسی حجرے میں کبھی ایسے وقت نہیں آتا جب میں موجود نہ ہوں اور میں جب کبھی سفر میں جاتا ہوں تو وہ بھی ہمیشہ میرے ساتھ سفر میں ہوتا ہے لوگ اس کے متعلق خلاف حق باتیں کہہ رہے ہیں۔!“

سعد ابن معاذ کی پر جوش پیشکش...... یہ سن کر حضرت سعد ابن معاذؓ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شخص سے آپ کو چھٹکارہ دلاؤں گا (جو ایسے بہتان اٹھا رہا ہے) اگر وہ قبیلہ اوس میں کا شخص ہے تو بھی میں اس کی گردن ماردوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو بھی آپ اس کے متعلق ہمیں حکم دیں ہم اس حکم کی تعمیل کریں گے۔

سعد ابن عبادہ کا غصہ اور جواب...... حضرت سعد ابن معاذؓ سے یہ سن کر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد ابن عبادہ کھڑے ہوگئے انہیں سعد ابن معاذؓ کی بات پر غیرت آئی (کہ ابن معاذؓ اوس کے سردار ہو کر خزرج کے آدمیوں کے متعلق ایسی بات کہہ رہے ہیں)

ایک روایت میں ہے کہ!

انہیں زمانہ جاہلیت کی سی حمیت اور غیرت نے آدبایا جبکہ وہ ہمیشہ ہی ایک صالح اور نیک مسلمان رہے۔ مگر چونکہ حضرت سعد ابن معاذؓ نے ان کی قوم خزرج کا نام لے دیا تھا اس لئے سعد ابن عبادہ کو غصہ آ گیا اور اپنی قوم کی غیرت میں انہوں نے جاہلیت کی سی بات کہدی۔ انہوں نے غصہ میں کھڑے ہو کر سعد ابن معاذؓ سے کہا کہ خدا کی قسم تم جھوٹے ہو تم کسی خزرج کے آدمی کو قتل نہیں کر سکتے تم میں اس کی ہمت ہی نہیں ہے۔

اُسید حضرت سعدؓ کی حمایت میں !...... اسی وقت حضرت اسید ابن حضیرؓ کھڑے ہوئے جو حضرت سعد ابن معاذؓ کے چچازاد بھائی تھے جیسا کہ بیان ہوا۔ اور انہوں نے سعد ابن عبادہ کو مخاطب کر کے کہا کہ خدا کی قسم تو خود جھوٹا ہے ہم یقیناً ایسے خزرجی کو بھی قتل کر دیں گے اور تو ذلیل ہوگا کیونکہ تو منافق ہے اور منافقوں کی طرف سے لڑ رہا ہے۔ یہاں ان کو منافق کہنے سے مراد یہ ہے کہ تم منافقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ چنانچہ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت اسید ابن حضیرؓ کا یہ جملہ سن لینے کے باوجود ان کو اس سے منع نہیں کیا۔

اوس و خزرج میں تصادم کا خطرہ...... غرض اس تکرار کے بعد اوس و خزرج کے دونوں قبیلے غضبناک ہو گئے یہاں تک کہ دونوں قبیلے لڑ جانے پر تل گئے کیونکہ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کے درمیان سخت دشمنی اور نفرت تھی جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ غرض اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ ممبر پر کھڑے

ہوئے تھے یہ دونوں قبیلے لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ دونوں کو سمجھاتے اور منع کرتے رہے یہاں تک کہ سب لوگ خاموش ہوگئے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہاں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور مجھے معلوم نہیں تھا۔

غلط فہمی پر ایک نظر...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ ابن معاذ نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے اہل کے خلاف بہتان اٹھانے والا شخص اگر قبیلہ خزرج میں سے ہے تو ہم اسے قتل کر دیں گے بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ تب ہم آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں گے آپ جو بھی فرمائیں۔ لہٰذا اس پر سعد ابن عبادہ کا اتنا سخت رد عمل سمجھ میں نہیں آتا میں نے اس سلسلے میں ایک کتاب دیکھی جس میں ہے کہ میرے نزدیک بظاہر یہ بات ہے کہ سعد ابن عبادہ کا یہ شدید اور سخت رد عمل اپنی قوم کی حمیت اور غیرت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد سعد ابن معاذ کے اس دعوی کا انکار کرنا تھا کہ وہ اپنی قوم اوس کے ایسے شخص کو قتل کر دیں گے چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی چاہے وہ ظاہری طور پر مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ انکار اس لئے کیا کہ ایسے شخص کو جو اسلام کا اظہار کرتا ہو آنحضرت ﷺ قتل نہیں کرتے تھے (جیسے ابن ابی اور دوسرے منافقین تھے کہ حقیقت میں وہ لوگ منافق تھے مگر ظاہری طور پر چونکہ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے ان کو منافق سمجھنے اور جاننے کے باوجود آنحضرت ﷺ نے قتل نہیں کیا) تو گویا سعد ابن عبادہ کا مقصد اس جواب سے یہ تھا کہ ایسی بات مت کہو جو تم کر نہیں سکتے اور جسے کرنے کی تم میں طاقت ہی نہیں ہے کیونکہ ایسی بات کا حکم آنحضرت ﷺ تمہیں دیں گے ہی نہیں)

اب جہاں تک حضرت اسید ابن حضیر کے دخل دینے اور ابن معاذ کی حمایت میں بولنے کا تعلق ہے تو ان کا مقصد اس نازک وقت میں آنحضرت ﷺ کی حمایت اور مدد کرنا تھا جس میں آنحضرت ﷺ نے تہمت تراشوں کے مقابلے میں صحابہ کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔ اسید ابن حضیر کا سعد ابن عبادہ کو جھٹلانا اور ان کا انکار کرنا محض لفظی اور ظاہری انکار تھا اگرچہ وہ باطنی اور قلبی طور پر نیک اور مخلص تھے۔ ایسے کتنے ہی لفظ ہوتے ہیں کہ ظاہری طور پر ان کے ذریعہ بولنے والے کی مراد دوسرے کی تردید ہوتی ہے حالانکہ حقیقت میں وہ مخاطب کے لئے مخلص ہوتا ہے۔ یہاں تک ان کا حوالہ ہے۔

ابن عبادہ کے عار کا سبب...... ادھر میں نے سیرت ابن ہشام دیکھی جس میں ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب میں کھڑے ہونے اور بولنے والے حضرت اسید ابن حضیر تھے جنہوں نے یہ بات کہی تھی کہ یا رسول اللہ! اگر وہ تہمت طراز ہمارے قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ کی طرف سے ان لوگوں سے ہم نمٹ لیں گے اور اگر وہ لوگ ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہیں تو بھی آپ ہمیں حکم دیجئے کیونکہ خدا کی قسم وہ لوگ اسی لائق ہیں کہ ان کی گردن ماری جائے۔ اس پر سعد ابن عبادہ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم تو جھوٹا ہے بخدا تو ان کی گردن نہیں مار سکتا۔ قسم ہے خدا کی تو نے یہ بات صرف اسی لئے کہی ہے کہ تو سمجھتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں اگر ایسے لوگ تیرے قبیلہ اوس کے ہوتے تو ہرگز یہ بات نہ کہتا۔

(ی) انہوں نے یہ بات اس لئے کہی کہ عبداللہ ابن ابی جو اس تہمت تراشی کا بانی مبانی تھا اور اسی طرح حضرت حسان ابن ثابت جو اس میں شریک تھے دونوں قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ حسان ابن ثابت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اصحاب افک یعنی تہمت تراشوں میں سے تھے۔

بخاری میں یہ ہے کہ سعد ابن معاذ نے آنحضرت ﷺ کے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان تہمت تراشوں کی گردن ماردوں۔ اس پر ایک خزرجی شخص کھڑا ہوگیا حسان ابن ثابت کی ماں اس شخص کے خاندان میں سے یعنی قبیلۂ خزرج سے تھیں۔ اس نے ابن معاذ کو سخت جواب دیتے ہوئے کہا کہ تو جھوٹا ہے خدا کی قسم اگر وہ لوگ قبیلہ اوس کے ہوتے تو تو کبھی ان کی گردن مارنا پسند نہ کرتا۔ اس روایت کے بعد کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔

جہاں تک بخاری کا یہ قول ہے حسان کی ماں اس شخص کے خاندان سے تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسان خود قبیلہ خزرج میں سے نہیں تھے (بلکہ صرف ان کی ماں خزرجی تھیں) جبکہ یہ روایت گذشتہ روایت کے بھی خلاف ہے اور آنے والی اس روایت کے بھی خلاف ہے جس کے مطابق حسان قبیلۂ خزرج میں سے تھے۔ للہٰذا اب اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ حسان ابن ثابت کی ماں چونکہ خزرجی تھیں للہٰذا صرف اس نسبت کی وجہ سے ہی حسان کو بھی خزرجی کہہ دیا گیا۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے۔

گذشتہ روایت میں آنحضرت ﷺ کے خطبہ کے ساتھ ممبر کا ذکر بھی ہے کہ آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جبکہ کتاب اصل یعنی عیون الاثر کے مطابق ممبر کا استعمال ۸ھ میں شروع ہوا تھا اور تہمت تراشی کا واقعہ ۵ھ یا ۶ھ کا ہے۔

کتاب نور میں یہ ہے کہ یہاں ممبر سے مراد کوئی بھی اونچی چیز ہے ورنہ وہ کہتے ہیں کہ ممبر کا طریقہ ۸ھ میں اختیار کیا گیا تھا۔

(ی) للہٰذا اس ممبر سے جو ۲ھ میں اختیار کیا گیا مراد یہ ہے کہ وہ مٹی کا بنا ہوا تھا اور جو ممبر ۸ھ میں اختیار کیا گیا وہ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ ممبر کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو گذشتہ قسطوں میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

تہمت تراشوں کو شرعی سزا کا حکم...... پھر تہمت تراشوں کے سلسلے میں آیات نازل ہوئیں جو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ سے اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ تک ہیں۔ ان آیات افک کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے آپ نے خطبہ دیا اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور اس کے بعد آپ نے تہمت تراشوں پر شرعی سزا جاری کرنے یعنی ان کے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔

ان تہمت تراشوں میں ایک تو منافقوں کا سردار یعنی عبداللہ ابن ابی تھا اور مسلمانوں میں سے یہ لوگ تھے (ایک مسطح، دوسری حمنہ بنت جحش جو ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں، تیسرے ان کے بھائی عبیداللہ ابن جحش جن کو ابو احمد کہا جاتا تھا۔ یہ اندھے تھے مگر بغیر کسی سہارے یا ساتھی کے مکے کے بالائی و نشیبی حصوں میں جہاں چاہتے گھوما کرتے تھے۔ یہ شاعر تھے اور آنحضرت ﷺ کی پھوپی امیمہ بنت عبدالمطلب کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ جہاں تک ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش کا تعلق ہے تو وہ غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

کچھ علماء نے لکھا ہے (عبداللہ ابن ابی سمیت) پانچویں آدمی زید ابن رفاعہ تھے مگر ان کے نام میں یہ اشکال ہے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ یہ اس وقت مرچکے تھے جب مسلمان مدینے پہنچے۔ للہٰذا اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے وہ زید ابن رفاعہ کوئی دوسرے رہے ہوں للہٰذا یہ زید ابن رفاعہ وہی ہوسکتے ہیں۔

غرض آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے بعد کہا جاتا ہے کہ حسان ابن ثابت پر حد یعنی شرعی سزا جاری کی گئی جو اسی کوڑے ہے۔ ادھر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ گذشتہ روایت کے مطابق سعد ابن معاذؓ نے یہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں تہمت طراز کے مقابلے میں آپ کی مدد کروں گا۔ مگر یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ حقیقت میں یہ بات اسید ابن حضیر نے کہی تھی جیسا کہ سیرت ابن ہشام کے حوالے سے بیان ہوا۔

مگر کتاب اصل میں ہے کہ اگر اہل مغازی یعنی غزوات کے مؤرخین اس بات پر متفق ہوتے کہ غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ غزوہ بنی مصطلق سے پہلے ہوئے ہیں تو لازمی طور پر یہ وہم ہوگا مگر اہل مغازی میں اس بات پر اختلاف ہے۔

ابن عبادہ و ابن معاذ میں نبیؐ کے ذریعہ مصالحت...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: یعنی یہ وہم صرف اسی صورت میں لازم آتا ہے جب کہ اس غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ قریظہ کے بعد مانا جائے اور پھر کتاب اصل کی طرح اس موقعہ پر سعد ابن معاذ کا نام ذکر کیا جائے چنانچہ ابن اسحاق نے بنی مصطلق کو بنی قریظہ کے بعد مانتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی جو روایت بیان کی ہے اس میں سعد ابن معاذ کے نام کے بجائے اسید ابن حضیرؓ کا نام ذکر کیا ہے۔

کتاب امتاع نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس وہم کو کوئی انسان تسلیم نہیں کر سکتا۔ مگر اسی کتاب میں ایک روایت ہے جس کے مطابق غزوہ بنی مصطلق غزوہ بنی قریظہ سے پہلے ہوا تھا اور یہ کہ اسی بناء پر اس میں سعد ابن معاذ کا نام ذکر ہونا صرف وہم نہیں ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کے درمیان یہ شکر رنجی پیدا ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذ کا ہاتھ پکڑا اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کو لے کر حضرت سعد ابن عبادہ کے مکان پر گئے وہاں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد سعد ابن عبادہ نے تواضع کے طور پر کھانا لا کر رکھا جس میں سے سب نے کچھ کھایا پیا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ سب کے ساتھ واپس آگئے۔

پھر کچھ دن بعد ایک روز آپ نے سعد ابن عبادہ کا ہاتھ پکڑا اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کو سعد ابن معاذ کے مکان پر لے گئے وہاں کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں اس دوران میں سعد ابن معاذؓ نے تواضع کے طور پر کھانا لا کر پیش کیا جس میں سے سب نے کچھ کھایا پیا اور اس کے بعد واپس آگئے۔ اس طرح ان دونوں حضرات اور ان کے متعلقین کے درمیان جو رنجش پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی۔ روایت کے مطابق اس معاملے میں سعد ابن معاذ کا نام بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی آیا ہے واللہ اعلم۔

صفوان سلمی نامرد تھے...... کہا جاتا ہے کہ صفوان ابن معطل سلمی کے متعلق جن کی نسبت سے یہ بہتان تراشی ہوئی تھی بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ قوت مردانہ سے معذور تھے اور عورتوں کے پاس جانے کے قابل نہیں تھے یعنی ان کے مردانہ عضو نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ عنّین تھے (اس روایت میں صفوان کے لئے حصور کا لفظ استعمال ہوا ہے۔)

شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں حصور کے معنی عنّین یعنی نامرد کے ہیں۔ اسی بات کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت صفوان نے کبھی کسی عورت کی شرمگاہ دیکھی ہی نہیں تھی یعنی کھولی ہی نہیں تھی۔

حضرت یحییٰؑ کا یہی وصف...... حضرت یحییٰ ابن ذکریا کو بھی حصور کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی تفسیر میں ایک حدیث ہے کہ ایک دفعہ (جبکہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت یحییٰ کے متعلق پوچھا گیا تو) آنحضرت ﷺ نے جھک کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کہ یحییٰؑ کا ذکر یعنی عضو تناسل اس جیسا تھا۔ غالباً اس تشبیہ سے مراد یہ بتلانا تھا کہ بالکل نرم تھا جس میں سختی قطعاً نہیں تھی (اس سے گویا حصور کے معنی متعین ہوگئے۔ یہی حصور کا لفظ حضرت صفوان کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے) لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے (کیونکہ عضو تناسل نہ ہونے کے برابر ہونے سے یہی مراد ہے اس کا طول و عرض مقصود نہیں بلکہ اس کی سختی مراد ہے)

چار ملعون...... مگر کتاب نہر میں حصور کے معنی یہ لکھے ہیں وہ شخص جو قدرت و طاقت ہونے کے باوجود عورتوں کے پاس نہ جائے۔ ان معنی کا وجود اس حدیث سے بھی کسی حد تک ثابت ہوتا ہے جس میں ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں جن پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہوئی اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مردانہ اعضا یعنی عضو تناسل دیا مگر اس نے اپنے آپ کو عورت بنالیا اور عورتوں کی طرح رہنے لگا۔

دوسری وہ عورت جس کو اللہ تعالیٰ نے مونث بنایا مگر وہ مردوں کی طرح رہنے لگے۔

تیسرے وہ شخص جو کسی نابینا کو جان بوجھ کر غلط راستے پر ڈال دے۔

چوتھے وہ شخص جو حصور بن جائے جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو حصور یعنی نامرد نہ بنایا ہو سوائے حضرت یحییٰؑ کے۔

لہٰذا حصور ایک بدتر وصف ہے سوائے حضرت یحییٰ ابن ذکریاؑ کے کہ ان کے لئے یہ برا وصف نہیں تھا (یعنی ان کے بارے میں خصوصیت سے صرف یحییٰؑ ہی مستثنیٰ تھے نہ کہ ان کے علاوہ دوسرے پیغمبر۔ کیونکہ جہاں تک دوسرے پیغمبروں کا تعلق ہے تو حق تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ احسان جتلایا کہ انہیں اولاد دی گئی چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً لآیہ پ ۱۳ سورہ ابراہیم

ترجمہ: اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور بچے بھی دیئے۔

ایک قول ہے کہ یحییٰؑ میں یہ وصف جو پیدا ہوا وہ ان کے والد حضرت ذکریاؑ کی خواہش کے اثر سے پیدا ہوا کیونکہ جب انہوں نے حضرت مریم کو زوج یعنی جوڑے سے منقطع دیکھا تو ان کی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایک ایسا ہی بیٹا دے جو زوج یعنی جوڑے سے منقطع ہو چنانچہ ان کے یہاں حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے جو حصور تھے۔

اسی بات کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو کتاب انس جلیل میں ہے کہ یحییٰؑ عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے کیونکہ ان کے مردانہ عضو نہیں تھا۔ ان کے متعلق اسی طرح کا قول ہے مگر یہ ناپسندیدہ قول ہے۔

قاضی عیاض نے کتاب شفاء میں حضرت یحییٰ کے حصور ہونے پر جو بحث کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بات جو کہی جاتی ہے یہ ایک نقص اور عیب ہے جو انبیاء کی شان کے خلاف ہے۔ حقیقت میں حصور کے معنی یہ ہیں کہ یحییٰؑ گناہوں سے معصوم اور پاک تھے گناہ کی طرف یعنی عورتوں کے پاس جاتے ہی نہیں تھے تو گویا وہ گناہوں کے قریب جانے سے بھی محصور کر دیئے گئے تھے اور انہوں نے اپنی شہوت کو اپنے

میں محصور اور قید کر لیا تھا۔ یہاں تک کتاب شفاء کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔

کیا حسان تہمت تراشوں میں شامل تھے !...... بہر حال اگر حضور کے معنی وہی لئے جائیں جو پہلے بیان ہوئے ہیں تو بھی حضرت صفوان کے شادی شدہ ہونے پر کوئی شبہ نہیں پیدا ہونا چاہئے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ ان کی بیوی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر شوہر کی شکایت کی تھی۔

کیونکہ علامہ جوزی نے اپنے شیخ ناصر الدین کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت صفوان نے تہمت تراشی کے اس واقعہ کے بعد شادی کی تھی۔

(پیچھے بیان ہوا ہے کہ حسان ابن ثابت بھی بہتان طرازی میں شریک تھے) مگر ایک قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل نہیں تھے چنانچہ ان پر جو الزام ہے اس کے مقابلے میں ان کے یہ شعر پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے حضرت عائشہؓ کی مدح اور تعریف میں کہے ہیں۔

مهذبة قد طيب الله خيمها
وطهرها من كل سوء و باطل

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نہایت پاکیزہ ہیں اللہ نے ان کی بارگاہ کو پاکیزہ فرمایا ہے اور ہر غلط اور باطل چیز سے انہیں پاک وصاف رکھا۔

فان كنت وقد قلت الذى قد زعمتم
فلا رفعت سوطى الى اناملى

ترجمہ: اگر تمہارے دعوی کے مطابق میں نے وہ بات کہی ہوتی تو میری انگلیاں میرا قلم اٹھانے کے قابل نہ رہتیں۔

وكيف ودى ماحييت و نصرتى
لال رسول الله زين المحافل

ترجمہ: یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کے بارے میں ایسی بات کہوں حالانکہ میری تو یہ تمنا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں خانوادۂ رسول کی مدد اور خدمت کرتا رہوں۔

حسان کے متعلق حضرت عائشہؓ کی رائے...... چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ لوگوں کی ایک جماعت نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حسان ابن ثابت بھی تہمت تراشوں کے گروہ میں شامل تھے اور یہ کہ ان کو شرعی سزا کے طور پر کوڑے مارے گئے تھے۔

ادھر حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت حسان کو اس الزام سے بری کیا ہے۔ چنانچہ زبیر ابن بکار نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جب حسان ابن ثابت کے متعلق یہ کہا کہ میں امید کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس صلہ میں جنت میں داخل فرمائے گا کہ ان کی زبان نے رسول اللہ ﷺ کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے۔

اس پر حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ انہوں نے آپ کے متعلق جو کچھ کہا لیا اس کی وجہ سے وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انہوں نے کوئی بات نہیں کہی تھی بلکہ ان کا قول تو یہ ہے۔

فان كان ماقد قيل عنى قلته
فلا رفعت سوطى الى انامل

ترجمہ :اگر وہ بات ہوتی جو لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں تو میری انگلیاں میرا قلم اٹھانے کے قابل نہ ہوتیں۔

اسی قسم کا ایک شعر انس ابن زنیم نے بھی کہا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ انس نے آپ کی ہجو یعنی برائی میں کچھ شعر کہے ہیں۔ اس پر آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا یہ بات انس کو معلوم ہوئی تو یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اس نے پہلے معذرت کی اور پھر کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے۔

ونبى رسول الله انى هجوته
فلا رفعت سوطى الى اذن يدى

ترجمہ : آنحضرت ﷺ کو یہ بتلایا گیا کہ میں نے آپ کی ہجو کی ہے اگر ایسا ہوتا تو اس کے بعد میرے ہاتھ میرا قلم اٹھانے کے قابل بھی نہ رہتے۔

ام المومنین کے دل میں حسان کا احترام...... بلکہ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت حسان حضرت عائشہؓ کے پاس آتے تو وہ ان کو اجازت دیتیں اور ان کے لئے تکیہ رکھواتیں۔ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ حسان کے متعلق کلمہ خیر ہی کہا کرو کیونکہ وہ اپنی زبان یعنی شاعری کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ الآیہ پ ۱۸ سورۂ نور ع ۲ آیت ۱۱

ترجمہ :اور ان میں جس نے اس طوفان میں سب سے بڑا حصہ لیا (یعنی حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی میں) اس کو سخت سزا ہوگی۔

حضرت حسان آخر میں اندھے ہو گئے تھے اور اندھا ہونا خود ایک زبردست عذاب ہے حق تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ وہ اسی کو حیلہ اور بہانہ بنا کر ان کی مغفرت فرمادے اور انہیں جنت میں داخل فرمادے۔ اس سلسلے میں یہ اشکال ہے کہ آگے ایک روایت حضرت عائشہ وغیرہ سے ہی آرہی ہے کہ جس شخص کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے اور جس نے اس بہتان میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا وہ منافقوں کا سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا للذا یہ بات قابل غور ہے۔

علامہ زہری سے روایت ہے کہ ایک رات میں خلیفہ ولید ابن عبد الملک کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ اس وقت اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سورہ نور پڑھ رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے کہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ تو ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر کہنے لگے کہ اے ابو بکر! جس نے تہمت کے معاملے میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا کیا وہ علی ابن ابو طالب نہیں تھے۔ علامہ زہری کہتے ہیں یہ سن کر میں دل میں سوچنے لگا کہ کیا کہوں۔ اگر انکار کر دوں تو یقیناً یہ میرے لئے مصیبت پیدا کر دے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ نہیں رہوں گا اور اگر ہاں کہہ دوں تو اس کا مطلب ہے ایک نہایت تباہ کن بات کہوں گا۔ آخر پھر میں نے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے پر خیر پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ للذا میں نے کہہ دیا نہیں۔ یہ سن کر ولید نے جوش و غصہ میں پلنگ کی پٹی پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا کہ پھر کون تھا۔ یہ لفظ اس نے بار بار کہا۔ میں نے جواب دیا۔ عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔

اسی طرح کا واقعہ سلمان ابن یسار کو بھی ہشام ابن عبدالملک کے ساتھ پیش آیا تھا۔ سلمان ابن یسار ایک دن ہشام ابن عبدالملک کے پاس پہنچے اس نے ان سے پوچھا کہ اے ابو سلیمان! جس نے اس طوفان میں سب سے بڑا حصہ لیا تھا وہ کون تھا۔ انہوں نے کہا عبداللہ ابن ابی ابن سلول۔ اس نے کہا۔ تم جھوٹ بولتے ہو وہ علی تھے۔

"انہوں نے کہا تیرا ناس ہو میں جھوٹ بولتا ہوں! ارے اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا یہ پکارے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کو جائز فرمادیا ہے تو میں اس وقت بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

مجھ سے عروہ اور سعید ابو عبداللہ اور علقمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ جس شخص نے اس بہتان میں سب سے بڑا حصہ لیا وہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔

حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے ان کے سامنے برے انداز میں حسان ابن ثابت کا ذکر کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں کو اس سے روکا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آپ سوائے مومن کے کسی سے محبت نہیں رکھتے اور سوائے منافق کے کسی سے بغض و دشمنی نہیں رکھتے۔

بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے سامنے حسان ابن ثابت کو برا بھلا کہا جائے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ یہ شعر حسان ابن ثابت ہی کا ہے کہ

فان ابی ووالدتی و عرضی
لعرض محمد منکم وقاء

ترجمہ: تم لوگوں کے مقابلے میں میرے ماں باپ اور میری عزت و آبرو حضرت محمد ﷺ کی عزت و آبرو کے لئے ایک ڈھال اور سپر ہیں۔

شاعر اسلام حسان ابن ثابت...... اور اسی شعر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ (انشاء اللہ) ان کی مغفرت فرمادے گا بعض علماء نے لکھا ہے کہ قریشی مشرکوں میں سے جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ شعر کہا کرتے تھے وہ عبداللہ ابن زبعری اور آنحضرت ﷺ کا چچازاد بھائی ابو سفیان، عمرو ابن عاص اور ضرار ابن حرث تھے۔ اس کے مقابلے میں حضرت حسان ابن ثابت نے ارادہ کیا ان شاعروں کی ہجو لکھیں یعنی اشعار میں ان کی عیب جوئی کریں مگر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم کیسے ان لوگوں کی ہجو لکھنے کا ارادہ کررہے ہو جب کہ میں بھی ان ہی میں سے یعنی قریش میں سے ہوں۔ تم کیسے ابو سفیان کی ہجو لکھنے کا ارادہ کرتے ہو جبکہ وہ میرا چچازاد بھائی ہے۔

حضرت حسان نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں آپ کی ذات کو ان لوگوں میں سے اس صفائی اور آہستگی سے نکال دوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال نکال دیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ابو بکر کے پاس جاؤ کیونکہ وہ تمہارے مقابلے میں قوم کے نسب ناموں کے بہت بڑے عالم ہیں۔

چنانچہ اس کے بعد حسان ابن ثابت حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے تاکہ وہ انہیں قریش کے نسب نامے بتلائیں پھر اس روشنی میں حضرت حسانؓ ان قریشی شاعروں کی ہجو لکھنے لگے۔ جب ان لوگوں نے حضرت حسان کے ہجو کے شعر سنے تو کہنے لگے کہ ان شعروں میں ابو قحافہ یعنی ابو بکر کا علم جھلک رہا ہے۔

حسان اور ان کے باپ دادا اور پڑدادا کی عمریں...... حسان ابن ثابت کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی جس میں سے آدھی عمر تو جاہلیت میں گزری اور آدھی عمر اسلام میں گزری۔ ان کے والد کی عمر بھی ایک سو بیس سال

ہوئی تھی۔ اور اسی طرح ان کے دادا اور پڑدادا!

کی عمریں بھی اتنی ہی ہوئی تھیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ان لوگوں یعنی حسان ابن ثابت، اور ابن کے باپ دادا اور پڑدادا کے سوا ایسا کوئی خاندان تاریخ میں نہیں ملتا کہ جس میں اولاد در اولاد اتنی اتنی عمریں ہوئی ہوں۔

حسان کی کمزوری قلب...... حسان ابن ثابت (مسلمان ہونے کے باوجود) آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ وہ موت سے بہت ڈرتے تھے اسی لئے لوگ ان کو بزدل کہا کرتے تھے اور اسی وجہ سے غزوہ خندق کے موقعہ پر (جو مدینے ہی میں پیش آیا تھا ان کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ سراپردہ اور پناہ گاہ میں رکھا گیا تھا۔

اس موقعہ پر آنحضرتؐ کی پھوپی حضرت صفیہ کے ساتھ ایک یہودی کا جو واقعہ پیش آیا تھا اور جس کو حضرت صفیہ نے قتل کر دیا تھا اور اس وقت حسان ابن ثابت نے حضرت صفیہ سے جو کچھ کہا تھا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسان بہت ہی زیادہ بزدل اور ڈرپوک تھے۔

مگر بعض علماء نے حسان ابن ثابت کے بزدل ہونے کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس دور کے شاعر ان کے خلاف ہجو ضرور لکھتے کیونکہ حسان دوسرے شاعروں کی ہجو لکھا کرتے تھے اور وہ شاعر ان کے جواب میں ان کی ہجو لکھا کرتے تھے (جس میں ان شاعروں نے حسان کے خلاف طرح طرح کی باتیں لکھیں) مگر کسی نے ان کو بزدلی کا طعنہ نہیں دیا اور نہ اس سلسلے میں ان کے خلاف کچھ لکھا۔

جہاں تک غزوہ خندق کے موقعہ پر ان کو عورتوں اور بچوں کے ساتھ رکھے جانے کا تعلق ہے تو اس وقت شاید حسان کو کوئی معذوری اور عذر تھا جس کی وجہ سے ان کو سراپردہ اور پناہ گاہ میں رکھا گیا اور یہ میدان جنگ میں حاضر نہ ہو سکے۔ یہاں تک ان بعض علماء کا حوالہ ہے۔

حسان کی اطاعت رسول ﷺ...... اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اگر بزدلی کے سلسلے میں ان کی ہجو نہیں لکھی گئی تو ممکن ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ اپنی اس کمزوری کو کوئی خامی اور برائی ہی نہ سمجھتے ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حسان ابن ثابت نے صفوان کی ہجو لکھی تھی جس پر ایک دفعہ صفوان نے غضبناک ہو کر ان کے اوپر تلوار کا ایک زبردست وار کیا جو ان کے ہاتھ پر پڑا اس کے بعد سے ان کا یہ ہاتھ شل اور بے کار ہو گیا تھا۔

حضرت حسان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا جس پر آنحضرت ﷺ نے حسان اور صفوان دونوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور صفوان کی اس حرکت پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ انہوں نے حسان پر ہتھیار اٹھایا اور ان کو چوٹ پہنچائی۔ اس پر صفوان نے کہا کہ یا رسول اللہ! انہوں نے میری ہجو لکھ کر مجھے تکلیف اور ایذاء پہنچائی تھی جس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے ان پر وار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حسان سے فرمایا کہ حسان تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اس کے جواب میں تم اس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ حضرت حسان نے عرض کیا کہ میں آپ کے لئے اپنا حق چھوڑتا ہوں۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ صفوان پر میرا جو بھی حق ہے وہ میں آپ کو سونپتا ہوں (یعنی چاہے آپ معاف کر دیں میں آپ کو اختیار دیتا ہوں) آپ نے فرمایا تم نے بہت اچھا اور احسان کا معاملہ کیا میں تمہارے دیئے ہوئے اس حق کو قبول کرتا ہوں۔

حسان کو بئر حاکا تحفہ...... پھر اس کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ نے حسان کو ایک باغ عنایت فرمایا جس کا نام بڑحا تھا (اس میں لفظ بئر یعنی کنواں۔ الگ ہے اور لفظ حا علیحدہ ہے) اس لفظ میں ر پر زبر یا زیر یا پیش تینوں میں سے کوئی بھی حرکت پڑھی جاسکتی ہے جس کے بعد صرف لفظ حا ہے۔ اس باغ کو بئر حا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اونٹ کسی چشمے پر آتے ہیں اور وہاں سے ان کو ڈپٹ کر بھگادیا جاتا ہے تو ان کو حاحا کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ قیاس کے لحاظ سے تو لفظ بڑحا میں ر پر صرف پیش پڑھا جانا چاہئے مگر جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ اسم مرکب ہے۔

یہ کنواں حضرت ابو طلحہ کا تھا پھر انہوں نے اس کو آنحضرت ﷺ کے نام پر پیش کر دیا کہ جیسے آپ چاہیں اسے رکھیں (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر وہ باغ جس میں یہ کنواں تھا حسان ابن ثابت کو عنایت فرمادیا) بعد میں حضرت حسان نے اس کو امیر معاویہ کے ہاتھ ایک بڑی رقم کے بدلے میں فروخت کر دیا تھا۔

ابو طلحہ اور باغ بئر حا...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: بخاری میں یوں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار شخص تھے اور اپنے مال میں جو چیز انہیں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھی وہ بئر حا تھا۔ یہ ایک باغ تھا اور مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر اس باغ میں جاکر درختوں کے سائے میں تشریف فرما ہوتے اور اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے جس میں بہت عمدہ قسم کی خوشبو آتی تھی۔ اسی اثناء میں آنحضرت ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ لا آیہ پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۰ آیت ۹۲

ترجمہ: تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔

بئر حا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں...... اسی وقت حضرت ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ۔ تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کر دو گے۔ اب میری سب سے محبوب اور پیاری چیز بئر حا ہے اب وہ اللہ کے نام پر صدقہ ہے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی خیر اور بھلائی کا امیدوار ہوں لہٰذا یا رسول اللہ آپ جیسے چاہیں اس کو صرف فرمادیں۔ آپ نے فرمایا۔

"واہ۔ واہ۔ یہ بڑا منافع بخش مال ہے۔ یہ بڑا منافع بخش مال ہے۔ تم نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا میں نے سن لیا ہم نے اس کو تمہاری طرف سے قبول کر لیا اور اب تمہیں اس کو واپس کرتے ہیں۔ ! میری رائے ہے کہ تم اس کو رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ !"

ابو طلحہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! میں ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو اپنے رشتہ داروں یعنی اپنے گھر والوں اور اپنے چچا کی اولاد میں تقسیم کر دیا۔

بخاری ہی میں ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ آنحضرت ﷺ نے ابو طلحہؓ سے فرمایا کہ اس باغ کو اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابو طلحہ نے اس کو حسان ابن ثابت اور ابی ابن کعب کے نام کر دیا۔ مگر اس روایت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابی ابن کعب تو خود مالدار آدمی تھے غریب نہیں تھے۔

نبی کی طرف سے حسان کے لئے سیرین...... بخاری میں حسان ابن ثابت اور ابی ابن کعب کے ساتھ ابو طلحہ کی رشتہ داری بھی بیان کی گئی ہے۔ اس میں ہے کہ حسانؓ تیسری پشت میں ابو طلحہ کے ساتھ مل جاتے ہیں (یعنی دونوں کے دادا ایک ہی تھے) اور ابی ابن کعب چھٹی پشت میں جاکر حضرت ابو طلحہ کے ساتھ مل جاتے ہیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابی ابن کعب حضرت ابوطلحہ کے پھوپی زاد بھائی تھے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حسان ابن ثابت کو یہ باغ عنایت فرمایا تھا اور اپنی باندی سیرین بھی عنایت فرمادی تھی جو حضرت ماریہ قبطیہ کی بہن تھیں۔ حضرت ماریہ آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں جن کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ کی دی ہوئی باندی سیرین سے حسان ابن ثابت کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ یہ عبدالرحمٰن اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔

ان سیرین نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے۔ یہ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر میں شکستگی دیکھی آپ نے اس کو درست کیا اور پھر فرمایا کہ جب بندہ کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ وہ اسے صحیح اور مکمل طور پر کرے۔

ادھر حضرت سعد ابن عبادہؓ نے بھی حضرت حسان کو ایک باغ دیا جس سے بڑی زبردست آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ اس بارے میں کتاب امتاع میں جو کچھ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حسان ابن ثابت اور صفوان کے درمیان جو جھگڑا ہوا تھا تو اس کا سبب حضرت حسانؓ کا یہ شعر تھا۔

امسی الجلا بیب قد غروا وقد کبروا
وابن القریعة امسی بیضة البلد

ترجمہ: اور پردہ نشین عورتیں مبتلائے غم ہو گئیں اور ان کے شوہر بوڑھے بے کار اور نکمے ہو گئے۔ رہا ابن قریعہ تو وہ شہروں میں آبلہ پائی کرتا پھرتا ہے۔

یہ شعر صفوان نے سنا تو انہوں نے کہا کہ یہاں جلابیب یعنی پردہ نشین عورت سے مراد میرے خیال میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ لفظ عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے مہاجروں کے بارے میں کہا تھا۔

اس شعر میں لفظ قریعہ جو ہے وہ حسان ابن ثابت کی دادی کا نام تھا ایک قول ہے کہ ان کی والدہ کا نام تھا۔

قریعة الشئی۔ کسی چیز کے بہترین حصہ کو کہتے ہیں اور قریعة القبیلہ سردار قبیلہ کو کہتے ہیں۔ ادھر اس شعر میں بیضة البلد برائی اور مذمت کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اس مقام کے مناسب ہے ورنہ بیضة البلد جس طرح مذمت اور برائی کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح تعریف اور مدح کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بیضة البلد ہے یعنی اپنی قوم اور بستی میں اپنی عظمت کے لحاظ سے ایک ہی ایک ہے۔

حسان اور صفوان کا جھگڑا...... غرض کتاب امتاع میں ہے کہ جب حسان کا یہ شعر صفوان نے سنا اور اس کو اپنی ہجو میں سمجھا تو وہ فوراً تلوار سونت کر حسان کی طرف روانہ ہوئے جب صفوان حضرت حسان کے پاس پہنچے تو وہ اس وقت اپنی قوم خزرج کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے صفوان نے حسان کو دیکھتے ہی ان پر تلوار کا وار کیا جو انہوں نے گھبراہٹ میں ہاتھ پر روکا لہٰذا ان کے ہاتھ پر ہی وار پڑا۔ یہ دیکھ کر وہاں موجود لوگ ایک دم کھڑے ہو گئے اور انہوں نے صفوان کو پکڑ کر رسی سے باندھ دیا۔ بعد میں انہیں کھول دیا گیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔

حضرت حسان نے شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ انہوں نے مجھ پر اس وقت تلوار بلند کی جبکہ میں اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور مجھ پر وار کیا۔ میرے اتنا کاری زخم آیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت صفوان سے پوچھا کہ تم نے انہیں کیوں مارا اور ان پر ہتھیار اٹھایا آپ نے حضرت حسانؓ کی حمایت میں صفوان سے ناگواری اور غصہ کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت صفوان نے وہی جواب دیا جو پیچھے ذکر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان کی قوم سے کہا کہ صفوان کو قید کر لو اور اگر حسان مر گئے تو صفوان کو قتل کر دینا۔ چنانچہ صفوان کو ان لوگوں نے قید کر لیا۔

جھگڑے میں ابن عبادہ کی مداخلت...... اس کے بعد یہ خبر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد ابن عبادہ تک پہنچی وہ اپنی قوم کے لوگوں سے ملے اور انہیں اس بات پر ملامت کی کہ انہوں نے صفوان کو قید کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کو قید کرنے کا حکم ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر تمہارا آدمی مر جائے تو اس کے بدلے میں صفوان کو قتل کر دینا۔

حضرت سعد نے کہا۔ خدا کی قسم آنحضرت ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بات معاف کر دینا ہے۔ یہ فیصلہ آپ نے صرف حق وانصاف کے تحت فرمایا ہے۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک صفوان کو رہا نہیں کر دیا جاتا۔

یہ سن کر قوم کو ندامت ہوئی اور انہوں نے صفوان کو چھوڑ دیا۔ حضرت سعدؓ صفوان کو اپنے گھر لائے اور ایک خلعت دیا اور پھر انہیں مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر پوچھا صفوان ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے پوچھا انہیں یہ خلعت کس نے پہنایا ہے۔ عرض کیا گیا سعد ابن عبادہ نے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت کا خلعت پہنائے۔

تصفیہ اور انعام...... آپ نے اس کے بعد حضرت حسان سے بات کی کہ وہ صفوان کو معاف کر دیں۔ جس پر حسان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! صفوان پر میرا جو بھی حق ہے وہ میں آپ کو سونپتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے احسان کا معاملہ کیا میں تمہارے دیئے ہوئے اختیار کو قبول کرتا ہوں پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی زمین اور اپنی باندی سیرین عنایت فرمائی جو آپ کے صاحبزادے ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ کی بہن تھیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ادھر حضرت سعد ابن عبادہؓ نے بھی ان کو اپنا ایک باغ دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی۔ حضرت عبادہ نے ان کو یہ باغ اس صلہ اور شکر گزاری میں دیا کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا تھا۔

حسان کی زبان یا شاعری اسلام کی تلوار...... ایک قول ہے کہ آپ نے یہ باندی سیرین ان کو اس سبب سے نہیں دی تھی بلکہ ان کے شعروں کے صلہ میں دی تھی جن کے ذریعہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اپنی باندی سیرین کو حضرت حسانؓ کے لئے دیئے جانے کا جو سبب ہے اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں اور مختلف سندیں ہیں مگر اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیرین کو پیش کیا جانا اس لئے نہیں تھا کہ صفوان نے ان کے تلوار ماری تھی بلکہ حضرت حسان ابن ثابت چونکہ اپنے اشعار کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی مدافعت کیا کرتے تھے اس لئے اس خدمت کے صلہ میں آپ نے سیرین کو انہیں بخش دیا تھا۔

حسان کی زبان...... ایک قول ہے کہ حضرت حسان کی زبان اس قدر لمبی تھی کہ وہ اسے اوپر کی طرف اپنی پیشانی تک پہنچا دیتے تھے اور نیچے کی طرف اپنی گردن سے لگا سکتے تھے اسی طرح ان کے والد اور دادا کی زبانیں بھی اسی قدر لمبی تھیں۔

حضرت حسان اپنی زبان کی تیزی اور تاثیر یعنی اشعار کی تاثیر کے متعلق خود کہا کرتے تھے کہ میری زبان اس قدر تیز ہے کہ خدا قسم اگر میں اس کو پتھر پر رکھ دوں تو پتھر کو پھاڑ دے اور اگر بالوں پر پھیر دوں تو ان کو مونڈ دے۔

ابن ابی پر حد کیوں نہیں لگائی گئی...... (حضرت حسان کی طرح) مسطح بھی اندھے ہوگئے تھے۔ امام بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ تہمت تراشی کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد یعنی شرعی سزا جاری کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ (ی) ان میں جو عورت تھیں وہ حمنہ بنت جحش تھیں۔ اور دو مرد تھے ان میں سے ایک حمنہ کے بھائی عبیدہ اللہ ابواحمد ابن جحش اور مسطح تھے (یعنی اس روایت میں حسان پر حد جاری کرنے کا ذکر نہیں ہے۔)

جہاں تک خبیث، عبداللہ ابن ابی کا تعلق ہے (جو بظاہر مسلمان اور دل سے کافر یعنی منافق تھا) اس پر حد جاری نہیں کی گئی کیونکہ حد یا شرعی سزا دراصل گناہ کا کفارہ ہے اور ابن ابی کفارہ کا اہل اور مستحق نہیں تھا۔

مگر ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس سلسلے میں عبداللہ ابن ابی کے خلاف کوئی گواہ فراہم نہیں ہوسکا اس لئے اس پر حد جاری نہیں ہوسکی۔ جب کہ ان باقی لوگوں کے خلاف گواہ اور شہادتیں حاصل ہوگئی تھیں۔

ایک قول کے مطابق اس پر حد اس لئے جاری نہیں کی گئی کہ وہ یہ تہمتیں یہ کہہ کر نہیں لگاتا تھا کہ وہ خود ایسا سمجھتا ہے بلکہ یہ کہتا تھا کہ دوسرے لوگ یوں کہتے ہیں۔

کیا ابن ابی کو سزا دی گئی...... مگر طبرانی اور معجم نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عبداللہ ابن ابی پر حد جاری کی گئی اور دوہری حد جاری کی گئی یعنی اس کے اسی کوڑوں کے بجائے ایک سو ساٹھ کوڑے مارے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ یہی سزا ہر اس شخص کو دی جاتی ہے جو کسی نبی کی زوجہ پر بہتان اور تہمت لگائے۔ غالباً ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو اگر دوہری سزا دی جائے تو بھی جائز ہے۔ لہٰذا اب یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں رہتی کہ شرعی سزا اسی کوڑے ہے۔

تمام انبیاء کی بیویاں پاک دامن تھیں

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا۔اور ایک روایت کے مطابق فحش کام نہیں کیا۔اب جہاں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کے بارے میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ۔

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ الآیہ پ ۲۸ سورہ تحریم ع ۲ آیت ۱۰

ترجمہ :وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سوان دونوں عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں ان کے ذرا کام نہ آسکے اور ان دونوں عورتوں کو بوجہ کافر ہونے کے حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔

نبی کی بیوی کافر ہو سکتی ہے زناکار نہیں...... تو اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں نے ان دونوں پیغمبروں یعنی اپنے شوہروں کو ایذاء پہنچائی چنانچہ نوحؑ کی بیوی نے اپنے شوہر کو کہا کہ وہ پاگل اور مجنون ہیں۔اور لوطؑ کی بیوی نے اپنے شوہر کے ان مہمانوں کے متعلق لوگوں کو اطلاع دے دی جن کو حضرت لوطؑ نے چھپایا ہوا تھا۔ایک قول ہے کہ ایک نبی کی بیوی کا کافر ہونا جائز یعنی ممکن ہے جیسا کہ نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں تھیں مگر نبی کی بیویوں کا فاجر یعنی زناکار ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ نبی کافروں کی طرف مبعوث اور ظاہر ہوتا ہے تاکہ انہیں حق کی دعوت دے لہٰذا ضروری ہے کہ خود نبی کے ساتھ ایسی کوئی کمزوری اور عیب نہ ہو جو لوگوں کو اس سے متنفر اور بیزار کردے اور جہاں تک کفر کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں کے نزدیک کوئی عیب اور خامی نہیں ہوگی (کیونکہ وہ خود کافر ہیں)اور جہاں تک فسق و فجور یعنی بدکاری کا تعلق ہے تو وہ (ہر ایک شخص کے نزدیک)ایک بہت بڑی خامی اور عیب ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ازواج پر بہتان طراز کی سزا...... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات پر تہمت لگائی اس کے لئے ہرگز ہرگز توبہ کا دروازہ نہیں ہے جیسا کہ ابن عباسؓ وغیرہ نے کہا ہے بلکہ اس کو قتل کرنا ضروری ہے جیسا کہ قاضی عیاض وغیرہ نے کہا ہے۔ایک قول ہے کہ قتل کی سزا خاص طور پر حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے کے لئے ہے اور دوسری ازواج پر تہمت لگانے والے کو دوہری سزا دی جائے گی۔

ایک واقعہ اور ازواج کی پاکدامنی...... ایک واقعہ ہے کہ حسن ابن یزید راعی طبرستان کے مشہور اور بڑے لوگوں میں سے تھے۔یہ ہمیشہ موٹی اون کا لباس پہنا کرتے تھے اور امر بالمعروف یعنی نیک کاموں کا حکم دیا کرتے تھے۔نیز ہر سال بیس ہزار دینار بغداد بھیجا کرتے تھے تاکہ یہ رقم صحابہ کی اولاد پر خرچ اور تقسیم کر دی جائے۔

ایک دن ان کے پاس ایک شخص آیا جو علوی شیعہ تھا۔اس نے نہایت گستاخانہ اور بیہودہ انداز میں حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا۔حسن ابن یزید نے اپنے غلام سے کہا کہ اس شخص کی گردن مار دو اس پر علوی لوگ بگڑ کر حسن پر چڑھ دوڑے اور کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارے فرقہ اور شیعوں میں سے ہے حسن نے کہا کہ معاذ اللہ اس

شخص نے در حقیقت رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ الآیہ پ ۱۸ سورۂ نور ع ۳ آیت ۲۶

ترجمہ :(اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق۔

قرآنی دلیل...... لہٰذا اگر حضرت عائشہ (معاذ اللہ) گندی عورت ہوتیں تو ان کے شوہر بھی (معاذ اللہ) گندے ہوتے۔ مگر بے شک رسول اللہ ﷺ اس سے پاک ہیں بلکہ آپ طیب وطاہر اور پاکیزہ ہیں اور حضرت عائشہؓ پاکیزہ، پاک دامن اور طاہرہ ہیں جن کی برات اور صفائی آسمان پر سے خدا نے فرمائی ہے۔ لہٰذا اے غلام اس کافر کی گردن ماردے۔ چنانچہ اس علوی شیعہ کی گردن ماردی گئی (اور اس کے بعد مقتول کے علوی ساتھیوں نے اعتراض نہ کیا)

مکھیوں کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کی برات...... جس زمانے میں حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی ہو رہی تھی اس کے دوران رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات اپنے گھر یعنی حجرہ مبارکہ میں ہی رہتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر بن خطابؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے اس طوفان کے سلسلہ میں ان سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! مجھے منافقوں کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو چکا ہے۔ میں نے مکھیوں کے ذریعہ حضرت عائشہؓ کی برات کا ثبوت اور یقین حاصل کر لیا ہے یعنی مکھیاں آپ کے بدن مبارک پر نہیں بیٹھتیں لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن مبارک کو مکھیوں تک سے صرف اس بناء پر محفوظ فرمادیا ہے کہ مکھیاں گندگی پر بیٹھتی ہیں تو عائشہؓ تو آپ کی بیوی ہیں (جن کا بدن آپ کے بدن سے اکثر چھوتا ہے لہٰذا ان کے اور ان کے بدن کے پاک صاف ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا)

سائے سے عائشہؓ کی برات کی دلیل...... پھر اسی دوران ایک دن حضرت عثمانؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا انہوں نے عرض کیا

"یارسول اللہ ! مجھے تو آپ کے سائے کے ذریعہ عائشہؓ کی پاکدامنی کی دلیل مل گئی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے محفوظ رکھا ہے۔ کیونکہ آپ کے جسم مبارک کا سایہ نہ دھوپ میں زمین پر پڑتا تھا اور نہ چاندنی میں زمین پر پڑتا تھا تاکہ دوسرے چلنے والوں کے قدموں میں پامال نہ ہو۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے تک کو دوسروں کے ذریعہ پامال ہونے سے محفوظ فرمادیا ہے تو وہ تو آپ کی بیوی ہیں ان کے لئے کیسے یہ بات ممکن ہو سکتی ہے۔!"

اسی بات کی طرف امام سبکی نے اپنے قصیدہ کے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لقد نزہ الرحمن ظلك ان یری
علی الارض مبقیے فانطوی لمزیۃ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کے سائے کو زمین پر پڑنے سے پاک کر دیا تاکہ کسی ہمراہی کے قدموں تلے پامال ہونے سے محفوظ رہے۔

مسلمانوں کو ایذا رسانی یہود کا مذہب...... یہاں ایک لطیفہ یاد آتا ہے جس کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر میں تھے اور ان کے ساتھ ایک یہودی بھی چل رہا تھا جب دونوں کی راہیں الگ الگ ہوئیں اور دونوں جدا ہونے لگے تو حضرت عبداللہ نے یہودی سے کہا کہ میں نے سنا ہے تمہارا مذہب ہی مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانا ہے۔ اب اس سفر کے دوران کیا تم میرے ساتھ بھی اس قسم کی کوئی حرکت کر سکے جس سے مجھے ایذاء پہنچے۔ ساتھ ہی حضرت عبداللہ نے اسے قسم دے دی کہ بتلاؤ۔ اس نے کہا اگر آپ مجھے جان کی امان دیں تو میں بتلاؤں۔ حضرت عبداللہ نے اسے امان دے دی تو اس نے کہا کہ اس سفر میں میں اس کے سوا اور کچھ نہ کر سکا کہ جب بھی زمین پر تمہارا سایہ دیکھتا تو اپنے مذہبی جذبے کے تحت میں اسے اپنے پیروں سے پامال کرتا رہا۔

صدیقہؓ کی پاکدامنی پر حضرت علیؓ کی دلیل...... غرض اس کے بعد اسی دوران حضرت علیؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے عرض کیا۔

"میں نے ایک بات سے حضرت عائشہؓ کی برات کی دلیل حاصل کی ہے ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ جوتوں سمیت نماز پڑھا رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنا ایک جوتا اتار دیا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ یہ بات ہمارے لئے ضرور سنت بن جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی تھی اس جوتے میں گندگی لگی ہوئی تھی تو جب آپ کے جوتوں تک میں نجاست ممکن نہیں ہے تو عائشہؓ تو آپ کی بیوی ہیں (ان کے لئے کیسے اس قسم کی بات ممکن ہو سکتی ہے!)"۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے۔

اب ہمارے یعنی شافعی علماء کو اس حدیث کا جواب دینے کی ضرورت ہے کہ آیا نماز کے دوران کسی نجاست کی وجہ سے ایک جوتا اتارنا اور نماز کا جاری رہنا جائز اور ممکن ہے (کیونکہ شوافع کے نزدیک یہ عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ احناف کے نزدیک ایسا نہیں ہے)

تہمت تراشی کے متعلق ابوایوبؓ کی بیوی سے گفتگو...... حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (اسی بہتان تراشی کے زمانے میں) اپنی بیوی سے کہا۔

"تم دیکھ رہی ہو اس تہمت تراشی کے سلسلے میں کیا کیا کہا جا رہا ہے!"

انہوں نے کہا۔

"اگر صفوان کی جگہ آپ ہوتے تو کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم کے لئے کوئی بُرا ارادہ کر سکتے تھے!

ابوایوب نے کہا

ہرگز نہیں!۔ ان کی بیوی نے کہا

"اور اگر عائشہ کی جگہ میں ہوتی تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہرگز خیانت نہیں کر سکتی تھی (تو جب میں اور تم ایسا نہیں کر سکتے تھے) تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ مجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہیں اور صفوان آپ سے زیادہ بہتر ہیں۔"

سیرت ابن ہشام میں یہ روایت اس طرح ہے کہ جب حضرت ابوایوبؓ سے ان کی بیوی نے کہا تمہیں معلوم ہے لوگ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے۔

"ہاں جانتا ہوں اور یہ سب بالکل جھوٹ ہے۔ اور اے ام ابو ایوب (!اگر تم ان کی جگہ ہوتیں تو) کیا تم ایسا کر سکتی تھیں۔"

انہوں نے کہا خدا کی قسم ہر گز نہیں۔ میں کبھی ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

حضرت ابو ایوب نے کہا کہ (پھر تم اندازہ کر سکتی ہو کہ) حضرت عائشہؓ تو تم سے کہیں زیادہ بہتر ہیں (دونوں روایتوں میں جو فرق ہے وہ قابل غور ہے)

حضرت عائشہ اور مرض موت...... ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عائشہؓ مرض موت میں تھیں تو حضرت ابن عباسؓ ان کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اللہ کے روبرو پیش ہونے کے خیال سے خوفزدہ تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے کہا۔

آپ ڈریئے نہیں کیونکہ آپ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچیں گی کہ مغفرت اور جنت کی باعث نعمتیں آپ کی منتظر ہوں گی۔!"

یہ سن کر حضرت عائشہؓ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلتیں...... چنانچہ حضرت عائشہؓ شکر نعمت کے طور پر کہا کرتی تھیں۔

"جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دوسری ازواج کو دی ہیں مجھے ان کا نو گنا دیا گیا ہے۔ اول یہ کہ جب آنحضرت ﷺ کو مجھ سے شادی کرنے کا حکم ہوا تو جبرئیلؑ آپ کے پاس میری صورت میں نازل ہوئے۔ دوسرے آپ کی ازواج میں صرف میں ہی اس وقت کنواری لڑکی تھی جب آپ نے مجھ سے نکاح کیا میرے علاوہ آپ نے کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ تیسرے جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ چوتھے آپ کی قبر مبارک میرے ہی حجرے میں بنائی گئی۔ پانچویں جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی ازواج میں سے جو بھی اس وقت میں ہوتی وہ اس موقعہ پر آپ سے علیحدہ ہو جاتی جبکہ میرے پاس ہوتے ہوئے جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو میں آپ کے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتی۔ چھٹے میرے والد آپ کے خلیفہ اور دوست تھے۔ ساتویں میری برأت آسمان سے نازل ہوئی۔ آٹھویں میں پاک سرشت ہوں اور پاک شخص سے پیدا کی گئی اور نویں یہ کہ مجھے سے مغفرت اور زرق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے۔!"

حضرت عائشہؓ کے ہار کا دوسرا واقعہ...... ایک قول ہے کہ اسی غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوا تھا جس کو تلاش کرنے کی وجہ سے سب لوگ رکے رہے۔ چنانچہ ہار کی تلاش کے لئے آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کو بھیجا جن میں سے ایک حضرت اسید ابن حضیرؓ تھے۔ اسی دوران صبح کی نماز کا وقت آگیا اس وقت مسلمان کسی چشمہ کے پاس نہیں تھے اس لئے پانی کی دشواری تھی۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ مسلمانوں کے ساتھ بھی پانی نہیں تھا۔ اسی وقت تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ یہ قول امام شافعی نے کئی علمائے مغاری سے نقل کیا ہے۔

اب اس روشنی میں یوں کہنا چاہئے کہ اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار دو مرتبہ گرا اور دونوں دفعہ معاملہ الگ الگ تھا جن کی تفصیل بیان ہوئی۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ ہار کی گمشدگی کا یہ واقعہ ایک دوسرے غزوہ

میں پیش آیا تھا جو غزوہ بنی مصطلق کے بعد پیش آیا ہے۔
ہار کی تلاش اور نماز کا وقت...... چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب میرے ہار کے گم ہونے کا واقعہ ہوا تو اس کے بعد تہمت تراشوں نے بہتان طرازی شروع کر دی تھی۔ اس ہنگامے کے ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک دوسرے غزوہ میں گئی اس سفر میں بھی میرا ہار گر کر گم ہو گیا یہاں تک کہ اس کی تلاش کی وجہ سے سب لوگ وہیں رکے رہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو اس کی تلاش میں بھیجا تھا۔ بہر حال یہ روایت گذشتہ روایت کے خلاف نہیں ہے جس میں گذرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں کو ہار کی تلاش میں بھیجا تھا اور اسی دوران فجر کا وقت آگیا۔
عائشہؓ پر ابو بکرؓ کی ناراضگی...... اسی وجہ سے تقدیر الٰہی کے مطابق حضرت عائشہؓ کو اپنے والد کی ڈانٹ سننی پڑی اس لئے کہ (جب لشکر یہاں رک گیا اور کچھ لوگ ہار تلاش کرنے چلے گئے تو اس میں اتنی دیر لگی کہ فجر کا وقت آگیا جبکہ وہاں کوئی چشمہ بھی نہیں تھا اور مسلمانوں کے ساتھ بھی پانی نہیں تھا چنانچہ) لوگوں نے آکر اس پر حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا حضرت ابو بکرؓ بیٹی کے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کی ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بیٹی کو مخاطب کر کے (آہستہ آہستہ) کہا۔

"تم نے رسول اللہ ﷺ اور سب لوگوں کی منزل کھوٹی کر دی نہ اس جگہ کہیں پانی کا چشمہ ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ ہی پانی ہے۔!"

ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ غصہ میں بیٹی کی کمر پر ٹھوکے مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔
لڑکی۔ تو ہر سفر میں مصیبت اور تکلیف کا سبب بن جاتی ہے لوگوں کے پاس ذرا سا بھی پانی نہیں ہے۔
تیمم کا حکم...... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس موقعہ پر اس نے اپنے جسم کو صرف اس لئے حرکت سے روکے رکھا کہ آنحضرت ﷺ میری ران پر سو رہے تھے۔
(ی) کیونکہ جب آنحضرت ﷺ سویا کرتے تھے تو کوئی شخص آپ کو بیدار نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار ہو جائیں کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نیند اور خواب میں آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے آخر آنحضرت ﷺ نماز کے وقت بیدار ہو گئے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جب نماز کا وقت ہوا تو آپ خود ہی بیدار ہو گئے۔ آپ نے اٹھ کر پانی طلب فرمایا تو کہیں پانی نہیں تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رعایت کا حکم نازل فرمایا۔
ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی جو سورۂ مائدہ میں ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ الآیہ پ ٦ سورہ مائدہ ع ۲ آیت ع ٦

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔
آل ابو بکر کی برکات اور مبارکباد...... ایک قول ہے کہ جو آیت نازل ہوئی سورۂ نساء کی آیت ہے کیونکہ سورۂ مائدہ کی اس آیت کو آیت وضو کہا جاتا ہے اور سورۂ نساء کی آیت میں وضو کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا اس کو ہی آیت تیمم کہا جانا چاہئے۔ علامہ واحدی نے اپنی کتاب اسباب نزول میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

غرض اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا۔

"خدا کی قسم بیٹی! جیسا کہ تم خود بھی جانتی ہو تم واقعی مبارک ہو۔"

ادھر آنحضرت ﷺ نے خود بھی اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

"تمہارا ہار کس قدر بابرکت ہے۔"

دوسری طرف حضرت اسید ابن حضیر نے کہا۔

"اے آل ابو بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔"

ایک روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے ساتھ جو بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ سہولت و بہتری اور مسلمانوں کے لئے خیر پیدا فرما دیتا ہے!"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایسے ناخوشگوار واقعات ایک سے زائد بار پیش آئے جن کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لئے خیر ظاہر ہوئی۔ تاہم یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت اسید ابن حضیرؓ نے کہا کہ۔

"اے آل ابو بکر! آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو خیر و برکت عطا فرمائی ہے۔ آپ لوگوں کے لئے قسم برکت ہی برکت ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی تعریف میں جو کچھ بھی کہا وہ صرف حضرت اسید ابن حضیر نے ہی کہا کسی اور نے نہیں کہا کیونکہ ہار کی تلاش میں جو لوگ بھیجے گئے ان میں اصل وہی تھے بلکہ ایک گذشتہ روایت میں تو یہ ہے کہ صرف وہی گئے تھے۔

<u>ہار کی بازیافت</u>...... غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہار کی تلاش کے دوران ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہمیں اس کے نیچے ہی ہار پڑا مل گیا (یعنی اس سے پہلے جو لوگ تلاش میں گئے تھے وہ ناکام رہے)

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب نور میں ہے واضح رہے کہ ہار کی گمشدگی کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک دفعہ جو ہار گم ہوا تھا وہ حضرت عائشہؓ کا تھا اور دوسری مرتبہ جو ہار گم ہوا وہ ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کا تھا جس کو حضرت عائشہؓ نے ان سے عارضی طور پر لے رکھا تھا۔ اس طرح ان احادیث کے درمیان موافقت پیدا ہو جاتی ہے جو اس سلسلے میں ہیں۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔ تاہم یہ بات بھی قابل غور ہے اور یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ اس مسئلے میں جو احادیث ہیں وہ کیا ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ ہار حضرت اسماء کا تھا اس سے حضرت عائشہؓ کے اُسے میرا ہار کہنے سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ بعض اوقات معمولی سے معمولی نسبت کی وجہ سے آدمی کسی چیز کی اضافت اپنی طرف کر لیتا ہے۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اس دوسری مرتبہ کے واقعہ میں جس ہار کا تذکرہ ہے وہی حضرت اسماء والا ہار تھا۔

بخاری میں یہ بھی ہے کہ تیمم کی آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مسلمان بغیر وضو کے نماز پڑھ چکے تھے (بہر حال جس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہار حضرت اسماء کا تھا وہ) حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اسماء سے ایک ہار مستعار لیا جو اتفاق سے گم ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی تلاش میں ایک

شخص کو بھیجا جسے وہ مل گیا۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت آگیا جبکہ لوگوں کے ساتھ (اور اس جگہ پر) پانی کہیں نہیں تھا۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس پریشانی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ بخاری نے اس باب کا عنوان جو قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ۔ باب اس بیان میں جب کہ نہ پانی میسر ہو اور نہ مٹی۔

اس روایت میں ہے کہ ایک شخص کو ہار کی تلاش میں بھیجا جسے وہ مل گیا۔ تو ممکن ہے یہی وہ شخص ہو جس نے اونٹ کو اٹھایا تھا۔ یا ان میں سے ایک یہ شخص بھی ہو جنہوں نے اونٹ کو اٹھایا۔ لہٰذا یہ بات اس گذشتہ قول کے خلاف نہیں رہتی کہ لوگ ہار کی تلاش میں گئے مگر ناکام رہے۔

اس سلسلے میں میں نے علامہ ابن حجر کا کلام دیکھا جو کہتے ہیں کہ ان روایات میں موافقت کا طریقہ یہ ہے کہ تلاش میں جانے والوں کے سربراہ حضرت اسید ابن حضیر تھے اسی لئے بعض روایات میں صرف ان ہی کا ذکر ہے اور اسی لئے اس کام کی نسبت تنہا ان کی طرف کی گئی۔ نیز گویا پہلے ان لوگوں کو ہار نہیں ملا۔ پھر جب یہ لوٹے تو تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ اسی وقت لشکر نے کوچ کا ارادہ کیا اور اس اونٹ کو اٹھایا جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں اور وہیں حضرت اسید کو ہار مل گیا۔ یہاں تک حافظ ابن حجرؒ کا حوالہ ہے۔

ایک قول ہے کہ اسی غزوہ میں مسلمان راہ سے ہٹ گئے یہ ایک دشوار گذار وادی کے پاس تھے کہ رات ہوگئی اسی وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ اس وادی میں جنات کا ایک گروہ ہے جو کافر ہیں وہ جنات آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے ساتھ کوئی شر اور برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر ان پر دم کیا اور پھر انہیں وادی میں جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے ان کفار کو قتل کر دیا۔

مگر امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ کے متعلق جھوٹ گھڑی گئی ہیں۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اسی قسم کی ایک وہ روایت ہے جس میں ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کے سال میں بئر ذات العلم کے مقام پر ان کی جنات سے جنگ ہوئی۔ یہ بئر یعنی کنواں جحفہ کے مقام پر ہے۔ علمائے مغازی کے نزدیک یہ حدیث من گھڑت ہے۔

یہاں تیمم کا حکم نازل ہونے کے متعلق جو سبب بیان ہوا ہے بعض روایات میں اس کے برخلاف ایک دوسرا سبب بیان ہوا ہے چنانچہ طبرانی میں اسلع سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خادم تھا اور آپ کی اونٹنی کو ہانکا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھ سے فرمایا۔

"اسلع۔ اٹھو اور چلو۔!"

میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میں جنابت یعنی ناپاکی کی حالت میں ہوں اور یہاں کہیں پانی بھی نہیں ہے!"

یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔ اسی وقت آپ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آیت صعید یعنی مٹی کے متعلق آیت لے کر نازل ہوئے۔ تب آپ نے فرمایا۔

"اسلع اٹھو اور تیمم کر لو۔!"

پھر آپ نے مجھے تیمم کرنے کا طریقہ بتلایا جس میں ایک دفعہ چہرے کے لئے اور ایک دفعہ کہنیوں تک کے لئے (مٹی پر) ہاتھ مارے گئے۔ چنانچہ میں نے اٹھ کر تیمم کیا اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی

ساربانی کی یہاں تک کہ ہم پانی کے ایک چشمہ سے گذرے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

"اسلع! اس سے اپنی جلد یعنی بدن دھولو!"

کتاب امتاع میں ہے کہ تیمم کی آیت طلوع فجر کے وقت نازل ہوئی چنانچہ مسلمانوں نے اپنے ہاتھ زمین پر پھیرے اور پھر وہ ہاتھ مسح کی جگہوں پر پھیرے۔ اب گویا ہمارے فقہاء یعنی شافعی فقہاء کو اس روایت کے متعلق جواب دینا ضروری ہے (کیونکہ وہ اس کے خلاف بات کہتے ہیں)

تیمم کی آیت یہ ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔ الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۷ آیت ۴۳

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اس زمین پر دوبار ہاتھ مار کر اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں۔

چاند گرہن اور نماز خسوف...... اسی سال چاند گرہن ہوا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو نماز خسوف یعنی گرہن کی نماز پڑھائی اور یہ نماز اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ چاند پر سے گہن اور داغ ختم نہیں ہو گیا۔ اس وقت یہودی زور زور سے ڈھول ڈھنڈرے بجا رہے تھے اور کہتے تھے کہ چاند پر سحر کر دیا گیا ہے۔

باب پنجاہ ششم (۵۶)

غزوۂ خندق

اس کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ایک آزمائش میں ڈالا اور اپنے متقی اور پرہیزگار اولیاء کے دلوں میں ایمان کو مضبوط و مستحکم فرمایا نیز اسی غزوہ کے ذریعہ حق تعالیٰ نے منافقوں اور ان سرکشوں کا پول بھی کھول دیا جو اپنے دلوں میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض و نفرت چھپائے ہوئے تھے۔

اس غزوہ کا سبب...... اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ جب بنی نضیر کے یہودیوں کو مدینے میں ان کے علاقے سے جلاوطن کر دیا گیا جیسا کہ بیان ہوا تو ان کے بڑے بڑے سردار مکے میں قریش کے پاس گئے ان سرداروں میں ایک تو حیی ابن اخطب تھا جو ام المومنین حضرت صفیہ کا باپ تھا۔ دوسرا ان کا عالم سلام ابن مشکم تھا۔ ان کے علاوہ ان کا دوسرا سردار کنانہ ابن ابوحقیق تھا اور ہوذہ ابن قیس اور ابو عامر فاسق بھی تھے۔

یہود کی قریش کے ساتھ سازش...... ان لوگوں نے مکے پہنچ کر قریش کو دعوت دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں آئیں انہوں نے قریش کو خوب بھڑکایا اور کہا۔

ہم جنگ کی صورت میں تمہارے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ محمد ﷺ (اور ان کی جماعت کو) نیست و نابود کر دیں گے ان سے دشمنی میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔!"

ابو سفیان یہ سن کر (بہت خوش ہوا اور) کہنے لگا۔

"مرحبا۔ خوش آمدید۔ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ) شخص وہ ہے جو محمد ﷺ کی دشمنی میں ہمارا مددگار ہو۔"

ایک روایت کے مطابق ابو سفیان نے ان سے یہ بھی کہا کہ۔ مگر ہم اس وقت تک تم پر بھروسہ نہیں کر سکتے جب تک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہ کر لو۔ تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں!"

یہود کی ابن الوقتی اور بت پرستی...... یہودیوں نے فوراً ہی بتوں کو سجدہ بھی کر لیا۔ اس کے بعد قریش نے ان سے کہا۔

"اے گروہ یہود! تم اہل کتاب ہو اور تمہاری کتاب سب سے پہلی کتاب ہے اس لئے تمہارا علم بھی

زیادہ ہے لہٰذا اس جھگڑے کے بارے میں کچھ بتاؤ جو ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان اختلاف کا سبب ہے۔ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین ہم سے اچھا ہے۔!

یہودیوں نے کہا۔

"نہیں۔ تمہارا ہی دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے اور حق و صداقت میں تم لوگ محمد ﷺ سے کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہو۔!"

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آیا ہمارا راستہ زیادہ سیدھا اور ہدایت کا ہے یا محمد ﷺ کا راستہ یہود نے کہا۔ نہیں تمہارا راستہ ہی ہدایت کا راستہ ہے اس لئے کہ تم لوگ اس بیت اللہ کی عظمت کرتے ہو، حاجیوں کو پانی پلاتے اور سیراب کرنے کی خدمت انجام دیتے ہو، قربانیاں کرتے ہو اور ان ہی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تمہارے آباءواجداد پوجتے آئے ہیں۔ لہٰذا ہر لحاظ سے حق و صداقت اور سچائی تمہارے ہی ساتھ ہے۔

اسی واقعہ پر حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ
وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا۔ الآیہ پ ۵ سورہ نساء ع ۸ آیت ۵۱

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے پھر باوجود اس کے وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

قریشی جوانوں کا عہد...... یہودیوں کا جواب سن کر قریش کی خوشی و مسرت کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لئے یہودیوں نے ان کو جو مشورہ دیا تھا وہ اس کے ملئے دل و جان سے راضی ہوگئے چنانچہ اسی وقت قریش کے مختلف خاندانوں سے پچاس جوان نکلے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف عہد و پیمان کیا اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر اور اس سے اپنے سینے ملا کر انہوں نے حلف کیا کہ وقت پر ایک دوسرے کو دغا نہیں دیں گے اور جب تک ان میں سے ایک شخص بھی باقی ہے محمد ﷺ کے خلاف متحد و متفق رہیں گے۔

اسی واقعہ کی طرف قصیدۂ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے اور یہود کی حرکتوں میں ان کی مذمت کی ہے۔

لاتكذب ان اليهود و قدزاغوا
عن الحق معشرلؤ ماء

جحدوا المصطفى وا من بالطاغوت
قوم هم عند هم شرفاء

قتلوا الانبياء واتخذوا العجل
الا انهم هم السفهاء

وسفيه من سائه المن والسلوى

وارضاء الفوم و الفشاء

ملئت بالخبيث منهم بطون
فهي نار طبا قها الامعاء
لواريد وافي حال سبت بخير
كان سبتا لديهم الاربعاء

هو يوم مبارك قيل للتصريف
فيه من اليهود اعتداء

فبظلم منهم و كفر عدتهم
طيبات في تركهن ابتلاء

مطلب...... یہ بات غلط نہیں ہے کہ یہودی جو حق و صداقت اور راہ راست سے پھر گئے ہیں ذلیل افتادہ ہیں۔ یہاں لؤماء کا جو لفظ ہے یہ لئیم سے ہے جس کے معنی بد ذات اور کمینہ فطرت کے ہیں چنانچہ یہودی کی سب سے بڑی کمینگی یہ تھی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا جب کہ ایک قوم یعنی کفار قریش کی تھی جو طاغوت یعنی غیر اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھی۔ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجی جائے۔ یہ لفظ طغیان سے بنا ہے۔ اور یہ لوگ یعنی یہودی اس قوم یعنی کفار قریش کے نزدیک بڑے معزز اور معتمد تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں یعنی بنی اسرائیل نے ایک دن میں ستر نبیوں کو قتل کیا تھا۔ ان ہی میں حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ بھی تھے۔ انہوں نے ہی ایک بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ جو لوگ بھی ایسی حرکتیں کریں گے ان سے زیادہ بے وقوف کون ہو سکتا ہے اور اس قوم سے زیادہ احمق کون ہو سکتا ہے جو من و سلویٰ یعنی مٹھائیوں اور پرندوں کے لذیذ گوشت کو چھوڑ کر لہسن اور اناج اور دال پر راضی ہو گئی۔ ان کی حماقت میں کوئی شک باقی نہیں ہے جنہوں نے حرام چیزوں جیسے سود اور بیاج سے اپنے پیٹ بھر لئے لہٰذا ان کے پیٹ جہنم ہیں کیونکہ ان پیٹوں میں وہ چیزیں بھری ہوئی ہیں جو جہنم کو دعوت دینے والی ہیں لہٰذا ان کی انتڑیاں آگ کی ڈھوبریاں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ یہودیوں کے یوم سبت میں جو سنیچر کا دن ہے اور جس کو انہوں نے اپنا محترم دن قرار دے رکھا ہے۔ خیر کا ارادہ فرماتا تو ان کا یوم سبت یعنی مقدس دن بدھ کا دن ہوتا کیونکہ اس دن نور پیدا کیا گیا تھا لہٰذا یہودیوں کا سب کام چھوڑ کر صرف عبادت کرنے کے لئے بدھ کے بجائے یوم سبت سنیچر کو بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں خیر ظاہر نہیں فرمائی۔

یہود اور یوم سبت...... جہاں تک یوم سبت یعنی سنیچر کے دن کا تعلق ہے تو اس دن اللہ تعالیٰ نے عالم کی تخلیق شروع فرمائی تھی مگر یہودی اس بات کو نہیں مانتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ تخلیق کی ابتداء حقیقت میں اتوار کے دن شروع ہوئی اور جمعہ کے دن حق تعالیٰ عالم کی تخلیق سے فارغ ہوا اور سنیچر کے دن اس نے آرام کیا لہٰذا

یہودی کہتے ہیں کہ اس دن ہم بھی اسی طرح آرام کریں گے جیسے پروردگار عالم نے آرام کیا تھا۔ یہودی کہتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ سنیچر کے دن کسی کام کی تکمیل نہیں فرماتا نہ تخلیق کی نہ رزق کی، نہ رحمت کی نہ عذاب کی، نہ زندگی کی اور نہ موت کی۔ جو شخص سنیچر کے دن مر جاتا ہے تو اس سے پہلے ہی اس کا نام لوح محفوظ سے مٹا دیا جاتا ہے۔ مگر حق تعالیٰ یہود کے اس عقیدہ کو اس آیت میں جھٹلاتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ الآیہ پ ۲۷ سورہ الرحمٰن ع ۲۴۔ آیت ۲۹

ترجمہ: وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔

لہٰذا یہودیوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے اس دن چونکہ انہوں نے عبادت کے سوا دوسری چیزوں کو روا رکھا تھا اس لئے ہر قسم کا ظلم و جور کرتے تھے لہٰذا اسی ظلم و جور کے سبب جو اس دن میں ان کی طرف سے رونما ہوئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جو ان کے لئے حلال تھیں ان کو حق تعالیٰ نے ان پر حرام کر دیا اور اس طرح یہ لوگ ایک ابتلاء اور مصیبت میں پڑ گئے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ چونکہ بدھ کے دن نور کی تخلیق فرمائی گئی ہے اس لئے انہوں نے اس دن کا روزہ رکھنے کے مستحب ہونے کے متعلق کافی مطالعہ اور جستجو کی ہے۔ مگر یہ بات قابل غور ہے (کہ باوجود اس دن کی اس فضیلت کے انہوں نے اس کی فضیلت کے بارے میں جستجو کی)

غرض اس کے بعد وہ یہودی سردار قبیلہ غطفان کے پاس آئے اور ان کو آنحضرت ﷺ سے جنگ کرنے کی دعوت دی اور آپ کے خلاف انہیں اکسایا۔ انہوں نے غطفان سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور قریش نے بھی ہمارے ساتھ اسی پر معاہدہ کر لیا ہے۔ ادھر انہوں نے غطفان والوں کو رام کرنے کے لئے خیبر کی کھجوریں ایک سال کے لئے ان کو دے دیں۔

<u>قریشی لشکر اور جنگی تیاریاں</u>...... غرض اب قریش اور ان کے ماتحت قبیلوں اور اسی طرح غطفان اور ان کے ماتحت قبیلوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قریشیوں کا سالار ابوسفیان تھا اس کے ماتحت چار ہزار سورماؤں کا لشکر تیار ہوا اس لشکر میں تین سو گھوڑے سوار تھے اور ایک ہزار یا پندرہ سو اونٹ تھے۔ پھر انہوں نے دار الندوہ میں جنگی پرچم تیار کیا پرچم برداری کی ذمہ داری عثمان ابن ابوطلحہ ابن ابوطلحہ کے پاس تھی اس کا باپ طلحہ ابن ابوطلحہ جنگ احد میں قتل ہو چکا تھا عثمان کے دونوں چچا بھی احد میں قتل ہو چکے تھے جن کے نام عثمان ابن ابوطلحہ اور ابوسعید ابن ابوطلحہ تھے۔ اس عثمان ابن ابوطلحہ کو ہی ابوشیبہ کہا جاتا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ لہٰذا یوں کہنا چاہئے کہ شیبہ عثمان ابن طلحہ کا چچازاد بھائی تھا۔

غزوہ احد ہی میں عثمان ابن طلحہ کے چاروں بھائی بھی قتل ہو چکے تھے جو یہ تھے۔ مسافع ابن طلحہ، حرث ابن طلحہ کلاب ابن طلحہ اور جُلاس ابن طلحہ۔ یہ عثمان ابن طلحہ جس نے اس موقعہ پر قریش کی پرچم برداری کی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کو حجبی کہا جاتا تھا (جس کا مطلب نگہبان ہونا چاہئے) کیونکہ یہ بنی عبدالدار میں سے تھا جو کعبہ کے محافظ و خادم تھے۔ یہ بنی عبدالدار اور ان کا مورث اعلیٰ جنگ کے وقت جنگی پرچم اٹھایا کرتے تھے یہ اعزاز بنی عبدالدار ہی کا تھا کوئی دوسرا اس حق میں شریک نہیں تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

<u>غطفان کا لشکر</u>...... قبیلہ غطفان کے لشکر کا سردار عیینہ ابن حصن فزاری تھا جو بنی فزارہ میں سے تھا۔ اس کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے یہ عیینہ ابن حصن فزاری بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اور

مسلمان ہونے کے بعد پھر کافر ہو گیا تھا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کے زمانے میں یہ شخص مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو پھر دوبارہ مسلمان ہو گیا تھا۔

اسلام لانے سے پہلے دس ہزار جوان اس شخص کے اطاعت گزار تھے اور اس شخص میں مزاج کی بے حد سختی اور تندی تھی اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ شخص احمق مُطاع ہے۔ یعنی ایک ایسا احمق جس کی لوگ اطاعت کرتے ہیں۔ اسی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ بدترین شخص وہ ہے جس سے لوگ اس کے شر کی وجہ سے بچنے لگیں۔

دیگر لشکر...... اسی طرح بنی مرہ کا لشکر تھا جس کی تعداد چار سو نفر تھی اس لشکر کا سالار حرث ابن عوف مُرّی تھا۔ یہ شخص بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر ایک قول ہے کہ بنی مرہ اس جنگ یعنی جنگ خندق یا جنگ احزاب میں شامل نہیں ہوئے۔

بنی اشجع کے لشکر کا سالار ابو مسعود ابن رخیلہ تھا یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی طرح بنی سلیم کا لشکر تھا اس لشکر کی تعداد سات سو نفر تھی اور اس کا سالار سفیان ابن عبد شمس تھا۔ اس شخص کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

اسی طرح بنی اسد کا لشکر تھا جس کا سالار طُلَیحہ ابن خویلد اسدی تھا۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ شخص بھی ایک مرتبہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا تھا مگر دوسری مرتبہ پھر مسلمان ہوا اور سچے دل سے اسلام لایا۔ بنی اسد اور بنی اشجع وہ قبیلے تھے جن کی شرکت نے اس احزابی لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچا دی تھی۔

تشریح...... اس لشکر کو لشکر احزاب اور اس غزوہ کو غزوہ احزاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار عرب کے تمام قبائل اور خاندان شریک ہوئے تھے۔ احزاب حزب کی جمع ہے جس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں چونکہ لشکر تمام جماعتوں اور گروہوں پر مشتمل تھا اس لئے اس کو لشکر احزاب کہا جاتا ہے)

لشکر کی ترتیب اور سالاری...... چنانچہ بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ ان احزاب اور گروہوں کی تعداد دس ہزار تھی جس کے تین لشکر بنائے گئے تھے مگر اس مجموعی لشکر کا کرتا دھرتا یا سپہ سالار اور ذمہ دار اعلیٰ ابو سفیان ابن حرب تھا (کیونکہ یہود کے بعد وہی اس تحریک کا روح رواں تھا)

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور صحابہ سے مشورہ...... غرض ادھر جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور احزابی لشکر کوچ کے لئے تیار ہو گیا تو دوسری طرف بنی خزاعہ کا ایک وفد (جو مسلمانوں کا دوست قبیلہ تھا) فوراً مدینے کو روانہ ہوا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کو قریش کی اس جنگی تیاری اور احزابی لشکر کی اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے مشرکوں کے اس اجتماعی لشکر کے بارے میں سنتے ہی صحابہ کو جمع فرمایا اور انہیں دشمن کی تیاریوں کا حال بتلا کر ان سے اس بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ آپ نے ان سے پوچھا۔

"کیا ہم مدینے میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں یا باہر نکل کر اسے روکیں۔"

خندق کھودنے کا مشورہ...... اس پر آپ کو ایک صحابی کی طرف سے (شہر کے گرد) خندق کھودنے کا مشورہ دیا گیا یہ مشورہ آپ کو حضرت سلمان فارسی نے دیا۔ انہوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! ہم کو اپنے ملک فارس میں جب دشمن کا خوف ہوتا تھا تو شہر کے گرد خندق کھود لیا

کرتے تھے۔“

اہل فارس کا جنگی طریقہ...... دراصل یہ طریقہ فارسیوں کا ہی ایجاد کردہ تھا۔ فارس کے جس بادشاہ نے سب سے پہلے یہ طریقہ ایجاد کیا وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا بادشاہ تھا۔ غرض مسلمانوں کو حضرت سلمان فارسی کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور انہوں نے مدینے کے گرد خندق کھودنے کا کام شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ اسی وقت اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے آپ کے ساتھ کچھ مہاجر اور انصاری مسلمان بھی تھے آپ کے لئے دیکھ بھال کر ایک مناسب جگہ تلاش کی گئی جہاں آپ نے پڑاؤ کیا اور اپنی زرہ کو کمر کے پیچھے کر لیا آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو محنت سے کام کرنے کا حکم فرمایا اور بتایا کہ اگر وہ صبر و استقلال سے کام کریں گے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ خود بہ نفس نفیس کام میں حصہ لیناشروع کر دیا۔

کھدائی میں نبی ﷺ کی شرکت...... آپ خود اپنی کمر مبارک پر مٹی ڈھوڈھو کر لے جانے لگے مسلمانوں نے دشمن کے پہنچ جانے کے اندیشے کی وجہ سے بہت تیزی سے کام شروع کر دیا۔ نی قریظہ کے یہودیوں سے کھدائی وغیرہ کے لئے بہت بڑی تعداد میں اوزار لئے جن میں پھاوڑے اور کدالیں وغیرہ شامل تھیں۔ مسلمانوں میں جو لوگ محنت و جانفشانی کر رہے تھے ان میں جعال وجعیل ابن سراقہ بھی تھے ان کا بدان بہت زیادہ موٹا اور چربی دار تھا اور یہ بہت زیادہ بدشکل تھے مگر یہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور بے حد نیک اور صالح صحابی تھے۔ یہی وہ شخص ہیں جن کی شکل میں احد کے دن شیطان ظاہر ہوا تھا اور اس نے اعلان کر دیا تھا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

نبی اور مسلمانوں کا رجز...... آنحضرت ﷺ نے ان کا نام بدل کر عمر رکھ دیا جس پر مسلمان یہ جنگی اور رجزیہ شعر پڑھنے لگے۔

سماه من بعد جعيل عمرا

وكان للبائس يوما ظهرا

ترجمہ: ان کا نام جعیل کے بعد عمر رکھ دیا گیا۔

چنانچہ اس کے بعد جب بھی لوگ رجز کے دوران لفظ عمر کہتے تو آپ بھی عمر کہتے اور جب لوگ لفظ ظہر پر پہنچتے تو آپ بھی سب کے ساتھ اس لفظ کا تکرار فرماتے۔ مگر کتاب اسد الغابہ میں جو تفصیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جس کا نام بدل کر آنحضرت ﷺ نے عمر رکھا تھا یہ جعیل نہیں تھا۔

صحابہ کی جانفشانی اور خالی پیٹ...... غرض خندق کھودنے کے دوران صحابہ بھوک اور تکان سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ یہ زمانہ عام تنگ دستی اور قحط سالی کا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو محنت اور بھوک کی شدت سے بے حال دیکھا تو آپ نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا۔

اللهم لا عيش الاعيش الاخرة

فارحم الانصارو المهاجرة

ترجمہ: اے اللہ عیش و آرام اور زندگی اگر ہے تو صرف آخرت کی ہے پس تو انصاریوں اور مہاجروں کو اپنی رحمتوں سے نواز دے۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے اس شعر میں اللہم کے بجائے بغیر الف کے لاہم کہا تھا مگر جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی عادت تھی (کہ آپ شعر کو کبھی اس کی اصلی حالت اور وزن کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے) آپ نے اس شعر کو بھی تبدیل کر کے اور وزن سے گرا کر پڑھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اللھم ره خير الاخير الاخرة

فبارك فى الانصار و المهاجرة

ترجمہ :اے اللہ !خیر اور بھلائی اگر ہے تو صرف آخرت ہی کی ہے۔ پس تو انصاریوں اور مہاجروں پر برکتیں نازل فرما۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ !

فاكرم النصارو المهاجرة

یعنی پس تو انصار اور مہاجرین کو سر بلند فرمادے۔ پیچھے مسجد نبوی کی تعمیر کا جو بیان گزرا ہے اس میں یہ شعر ہیں۔

اللهم ان الاجراجرالاخرة

فارحم الانصار و المهاجرة

ترجمہ :اے اللہ اجر و ثواب تو صرف آخرت ہی کا ہے پس تو انصار و مہاجرین پر اپنی رحمتیں نازل فرمادے کتاب امتاع میں یہاں اس شعر کا اضافہ بھی ہے۔

اللهم العن عضلا و القارة

هم كلفونى انقل الحجارة

ترجمہ :اے اللہ عضل و قارہ پر لعنت فرما کہ انہوں نے ہی مجھے پتھر ڈھونے پر مجبور کیا ہے۔

ایک روایت میں دوسرا مصرعہ یوں ہے کہ

هم كلفونانقل الحجارة.

یعنی انہوں نے ہمیں پتھر ڈھونے پر مجبور کر دیا۔ علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ شاید یہ مصرعہ اس طرح تھا کہ۔

والعن الٰهى عضلا . و القارة

مگر آنحضرت ﷺ نے اس شعر میں تبدیلی کر دی۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے دوسرے مصرعہ کو اس طرح پڑھا کہ۔

فارحم المهاجرين والاناصرة

ایک روایت کے مطابق یوں پڑھا۔

فانصر الانصار والمها جرة

غرض آنحضرت ﷺ سے یہ کلمات سن کر صحابہ نے اس کے جواب میں یوں کہا۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَى الْجِهَادِ مَابَقِيْنَا اَبَدًا

ترجمہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ اپنی زندگیوں کا سودا کیا ہے اور آخری سانس تک جہاد کرتے کی بیعت کی ہے۔

نبی کی محنت و مشقت...... آنحضرت ﷺ اس وقت مٹی ڈھو رہے تھے اور آپ کے پیٹ کی کھال پر گرد و غبار جما ہوا تھا اس وقت آپ نے پھر حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے یہ شعر صحابہ کرام کے جواب میں مثال کے طور پر پڑھنے شروع کئے۔

اللهم لولا انت ما اهتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

ترجمہ : اے اللہ !اگر تو ہماری رہنمائی پر نہ ہوتا تو نہ تو ہمیں ہدایت حاصل ہوتی اور نہ ہی ہم صوم و صلوٰۃ اور صدقات کا اہتمام کر سکتے۔

فانزلن سكينة علينا

وثبت الاقدام اذلا قينا

ترجمہ : پس اے اللہ ! تو ہمارے دلوں کو سکون و اطمینان سے نواز دے اور جنگ کے وقت میں ہمیں ثابت قدمی کی دولت سے مالا مال فرما دے۔

والمشركون قد بغوا علينا

وان ارادوا فتنة ابينا

ترجمہ : مشرکوں نے ہمارے خلاف سر اٹھایا ہے۔اگر انہوں نے فتنہ و فساد پھیلانا چاہا تو ہم ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے جب آخری مصرہ پڑھا تو لفظ ابینا کو آپ کھینچ کر بار بار فرماتے تھے۔جب خندق کی کدھائی شروع ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا آغاز فرمایا تو اس وقت آپ یہ مصرعہ پڑھتے جاتے تھے۔

بسم الاله وبه بلينا

ولو عبدنا غيره شقينا

پروردگار کے نام سے اور اسی کے سہارے ہم کام کا آغاز کرتے ہیں اور اگر اس پروردگار کے سوا ہم کسی کے سامنے سر جھکائیں تو یہ ہماری بدبختی کی بات ہوگی۔

يا حبذا ربا وحب دينا

ترجمہ :اے خوشا بخت کہ وہ کتنا پاک پروردگار ہے اور اس کا دین کتنا بہترین دین ہے۔

کتاب امتاع میں ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے وہ شعر پڑھا تھا جو مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں آنحضرت ﷺ نے پڑھا تھا وہ یہ ہے۔

هذا الحمال لاحمال خيبر

هذا ابر ربنا و اطهر

ترجمہ: یہ بوجھ خیبر کا بوجھ۔ یہ بوجھ اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پاک ہے۔

عمار کے متعلق نبی کی پیشین گوئی؟......اس شعر پر اور آنحضرت ﷺ کے شعر پڑھنے کے سلسلے میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں بحث گزر چکی ہے۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ جس وقت حضرت عمار ابن یاسرؓ خندق کھودنے میں مشغول تھے تو رسول اللہ ﷺ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور یہ فرمانے لگے کہ۔ تمہیں باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی جیسا کہ یہ واقعہ مسجد نبوی کے بیان میں بھی گزرا ہے۔

صحابہ کی لگن اور جذبۂ اطاعت......(صحابہ کرام خندق کھودنے میں مصروف تھے) اس کے دوران اگر کسی شخص کو کوئی ناگزیر یعنی قضائے حاجت کی ضرورت پیش آجاتی تو وہ آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کر کے اجازت لیتا تب جاتا تھا اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کام پر واپس پہنچ کر اور زیادہ تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ محنت کرنے لگتا تاکہ زیادہ سے زیادہ خیر و برکت اور ثواب حاصل ہو۔

منافقوں کی کاہلی......(خندق کی کھدائی کے کام میں منافقین بھی لگے ہوئے تھے مگر اکثر منافقین نہایت سستی سے کام کرتے اور بہت زیادہ تھکن اور کمزوری کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ ان میں سے جب کوئی چاہتا رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے بغیر چپکے سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

زید کی تھکن اور صحابہ کا مذاق......مٹی ڈھونے والوں میں حضرت زید ابن ثابتؓ بھی شامل تھے ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ بھی بڑا اچھا لڑکا ہے۔ کھدائی کے دوران زید کو نیند آنے لگی اور وہیں خندق کے اندر سو گئے۔ عمارہ ابن حزم نے ان کو سوتے دیکھا تو وہ ان کے اوزار اٹھا کر لے گئے۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو اوزار غائب دیکھ کر بہت گھبرائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی پریشانی دیکھ کر فرمایا۔ لڑکے تم ایسے سوئے کہ اوزار اٹھ جانے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

پھر آپ نے فرمایا اس لڑکے کے اوزاروں کے متعلق کسی کو خبر ہے۔ حضرت عمارہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے خبر ہے اور وہ میرے ہی پاس ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ واپس دے دو۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ اس طرح کسی مسلمان کو پریشان کیا جائے اور مذاق میں اس کے ہتھیار اور اوزار اٹھا لئے جائیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ہمارے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی شخص کا سامان بغیر اس کی اطلاع کے اٹھانا حرام ہے۔

پتھریلی زمین نبی کے سامنے موم....خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت اور پتھریلی زمین آگئی اور صحابہ سخت کوشش کے باوجود اس جگہ کی کھدائی سے عاجز آگئے۔ آخر انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر فریاد کی۔ آپ نے کدال اپنے دست مبارک میں لی اور اس جگہ ماری تو ایک ہی چوٹ میں وہ پتھریلی زمین ریت کی طرح بھر بھرا گئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ پانی منگایا اور اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا پھر آپ نے اللہ سے کچھ دعا مانگی اور اس کے بعد یہ پانی اس پتھریلی زمین پر چھڑک دیا۔ وہاں جو صحابہ اس وقت موجود تھے ان میں بعض کہتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آنحضرت ﷺ کو سچائی دے کر ظاہر فرمایا کہ یہ پانی پڑتے ہی وہ زمین ملائم ہو کر ریت کی طرح ہو گئی جسے کھودنے کے لئے کدال اور پھاوڑوں کی ضرورت نہیں ہوئی۔

صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی محنت......حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی اپنے کپڑوں میں بھر بھر کر

مٹی ڈھو رہے تھے کیونکہ جلدی میں انہیں کوئی ٹوکرا وغیرہ نہیں مل سکا تھا (یعنی یہ ایک جنگی اور ہنگامی صورت حال تھی جس میں بڑے بڑے صحابہ ہی نہیں خود رسول اللہ ﷺ بھی بہ نفس نفیس محنت و مشقت فرما رہے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے (جن کے مشورہ پر خندق کھودی گئی) روایت ہے کہ خندق کے ایک حصہ میں میں نے کدال ماری مگر وہ پتھر نہیں ٹوٹا اور مجھ پر بہت زیادہ تھکن ہو گئی آنحضرت ﷺ اس وقت میرے قریب ہی تھے جب آپ نے مجھے کدال چلاتے دیکھا اور محسوس کیا کہ پتھریلی زمین ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں تو آپ خندق میں اترے اور میرے ہاتھ سے کدال لے کر آپ نے زمین پر ضرب لگائی جس سے کدال کے سرے پر ایک بجلی کا سا جھماکہ ہوا اس کے بعد آپ نے ایک دوسری ضرب لگائی تو دوسری بار ویسا ہی روشنی کا سا جھماکہ ہوا۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی تو تیسری بار جھماکا ہوا۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی یہ ضربیں دیکھیں تو عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ آپ پہ میرے ماں باپ قربان ہوں یہ روشنی کے جھماکے کیسے تھے جو کدال کے نیچے کوندے۔"

جھماکے اور بشارتیں...... آپ نے پوچھا سلمان! کیا تم نے یہ جھماکے دیکھے تھے۔

میں نے عرض کیا ہاں۔ تو آپ نے فرمایا۔

"جہاں تک پہلے جھماکے کا تعلق ہے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یمن کی فتح نصیب فرمائی دوسرے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور مغرب پر غلبہ عطا فرمایا اور تیسرے جھماکہ کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مشرق کو میرے لئے مفتوح و مغلوب بنا دیا۔"

سلمان کی مقبولیت و محبوبیت...... (قال) ایک روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے متعلق مہاجر اور انصاری مسلمان جھگڑنے لگے۔ مہاجرین تو یہ کہتے تھے کہ سلمان ہماری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ سلمان ہمارے میں سے ہیں۔ آخر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمان ہمارے میں سے ہیں اور اہل بیت یعنی گھر والوں میں سے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

لقدر فی مسلمان لعدرفم
منزلة شافحة البیان

ترجمہ: سلمان کی عزت و سربلندی ہوئی اور ان کا یہ اعزاز بہت مضبوط بنیادوں پر ہے۔

وکیف لا والمصطفی قدعده
من اهل بیته العظیم الشان

ترجمہ: اور کیسے نہ ہو جبکہ حضرت محمد ﷺ نے ان کو اپنے بلند مرتبہ گھرانے کا ایک فرد شمار فرمایا ہے۔

سلمانؓ کی ہمت و طاقت...... حضرت سلمان فارسی کے سلسلے میں انصار و مہاجرین کے درمیان جو جھگڑا ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سلمان اتنے مضبوط اور قوی ہیکل آدمی تھے کہ خندق کی کھدائی کے دوران وہ اکیلے دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے چنانچہ وہ روزانہ پانچ ہاتھ چوڑی اور پانچ ہاتھ گہری زمین کھودتے تھے۔

یہاں تک کہ حضرت سلمان فارسی کو نظر لگ گئی۔ ان پر قیس ابن صعصعہ کی نظر کا اثر ہوا جس سے وہ فوراً پچھاڑ کھا کر گر گئے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ یہاں بعط کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اچانک گرنے کے ہیں۔ آخر آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا انہیں حکم دو کہ وہ وضو کریں اور

غسل کریں اور وضو کے برتن کو اپنی کمر کے پیچھے الٹ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اس عمل سے وہ ایسے ہلکے ہوگئے جیسے ان سے رسیوں کے بند کھل گئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے حکم دیا کہ قیسؓ سلمان کے لئے وضو کریں اور اپنے وضو کا پانی ایک برتن میں جمع کرلیں۔ پھر سلمان اس پانی سے غسل کریں اور برتن کو اپنی کمر کے پیچھے الٹ دیں۔

نبی کو تسخیر مشرق و مغرب کی بشارت...... ایک روایت ہے کہ جب وہ پتھریلی زمین کھودنی اور چٹان توڑنی حضرت سلمانؓ کو دوبھر ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ سے کدال لے کر بسم اللہ کہا اور پھر پتھر پر ایک ضرب لگائی جس سے چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا ساتھ ہی اس ضرب کے نتیجہ میں روشنی کا ایک جھماکہ ہوا اور یمن کی سمت ایک نور خارج ہوا جو سیاہ رات میں چراغ کی طرح روشن تھا۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک یمن کی کنجیاں مرحمت فرمادی گئیں اور مجھے اسی وقت اسی جگہ کھڑے ہوئے صنعاء کے دروازے اس سرح اپنے سامنے نظر آرہے ہیں جیسے کتوں کے اگلے دانت ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی جس سے چٹان کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ملک روم کی طرف سے ایک نور ظاہر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے پھر تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک شام کی کنجیاں عنایت فرمادی گئیں خدا کی قسم میں ملک شام کے محلات اور ایک روایت کے مطابق۔ سرخ محلات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے تیسری ضرب لگائی جس سے چٹان کا باقی حصہ ٹوٹ گیا اور پھر روشنی کا ایک جھماکہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا فرمادی گئی ہیں۔ خدا کی قسم مجھے اسی جگہ سے حیرہ و مدائن میں کسریٰ کے محلات اس طرح اپنے سامنے نظر آرہے ہیں جیسے کتوں کے اگلے دانت (ابھرے ہوئے اور جمے ہوئے) ہوتے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس وقت مدائن کا قصر ابیض یعنی سفید محل دیکھ رہا ہوں۔

آسمانی خبریں اور تصدیق...... ساتھ ہی آنحضرت ﷺ سلمان فارسی کو فارس کے مقامات کی تفصیل اور محل وقوع بتلاتے جاتے تھے اور حضرت سلمانؓ کہتے تھے کہ یارسول اللہ آپ نے سچ کہا اس جگہ کی تفصیل اسی طرح سے ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سلمان یہ فتوحات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ میرے بعد عطا فرمائے گا۔

بشارتوں پر منافقین کا تمسخر...... ادھر اسی وقت منافقوں کی ایک جماعت نے جن میں معتب ابن قشیر بھی شامل تھا کہنا شروع کیا کہ تمہیں حیرت نہیں ہوتی کہ محمد ﷺ تمہیں غلط امیدیں دلا رہے ہیں اور بے بنیاد وعدے کر رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ وہ یثرب میں کھڑے کھڑے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ یہ مقامات تمہارے ہاتھوں فتح ہوں گے جبکہ حالت یہ ہے کہ تم لوگ دشمن کے خوف و دہشت سے خندق کھود رہے ہو اور تم میں اتنی بھی ہمت نہیں کی میدان میں آکر دشمن کا مقابلہ کر سکو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ لآیہ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۳ آیت ۲۶

اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے سبب سے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا

تو آپ نے اپنی امت کو ملک فارس اور ملک روم کے فتح ہو جانے کا وعدہ دیا۔ اس پر منافقوں اور یہودیوں نے کہا کہ واہ واہ محمد ﷺ کو ملک فارس اور ملک روم کہاں سے مل سکتا ہے وہ لوگ کہیں زیادہ طاقتور اور بلند و برتر لوگ ہیں (جب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔)

دشمن لشکر کی آمد...... غرض جب رسول اللہ ﷺ خندق کی کھدائی سے فارغ ہو گئے تو اسی وقت قریش اور ان کے حامیوں کا لشکر مدینے کے سامنے پہنچ گیا اس لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ قریشی لشکر نے پانی کے بہاؤ کی جگہ پڑاؤ ڈالا اور غطفانی اور دوسرے دستے احد پہاڑ کی سمت میں فروکش ہو گئے۔

دونوں لشکروں کی تعداد اور پڑاؤ...... اس کے مقابلے میں مسلم لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ ابن اسحاق نے سات سو کی تعداد بتلائی ہے مگر یہ ان کا وہم ہے اگرچہ ابن حزم نے اسی تعداد کو صحیح بتلایا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ یہ وہم ہے۔ آنحضرت ﷺ مسلم لشکر کے ساتھ سلع پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئے جو مدینے کی بالائی سمت میں ہے اور آنحضرت ﷺ نے سلع پہاڑ کے دامن میں اس طرح پڑاؤ ڈالا کہ یہ پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر آگیا جیسا کہ بیان ہوا اور خندق مسلمانوں اور دشمن کے درمیان میں آگئی۔ آنحضرت ﷺ کے لئے ایک چرمی قبہ کھڑا کیا گیا اس خیمہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے تین یعنی حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بن جحشؓ تھیں جن کے پاس آپ باری باری رہتے تھے۔ اس عرصہ میں دن کے وقت میں حضرت عائشہؓ آپ کے پاس رہتی تھیں کیونکہ خندق کھودنے میں آنحضرت ﷺ کی مصروفیت دس دن سے زائد رہی۔ ایک قول ہے کہ چوبیس دن لگے ایک قول بیس دن کا ہے ایک قول کے مطابق تقریباً ایک مہینہ لگا، ایک قول کے مطابق پورا ایک مہینہ لگا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ تقریباً مہینہ بھر لگنے کا قول سب سے زیادہ مضبوط قول ہے مگر ایک قول کے مطابق سب سے پختہ قول پندرہ دن کا ہے۔ امام نووی نے کتاب روضہ میں اسی قول کو اختیار کیا۔

عورتوں و بچوں کا تحفظ...... اس دوران میں آنحضرت ﷺ کی باقی سب ازواج بنی حارثہ کے محلے میں تھیں۔ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو آطام یعنی ٹیلوں پر ٹھہرایا۔ جب آپ خندق کھودنے میں مشغول تھے تو آپ کے سامنے وہ لڑکے بھی آئے جو بالغ یا نابالغ تھے اور جو کھدائی میں مشغول تھے جب کھدائی کا کام نمٹ گیا تو ان لڑکوں میں سے ان کو جو پندرہ سال کی عمر کو نہیں پہنچے تھے آپ نے واپس ان کے گھروں پر بھجوا دیا اور جو پندرہ سال کے ہو چکے تھے ان کو آپ نے اجازت دے دی۔ ایسے لڑکوں میں جن کو آپ نے اجازت دے دی تھی عبد اللہ ابن عمر، زید ابن ثابت، ابو سعید خدری اور براء ابن عازب شامل تھے۔

ادھر مدینہ شہر میں مکانات اس طرح ایک دوسرے سے پیوست اور ملے ہوئے تھے کہ پورا شہر ایک قلعہ کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ مدینے کی ایک جانب تو کھلی ہوئی تھی اور باقی تمام سمتیں مکانات اور باغات سے پیوستہ تھیں جن پر دشمن کا قابو نہیں چل سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ کھلی ہوئی سمت ہی خندق کے لئے منتخب فرمائی۔ اپنی غیر موجودگی میں آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینے میں اپنا قائم مقام بنایا۔

آنحضرت ﷺ نے سلیط اور سفیان ابن عوف کو احزابی لشکر کی معلومات حاصل کرنے کے لئے جاسوس کے طور پر بھیجا مشرکین نے ان دونوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان دونوں کی لاشیں رسول اللہ ﷺ کے پاس

لائیں گئیں تو آپ نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرادیا اس طرح یہ دونوں جڑواں شہید کہلائے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے مہاجروں کا جنگی پرچم زید ابن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور انصاریوں کا پرچم سعد ابن عباد کے ہاتھ میں دیا ساتھ ہی آپ نے سلمہ ابن اسلم کو دو سو آدمی دے کر اور زید ابن حارثہ کو تین سو آدمی دے کر مدینے کی حفاظت اور گرداَوری کے لئے بھیجا۔ یہ دستے بلند آواز سے تکبیریں کہتے رہتے تھے کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ مدینے میں بنی قریظہ کے یہودی مسلمان بچوں اور عورتوں پر حملہ نہ کردیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تھا کہ یہودیوں نے امن کا وہ معاہدہ توڑ دیا ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان تھا جیسا کہ آگے تفصیل بیان ہوگی اور یہ کہ وہ مدینے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں بات یہ ہوئی تھی کہ حیّ ابن اخطب نے ایک قاصد تو قریش کے پاس بھیجا تھا کہ وہ اپنے ایک ہزار آدمیوں کا دستہ اس کے پاس بھیج دیں اور اسی طرح ایک پیغام قبیلہ غطفان کے پاس بھیجا تھا کہ ان کے بھی ایک ہزار آدمیوں کا دستہ ان کے پاس آجائے تاکہ مدینے کو تاراج کیا جاسکے۔

یہود کی سازش...... آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کی اس سازش کی خبر ہوگئی جس کی وجہ سے پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی اور بچوں کے متعلق ان صحابہ پر بھی زیادہ خوف اور بے اطمینانی پیدا ہوگئی جو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے خندق پر تعینات کئے گئے تھے (چنانچہ آنحضرت ﷺ نے زید ابن حارثہ اور مسلمہ ابن سلمؓ کی پیش کردگی میں پانچ سو مجاہدین کے دستے گرداَوری اور بچوں کی حفاظت پر متعین فرمادیئے)

ادھر جب مشرکین کا احزابی لشکر مدینے کے سامنے پہنچا اور انہوں نے خندق دیکھی تو (وہ لوگ حیران رہ گئے اور) کہنے لگے۔

"خدا کی قسم یہ تو بڑی سخت جنگی چال ہے۔ عرب تو اس جنگی تدبیر سے واقف نہیں تھے۔!"

ادھر مشرکین باری باری اپنے دستو کے ساتھ آگے بڑھتے اور واپس آجاتے۔ ایک دن ابوسفیان اپنے دستے کیساتھ جاتا۔ ایک دن خالد ابن ولید اپنا دستہ لے کر بڑھتے اور لوٹ آتے۔ ایک دن عمرو ابن حامل کی باری ہوتی اور وہ جاتے کسی دن ہبیرہ ابن وہب اپنے دستے کو لے کر جاتا، ایک دن عکرمہ ابن ابوجہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسمت آزمائی کرتے تو کسی دن ضرار ابن خطاب نکلتے۔ یہ لوگ اسی طرح اپنے گھوڑے سوار دستوں کو گھماتے پھرتے تھے کبھی یکجا ہو کر اور کبھی الگ الگ (مگر ہر طرف سے انہیں ناکامی ہوتی تھی)

لشکروں میں چھیڑ چھاڑ...... دوسری طرف صحابہ کرام کسی کسی وقت اچانک آگے بڑھتے اور اپنے دستوں کو مشرکین پر تیر اغازی کا حکم دیتے اس طرح کی چھیڑ چھاڑ مذکورہ مدت تک چلتی رہی جس میں سوائے تیر اندازی کے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی ایک دوسرے پر سنگ باری کرتے تھے۔

خندق عبور کرنے کی کوشش اور نوفل کا انجام...... اسی دوران ایک روز نوفل ابن عبداللہ ابن مغیرہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑا تاکہ خندق کو پھلانگ جائے مگر گھوڑا خندق کو پار نہ کرسکا اور سوار سمیت خندق میں گر گیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کردیا کیونکہ خندق میں گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی تھی ایک روایت میں یوں ہے کہ جہاں تک نوفل ابن عبداللہ کا تعلق ہے تو اس نے خندق سے پار ہونے کیلئے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر گھوڑے سمیت خندق میں گرا اور دونوں کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ خندق میں گرنے کے بعد مسلمانوں نے اس پر پتھر برسائے تو وہ کہنے لگا کہ اے گروہ عرب اس سے بہتر

تو یہ ہے کہ قتل ہی کر ڈالو۔ چنانچہ حضرت علی خندق میں اتر کر اس کے سر پر پہنچے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ یعنی حضرت علیؓ نے اس پر تلوار کا وار کر کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

مشرکین کو نوفل کی موت پر سخت صدمہ ہوا چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو اس کی دیت یعنی قیمت دیتے ہیں آپ ہمیں اس کی لاش لوٹا دیں تاکہ ہم اسے دفن کر دیں۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں کہلایا کہ وہ مردار تھا اس پر اللہ کی لعنت ہوئی اس کی دیت و قیمت پر بھی اللہ کی لعنت ہوئی۔ ہم تمہیں منع نہیں کریں گے تم اسے دفن کر سکتے ہو مگر ہمیں اس کی دیت و قیمت سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

ایک قول ہے کہ مشرکین نے اس کی لاش کے بدلے میں دس ہزار کی پیشکش کی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اس کی لاش ہمارے حوالے کر دیں تو ہم آپ کو بارہ ہزار دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"نہ اس کی لاش میں کوئی خیر ہے اور نہ اس کی دیت و قیمت میں کوئی خیر ہے۔ یہ لاش ان لوگوں کے حوالے کر دو کیونکہ اس شخص کی لاش بھی مردار ہے اور اس کی قیمت بھی مردار ہے۔!"

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اس کی لاش گدھے کی لاش ہے۔!"

حیی کا دشمن سے ساز باز...... بنی نضیر کے یہودیوں کا سردار اور اللہ کا دشمن حیی ابن اخطب جب قریش کو مدینے پر سے چڑھائی کرانے کے لئے لے کر چلا تو ان سے کہنے لگا کہ میری قوم بنی قریظہ تمہارے ساتھ ہے ان لوگوں کے پاس بہت بڑی تعداد میں ہتھیار اور اسلحہ ہیں۔ اس قبیلہ میں ساڑھے سات سو لڑنے والے جانباز ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان کہنے لگا۔

"تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس معاہدہ امن کو توڑ دیں جو ان کے اور محمد ﷺ کے درمیان قائم ہے!"

بنی قریظہ پر حیی کا دباؤ...... چنانچہ حیی اسی وقت روانہ ہوا اور کعب ابن اسد قرظی کے پاس آیا جو بنی قریظہ کا سردار تھا اور جو اس معاہدہ کا ذمہ دار تھا جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوا تھا۔ اور جس نا جنگ معاہدہ کی تفصیل گذشتہ قسطوں میں بیان ہو چکی ہے۔ غرض کعب کے مکان پر پہنچ کر حیی نے اس کے دروازے پر دستک دی مگر کعب نے حیی کو کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے اصرار کیا تو کعب نے کہا۔

دور ہو تیرا ناس ہو حیی۔ تو بہت ہی منحوس آدمی ہے۔ میں محمد ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر چکا ہوں اس کو ہرگز نہیں توڑوں گا۔ اور پھر محمد ﷺ کی طرف سے میں نے وفا اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔!"

کعب کا عہد شکنی سے انکار...... حیی نے پھر کہا کہ تیرا ناس ہو دروازہ تو کھول مجھے تجھ سے بات کرنی ہے کعب نے کہا میں نہیں کھولوں گا ساتھ ہی کعب حیی کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس پر حیی نے کہا۔ خدا کی قسم !تو نے اپنا دروازہ میرے لئے اس ڈر سے بند کیا ہے کہ میں کہیں تیرا آٹے کا حلوا کھانے میں شریک نہ ہو جاؤں۔!"

اس حلوے یا کھانے کے لئے روایت میں حشیش کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کو اصل میں دشیش کہتے ہیں یہ میٹھا یا نمکین کھانا ہوتا ہے جو گیہوں کو موٹا موٹا کوٹ کر بنایا جاتا ہے (اور عرب کا مشہور و مقبول کھانا تھا) یہ سنتے

ہی کعب نے دروازہ کھول دیا۔ حییؒ نے اندر آکر کہا۔

"خدا کی مار کعب میں تو تیرے لئے دنیاو جہان کی سربلندی و عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کو تمہارے گھروں تک لے آیا اور انہیں لاکر مجمع اسیال میں فروکش کرا دیا۔ ادھر غطفانیوں کو لے کر آیا اور انہیں احد کے دامن میں لا کھڑا کیا۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو نیست و نابود نہیں کرلیں گے۔"

کعب نے اس کے باوجود بھی یہ کہا۔

"خدا کی قسم! تو میرے پاس دنیا جہان کی ذلت ورسوائی لے کر آیا اور ہر وہ بات پیش کررہا ہے جس سے ڈر لگتا ہے کیونکہ میرے نزدیک محمد ﷺ کی طرف سے سوائے ایمانداری اور وفا کے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تو میرے پاس ایسی گھٹا اور بدلیاں لے کر آیا ہے جن میں پانی نہیں ہے جن میں سوائے گھور گرج اور بجلی کے کڑاکوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ تجھ پر افسوس ہے حییؒ میرا پیچھا چھوڑ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔!"

کعب کی سپر اندازی...... مگر حییؒ نے کعب کا پیچھا نہ چھوڑا (اور اس کو مجبور کرتا رہا) یہاں تک کہ کعب نے اللہ کے نام پر اس کو عہد دیا کہ اگر قریش اور غطفان کے لوگ محمد ﷺ کو قتل کئے بغیر یہاں سے لوٹ گئے تو بھی میں تمہارے ساتھ تمہاری حویلی میں قلعہ بند رہوں گا اور جو نقصان بن پڑے گا محمد ﷺ کو پہنچاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی کعب نے معاہدہ توڑ دیا اور اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جو سمجھوتہ تھا اس کو ختم کر کے معاہدہ کی تحریر پھاڑ ڈالی۔

قوم میں عہد شکنی کا اعلان...... اسکے بعد کعب نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر ابن مطاؒ، شاس ابن قیس، عزال ابن میمون اور عقبہ ابن زید شامل تھے۔ کعب نے ان سرداروں کو بتلایا کہ میں معاہدہ توڑ چکا ہوں اور وہ پرامن سمجھوتہ جو محمد ﷺ نے لکھا تھا میں اس کو چاک کرچکا ہوں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت کا جو ارادہ فرمایا اس کا راستہ انہوں نے خود صاف کیا۔ حییؒ ابن اخطب یہودیوں میں اپنی حرکتوں کے لحاظ سے قریش کے ابو جہل کے مشابہ تھا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع اور تشویش...... آنحضرت ﷺ کو کعب کی اس بد عہدی کی اطلاع ہوئی۔ یہ خبر حضرت عمر فاروقؓ نے دی اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی قریظہ نے عہد شکنی کردی ہے اور ہم سے برسرپیکار ہوگے ہیں!"

تحقیق حال کی جستجو...... آنحضرت ﷺ کو اس خبر سے سخت تکلیف اور پریشانی ہوئی (کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ ایک طاقتور دشمن شہر کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا گھر کے اندر دغا بازوں کا مقابل آجانا اور مار آستین ثابت ہونا بہت سخت مرحلہ تھا) آپ نے تحقیق حال کے لئے حضرت سعد ابن معاذؓ سردار اوس اور حضرت سعد ابن عبادہؓ سردار خزرج کو بھیجا۔ ان کے ساتھ آپ نے ابن رواحہ اور خوات ابن جبیر کو بھیجا۔ کتاب امتاع میں ان دونوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کے بجائے صرف اسید ابن حضیر کا نام ہے۔ آپ نے ان حضرات سے فرمایا۔

جاؤ اور دیکھو کہ ان لوگوں یعنی بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق جو بات ہمیں معلوم ہوئی کیا وہ درست

ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو واپس آکر مجھے ایسے اشاروں میں یہ خبر دینا کہ میں سمجھ لوں لیکن دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ نہ ہو سکے۔ تاکہ اس خبر سے لوگوں میں بے حوصلگی اور کمزوری نہ ہو جائے۔ لیکن اگر یہ بات غلط ہو تو سب کے سامنے صاف اور بلند آواز سے بتلادینا (کیونکہ اس صورت میں لوگوں پر برا اثر پڑنے کا خطرہ نہیں ہے)"

یہاں اشاروں میں بتلانے کے لئے لحن کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ بات الفاظ کے ذریعہ کہنے کے بجائے صرف چہرے کے ایسے اشارات سے بتائی جائے جس سے مخاطب تو مطلب سمجھ لے مگر دوسروں کے لئے وہ اشارات بے معنی ہوں۔ جیسا کہ لحن اس غلط کلام کو بھی کہتے ہیں جو لغت کے اعتبار سے ہٹ کر ہو چنانچہ ایک کہاوت ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جو لحن یعنی اشاروں میں ہو۔

یہودی دغابازی کی تصدیق...... غرض آنحضرت ﷺ کے اس فرمان پر یہ حضرات روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں پہنچے جہاں انہیں معلوم ہوا کہ وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے خلاف نقصان رسانی کے درپے ہیں۔ چنانچہ (جب ان حضرات نے یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ یاد دلایا تو کہنے لگے کہ کون رسول اللہ۔ اس طرح معاہدہ ختم کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ یہ بنی قریظہ کے یہودی حضرت سعد ابن معاذ کے قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے لہٰذا حضرت ابن معاذؓ نے اس حرکت پر انہیں بہت برا بھلا کہا۔ ایک قول ہے کہ یہ لوگ سعد ابن عبادہ کے حلیف تھے جن کے مزاج میں غصہ زیادہ تھا یہودیوں نے خود ابن عبادہ یا ابن معاذ کو بھی گالیاں دیں۔ جہاں تک ان کے حلیف ہونے کا تعلق ہے تو دونوں باتیں ممکن ہیں۔ پھر حضرت سعد ابن معاذؓ نے حضرت سعد ابن عبادہؓ سے یا اس کے برعکس دوسرے نے پہلے سے کہا۔

"ان کی گالی گفتار کو چھوڑو ان کے اور ہمارے درمیان اس بدکلامی سے کہیں زیادہ اہم معاملہ درپیش ہے!"

اس کے بعد دونوں سعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور اشاروں میں آپ کو اطلاع دی کہ بنی قریظہ نے دغابازی اور عہد شکنی کی ہے۔ ان حضرات نے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر لفظی اشارہ کرتے ہوئے صرف یہ کہا کہ "عضل و قارہ" یعنی یہودیوں نے اسی طرح بدعہدی کی ہے جیسے عضل و قارہ کے لوگوں نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی اور دغابازی کی تھی۔ اصحاب رجیع کا یہ واقعہ آگے سرایا یعنی صحابہ کی فوجی مہمات کے بیان میں آئے گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں تمہیں اللہ کی مدد اور نصرت کے لئے خوش خبری ہو۔

نصرت خداوندی کی خوشخبری...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنا کپڑا چہرہ مبارک پر ڈال لیا اور بہت دیر تک لیٹے رہے۔ جب مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح لیٹے دیکھا تو انہیں سخت گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی آخر آپ نے سر اٹھایا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور فتح کی خوش خبری ہو۔

زبیر کے ذریعہ تحقیق اور حسان بن ثابت...... غالباً ان دونوں یعنی سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو بھیجنے سے پہلے آپ حضرت زبیرؓ کو بنی قریظہ میں بھیج چکے تھے تاکہ وہ یہودیوں کی عہد شکنی کے متعلق صحیح خبر لے کر آئیں چنانچہ عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ احزاب یعنی غزوۂ خندق کے موقعہ پر میں اور عمرو ابن ابی سلمہ حسان ابن ثابت کی گڑھی یعنی چھوٹے قلعہ میں تھے خود حسان ابن ثابت بھی عورتوں کے ساتھ وہیں تھے۔ ان عورتوں میں آنحضرت ﷺ کی پھوپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں۔ اتفاق سے ایک یہودی اس

گڑھی کے گرد گھومتا نظر آیا صفیہ نے حسان سے کہا۔

"حسان! مجھے اس یہودی کی طرف سے اندیشہ ہے کہ یہ دشمن کو اس گڑھی میں پناہ گزین عورتوں کے متعلق نشان دہی کر دے گا اور دشمن ہم پر حملہ آور ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ تم نیچے اتر کر اس پر حملہ کرو اور قتل کر دو!"

خونریزی سے حسان کا خوف...... حسان نے کہا

"عبدالمطلب کی بیٹی! تمہیں معلوم ہے میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں!"

حسان سے مایوسی اور صفیہ کی دلیری...... حضرت صفیہ کہتی ہیں کہ جب میں حسان کی طرف سے مایوس ہو گئی تو میں نے خود ایک موٹا ڈنڈا اٹھایا اور نیچے اتری۔ پھر میں گڑھی کا دروازہ کھول کر خاموشی سے اس کے پیچھے گئی اور اچانک اس پر وار کرنے لگی یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد میں پھر گڑھی میں پہنچ کر اوپر آئی اور حسان سے کہنے لگی۔

"اب تم نیچے جا کر اس لاش کے جسم کا سامان یعنی کپڑا اور ہتھیار وغیرہ اتار لاؤ میں نے یہ کام صرف اس لئے خود نہیں کیا کہ وہ غیر مرد ہے۔!"

حسان کہنے لگے۔

"عبدالمطلب کی بیٹی! مجھے اس کے ہتھیاروں وغیرہ کی ضرورت نہیں۔!"

اس روایت سے اس گذشتہ قول کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ حسان ابن ثابت بے انتہا ڈرپوک آدمی تھے۔

غرض اس کے بعد عبداللہ ابن زبیرؓ کہتے ہیں کہ اچانک میری نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی جو گھوڑے پر سوار دو تین بار بنی قریظہ کے محلے کی طرف گئے آئے۔ جب ہم یہاں سے واپس ہوئے تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو بار بار بنی قریظہ کی طرف جاتے آتے دیکھا تھا۔ انہوں نے پوچھا بیٹے تم نے دیکھا تھا میں نے کہا۔ ہاں تو وہ کہنے لگے۔ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو بنی قریظہ میں جا کر مجھے ان کے متعلق صحیح اطلاعات دے (اس لئے میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا) جب میں ان کے متعلق اطلاعات لے کر آپ کے پاس پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے (خوش ہو کر) فرمایا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں!"

حضرت زبیرؓ سے نبی کی محبت...... اس روایت کو شیخین نے پیش کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ کی روایت سے ان کا قول ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دو مرتبہ اپنے ماں باپ کو جمع کر کے فدائیت ظاہر فرمائی۔ ایک دفعہ غزوہ احد کے موقعہ پر اور دوسری دفعہ بنی قریظہ کے موقعہ پر آپ نے فرمایا تھا کہ تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ شاید یہ بات غزوہ احد میں فرمائی گئی تھی کہ ہر نبی کے حواری یعنی ہمدرد و جاں نثار ہوا کرتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ زبیر میرے پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں اور میری امت میں سے میرے حواری بھی ہیں۔

زبیر کا تقویٰ اور صدقات...... کہا جاتا ہے کہ حضرت زبیرؓ کے ایک ہزار مملوک اور غلام تھے جو ان کو خراج کی رقم ادا کیا کرتے تھے مگر حضرت زبیرؓ یہ ساری رقم صدقہ کر دیا کرتے تھے اور اس میں ایک پائی بھی ان کے گھر میں نہیں پہنچتی تھی۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے بھی ہے۔ چنانچہ ایک

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ الآیہ پ ۳۰ سورۂ تکاثر ع ۱ آیت ۸

ترجمہ : پھر اور بات سنو کہ اس روز تم سب سے نعمتوں کی پوچھ گچھ ہو گی۔

توحضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ وہ کونسی نعمت ہے جس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ہمارے سامنے تو دو ہی نعمتیں ہیں ایک کھجور اور دوسری پانی!"

زبیر کی امانت داری...... آپ نے فرمایا کہ وہ نعمت عنقریب ملنے والی ہے (یعنی دولت و ثروت اور حکومت و سلطنت) ادھر سات صحابہ ایسے تھے جو حضرت زبیرؓ کو اپنی اولاد کا سرپرست بنا گئے تھے اور اس طرح حضرت زبیرؓ ان لوگوں کی اولاد کے روپے پیسے اور مال کی حفاظت کیا کرتے تھے اور خود اپنا مال ان پر خرچ کیا کرتے تھے۔ ان سات صحابہ میں حضرت عثمان ابن عفانؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ شامل تھے۔

مسلمانوں کو عہد شکنی کی اطلاع اور اضطراب...... غرض جب عام مسلمانوں کو یہود کی عہد شکنی اور دغا بازی کا حال معلوم ہوا تو انہیں سخت پریشانی اور اضطراب ہوا۔ یہاں عام مسلمانوں کو اس کا علم ہونے کی روایت سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے جبکہ پیچھے یہ بیان ہوا ہے کہ اس خبر کا افسانہ نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کا ایک دشمن ایک طرف سے آیا اور دوسرا دشمن دوسری طرف سے آیا تو انہیں پوری طرح حقیقت حال کا اندازہ ہو گیا کہ یہودی بغلی چھرا ثابت ہوئے ہیں اور انہوں نے دغا کی ہے) پھر حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا

الآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۲ آیت ۱۰

ترجمہ : جبکہ وہ لوگ تم پر آچڑھے تھے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔

منافقوں کی زبان زوری...... اس نازک وقت میں منافقوں کا نفاق بھی ظاہر ہونے لگا اور وہ کہتے پھرنے لگے کہ محمد ﷺ ہم سے وعدے کیا کرتے تھے کہ ہمیں کسریٰ و قیصر کے خزانے حاصل ہوں گے جبکہ ہماری حالت آج یہ ہو رہی ہے کہ پیشاب پاخانے کو جاتے ہوئے بھی ہمیں جان کا خوف ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ صرف دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا

الآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۲ آیت ۱۲

ترجمہ : اور جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور کے رسول اللہ ﷺ نے محض دھوکہ دہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔

بنی فزارہ و مرہ سے آنحضرت ﷺ کی خفیہ معاہدہ کی کوشش...... جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ معاملات اور صورتحال نازک ہوتی جارہی ہے تو آپ نے احزابی لشکر میں عینیہ ابن حصن فزاری اور حرث ابن

عوف مری کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ دونوں اپنے اپنے دستوں کو لے کر آپ سے الجھے بغیر واپس چلے جائیں توان کو مدینے کے پھلوں کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا اس پر یہ دونوں سردار ابوسفیان سے چھپ کر خاموشی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور تہائی ــــــــــــ کے بجائے نصف بہار کا مطالبہ کیا مگر آنحضرت ﷺ ایک تہائی سے زائد پر تیار نہیں ہوئے۔ آخر یہ دونوں ایک تہائی حصہ پر راضی ہوگئے اور اس پر معاہدہ تحریر کرلیا گیا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ معاہدہ لکھنے کیلئے حضرت عثمانؓ نے صحیفہ اور داوات یعنی قلم کاغذ منگایا۔ جب تحریر پر آنحضرت ﷺ کی مہر لگانے کا وقت آیا تو آپ نے حضرت سعد ابن معاذؓ اور سعد ابن عبادہ کو بھی بلالیا اور ان کو اس معاملے کی تفصیلات بتلا کر ان سے مشورہ مانگا۔ ان دونوں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! کیا یہ آپ کی خواہش ہے جسے آپ کرنا چاہتے ہیں یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس پر ہمارے لئے عمل کرنا ضروری ہے یا یہ معاملہ آپ صرف ہماری وجہ سے کرنا چاہتے ہیں سے ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر یہ آسمانی حکم ہے تو اس کو پورا کیجئے اور اگر یہ آسمانی حکم نہیں بلکہ یہ آپ کی خواہش ہے تو ہمارا سر تسلیم خم ہے۔ لیکن اگر یہ صرف رائے و مشورہ ہے تو ان کے لئے ہمارے پاس صرف تلوار ہے۔ !" آنحضرت نے فرمایا۔

"اگر مجھے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ملا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔ خدا کی قسم ! میں تو یہ معاملہ صرف اس لئے کرنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں تمام عرب تمہارے مقابلہ میں متحد اور ایک ہوگئے ہیں اور انہوں نے ہر طرف سے تمہیں گھیر لیا ہے اس لئے میں اس معاہدہ کے ذریعہ ان کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا چاہا ہے !"

سردار اوس کی مخالفت اور معاہدہ کی منسوخی...... حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ! ہم اور یہ لوگ یعنی غطفانی اللہ کے ساتھ شرک کرنے اور بتوں کی پوجا کرنے میں مشترک تھے نہ ہم خدا کی عبادت کرتے تھے اور نہ اس کو پہچانتے تھے اس وقت بھی یہ لوگ ہم سے ایک چھوہارا تک نہیں لے سکتے تھے سوائے اس کے کہ ہم مہمانداری میں کھلادیں یا یہ خرید کر کھالیں جب جاہلیت کے زمانے میں بھی یہ لوگ بڑی محنت کے بعد ہم سے ایک گٹھلی لے سکتے تھے تو ہم اب ان کو اپنا مال کیسے دے سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ سر بلند فرمادیا۔ ہمیں ہدایت فرمادی اور آپ کے ذریعہ ہمیں عزت دے دی ہے۔ ہمیں اس معاہدہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم ہم ان کو تلوار کے سوائے کچھ نہیں دے سکتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ !"

فزارہ و مرہ کو کورا جواب...... آنحضرت ﷺ نے سعد ابن معاذؓ سے فرمایا کہ بس تو یہ تحریر تمہارے حوالے ہے۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کی تحریر لے کر اس کی تمام عبادت مٹادی۔ یہ تفصیل پہلی روایت کے مطابق ہے۔ اسی طرح اس روایت کے بھی مناسب ہے جس کے مطابق یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تب اس تحریر کو پھاڑ دو۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے تحریر پھاڑ دی اور عینہ اور حرث سے ڈپٹ کر کہنے لگے کہ جاؤ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ پھر آپ نے حضرت سعد ابن معاذؓ سے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہمارے مقابلے میں سر مارے جائیں گے۔

عمرو ابن عبدود کی مقابل طلبی اور لاف و گزاف...... اس کے بعد مشرکوں میں سے چند لوگ آگے

بڑھے اور انہوں نے خندق عبور کرنے کے لئے اپنے گھوڑوں کو دوڑایا اور جس جگہ خندق کی چوڑائی کسی قدر کم تھی وہاں اسے پار کر آئے ان لوگوں میں عکرمہ ابن ابوجہل بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ نیز ان میں ہبیرہ ابن ابووہب بھی تھا جو حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کا شوہر تھا۔ ام ہانی سے اس کے اولاد بھی تھی۔ یہ شخص کفر کی حالت میں ہی مرا۔ اسی طرح ان لوگوں میں ضرار ابن خطاب اور عمرو ابن عبدود بھی تھے ایک قول کے مطابق نوفل ابن عبداللہ بھی تھا۔ اس وقت عمرو ابن عبدود کی عمر نوے سال کی تھی عمرو نے سامنے آکر کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلے کے لئے نکلتا ہے۔ حضرت علی یہ سن کر اٹھے اور بولے کہ یارسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ عمرو ابن عبدود ہے۔ عمرو نے پھر پکار کر للکار اور مسلمانوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہاری وہ جنت کہاں گئی جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو قتل ہو گا وہ اس میں داخل ہو گا۔ کیا تم میں سے کوئی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ساتھ ہی وہ یہ شعر پڑھنے لگا۔

ولقد بححت من النداء
بجمعکم هل من مبارز

ترجمہ: میں تمہاری جماعت کے سامنے مسلسل اعلان کر رہا ہوں کہ کیا کوئی مقابلے میں آنے والا ہے۔

ان الشجاعة فی الفتی
والجود من خیر الغرائز

ترجمہ: اور شجاعت و بہادری نوجوانوں میں ہوتی ہے اور سخاوت بہترین قسم کی طاقت ہے۔

حضرت علیؓ کا جوش مقابلہ...... اب پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں مگر آپ نے پھر فرمایا بیٹھ جاؤ یہ عمرا ابن عبدود ہے۔ اس کے بعد عمرو نے تیسری مرتبہ مقابل کو للکارا تو پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ اب حضرت علیؓ نے کہا کہ ہونے دیجئے۔ آپ نے اجازت دے دی حضرت علیؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے چلے۔

لاتعجلن فقد اتاك
مجیب قولك غیر عاجز

ترجمہ: جلدی نہ کر تیری للکار کو قبول کرنے والا تیرے سامنے آگیا ہے جو تجھ سے کسی طرح عاجز اور کمزور نہیں ہے۔

ذونیة و بصیرة والصدق منجی کل فائز

ترجمہ: وہ تجربہ کار اور سمجھ دار بھی ہے اور میرا یہ سچائی کا اعلان ہر کامیابی میں نجات کا راستہ دکھلانے والا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی تلوار ذوالفقار عنایت فرمائی اور اپنی لوہے کی زرہ پہنچائی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر باندھا پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ اس کی مدد فرما۔ ایک روایت میں یہ دعا مانگی کہ۔ اے اللہ! یہ میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے پس تو اس کو تنہا نہ چھوڑ دیے اور تو ہی سب سے بہترین سہارا ہے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ آپ نے اپنا عمامہ آسمان کی طرف بلند فرمایا اور کہا کہ الٰہی تو نے بدر کے دن مجھ سے عبیدہ کو لے لیا تھا اور احد میں حمزہ کو لے لیا تھا۔ یہ علی میرا بھائی اور میرے چچا کا بیٹا ہے۔ حدیث غرض حضرت علی عمرا ابن عبدود کی طرف بڑھے اور وہاں پہنچ کر عمرو سے کہنے لگے۔

علی کی دعوت اسلام اور عمرو کا انکار......اے عمرو ! تم نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ قریش میں سے جو شخص بھی تمہیں دو میں سے ایک بات کی دعوت دے گا تو تم اسے فوراً قبول کر لو گے !"
عمرو نے کہا۔" بے شک۔ "حضرت علیؓ نے کہا۔
"تو میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ !"
عمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ تب میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم کہا کرتے تھے کہ جو شخص مجھے تین چیزوں کی دعوت دے تو میں ان میں سے ایک ضرور قبول کر لوں گا۔ اس نے کہا۔ بے شک۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ اول تو میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ ورسول کی شہادت دو اور پروردگار عالم کے لئے مسلمان ہو جاؤ۔ عمرو نے کہا برادر زادے اس سے مجھے معاف رکھو۔ حضرت علیؓ نے کہا۔
"دوسری دعوت یہ ہے کہ تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو تم ان کی وجہ سے سب سے زیادہ خوش بخت آدمی رہو گے۔ اور اگر جھوٹے ہوں گے تو تمہاری مرضی کے مطابق نتیجہ ظاہر ہو گا جو تم چاہتے ہو۔ !"
عمرو نے کہا یہ تو ایسی بات ہے جس کا قریشی عورتیں کبھی ذکر بھی نہیں کر سکتیں۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس وقت واپس ہو جاؤں جب مجھے اپنی منت پوری کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ !۔ عمرو نے جنگ بدر کے موقعہ پر منت مانی تھی جبکہ قریش کو شکست ہوئی تو اس نے عہد کیا کہ اس وقت تک اپنے سر میں تیل نہیں لگاؤں گا جب تک کہ محمد ﷺ کو قتل نہیں کر دوں گا۔ پھر اس نے کہا تیسری بات کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا مقابلہ اس پر عمرو ہنسنے لگا اور بولا کہ یہ وہ بات ہے جس کے متعلق میں سمجھتا تھا عرب میں کوئی شخص مجھے اس سے مرعوب نہیں کر سکتا۔

علیؓ کے ہاتھوں عمرو کا قتل......جب حضرت علیؓ نے اس کو مقابلے کی دعوت دی تو یہ کہنے لگا کہ بھتیجے میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مگر میں خدا کی قسم یقیناً تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی عمرو غصے سے کھول گیا اور اسے زبردست غیرت آئی۔
ایک روایت میں ہے کہ (جب حضرت علیؓ سامنے آئے تو چونکہ وہ لوہے میں غرق تھے اور چہرہ بھی خود سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے عمرو نے ان سے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا علی !اس نے پوچھا کیا ابن عبد مناف۔ انہوں نے کہا میں علی ابن ابو طالب ہوں !عمرو نے کہا بھتیجے کسی اور کو بھیجو جو تمہارے خاندان سے ہو اور تم سے زیادہ طاقتور ہو کیونکہ میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تمہارے والد میرے دوست تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں تمہارے باپ کا ہمنشین تھا۔ حضرت علیؓ نے کہا مگر میں یقیناً تیرا خون بہانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو غضبناک ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے کہا میں تجھ سے کیسے لڑوں گا جبکہ تو گھوڑے پر سوار ہے (اور میں پیدل ہوں) اس لئے نیچے اتر کر مقابلہ پر آ۔ عمرو فوراً گھوڑے سے کودا اور آگ کے شعلہ کی طرح تلوار سونت کر کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس کے منہ پر مار کر اسے بھگا دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت علیؓ کی طرف حملہ آور ہوا حضرت علیؓ نے سامنے آ کر اپنی ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کی تلوار ڈھال پر پڑی اور اسے پھاڑ کر ان کی پیشانی پر چرکا لگا گئی جس سے خون بہہ پڑا۔ حضرت علیؓ نے فوراً جوابی حملہ

کیااور اس کی گردن کے نچلے حصے یعنی ہنسلی پر تلوار ماری جس سے عمرو کشتہ ہو کر گر گیا۔ اسی وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کانعرہ لگایا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ نعرہ سنا تو سمجھ لیاکہ حضرت علیؓ نے عمرو کو قتل کر دیا ہے۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علی کا عمرو کو قتل کرنادو جہان کی عبادت سے افضل ہے۔

عمرو ابن عبدود...... مگر (اس جملہ کے بارے میں)امام ابوالعباس ابن تمیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع یعنی من گھڑت ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتی نہ ہی کسی کمزور سند سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور کافر کا قتل جنات اور انسانوں کے دونوں جہانوں سے زیادہ افضل کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ان میں انبیاء بھی شامل ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ بلکہ اس عمرو ابن عبدود کا تذکرہ تک اس غزوہ کے سواکسی اور جگہ نہیں ملتا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں : مگر کتاب اصل یعنی عیون الاثر میں جو کچھ ہے اس سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ عمر ابن عبدود کا ذکر اس غزوہ کے سوادوسری جگہ نہیں ملتا۔ کیونکہ کتاب اصل میں ہے کہ۔ یہ عمرو ابن عبدود جنگ بدر میں لڑا تھا مگر اتنا زیادہ زخمی ہو گیا تھا کہ پھر جنگ احد میں شریک نہ ہو سکا۔ پھر غزوہ خندق کے موقعہ پر یہ اپنا ایک علیحدہ نشان لے کر مشرکوں کے ساتھ آیا تاکہ دیکھنے والے دور سے ہی پہچان لیں کہ وہ کس جگہ پر ہے۔

اسی طرح اس گذشتہ روایت سے بھی اس بات کی تردید ہو جاتی ہے جس میں گزرا ہے کہ جنگ بدر میں اس نے حلف کیا تھا کہ جب تک محمد ﷺ کو قتل نہیں کرلوں گا سر میں تیل نہیں لگاؤں گا۔ ادھر امام ابن تمیہؒ کا جو یہ استدلال ہے کہ ایک کافر کا قتل کیسے افضل ہو سکتا ہے۔ اس میں بھی بحث کی گنجائش ہے کیونکہ اس شخص کے قتل سے دین کی زبردست فتح ہوئی اور کفار کے حوصلے پست ہوئے۔

<u>حضرت علیؓ کی شجاعت و بہادری</u>...... تفسیر فخری میں ہے کہ جب حضرت علیؓ عمرو کو قتل کر کے آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ علی !اس کے مقابلے میں تم اپنے متعلق کیا محسوس کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں خود کو اس کے مقابلے میں اس قدر بھاری بھرکم اور بے خود) محسوس کر رہا تھا کہ اگر تمام مدینے والے ایک طرف ہوں اور تنہا میں ایک طرف ہوں تو ان پر غالب آجاؤں گا۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب عمر ابن عبدود کو قتل کرنے کے بعد حضرت علیؓ کلمہ پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔

"کیا تم نے اپنے مقتول کی زرہ بکتر اتار کر قبضہ میں نہیں کی۔ اس سے بہتر زرہ بکتر تو سارے عرب میں بھی نہیں ہے۔!"

حضرت علیؓ نے کہا۔

"میں نے جب اس کو قتل کیا تو وہ اس طرح گرا کہ اس کی شرمگاہ میرے سامنے تھی اس لئے میرے بھائی میں نے اس کا لباس اتارنا پسند نہیں کیا۔!"

<u>عمرو کی بے قیمت لاش کی قیمت</u>...... یہاں تک علامہ سہیلی کا حوالہ ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ کسی راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ حضرت علیؓ کو یہ واقعہ غزوہ احد میں طلحہ ابن ابوطلحہ کے ساتھ پیش آیا تھا جیسا کہ بیان ہوا جب کہ عمرو ابن عبدود احد میں شریک ہی نہیں ہوا جس کی تفصیل گزر چکی ہے اور کتاب اصل کا حوالہ بیان ہوا

ہے لہٰذا یہ بات قابل غور ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عمرو ابن عبدود کی لاش حاصل کرنے کے لئے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا اور اس کی قیمت میں دس ہزار تک کی پیشکش کی مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لاش تم لوگ لے سکتے ہو ہم مردوں کی قیمت نہیں لیں گے۔

باقی مشرکوں کا فرار اور تعاقب...... غرض جب عمرو قتل ہو گیا تو اس کے باقی ساتھی جو خندق تک پہنچ گئے تھے وہاں سے اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے بھاگے حضرت زبیرؓ نے ان لوگوں کا پیچھا کیا اور بھاگتے ہوئے نوفل ابن عبداللہ پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہو گئے یہاں تک کہ ان کی تلوار نوفل کے سر سے کولہوں تک دو ٹکڑے کرنے کے بعد اس کے گھوڑے کی پشت تک پہنچ گئی۔ اس واقعہ پر لوگوں نے حضرت زبیر سے کہا کہ ابو عبداللہ ہم نے تمہاری تلوار کی سی کاٹ نہیں دیکھی حضرت زبیرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ تلوار کا کمال نہیں بلکہ تلوار چلانے والے بازو کا کمال ہے۔

اس روایت پر شبہ ہوتا ہے کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ نوفل خندق میں گر گیا تھا جس سے اسکی گردن ٹوٹ گئی تھی۔ مگر میں نے بعض علماء کے کلام میں دیکھا کہ نوفل ابن عبداللہ کا خندق میں گرنا، اسکو پتھروں سے مارنا اور خندق کے اندر اسکو حضرت علیؓ کا قتل کرنا دو وجہوں سے غریب روایتیں ہیں لہٰذا یہ روایت قابل غور ہے۔

غرض اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے ہبیرہ ابن ابووہب پر حملہ کیا جو حضرت علیؓ کی بہن ام ہانی کا شوہر تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ حضرت زبیر نے ہبیرہ کے گھوڑے کی ہنسلی کی ہڈی پر تلوار ماری اور اس کو کاٹ دیا جس سے گھوڑے کی وہ جھول گر گئی جو اس کے کولہوں پر پڑی ہوئی تھی حضرت زبیرؓ نے اس کو اٹھا کر قبضہ میں لے لیا۔ اسی طرح بھاگنے میں عکرمہ کا نیزہ بھی گر گیا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی ضرار ابن خطاب اور ہبیرہ ابن ابووہب نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا حضرت علیؓ فوراً ان دونوں کے مقابلے میں آ گئے ان میں سے ضرار تو مقابلہ پر ٹھہر نہ سکا بلکہ ڈر کر بھاگ گیا البتہ ہبیرہ نے کچھ دیر مقابلہ کیا مگر پھر وہ بھی اپنی زرہ پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ شخص قریش کا بہترین گھوڑے سوار اور زبردست شاعر تھا۔

عمر فاروق کا بھائی سے مقابلہ...... ایک روایت میں ہے کہ جب ضرار ابن خطاب ڈر کر بھاگا تو اس کے بھائی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا پیچھا کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ پوری طاقت سے اس کا پیچھا کر رہے تھے کہ دفعتاً ضرار رکا اور اس نے پلٹ کر نیزہ سے حضرت عمرؓ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ نیزے کا زخم لگا دے مگر اچانک رک گیا اور کہنے لگا۔

"عمر! تم پر میرا یہ ایک احسان ہے جسے میں تم پر قائم کر رہا ہوں میں اس احسان کا بدلہ لئے بغیر اسے تمہارے ذمہ باقی رکھتا ہوں۔ اسے یاد رکھنا۔!"

حضرت عمرؓ کے ساتھ ضرار کو ایسا ہی واقعہ غزوہ احد میں بھی پیش آیا تھا کہ ضرار کا حضرت عمرؓ کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت عمر نے اس پر نیزے کا وار کیا مگر پھر ہاتھ روک لیا اور کہنے لگے کہ اے ابن خطاب میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ضرار کو اسلام کی توفیق عطا فرمادی تھی اور یہ ایک صالح مسلمان بنا۔

غزوہ احزاب میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ حم لاینصرون تھا۔ یہاں شاید مسلمانوں سے مراد صرف انصاری مسلمان ہیں لہٰذا اب یہ بات کتاب امتاع کی اس عبارت کے خلاف نہیں رہتی کہ اس غزوہ میں مہاجرین

کا جنگی نعرہ یا خیل اللہ تھا۔

غلطی سے مسلمانوں کا آپس میں مقابلہ...... یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے کی لاعلمی اور بے خبری میں روانہ ہوئے۔ ایک جگہ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو دونوں نے ایک دوسرے کو دشمن کا دستہ سمجھا اور لڑائی ہونے لگی جس میں کچھ لوگ زخمی اور قتل ہوئے۔ پھر دونوں نے اپنا جنگی نعرہ حم لاینصرون لگایا۔ اس وقت دونوں نے ایک دوسرے کو پہچانا اور لڑائی سے ہاتھ روکا۔ مگر اس روایت میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے یہ دونوں گروہ انصاریوں ہی کے ہوں (ان میں مہاجر کوئی نہ ہو)اس کے بعد یہ سب مل کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ بتلایا تو آپ نے فرمایا۔

"تمہارے یہ زخم بھی اللہ کے راستے میں لگے ہیں اور جو قتل ہوا وہ شہید ہے۔!"

سعدؓ ابن معاذ زخمی...... اس سے شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ وہ مسلمان جسے کوئی مسلمان غلطی سے قتل کر دے تو وہ مقتول شخص شہید ہوتا ہے (یعنی جنگ کے دوران کوئی مسلمان کسی مسلمان کو قتل کرے تو وہ شہید ہوگا)۔

اسی غزوہ میں حضرت سعد ابن معاذؓ سردار اوس کے ایک تیر آکر لگا۔ یہ تیر ان کے ایک رگ میں لگا جس ہے وہ رگ کٹ گئی اس رگ کو اکحل کہتے ہیں جو بازو میں ہوتی ہے اور تمام رگیں اسی سے نکل کر تمام بدن میں پھیلتی ہیں۔ غالباً فصد کھولنے کی وہ رگ یہی ہوتی ہے جس کو مشترک کہتے ہیں اسی رگ کو رگِ حیات کہتے ہیں۔

حضرت سعد کے یہ تیر ابن عرقہ نے مارا تھا۔ عرقہ اس شخص کی دادی کا نام تھا اور یہ شخص اپنی دادی کی نسل سے ابن عرقہ کہلاتا تھا۔ عرقہ کو عرقہ اس لئے کہا جاتا ہے اس کی رگیں بہت ابھری ہوئی تھیں۔

حضرت سعدؓ کی دعا...... ابن عرقہ نے حضرت سعدؓ کا نشانہ لے کر یہ کہتے ہوئے تیر چلایا کہ لے اسے سنبھال میں ابن عرقہ ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو جہنم میں پسینہ پسینہ کرے۔ ایک قول ہے کہ یہ جواب خود حضرت سعدؓ نے دیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے زخمی ہو کر دعا کی۔

"اے اللہ !اگر ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ باقی ہے تو مجھے اس کا گواہ بنا اور مجھے اس وقت تک نہ اٹھا جب تک میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ جب تک تو بنی قریظہ کے انجام سے میرا دل ٹھنڈا نہ کر دے ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اے اللہ !اگر قریش کے ساتھ ہماری کچھ بھی جنگ باقی ہے تو مجھے اس کے لئے زندہ رکھ کیونکہ مجھے کسی قوم سے جہاد کی اتنی آرزو نہیں ہے جتنی اس قوم یعنی قریش سے ہے جنہوں نے تیرے رسول کو تکلیفیں پہنچائیں انہیں وطن سے نکالا اور جھٹلایا۔!"

ایک دن جنگ مسلسل ہوتی رہی اور ایک قول کے مطابق خندق کے ہر حصے پر رات تک برابر لڑائی ہوتی رہی جسکی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور کوئی بھی مسلمان ظہر سے عشاء تک کوئی سی نماز نہ پڑھ سکے۔ اس صورتحال کی وجہ سے مسلمان بار بار کہتے کہ ہم نماز نہیں پڑھ سکے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ فرماتے کہ نہ ہی میں پڑھ سکا ہوں۔ آخر جب جنگ رکی تو رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ پر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا پھر انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ اسکے بعد حضرت بلالؓ ہر نماز کے بعد اگلی نماز کے لئے تکبیر کہتے رہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ وہ نمازیں پڑھتے رہے جو قضا ہو گئی تھیں۔ حضرت جابرؓ سے یوں روایت ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی اور تکبیر کہی تو آپ نے ظہر پڑھی۔ آپ نے پھر بلالؓ کو حکم دیا اور

انہوں نے اذان کہی پھر تکبیر کہی اور آپ نے عصر پڑھی۔ آپ نے پھر حکم دیا اور انہوں نے اذان کہی پھر تکبیر کہی اور آپ نے مغرب پڑھی۔ آپ نے پھر حکم دیا اور بلالؓ نے اذان دی پھر تکبیر کہی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھی۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں : پہلی روایت میں امام شافعی کے اس قول کی تصدیق ہے کہ اگر کئی نمازیں قضا ہوئی ہیں تو صرف پہلی نماز کے لئے اذان دینا مناسب ہے اور باقی نمازوں کے لئے اگر وہ مسلسل قضا ہوئی ہیں صرف تکبیر کہی جائے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قضا شدہ نمازوں میں سے صرف پہلی کے لئے اذان دی جائے تو یہ امام شافعی کا قدیم یعنی مصر پہنچنے سے پہلے کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

دوسری روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کئی نمازیں مسلسل قضا ہوئی ہیں تو ہر قضا شدہ نماز کے لئے علیحدہ اذان دی جائے مگر یہ امام شافعی کا مسلک نہیں ہے کیونکہ یہ روایت ابن مسعود کی ہے اور مرسل ہے کیونکہ ابن مسعود سے ان کے بیٹے ابوعبیدہ نے روایت کی ہے مگر اپنی کم عمری کی وجہ سے انہوں نے خود اپنے والد سے نہیں سنی۔

امام شافعی نے صحیح سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت بیان کی ہے جو کہتے ہیں کہ جنگ خندق میں ہمیں بہت عرصہ لگ گیا آخر ایک دستہ رات کے وقت چلا جو ہم سب کی طرف سے جنگ میں کافی ہو گیا۔ یہی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو یہ ہے۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا الآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۳۔ آیت ۲۵

ترجمہ : اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے۔

دوران جنگ کی قضا نمازیں...... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بلال کو بلا کر حکم دیا جنہوں نے ظہر کے لئے تکبیر کہی اور آپ نے اسی طرح یہ نماز پڑھی جیسے پڑھا کرتے تھے پھر عصر کی تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح عصر پڑھی پھر مغرب کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح مغرب پڑھی۔ اس کے بعد عشاء کے لئے تکبیر کہی گئی اور آپ نے اسی طرح عشاء پڑھی۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔ پھر آپ نے ہر نماز اسی بہتر انداز میں پڑھی جیسے آپ اسے اس کے وقت میں پڑھا کرتے تھے۔ اب یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ قضا شدہ نماز کے لئے اذان مستحب نہیں ہے۔ جدید مسلک میں امام شافعیؒ کا یہی قول ہے مگر ان کا یہ قول مرجوح ہے یعنی ان کا قدیم قول ہی ترجیحی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔

گویا اس واقعہ کے سلسلے میں دو روایتیں گزریں ایک میں ہے کہ۔ رات تک لڑائی ہوتی رہی اور دوسری روایت میں ہے کہ۔ ایک دستہ رات کے وقت چلا۔ امام نووی نے شرح مہذب میں ان دونوں روایتوں کا اختلاف اس طرح دور کیا ہے کہ دراصل یہ دونوں دو الگ الگ واقعے ہیں جو غزوہ خندق کے دوران پیش آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ پندرہ دن تک چلا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر خود اسی بحث پر بھی اعتراض ہے کہ ان روایات کی روشنی میں ان کا دو علیحدہ علیحدہ واقعات ہونا تو الگ ظاہری بات ہے کیونکہ پہلی روایت میں ہے کہ۔ ایک دن لڑائی رات تک ہوتی رہی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ۔ ایک دستہ رات کے وقت چلا جو ہم سب کی طرف سے جنگ میں کافی ہو گیا۔ ان دو الگ الگ واقعات کو ایک کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے درمیان موافقت پیدا کرتے یا

کا اختلاف دور کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

نماز خوف اور نماز شدت خوف...... ادھر ان روایات کی ظاہری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چاروں نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔ علامہ بغوی نے سورۂ مائدہ کی اپنی تفسیر میں اسی بات کی صراحت کی ہے لہٰذا اس بات میں اور آگے فتح مکہ کے بیان میں آنے والی روایت کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے (جس کی تفصیل آگے ذکر ہوگی)

امام طحاوی کی ایک روایت ہے جس کو علامہ مکحول اور امام اوزاعی نے دلیل بنایا ہے کہ جنگ کے عذر کی وجہ سے نماز میں تاخیر کر دینا جائز ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ جب رسول اللہ ﷺ (جنگ میں) مشغول ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے اور سورج غروب ہو گیا تو آپ کے لئے سورج کو لوٹا دیا گیا یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز ادا فرمائی۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

بخاری میں حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر ایک روز وہ اس وقت آئے جبکہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں یہ نماز یعنی عصر نہیں پڑھ سکا۔ پھر ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بطحان کے مقام پر ٹھہرے آپ نے نماز کے لئے وضو کی اور ہم نے بھی وضو کی اور سورج غروب ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صرف عصر کی نماز چھوٹ گئی تھی جسے آپ نے غروب آفتاب کے بعد پڑھ لیا تھا۔ امام نووی کہتے ہیں کہ ان روایات کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی اس غزوہ میں کسی دن پیش آیا تھا۔

(یہاں عصر کی نماز کا ذکر چل رہا ہے جس کے متعلق بحث ہے کہ آیا صلوٰۃ وسطیٰ یہی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے) اس بارے میں اسی ذیل کی ایک حدیث سے ثبوت ملتا ہے جس میں ہے کہ ہم (جنگ میں) مشغولیت کی وجہ سے صلوٰۃ وسطیٰ یعنی صلوٰۃ عصر نہیں پڑھ سکے اور سورج غروب ہو گیا (اور جن کی وجہ سے ہماری یہ نماز چھوٹ گئی اللہ تعالیٰ ان کے شکموں کو۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ان کے پیٹ اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے جس کو حسن صحیح کہا گیا ہے مگر اس میں یوں ہے کہ

"اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جیسے انہوں نے ہمیں جنگ میں مشغول کر کے صلوٰۃ وسطیٰ سے باز رکھا یہاں تک کہ سورج ہی غروب ہو گیا۔"

جہاں تک عصر کی نماز کو ہی صلوٰۃ وسطیٰ قرار دینے کا قول ہے تو اس مسئلے میں انیس قول ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ ان اقوال کو حافظ دمیاطیؒ نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے اور اس کتاب کا نام کشف الغطاء عن الصلوٰۃ الوسطیٰ رکھا ہے۔ کتاب ینبوع میں ہے کہ جہاں تک عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہنے کا تعلق ہے تو میرا عقیدہ اور یقین بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

(قال) ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی اور فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو خیال ہے کہ میں نے آج عصر کی نماز پڑھی تھی صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے عصر نہیں پڑھی یعنی نہ ہم نے پڑھی اور نہ آپ نے پڑھی۔ آپ نے فوراً مؤذن کو حکم دیا جس نے تکبیر کہی اور آپ

نے عصر پڑھی اور پھر مغرب کی نماز لوٹائی۔

ایک قول ہے کہ یہ واقعہ نماز خوف یعنی جنگ کے دوران پڑھی جانے والی نماز کے متعلق حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور اس وقت تک نماز خوف کی یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا. فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

پ ۲ سورہ بقرہ ع ۳۱۔ آیت ۲۳۹

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو کہ جو تم کو سکھلادیا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

واحد مولف کہتے ہیں: جہاں تک مغرب کی نماز کو لوٹانے کا تعلق ہے تو اس کا جواب دینے کی ضرورت ہے کہ کیوں لوٹائی گئی) اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت کے ساتھ اس کو لوٹایا۔ جہاں تک نماز حوف کی اس آیت کا تعلق ہے جو ذکر ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خوف سے مراد وہ نماز ہے اس میں شدت اور تنگی ہو تو وہ نماز خوف مراد نہیں ہے جو غزوہ ذات الرقاع میں ہوئی تھی جس کا پیچھے بیان گذرا ہے اور جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ الخ لہٰذا اب پیچھے غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق جو بیان گزرا ہے یہ بات اس کے خلاف نہیں رہتی اور جو اس غزوہ خندق سے پہلے پیش آیا تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں اب وہ استدلال جو بے معنی ہو جاتا ہے جو ذات الرقاع کو خندق سے پہلے ماننے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ خندق کو پہلے مانتے ہیں وہ اس بارے میں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اس وقت تک یعنی غزوہ خندق تک نماز خوف یعنی ذات الرقاع والی نماز خوف کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ورنہ آنحضرت ﷺ اس نماز خوف کو غزوہ خندق میں پڑھتے اور نماز کا وقت نہ نکلتا۔ یہ استدلال اس لئے بے معنی ہو جاتا ہے کہ اس صلوٰۃ خوف سے مراد جو غزوہ خندق کے موقعہ تک نازل نہیں ہوئی تھی شدت اور تنگی کے وقت کی نماز ہے ذات الرقاع والی نمار خوف مراد نہیں ہے۔

ادھر یہ قول بھی ساقط ہو جاتا ہے کہ وہ آیت جو غزوہ ذات الرقاع کی نماز خوف کے متعلق نازل ہوئی تھی منسوخ ہے اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس نماز کو غزوۂ خندق میں ترک فرمادیا۔ بلکہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خندق میں اس لئے منع فرمایا اگرچہ اس غزوۂ میں گھمسان کی جنگ نہیں ہوئی مگر مسلمانوں کو ہر وقت دشمن کے چڑھ آنے کا خطرہ لگا رہتا تھا تو اگر وہ اس غزوہ میں نماز خوف پڑھتے تو وہ شدت خوف کی نماز ہوتی ذات الرقاع والی نماز خوف نہ ہوتی کیونکہ اس کی شرط یہ ہے کہ دشمن کے چڑھ آنے کا خطرہ نہ ہو جبکہ نماز شدت خوف یا تو اس صورت میں ہے جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو اور یا دشمن کے ہجوم کر آنے کا خوف وخطرہ ہونے کی صورت میں ہے۔

بعض علماء نے ابن اسحاق کا قول نقل کیا ہے جو علم غزوات کے امام ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عسفان کے موقعہ پر بھی نماز خوف پڑھی تھی اور یہ کہ ابن اسحاق نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عسفان کے مقام پر نماز خوف کا واقعہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے لہٰذا عسفان کی نماز بھی منسوخ کہلائے گی۔ مگر یہ قول قابل غو ہے اور اس میں کافی شبہ ہے کیونکہ عسفان کی نماز غزوہ حدیبیہ کے موقعہ پر ہوئی تھی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عسفان کی نماز غزوہ خندق سے پہلے ہوئی تھی تو اس میں بھی وہی شرط باقی رہے گی کہ یہ

نماز دشمن کے ہجوم کر آنے کے خطرہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

دشمن کی رسد مسلمانوں کے قبضے میں !...... (قال) غرض پھر انصاریوں کی جماعت خندق سے روانہ ہوئی تاکہ اپنے مردوں کو مدینے میں دفن کر آئیں۔ راستے میں اتفاق سے انہیں قریش کے بیس اونٹ مل گئے جن پر گیہوں کھجوریں اور بھوسہ لدا ہوا تھا۔ رسد کا یہ سامان حیٔ ابن خطب نے قریش کو تقویت پہنچانے اور ان کی مدد کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ یہ انصاری ان سب اونٹوں کو ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ رسد کا یہ سامان مل جانے سے اہل خندق یعنی مسلمانوں کو زبردست آرام اور فراغت میسر آئی۔ ابوسفیان کو جب اپنے اس نقصان کا حال معلوم ہوا تو کہنے لگا۔

یہ حیٔ بڑا ہی منحوس ہے۔ اس نے وہ جانور بھی کھودیئے جن پر واپسی میں ہم سامان بار کر کے لے جاتے!"

خالد ابن ولید کا ناکام حملہ...... اس کے بعد خالد ابن ولید ایک روز پھر مشرکوں کا ایک دستہ لے کر مسلمانوں پر غفلت میں اچانک حملہ کرنے کے لئے چلے مگر خندق پر پہنچ کر ان کی اسید ابن حضیر سے مڈبھیڑ ہو گئی جن کے ساتھ دو سو مسلمانوں کا دستہ تھا۔ یہ لوگ کچھ دیر تک ان سے الجھے رہے۔ ان مشرکوں میں وحشی بھی تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ اس نے طفیل ابن نعمان پر نیزے سے حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔

اس کے بعد مشرکین رات کے وقت اکثر اپنے دستے بھیجتے رہتے تاکہ موقعہ ملے تو اچانک مسلمانوں پر شبخون ماردیں اسی وجہ سے مسلمان جو کہ ان کے مقابلے میں تھے ہر وقت زبردست خوف اور اندیشے میں وقت گزار رہے تھے (کیونکہ ہر لمحہ دشمن کے اچانک آپڑنے کا خطرہ رہتا تھا)

صحیحین میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احزابیوں یعنی مشرک لشکر کے لئے بددعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اللهم منزل الكتاب

سريع الحساب

اهزم الاحزاب

اللهم

اهزمهم وانصرنا عليهم وزلزلهم

ترجمہ: اے اللہ۔ اے جلد حساب فرمانے والے احزابیوں کو شکست دے۔ اے اللہ ان کو مغلوب فرما دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ان کو پارہ پارہ فرما دے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔

"لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرو لیکن اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو صبر و ثبات کو اپنا شیوہ بنانا۔ اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں پوشیدہ ہے۔"

یعنی مومن کو جنت میں پہنچانے والا جو سبب ہے وہ اللہ کی راہ میں کیا جانے والا تلوار کا وار ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے پھر دعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ياصريخ المكروبين

یا مجیب المضطرین

اکشف ھمی وغمی

وکربی

فانك ترى ما نزل بى وبا صحابى

ترجمہ :اے مصیبت زدوں کی فریاد رسی کرنے والے،اے پریشان حالوں اور ستم کے ماروں کی سننے والے میرے غم والم دور فرمادے کیونکہ تو خوب دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے اصحاب پر کیسی پریشانیاں آئی ہیں۔

صحابہ کو دعا کی تلقین...... پھر صحابہ نے آپ سے پوچھا۔

"کیا کوئی ایسی دعا ہے جو ہم اس وقت پڑھیں کیونکہ اب کلیجے منہ کو آنے لگے ہیں!"

آپ نے فرمایا۔ہاں !یہ دعا پڑھو

اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا

یعنی اے اللہ !ہماری شرمگاہوں کی پردہ پوشی اور ہمیں خوف اور ڈر سے محفوظ و مامون فرمادے یعنی خوف وخطر سے نجات عطا فرمادے۔"

فتح و نصرت کی بشارت......اسی وقت جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ دشمن پر ہوا کا طوفان اور اپنے لشکر نازل فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ اطلاع سنائی اور شکر ہے۔ شکر ہے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھالئے۔

ان دعاؤں کے دن......ایک حدیث میں ہے کہ دشمن کے خلاف آنحضرت ﷺ نے یہ دعائیں پیر، منگل اور بدھ کے دن فرمائیں اور اس دن یعنی بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان آپ کی دعائیں قبول ہوئیں (جس کی آپ کو بشارت دی گئی)چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک سے مسرت واطمینان ظاہر ہونے لگا۔

بدھ کے دن کی فضیلت......چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے اہم کاموں میں اسی دن اور اسی وقت یعنی بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دعائیں مانگا کرتے تھے اور یہی ان کی عادت تھی (جس کا وہ ہمیشہ التزام اور خیال رکھا کرتے تھے)

مہینے کے آخری بدھ کی مذمت......بعض حدیثیں اور آثار وہ بھی ہیں جن میں بدھ کے دن کی برائی اور مذمت کی گئی ہے یعنی دعا مانگنے کے لحاظ سے اس دن کا غیر موزوں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ تمام حدیثیں اور آثار مہینے کے آخری بدھ کے سلسلے میں ہیں کیونکہ اس بدھ میں فرعون پیدا ہوا تھا اور اسی دن میں اس نے خدائی کا دعوی کیا تھا اور اسی دن میں (یعنی مہینے کے آخری بدھ میں)اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک و برباد کیا تھا۔ نیز یہی وہ دن تھا جس میں حضرت ایوبؑ آزمائش اور بلا میں گرفتار ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا مورچہ......(قال)غرض اس خندق کی دیوار میں ایک جگہ شگاف اور رخنہ تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکثر اسی شگاف میں آجایا کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر اس رخنہ میں تشریف لایا کرتے تھے جب آپ کو ٹھنڈ محسوس ہوتی تو آپ آجاتے اور میں آپ کو اپنی گود میں لٹا کر گرمی پہنچایا کرتی تھی۔ جب آپ کو گرمائی آجاتی آپ پھر اسی رخنہ میں تشریف لے جاتے۔اس وقت آپ فرمایا کرتے تھے۔

"مجھے سوائے اس رخنہ کے اور کہیں سے مسلمانوں پر حملہ کا خوف نہیں ہے۔!"

ایک دفعہ جبکہ آپ میری گود میں سر رکھے لیٹے ہوئے تھے اچانک فرمانے لگے۔
"کاش کوئی صالح آدمی آج رات اس رخنہ کی حفاظت و نگرانی کرے۔!"
اسی وقت آپ نے قریب میں ہتھیاروں کی آواز سنی۔ آپ نے پوچھا یہاں کون ہے۔ حضرت سعد ابن معاذؓ نے عرض کیا۔
"میں سعد ہوں یار سول اللہ ﷺ! اور آپ کی حفاظت کے لئے یہاں کھڑا ہوں!"
آپ نے فرمایا۔
"تم اس رخنہ کی حفاظت کرو اور وہیں رہو۔!"
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ ہلکے ہلکے خراٹوں کی آوز آنے لگی۔ پھر آنحضرت ﷺ اٹھے اور اپنے قبہ میں ہی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ یہ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ پر کسی بات کا غم ہوتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ کو ان کے بھائی قثمؓ کی موت کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے فوراً اناللہ پڑھی اس وقت وہ سفر میں تھے وہ یہ خبر سن کر فوراً راستے کے ایک طرف کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ دونوں رکعتوں میں انہوں نے جلسہ بہت لمبا کیا اور نماز میں یہ آیتیں تلاوت کیں۔
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ پ ۲ سورہ بقرہ ع ۱۸۔ آیت ۱۵۲
ترجمہ: صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والے کے ساتھ رہتے ہیں۔
غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مشرکوں کا گھوڑے سوار دستہ خندق کے قریب گھوم رہا ہے۔ پھر آپ نے پکارا۔ اے عبادا بن بشیر۔ انہوں ن کہا حاضر ہوں۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔
ہاں یار سول اللہ! میں ایک جماعت کے ساتھ آپ کے قبہ کے گرد و پیش میں تعینات ہوں۔!"
حضرت عباد ابن بشر ہر وقت نہایت چوکنا رہ کر آنحضرت ﷺ کے قبہ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عبادؓ کو خندق کی طلایہ گردی کے لئے روانہ کیا اور ان کو بتلایا کہ خندق کے قریب ہی مشرکین کا گھوڑے سوار دستہ بھی گھوم رہا ہے (جو حملہ کرنا چاہتا ہے) اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی۔
اللهم ادفع عنا شرهم و انصرنا عليهم واغلبهم لايغلبهم غيرك
اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور اور دفع فرمادے ہماری مدد فرما اور ان دشمنوں کو مغلوب فرمادے ان کو تیرے سوا کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔
اب مسلمان خندق پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنے گھوڑے سوار دستے کے ساتھ خندق کے تنگ حصے پر موجود ہے۔ مسلمانوں نے انکو دیکھتے ہی تیر اندازی کی جس سے ڈر کر مشرکوں کا دستہ وہاں سے پسپا ہو کر لوٹ گیا۔

مشرک لشکر میں سے نعیم ابن مسعود کا اسلام...... ایک رات نعیم ابن مسعود جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بولے۔
"یار سول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں مگر میری قوم کو میرے اسلام کا حال معلوم نہیں ہے لہٰذا آپ میرے سے جو کام لینا چاہیں اس کا مجھے حکم فرمائیے۔!"

جنگ ایک دھوکہ ہے...... ایک روایت میں ہے کہ جب احزابی لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا تو نعیم بھی مع اپنی قوم کے لشکر کے ساتھ چلے نعیم قبیلہ غطفان سے تھے اور اس وقت تک اپنی قوم کے ہی دین پر تھے مگر مدینے کے سامنے پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعیم کے دل میں اسلام کی محبت پیدا فرمادی چنانچہ ایک روز وہ اپنے لشکر سے نکلے اور مغرب اور عشاء کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر بیٹھ گئے پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ نعیم تم کس لئے آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کی تصدیق کرنے اور یہ گواہی دینے آیا ہوں کہ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے اس کے بعد یہ مسلمان ہوگئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ تم تنہا آدمی ہو مگر ان لوگوں کو نامراد کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہو کرو کیونکہ جنگ دھوکہ اور فریب کا ہی نام ہے۔ یعنی جنگی معاملات دھوکہ در فریب سے ہی نمٹائے جایا کرتے ہیں۔

جنگی فریب کے لئے اجازت...... نعیم نے کہا۔

یارسول اللہ ﷺ! کیا میں کوئی بھی ایسی بات کہہ یا کر سکتا ہوں جو موقعہ کے مناسب ہو چاہے وہ واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔!"

آپ نے فرمایا جو مناسب سمجھو وہ کہہ سکتے ہو اس بارے میں تمہیں آزادی ہے۔ اس کے بعد نعیم وہاں سے روانہ ہوئے اور بنی قریظہ میں آئے۔ یہ ان یہودیوں کے دوست اور ہمنشین تھے۔ نعیم کہتے ہیں کہ یہودیوں نے مجھے دیکھا تو خوش آمدید کہا اور کھانے اور شراب کی تواضع کی۔ میں نے کہا۔

"میں ان میں کسی بھی چیز کے لئے تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ میں تو تمہارے متعلق فکر مند ہو کر آیا ہوں تاکہ اے بنی قریظہ کے لوگو میں تمہیں کچھ رائے مشورہ دے سکوں کیونکہ تمہیں معلوم ہے مجھے تم لوگوں سے کس قدر محبت ہے میرے اور تمہارے درمیان کس قدر مخلصانہ تعلقات ہیں۔!"

نعیم کا پہلا جنگی فریب...... بنی قریظہ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو ہمارے نزدیک تم مخلص آدمی ہو۔ نعیم نے کہا کہ بس تو میری آمد کو پوشیدہ رکھنا۔ یہود نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔ اب نعیم نے کہا

"تم دیکھ ہی چکے ہو کہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے یہودیوں کا کیا انجام ہوا کہ ان کو جلاوطن کیا گیا اور ان کا تمام مال و متاع چھین لیا گیا۔ اب قریش اور غطفان والوں کا معاملہ تو تم سے مختلف ہے مگر تمہاری بات یہ ہے کہ یہ شہر تمہارا وطن ہے جہاں تمہارا مال و دولت اور عورتیں اور بچے سب ہی ہیں۔ تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ۔ جبکہ قریش اور غطفان کے لوگ تو صرف محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اب تم نے کھلے عام ان کو اس جنگ میں مدد اور تعاون دینا شروع کر دیا ہے ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کا وطن، ان کا مال و دولت اور ان کی بیوی بچے مدینے سے دور دوسرے شہر میں ہیں اس لئے ان میں اور تم میں بڑا فرق ہے۔ انہیں اگر موقعہ مل گیا تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو اپنے وطن کو لوٹ جائیں گے اور تمہیں اور تمہارے وطن کو اس کے حال پر چھوڑ جائیں گے۔ یہ تم جانتے ہی ہو کہ وہ شخص یعنی محمد ﷺ اسی تمہارے شہر میں ہیں اس لشکر کے چلے جانے کے بعد اگر وہ تم پر حملہ آور ہوئے تو مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری کوئی پیش نہیں جائے گی۔ اس واسطے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم قریش اور غطفان کو اس جنگ میں اس وقت تک کوئی مدد مت دو اور اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہو جب تک ان کے ستر ذی عزت سردار بطور

رہن اور یرغمال کے اپنے پاس نہ رکھ لو۔ وہ لوگ تمہارے قبضے میں رہیں اور اس شرط پر رہیں کہ جب تم محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کرو تو وہ تمہارے ساتھ شریک رہیں یہاں تک کہ اس شخص کا کام تمام ہو جائے۔"

دوسرا جنگی فریب...... یہودیوں (کو یہ بات بہت پسند آئی اور انہوں) نے کہا کہ تم نے بڑی اچھی رائے دی اور نیک مشورہ دیا۔ انہوں نے نعیم کو خوب دعائیں دیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیم نے پھر کہا کہ میری یہاں آمد کو پوشیدہ رکھنا۔ یہود نے اس کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد نعیم وہاں سے چل کر احزابی لشکر میں قریشیوں کے پاس آئے یہاں ابوسفیان اور اس کے ساتھ قریش کے دوسرے بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ نعیم نے ان لوگوں سے کہا۔

آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے کس قدر خلوص و محبت ہے اور محمد ﷺ سے کتنا اختلاف ہے۔ مجھے ایک نہایت اہم بات معلوم ہوئی ہے میں نے ضروری سمجھا کہ اپنے خلوص کی بناء پر میں آپ کو اس کی اطلاع کر دوں مگر آپ لوگ اسے راز ہی رکھیے۔!

قریش نے رازداری کا وعدہ کیا تو نعیم نے کہا۔

"آپ لوگوں کو شاید معلوم نہیں ہے کہ بنی قریظہ کے یہودیوں اور محمد ﷺ کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کو توڑنے کے بعد اب یہودیوں کو اپنی اس بدعہدی پر شرمندگی ہو رہی ہے چنانچہ اب بنی قریظہ نے محمد ﷺ کے پاس پیغام بھیجا ہے اس وقت میں بھی ان لوگوں کے پاس موجود تھا۔ اس پیغام میں انہوں نے کہلایا ہے کہ ہمیں اپنے کئے پر سخت ندامت اور شرمندگی ہے۔ اب آپ کی ناراضی دور کرنے کے لئے اگر ہم قبیلہ قریش و غطفان کے ستر بڑے بڑے سردار اپنے پاس بلا کر انہیں آپ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ ان کو قتل کر دیں تو کیا اس طرح آپ ہم سے راضی ہو سکتے ہیں اور بنی نضیر کی وجہ سے یہودیوں کے متعلق آپ کو جو بے اعتمادی پیدا ہو گئی ہے آپ اس سے ہم کو بری کر دیں گے۔ پھر قریش و غطفان کے لشکر سے لڑنے کے ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔　　تاکہ انہیں نیست و نابود کر دیں۔ اس پیغام کے جواب میں محمد ﷺ نے اپنی منظوری و رضامندی بھجوا دی۔ لہٰذا اب اگر یہودیوں کا کوئی ایسا پیغام آئے جس میں آپ کے بڑے بڑے لوگوں کو یرغمال اور رہن کے طور پر مانگیں تو ہرگز کسی ایک شخص کو بھی ان کے حوالے نہ کرنا بلکہ اپنے تمام معاملات اور رازوں کو ان سے خفیہ رکھو۔ میرے بارے میں ان سے ایک حرف بھی نہ کہنا بلکہ میرے تعلق بھی پوری رازداری برتنا!"

تیسرا جنگی فریب...... قریش نے ان سب باتوں کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم اس بات کا ہرگز کوئی تذکرہ نہیں کریں گے یہاں سے فارغ ہو کر حضرت نعیم قبیلہ غطفان کے لشکر میں پہنچے اور ان کے سرداروں سے کہنے لگے۔

"اے گروہ غطفان! تم لوگ میرے اپنے اور خاندان کے ہو اور تم ہی لوگ مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو۔ میں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ تم لوگ میرے اوپر اعتماد کرتے ہو!"

غطفانیوں نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو اور ہمارے نزدیک تم قابل اعتماد آدمی ہوں۔ نعیم نے کہا کہ بس تو میری آمد اور میری بات کی پوری رازداری کرنا۔ غطفانیوں نے وعدہ کیا تو نعیم نے ان لوگوں سے وہی سب کچھ کہا جو قریش سے کہا تھا اور انہیں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔

فریب کے اثرات...... اس کے بعد سنیچر کی رات کو ابوسفیان اور غطفانی سرداروں نے عکرمہ ابن ابوجہل کو

قریشی اور غطفانی جوانوں کے ساتھ بنی قریظہ کے پاس بھیجا انہوں نے یہودیوں سے کہا۔
ہم بہت ہی غلط جگہ اور ناساز گار صورتحال سے دوچار ہیں جس میں ہمارے اونٹ گھوڑے تباہ ہو رہے ہیں اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ ہم محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کریں اور اس معاملہ کو نمٹا دیں۔!
اس پر یہودیوں نے کہلایا کہ صبح کو سنیچر کا دن ہے اور یہ بات آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ سنیچر کے روز ہم خون ریزی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بھی ہم لوگ آپ کے ساتھ اس وقت تک جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ جب تک آپ کم از کم ستر آدمی رہن اور یرغمال کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔!
جب قریش و غطفان کو یہودیوں کا یہ پیغام ملا تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم نعیم نے ٹھیک کہا تھا (کہ یہودیوں کی نیت خراب ہو رہی ہے)
ایک روایت میں یوں ہے کہ بنی قریظہ نے قریشی وفد سے پہلے ہی قریش و غطفان کے پاس یہ پیغام بھیجا تھا جو اس پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق تھا کہ جنگ کے لئے ایک دن متعین کر لیا جائے جس میں ہم یہودی آپ کے کندھے سے کندھا ملا کر لڑیں گے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے پاس اپنے ستر بڑے بڑے اور معزز آدمی رہن کے طور پر بھیج دیں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر جنگ کے نتیجہ میں آپ کو ناگوار حالات سے سابقہ پڑا تو آپ ہمیں (مسلمانوں کے رحم و کرم پر) چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ قریش نے اس پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا۔
احزابی لشکر میں پھوٹ...... ادھر نعیم پھر بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ جس وقت تمہارا پیغام پہنچا تو میں ابوسفیان کے پاس موجود تھا۔ اس پیغام پر اس نے یہ کہا تھا کہ اگر یہودیوں نے مجھ سے ایک بکری کا بچہ بھی مانگا تو میں نہیں دوں گا۔ اس طرح مشرکوں اور ان کے احزابی لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ ادھر یہودیوں کا پس و پیش دیکھ کر حیی ابن اخطب ان کے پاس آیا (اور قریش کی وکالت کرنے لگا) مگر بنی قریظہ میں سے کسی نے بھی اس کی بات نہیں سنی بلکہ یہی کہتے رہے کہ ہم اس وقت تک قریش کے ہمراہ نہیں لڑیں گے جب تک وہ اپنے ستر معزز آدمی رہن کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کرتے۔
سرد آندھی کا طوفان...... ادھر مشرکوں کی صفوں میں یہ اختلافات پیدا ہوئے اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید آندھی کا طوفان بھیج دیا۔ یہ انتہائی سرد راتیں اور اوپر سے آندھی نے زور باندھا جس سے مشرک لشکر کے خیمے الٹ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں، برتن الٹ گئے اور لوگ ہوا کے شدید تھپیڑوں سے سامان کے اوپر گر گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہوا نے اس قدر ریت اڑایا کہ بہت سے لوگ ریت میں دفن ہو گئے لوگوں نے جو آگ جلا رکھی تھی ریت پڑ پڑ کر وہ بھی بجھ گئی (جس سے اندھیر گھپ ہو گیا) حق تعالیٰ نے مشرکوں پر طوفانی فرشتے نازل فرمائے جنہوں نے انہیں ہلا ڈالا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا الآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۲۔ آیت ۹

ترجمہ: پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔
جہاں تک فرشتوں کا تعلق ہے تو انہوں نے خود جنگ میں شرکت نہیں کی البتہ انہوں نے اپنی موجودگی سے مشرکوں کے دلوں میں خوف اور رعب پیدا کر دیا تھا (یہ جو ہوا چلی تھی اس کو صبا کہتے ہیں یعنی باد صبا

جو سخت سردی کی رات میں چلے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور ہوائے دیور کے ذریعہ قوم کو ہلاک کیا گیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد اور نصرت فرمائی۔ یہ ہوائے زرد تھی جس سے گردوغبار کی بناء پر مشرکوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ یہ طوفان بہت دیر تک مسلسل جاری رہا۔

اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں میں پھوٹ پڑ جانے کا حال معلوم ہوا۔ اس رات سخت سردی پڑ رہی تھی جس کے ساتھ ہوا کا شدید طوفان تھا ہوا کے تیز جھکڑ ایسی مہیب آواز پیدا کر رہے تھے جیسے بجلی کے کڑا کے سے ہوتی ہے۔ آگے ایک روایت آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر شدید طوفان ہونے کے باوجود یہ مشرک لشکر سے آگے نہیں بڑھا رات اتنی تاریک تھی کہ آدمی اپنا ہاتھ پھیلاتا تو انگلیاں نظر نہیں آتی تھیں (یعنی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا)

دشمن کا حال معلوم کرنے کی کوشش...... منافقوں نے اس طوفان کو دیکھ کر واپسی کا بہانہ ڈھونڈا اور کہنے لگے کہ ہمیں تو اجازت دیجئے۔ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور دشمن کا خوف ہے کیونکہ ہمارے مکان مدینے سے باہر ہیں اور دیواریں نیچی نیچی ہیں اس لئے چوری کا خطرہ بھی ہے لہٰذا ہمیں تو اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے گھر چلے جائیں۔ ان میں سے جو بھی آکر اجازت مانگتا آنحضرت ﷺ اس کو جانے کی اجازت دے دیتے۔ ایک قول ہے کہ اس رات آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف تین سو جانباز رہ گئے۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ہمیں دشمن کی کچھ خیر خبر لا کر دے۔ اس پر حضرت زبیر اٹھے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سوال تین مرتبہ فرمایا اور تینوں دفعہ حضرت زبیرؓ نے آمادگی کا اظہار کیا تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری حضرت زبیرؓ ہیں۔ حضرت زبیرؓ کے لئے آنحضرت ﷺ نے یہی کلمات اس وقت بھی فرمائے تھے جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کے متعلق یہ خبر لانے کے لئے بھیجا تھا کہ آیا انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے یا نہیں جیسا کہ بیان ہوا حضرت زبیر کے لئے آپ کا یہی ارشاد غزوہ خیبر کے بیان میں بھی آئے گا۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ مردوں میں میرے حواری زبیر ہیں اور عورتوں میں عائشہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں فرمایا۔

"کیا کوئی ایسا شخص ہے جو جا کر یہ دیکھے کہ دشمن کس حال میں ہے اور پھر آکر ہمیں بتلائے۔ میں اس شخص کے لئے اللہ سے دعا کروں گا کہ جنت میں وہ میرا ساتھی ہو۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہو۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ وہ قیامت کے دن ابراہیمؑ کا ساتھی ہو۔!"

صحابہ کی پریشانیاں...... آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی مگر خوف، بھوک اور سردی کی شدت کی وجہ سے کوئی شخص کھڑا نہیں ہوا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے حضرت حذیفہ ابن یمان کو آواز دی۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اب میرے سامنے کھڑے ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ آپ نے میرا نام لے کر پکارا تھا۔ میں آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم رات سے میری بات سن رہے ہو اور کھڑے نہیں ہوئے میں نے عرض کیا۔

"ایسا نہیں ہے بلکہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ خوف اور سردی اور بھوک کی شدت سے میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھا۔!" آپ نے فرمایا۔

"جاؤ اللہ تعالیٰ سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے تمہاری حفاظت فرمائے اور تم بخیریت لوٹ کر ہمارے پاس آؤ۔"

حذیفہ دشمن کی ٹوہ میں...... حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دے دیا تو اب جانے کے سوا میرے پاس چارہ کار نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا حذیفہ جاؤ اور دشمن کے اندر گھس کر دیکھو۔ اب میں آنحضرت ﷺ کی دعا کی بشارت لے کر ایک نئی طاقت و قوت کے ساتھ اس طرح اٹھ گیا جیسے خوف اور سردی کا مجھے کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے عہد لیا کہ میں (آپ کا حکم بجالانے کے سوا) کوئی نئی بات نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے میری آواز نہیں سنی۔ میں نے عرض کیا ہاں! آپنے پوچھا پھر کس وجہ سے تم میرے حکم پر کھڑے نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کیا سردی کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا جب تک تم واپس آؤ تم پر سردی کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اسی ارشاد کی طرف آگے آنے والی روایت سے بھی اشارہ ملتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دشمن کے جو بھی حالات ہوں ان کی مجھے خبر لا کر دو۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جب آنحضرت ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی بات فرمائی کہ کیا کوئی شخص ہے جو مجھے دشمن کی خبر لا کر دے اور قیامت کے دن میرا ساتھی ہو۔ اور جواب میں کوئی شخص نہیں اٹھا تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ حذیفہ ہیں۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ اس پر رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے۔ اس وقت دشمن یا سردی سے بچاؤ کے لئے میرے پاس جو کچھ تھا وہ اپنی بیوی کی صرف ایک چادر تھی جو اوڑھنے کے بعد میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی میں اسے گھٹنوں پر لپیٹے بیٹھا ہوا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے میرے قریب آکر پوچھا یہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا حذیفہ۔ آپ نے پوچھا حذیفہ! وہ کہتے ہیں کہ میں نے اور زیادہ سمٹ کر عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا دشمن کے متعلق خبریں معلوم کرنی ہیں اس لئے مجھے ان کی خبریں لا کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا کہ سردی کی وجہ سے مجھے آپ کے سامنے اٹھتے ہوئے شرم آرہی تھی اسی لئے نہیں اٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"تم جب تک لوٹ کر میرے پاس نہ آجاؤ اس وقت تک تم کو سردی یا گرمی نہیں ستائے گی!"

حذیفہ کو نبی کی دعائیں...... میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم مجھے قتل ہو جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر گرفتار ہونے سے ڈرتا ہوں۔ آپنے فرمایا تم ہرگز گرفتار نہیں ہو سکتے۔ اے اللہ اس کی دائیں بائیں اور آگے پیچھے اور اوپر نیچے سے حفاظت فرما۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اب میں روانہ ہوا تو ایسا لگتا تھا جیسے گرم حمام میں چل رہا ہوں (جہاں سردی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ یہاں حمام کا لفظ استعمال ہوا ہے جو حمیم کے لفظ سے بنا ہے جس کے معنی گرم پانی کے ہیں اور یہ عربی لفظ ہی ہے (گہرے دوست کو بھی صدیق حمیم کہتے ہیں)۔ غرض حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ پھر جب میں چلنے کے لئے مڑا تو آنحضرت ﷺ نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ اپنی طرف سے کوئی بات ہرگز ہرگز مت کرنا (یعنی جتنا حکم دیا گیا ہے اس سے زائد کچھ مت کرنا)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ کوئی تیر یا پتھر بھی مت پھینکنا اور کسی پر تلوار مت چلانا یہاں تک کہ تم میرے پاس لوٹ کر آؤ!

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں قریشی لشکر کی طرف چلا یہاں تک کہ ان کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا وہاں میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے سنا۔

"اے گروہ قریش! تم میں سے ہر شخص اپنے ہمنشینوں میں ہوشیار رہے اور جاسوسوں سے پوری طرح خبردار رہے۔!"

ابوسفیان کی بوکھلاہٹ اور واپسی...... (حضرت حذیفہؓ بھی دشمن میں پہنچ کر ان کے مجمع میں ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے تھے) وہ کہتے ہیں یہ سنتے ہی میں نے فوراً اپنے برابر بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑا اور کہا تم کون ہو اس نے کہا میں معاویہ ابن ابوسفیان ہوں۔ پھر میں نے اپنے بائیں جانب بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑا اور کہا تم کون ہو (کیونکہ رات کے اندھیرے میں کسی کی پہچان نہیں ہو رہی تھی) ادھر حذیفہؓ نے ابوسفیان کی اس ہدایت پر فوراً پہلے خود ہی عمل کرتے ہوئے اپنے دائیں بائیں بیٹھنے والوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور انہیں اس کا موقعہ نہیں دیا کہ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کا اتا پتا پوچھیں۔ غرض انہوں نے اپنے بائیں ہاتھ بیٹھنے والے سے پوچھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا میں عمرو ابن عاص ہوں۔ میں نے اس خطرہ کے تحت ایسا کیا کہ کہیں میرا پول نہ کھل جائے۔ غرض پھر ابوسفیان نے کہا۔

"اے گروہ قریش! ہم نہایت ناساز گار جگہ پر ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں بنی قریظہ کے یہودیوں نے ہمیں دغا دی ہے اور ان کی طرف سے ناخوشگوار باتیں سننے میں آئی ہیں اوپر سے اس طوفانی ہوا نے جو کچھ تباہ کاری پھیلائی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں اس لئے واپس لوٹ چلو میں بھی واپس ہو رہا ہوں۔!"

مسلمانوں کے تعاقب کا خطرہ...... یہ کہتے ہی ابوسفیان اچھل کر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اونٹ کا اگلا ایک پیر بندھا ہوا تھا اس نے وہ بھی نہیں کھولا اور سوار ہو گیا اونٹ فوراً ہی تین ٹانگوں پر کھڑا ہو کر جھولنے لگا (ابوسفیان نے جلدی اور گھبراہٹ میں اس کا بھی خیال نہیں کیا اور) سوار ہوتے ہی اسے ہانکنے کے لئے مارنے لگا۔ اونٹ تین ٹانگوں پر کودنے لگا تب ابوسفیان نے اتر کر اس کی ٹانگ کھولی۔ اس وقت عکرمہ ابن ابوجہل نے اس سے کہا کہ تم قوم کے سردار اور سالار ہو مگر لوگوں کو چھوڑ کر اس طرح بھاگے جا رہے ہو۔ یہ سن کر ابوسفیان کو شرم آئی اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور پھر اس کی مہار پکڑ کر اسے ہنکاتے ہوئے پھرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ کوچ کی تیاری کرو چنانچہ لوگ جلدی جلدی کوچ کرنے لگے اور ابوسفیان کھڑا ہو کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے عمرو ابن عاص سے کہا کہ اے ابو عبداللہ تم اپنا گھوڑے سوار دستہ لے کر یہاں محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے مقابلے میں کھڑے رہو ورنہ وہ لوگ ہمارا پیچھا کریں گے۔ عمرو نے کہا میں ٹھہر جاتا ہوں۔ پھر ابوسفیان نے خالد ابن ولید سے کہا کہ ابو سلیمان تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا میں بھی یہاں ٹھہر جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد عمرو ابن عاص اور خالد ابن ولید دو سو سواروں کے ساتھ وہیں ٹھہرے اور باقی لشکر واپس مکے کو روانہ ہو گیا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے بھیجتے وقت مجھ سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ میں کوئی نئی بات نہیں کروں گا تو میں ابوسفیان کو ایک ہی تیر مار کر ختم کر دیتا۔

(ابوسفیان قریش کو لے کر فرار ہوا تھا مگر اس نے غطفانیوں کو نہ اس کی اطلاع کی تھی اور نہ ان سے مشورہ کیا تھا) جب غطفانیوں کو قریش کی اس حرکت کا علم ہوا تو وہ بھی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ اپنے وطن کو بھاگ کھڑے ہوئے۔

ایک روایت میں حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مشرک لشکر میں داخل ہوا تو میں نے انہیں

الرحیل الرحیل کہتے سنا یعنی کوچ کی تیاری کرو یہ جگہ تمہارے لئے ناساز گار ہے۔ اس وقت آندھی زور شور سے چل رہی تھی جس سے لوگ ایک دوسری پر گر رہے تھے، سامان الٹ رہا تھا اور ہوا کے جھکڑوں سے کنکر پتھر آ آکر لوگوں کے لگ رہے تھے مگر آندھی کا زور ان کے لشکر سے آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ جب ذرا راستہ صاف ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے گرد و پیش تقریباً بیس سوار کھڑے ہیں جو سروں پر عمامے لپیٹ ہوئے تھے۔ ان میں دو سوار بڑھ کر میرے قریب آئے اور کہنے لگے کہ اپنے پیشوا یعنی آنحضرت ﷺ سے کہہ دینا کہ اللہ نے انہیں دشمن سے نجات دے دی۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ فارغ ہوئے تو میں نے (دشمن کی واپسی کا حال) بتلایا آپ نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ میں نے آپ کو دشمن کا حال بتلایا تو آپ ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے سپرد کیا ہوا یہ کام پورا ہوتے ہی مجھے پھر پہلے کی طرح سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے قریب بلایا۔ میں آپ کے قریب آیا تو آپ نے اپنی چادر کا پلہ میرے اوپر ڈھک دیا جس کے بعد ایک دم میری آنکھ لگ گئی اور میں صبح یعنی طلوع فجر تک برابر سوتا رہا۔ جب صبح ہو گئی اور نماز کا وقت آگیا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے غافل سونے والے اٹھ۔ حضرت حذیفہؓ کو جاسوسی کے لئے جاتے ہوئے سردی کا احساس ختم ہو گیا تھا کیونکہ آپ نے اس وقت ان سے فرمایا تھا کہ جب تک تم لوٹ کر میرے پاس آؤ اس وقت تک تم سردی سے محفوظ ہو۔

اس واقعہ سے یعنی حذیفہ کو بھیجنے کی روایت سے اور اس گذشتہ روایت سے جس کے مطابق آپ نے حضرت زبیرؓ کو بھیجا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے اب جہاں تک دونوں روایتوں کا تعلق ہے تو یہ بات ممکن ہے کہ پہلے آپ نے حضرت زبیرؓ کو بھیجنا طے کیا ہو پھر رائے بدل کر اپ نے اس کام کے لئے حضرت حذیفہ کا انتخاب فرمایا ہو کیونکہ یہ ایک اہم معاملہ تھا اور حضرت زبیرؓ کے مزاج میں شدت اور تیزی تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں اور ہدایت سے زیادہ کوئی نئی بات کر گزریں جس سے آپ نے حضرت حذیفہؓ کو بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرما دیا تھا۔

اب اس سے بعض علماء کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت زبیرؓ کو اصل میں بنی قریظہ کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا کہ آیا واقعی انہوں نے بد عہدی کی ہے یا یہ خبر غلط ہے۔ قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے ان کو نہیں بھیجا گیا تھا۔ اور حضرت حذیفہؓ کو قریش کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا کہ آیا وہ واپس جا رہے ہیں یا نہیں۔ مگر بعض راویوں کو ان دونوں باتوں میں مغالطہ ہو گیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اصل میں یہ ایک واقعہ ہے اور اس کے لئے دونوں میں سے ایک کو بھیجا گیا تھا۔ تاہم یہ دونوں تفصیلات قابل غور ہیں۔

<u>حذیفہؓ رازدان رسول ﷺ</u>...... حضرت حذیفہؓ کو رسول اللہ ﷺ کا رازدان کہا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت کی ان باتوں اور تدبیروں سے واقف رہا کرتے تھے جو دوسرے نہیں جانتے تھے چنانچہ خود حضرت حذیفہ ابن یمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہ باتیں بھی بتلائیں جو ہو چکی ہیں اور وہ بھی بتلائیں جو قیامت تک پیش آنے والی ہیں۔ پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بھی رازدار رسول ﷺ کہا جاتا تھا (مگر دونوں کے رازدان ہونے سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا)

علامہ ابن ظفر نے کتاب ینبوع حیات میں اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا۔ وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا الآیہ پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۲۔ آیت ۹

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے تھے۔

طوفانی ہوا کی تباہ کاریاں...... یہ بادِ صبا اور طوفانی ہوا رات کے وقت چلی تھی جس نے خیموں کی طنابیں اکھاڑ دیں اور خیمے ان کے اوپر گرا دیئے۔ برتنوں کو الٹ دیا لوگوں کو گرد و غبار اور مٹی میں بھر دیا اور کنکر پتھر جھکڑوں کے ساتھ اڑا کر انہیں زخمی کیا۔ اسی وقت انہوں نے اپنے پڑاؤ کے کناروں پر اللہ اکبر کے پر شور نعروں کی آوازیں اور ہتھیاروں کی جھنکار سنی جو فرشتوں کی طرف سے تھی۔ اس وقت ہر گروہ کا سردار اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگا کہ اے بنی فلاں دوڑ کر میرے قریب آجاؤ۔ جب وہ لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے تو وہ کہتا نجات۔ نجات۔ بچاؤ۔ بچاؤ اس طرح ایک ایک کر کے وہ سب لوگ گرتے پڑتے انتہائی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگے یہاں تک کہ اپنے پیچھے سب بھاری سامان بھی اور مال بھی چھوڑ گئے۔

بادِ صبا...... جہاں تک بادِ صبا کا تعلق ہے تو یہ مشرقی ہوا ہوتی ہے۔ ادھر حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ باد صبا یعنی مشرقی ہوا نے شمال کی ہواؤں سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں۔ اس پر شمالی ہوا نے جواب دیا کہ گرم ہوائیں رات کے وقت نہیں چلا کرتیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا اور اس نے شمالی ہوا کو بانجھ یعنی بے فیض بنا دیا۔ اس کو دبور بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح بادِ صبا کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کی گئی اور دبور یعنی مغربی ہوا کے ذریعہ قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

اس غزوہ کی تاریخ...... ادھر جب احزابی تتر بتر ہو کر بھاگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم ان لوگوں سے جنگ کریں گے وہ ہم پر آئندہ حملہ آور نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد ۷ ذیقعدہ کو آنحضرت ﷺ خندق سے لوٹے۔ یہ روایت اس قول کی بنیاد پر ہے کہ غزوہ خندق ذی قعدہ کے مہینے میں پیش آیا تھا۔ یہ ابن سعد کا قول ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ غزوہ شوال میں پیش آیا تھا یہ ۵ھ کا واقعہ ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے مگر علامہ ذہبی نے اس قول کو مقطوع قرار دیا ہے اور علامہ قیم نے اس قول کو صحیح ترین کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے معتمد کہا ہے۔ مگر ایک قول ہے کہ یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا تھا۔ امام نووی نے کتاب روضہ میں اسی قول کی تصحیح کی ہے مگر بعض علماء نے اس قول کو عجیب کہا ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ ۵ھ میں ہوا تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ غزوہ خندق کے بعد پیش آیا تھا۔ مگر یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ غزوہ بنی قریظہ ۵ھ کے شروع میں پیش آیا ہو اور غزوہ خندق ۴ھ کے آخر میں واقع ہوا ہو۔ لہٰذا گویا غزوہ خندق ذی الحجہ میں ہوا ہو۔

ادھر جن لوگوں نے غزوہ خندق کو ۴ھ میں بتایا ہے انہوں نے ابن عمرؓ کی اس صحیح روایت کو دلیل بنایا ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر انہیں آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ پھر جب غزوہ خندق پیش آیا تو ان کو پھر آپ کے سامنے پیش کیا گیا اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی لہٰذا آنحضرت ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔

اب اس روایت سے معلوم ہوا کہ ان دونوں غزوں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ تھا۔ لور غزوہ احد ۳ھ میں پیش آیا تو اس لحاظ سے غزوہ خندق ۴ھ میں ہو گا۔

مگر علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت کوئی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ ممکن ہے غزوہ احد کے موقعہ پر ابن عمرؓ کو چودھواں سال لگا ہو اور غزوہ خندق کے موقعہ پر ان کو پندرھواں سال ختم ہو رہا ہو۔ اسی بات کی تائید علامہ بیہقی نے بھی کی ہے۔ تو اس طرح غزوہ احد اور غزوہ خندق کے درمیان دو سال کا فاصلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ واقعہ بھی یہی ہے کہ ان میں ایک سال کا فاصلہ نہیں تھا۔

<u>غزوہ خندق میں نبوت کی نشانیاں</u>...... اس غزوہ میں خندق کی کھدائی کے دوران جو نشانیاں ظاہر ہوئیں ان میں سے کچھ بیان ہو چکی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ بشیر ابن سعد کی بیٹی خندق کی کھدائی کے دوران ایک روز اپنے باپ لور ماموں کے کھانے کے لئے ایک پیالے میں کھجوریں لے کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ادھر لاؤ۔ بنت بشیر نے وہ پیالہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں پر الٹ دیا مگر کھجوریں اتنی نہیں تھیں کہ دونوں ہاتھ بھر جاتے آنحضرت ﷺ نے ایک کپڑا لگایا اور اس کو پھیلا دیا اس کے بعد آپ نے برابر کھڑے ہوئے آدمی سے کہا کہ اہل خندق میں پکار دو کہ کھانے کے لئے دوڑ آئیں چنانچہ جلد ہی سب لوگ جمع ہو گئے لور ان کھجوروں میں سے کھانے لگے آپ کھجوریں اس پر ڈالتے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام اہل خندق سیر ہو گئے لور کھجوریں کپڑے کے ادھر ادھر سے گر رہی تھیں۔ حالانکہ اہل خندق بھوک سے بیتاب ہو رہے تھے (لور اس حالت میں انہوں نے یہ کھجوریں کھائی تھیں) بعض صحابہ کہتے ہیں کہ تین دن سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ اس قدر بھوکے تھے کہ آپ نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔

<u>صوم وصال</u>...... اقول۔ مولف کہتے ہیں: ابن حبان اپنی صحیح میں وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صوم وصال یعنی مسلسل روزے کی ممانعت کی گئی ہے (صوم وصال کا مطلب ہے بغیر افطار کئے ایک کے بعد دوسرا روزہ مسلسل رکھنا۔ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ صوم وصال کیوں رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات میں سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔!"

<u>نبی پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے</u>...... (یعنی آنحضرت ﷺ خود صوم وصال رکھتے تھے مگر امت کے لئے اس کی ممانعت فرمائی ہے)

قال۔ اب اس حدیث سے اس روایت کو باطل قرار دیا جاتا ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے کیونکہ جب آپ روزوں پر روزے رکھتے تو آپ کا رب آپ کو اس وقت بھی کھلاتا پلاتا تھا للذا ایسی صورت میں جب آپ صوم وصال سے بھی نہیں ہوتے تھے لور بھوکے ہوتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا رب آپ سے بے پرواہ ہو یہاں تک کہ آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑجائیں۔

(قال) عربی میں پتھر کے لئے حجر کا لفظ استعمال ہوتا ہے للذا کہتے ہیں کہ حقیقت میں حدیث میں لفظ حجر نہیں ہے بلکہ زا کے ساتھ لفظ حجز ہے جو ازار کے کنارے کو کہتے ہیں للذا کسی راوی نے اس لفظ حجز کو حجر سمجھا اور پھر اس کی مناسبت سے اس میں بھوک کا لفظ بھی بڑھا دیا کہ آپ بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔

بہر حال اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پیٹ پر پتھر باندھنے کی روایت میں اور پروردگار

کی طرف سے کھلائے پلائے جانے کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب صوم وصال رکھتے تھے تو آپ کا رب آپ کو کھلاتا پلاتا تھا اور آپ ایسے رہتے تھے جیسے شکم سیر اور سیراب آدمی ہوتا ہے اور یہ آپ کے اعزاز کی وجہ سے تھا مگر ہمیشہ آپ پر یہ کیفیت نہیں رہتی تھی بلکہ بعض اوقات آپ کو بھوک کا احساس بھی ہوتا تھا جو اس ابتلاء اور آزمائش کے طور پر ہوتا تھا جس سے انبیاءؑ اس لئے دوچار کئے جاتے ہیں کہ ان کے ثواب میں اضافہ ہو۔ واللہ اعلم۔

جابر کی طرف سے دعوت اور نبی کا معجزہ...... ادھر جب حضرت جابر ابن عبداللہ کو آنحضرت ﷺ پر بھوک کی سختی کا علم ہوا تو انہوں نے ایک چھوٹی بکری کا گوشت اور ایک صاع گیہوں کی روٹیاں تیار کیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (جب میں آنحضرت ﷺ کو بلانے گیا تو) میں چاہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ تنہا آئیں۔ مگر جب میں نے آپ سے عرض کیا تو آپ کے حکم پر فوراً لوگوں میں پکار دیا گیا کہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جابر کے مکان پر پہنچ جائیں۔ جابرؓ کہتے ہیں میں نے یہ اعلان سن کر کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ادھر لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آ گئے۔ آنحضرت ﷺ جب بیٹھ گئے تو ہم نے وہ کھانا آنحضرت ﷺ کے سامنے نکال کر رکھا آپ نے بارک اللہ فرمایا پھر بسم اللہ پڑھی اور اس کے بعد کھانا شروع کیا ساتھ ہی دوسرے حاضرین نے کھانا شروع کیا اور پھر باری باری آنے والے کھا کھا کر جانے لگے یعنی ایک جماعت کھا کر فارغ ہوتی تو وہ واپس خندق پر چلی جاتی اور دوسری جماعت آکر کھانے لگتی یہاں تک کہ تمام اہل خندق اسی کھانے سے سیر ہو گئے جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے کھانا کھایا اور پھر بھی بچا گئے۔ جب سب کھا کر چلے گئے تو ہم نے دیکھا کہ ہمارا کھانا بھی جوں کا توں رکھا تھا اور روٹیاں بھی جوں کی توں باقی تھیں۔

(قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ جابر نے رسول اللہ ﷺ پر بھوک کی شدت دیکھی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھر جانے کی اجازت چاہی آپ نے اجازت دے دی۔ جابرؓ کہتے ہیں میں اپنی بیوی کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھوکا دیکھا ہے کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے۔ انہوں نے کہا میرے پاس ایک صاع گیہوں ہے اور ایک بکری کا ایک سالہ بچہ ہے۔ میں نے فوراً بکری ذبح کی اور گیہوں کا آٹا گوندھا اور پھر گوشت ایک دیگچی میں ڈال کر چڑھا دیا۔ شام کو میں آپ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے لہٰذا آپ تشریف لائیے اور ساتھ میں بس ایک یا دو آدمی لے لیں۔

یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں پروئیں اور پوچھا کہ کھانا کتنا ہے میں نے مقدار بتلائی تو آپ نے فرمایا بہت کافی ہے مگر اپنی دیگچی ہر گز چولھے پر سے مت اتارنا اور نہ ہی اس آٹے کی روٹیاں بنانا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے پکار کر فرمایا۔

"اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لئے دعوت کا سامان کیا ہے اس لئے جلد چلو۔!"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ لوگوں کے آگے آگے روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (چونکہ کھانا بہت تھوڑا سا تھا اور آنحضرت ﷺ نے سب لوگوں کو میری طرف سے دعوت دے کر بلا لیا تھا) اس لئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت مجھے کس قدر شرم آرہی تھی کیونکہ مجھے فضیحت ہونے کا خوف ہو رہا تھا (مکان پر پہنچ کر) جب میں نے آٹا نکال کر سامنے رکھا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور بارک اللہ فرمایا پھر

آپ دیگچی کی طرف بڑھے اور اس میں بھی لعاب دہن ڈال کر بارک اللہ کہا۔ اس کے بعد آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ دس دس آدمی مکان کے اندر آتے رہو (اور کھاتے رہو۔ اس کے بعد سب لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور کھانا جوں کا توں بچ رہا جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا) لوگ اسی طرح آتے تھے کہ ایک جماعت کھا کر چلی گئی پھر دوسری نے آکر کھایا۔

اسی طرح ایک روز عامر اشہلی کی ماں نے آنحضرت ﷺ کو حیس کا بھرا ہوا ایک پیالہ بھیجا (حیس عربوں کا ایک کھانا تھا جو کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا جاتا تھا) اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ میں تھے اور آپ کے پاس حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں حضرت ام سلمہ نے پیالہ میں پیٹ بھر کر کھایا پھر آپ پیالہ لے کر باہر آئے اور آپ کی طرف سے ایک شخص نے پکار کر لوگوں سے کہا کہ رات کا کھانا کھانے کے لئے دوڑ آؤ چنانچہ سب اہل خندق نے آکر اس میں سے کھایا اور اس کے باوجود پیالہ میں کھانا جوں کا توں باقی رہا۔

ایسی ہی شیخ شعرانی کی کرامت...... حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نے چودہ کسانوں کے سامنے صرف ایک روٹی کھانے کیلئے پیش کی جسے ان سب نے مل کر کھایا اور سب کے سب خوب اچھی طرح شکم سیر ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شیخ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے سترہ آدمیوں کو ایک کڑاہی میں کھانا پیش کیا۔ یہ کڑاہی ہم تنور میں رکھ کر اس میں کھانا بنایا کرتے تھے۔ ان سترہ آدمیوں نے اس ایک کڑاہی کا کھانا کھایا اور سب کے سب اچھی طرح شکم سیر ہو گئے۔

شیخ شناوی کی کرامت...... شیخ شعرانی ہی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے شیخ حضرت شیخ محمد شناوی ایک گاؤں سے واپس آئے تو میں ان کی زیارت کے لئے گیا ان کے ساتھ تقریباً پچاس آدمی تھے۔ شیخ شناوی اپنے شیخ حضرت شیخ محمد سروی کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے تھے (اور ان کے ساتھ وہ پچاس آدمی بھی وہیں ٹھہرے) حضرت شیخ کے آنے کی خبر جیسے ہی جامع ازہر میں پہنچی تو مسجد ازہر کے مجاوروں وغیرہ کا ہجوم ان کی زیارت کے لئے خانقاہ میں پہنچ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری خانقاہ بھر گئی آخر خانقاہ سے باہر گلی میں چٹائیاں بچھائی گئیں اور باقی لوگوں کو وہاں بٹھایا۔ اب شیخ شناوی نے اپنے شیخ کے ایک خادم سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے۔ اس نے کہا ہاں مگر اتنا ہی ہے جو میرے اور میری بیوی کے لئے کافی ہو۔ حضرت شیخ نے اس سے کہا کہ اچھا جب تک میں نہ پہنچ جاؤں تم دیگچی میں ڈوئی وغیرہ ڈال کر کچھ نکالنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے دیگچی کو اپنی چادر سے ڈھانک دیا اور چمچہ لے کر اس میں سے کھانا نکالنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ کھانا ان سب لوگوں کو کافی ہو گیا جو خانقاہ اور گلی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ شعرانیؒ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وہ ہے جو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہاں تک حضرت شیخ شعرانی کا حوالہ ہے۔

کرامات اولیاء معجزات انبیاء...... یہ واقعہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے کیونکہ بہت سے علماء نے لکھا ہے جن میں علامہ حافظ ابن کثیر شامل ہیں کہ اولیاء اللہ کو جو کرامتیں ہوتی ہیں وہ انبیاءؑ کے معجزے ہوتے ہیں (جو انبیاء کے تعلق اور نسبت کے فیضان سے اولیاء اللہ کے ہاتھوں پر ظاہر ہو جاتی ہیں) کیونکہ ولی کو اپنے نبی کی پیروی اور اطاعت کی برکت سے یہ نسبت خاص حاصل ہو جاتی ہے جو ان کے ایمان کے قوی ہونے کی بناء پر ہوتی ہے۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا حوالہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نام ابوسفیان کا خط...... (قال) غرض وہاں سے بھاگتے ہوئے ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔

بسمك اللهم

یعنی اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں۔

میں لات و عزیٰ۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ اور اساف و نائلہ بتوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ایک زبردست لشکر لے کر تمہارے مقابلے پر آیا تھا اور یہ سوچ کر آیا تھا کہ اب میں اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گا جب تک تمہیں نیست و نابود نہیں کر لوں گا مگر میں نے دیکھا کہ تم نے ہمارے مقابلے پر آنا پسند نہیں کیا بلکہ خندق کے ذریعہ اپنا بچاؤ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اور ایک ایسی جنگی چال کے ذریعہ محفوظ ہو کر بیٹھ گئے جس کو عرب کے لوگ اب سے پہلے جانتے بھی نہیں تھے۔

۔ چونکہ تم عربوں کے نیزوں کی تیزی اور ان کی تلواروں کی دھار سے واقف ہو اس لئے ہماری تلواروں سے بچنے اور ہمارے مقابلے سے گریز کرنے کے لئے تم نے یہ خندق کی چال چلی ہے۔ اب میں تمہیں احد کے دن جیسے ایک دن یعنی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں!"

<u>ابوسفیان کے نام نبی کا جوابی خط</u>...... اس خط کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کو جو والا نامہ بھیجا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"محمد رسول اللہ کی جانب سے صخر ابن حرب کے نام۔ علامہ جوزی کے کلام میں صخر ابن حرب ہی ہے۔ امابعد! میرے پاس تمہارا خط پہنچا۔ تمہیں شیطان نے بہت پہلے سے اللہ کی طرف سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ تم ہمارے مقابلے پر آئے اور یہ چاہتے تھے کہ اس وقت تک واپس نہیں جاؤ گے جب تک ہمیں نیست و نابود نہیں کر لو گے۔ تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ نے تمہارے اور اپنے درمیان ہی سربستہ رکھا ہے اور اس کا انجام ہمارے حق میں ظاہر فرمائے گا تمہارے اوپر وہ دن ضرور آئے گا جب میں لات و عزیٰ اور اساف و نائلہ اور ہبل کے سر توڑوں گا اور اے بنی غالب کے بے وقوف۔ اس وقت میں ضرور تجھے یاد کروں گا۔!"

باب پنجاہ و ہفتم (۵۷)

غزوۂ بنی قریظہ

یہ مدینے میں رہنے والا یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو قبیلہ اوس کا حلیف اور دوست تھا۔ اس وقت قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد ابن معاذ تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خندق سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو یہ دوپہر کا وقت تھا آپ نے ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوگئے۔ ایک قول ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے حجرے میں گئے تھے وہاں پہنچ کر آپ نے پانی منگایا آنحضرت ﷺ نے غسل شروع کیا اور ابھی سر کے ایک ہی حصے پر پانی ڈالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ آپ غسل کے دوران سر میں کنگھی کر رہے تھے اور سر کے ایک حصے میں کر چکے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ سر دھولیا تھا اور غسل کر چکے تھے اور سنگائی کے لئے انگیٹھی منگائی تھی کہ اچانک جبرئیلؑ سیاہ رنگ کا ریشمی عمامہ باندھے ہوئے آپ کے پاس تشریف لائے۔ یہاں استبرق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ریشمیں کتان کی ایک قسم ہوتی ہے۔ اس عمامے کا پلہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جبرئیلؑ اپنی زرہ اور خود پہنے ہوئے تھے۔ مگر ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے انہوں نے خود کے اوپر عمامہ لپیٹ رکھا ہو۔!

غرض جبرئیلؑ ایک سفید رنگ کے خچر پر سوار تھے جس پر کتان کی زین اور جھول پڑی ہوئی تھی ایک روایت میں ہے کہ وہ سیاہ و سفید گھوڑے پر سوار آئے تھے۔ جبرئیلؑ نے آکر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں! جبرئیلؑ نے کہا کہ میں نے تو ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ کے فرشتوں نے تو ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔

بنی قریظہ پر حملہ کے لئے جبرئیلؑ کا پیغام...... (قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ جبرئیلؑ نے آپ سے عرض کیا۔

"اے رسول! آپ نے کس قدر جلد ہتھیار اتار دیئے۔ آپ کے پاس کیا عذر ہے! اللہ تعالیٰ آپ سے درگذر فرمائے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں

جبکہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔!"

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ جبرئیلؑ نے کہا خدا کی قسم ہم نے ابھی نہیں رکھے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ فرشتوں نے اس وقت سے ہتھیار نہیں رکھے جب سے دشمن آپ کے مقابلے پر آیا ہے اور اب بھی ہم دشمن کا پیچھا کر رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ حمراء اسد کے مقام تک پہنچ گئے تو ہم لوٹے ہیں۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کے مقابلے کے لئے کوچ کریں میں بھی وہیں جارہا ہوں۔ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ میرے ساتھ کچھ دوسرے فرشتے بھی ہیں جو جارہے ہیں ہم ان کے قلعوں کو ہلا ڈالیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیلؑ سے فرمایا۔

"میرے اصحاب بہت تھکے ہوئے ہیں اس لئے آپ انہیں کچھ دن کی مہلت دے دیں۔!

جبرئیلؑ نے کہا۔

"آپ فوراً ان کی طرف بڑھئے خدا کی قسم میں انہیں پیس کے پامال کر ڈالوں گا۔ اور میں اپنا یہ گھوڑا ان کے قلعوں میں گھس کر ان پر چڑھا دوں گا اور ان سب کو نیست و نابود کر دوں گا۔"

اس کے بعد جبرئیلؑ اپنے ہمراہی فرشتوں کے ساتھ لوٹے یہاں تک کہ بنی غنم کی گلی میں اپنے پیچھے اٹھنے والے غبار میں غائب ہوگئے۔ یہ بنی غنم انصاریوں کا ایک خاندان تھا۔ بخاری کی روایت میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ گویا میں (یہ بات بیان کرتے ہوئے) اب بھی اس غبار کو دیکھ رہا ہوں جس نے بنی غنم کی گلی میں اس وقت جبرئیلؑ کی چال کو اپنے (دامن میں چھپالیا تھا جبکہ وہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہ موکب جبرئیل کہا گیا ہے موکب چال کی ایک قسم ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو آپ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ اسی وقت کسی پکارنے والے نے اس جگہ سے آواز دی جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی کہ جنگ کے مقابلے میں ہتھیار اتارنے کے لئے آپ کے پاس کیا عذر ہے۔

اس آواز پر آنحضرت ﷺ لرز گئے اور اپنی عادت کے خلاف جلدی سے گھبرا کر اٹھے۔ آپ باہر نکلے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے باہر آئی۔ وہاں ایک شخص سواری پر سوار کھڑا تھا اور رسول اللہ ﷺ اس کی سواری سے ٹیک لگائے کھڑے تھے اور اس شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ میں فوراً واپس حجرہ میں آگئی جب آپس واپس اندر آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جس سے آپ باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا تم نے اُسے دیکھا تھا۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہیں اس میں کس کی شباہت آئی۔ میں نے کہا دحیہ کلبی کی۔ آپ نے فرمایا وہ جبرئیلؑ تھے جنہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنی قریظہ کے مقابلے کے لئے جاؤں۔

بنی قریظہ کی طرف کوچ کا اعلان...... اس روایت سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ غزوہ خندق سے واپسی پر آپ حضرت عائشہؓ کے پاس تھے۔ غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے موذن کو ہدایت فرمائی یعنی حضرت بلالؓ کو جیسا کہ سیرت دمیاطی میں ہے۔ اور انہوں نے لوگوں میں اعلان کیا کہ اس اعلان کو سننے والا ہر اطاعت گذار شخص عصر کی نماز۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ ظہر کی نماز بنی قریظہ کے محلے میں پڑھے۔

کتاب نور میں ہے کہ ان دونوں باتوں میں اس طرح موافقت ہو جاتی ہے کہ یہ اعلان اور حکم ظہر کا وقت شروع ہونے کے بعد کیا گیا تھا جبکہ کچھ لوگ ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے اور کچھ لوگوں نے نہیں پڑھی تھی۔ لہذا جن لوگوں نے ظہر کی نماز ابھی تک نہیں پڑھی تھی ان سے کہا گیا کہ وہ ظہر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھیں اور جن لوگوں نے ظہر پڑھ لی تھی ان سے کہا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ اس دن رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کے ذریعہ اعلان کرایا کہ اے اللہ کے لشکر کے سوارو! سوار ہو جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے بنی قریظہ کی طرف کوچ کیا۔

یہود کے مقابلہ کے لئے مسلم لشکر...... آنحضرت ﷺ نے جو ہتھیار لگائے ان میں زرہ بکتر اور گلو بند بھی تھا آپ نے اپنے دست مبارک میں نیزہ لیا تلوار گلے میں حمائل فرمائی اور اپنے گھوڑے لُحَیف پر سوار ہوئے۔ ایک قول ہے کہ آپ ایک گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئے جو یعفور تھا۔

آنحضرت ﷺ کے گرد دوسرے لوگ بھی ہتھیار لگائے اور گھوڑوں پر سوار موجود تھے صحابہ کی تعداد تین ہزار تھی جن میں چھتیس گھوڑے سوار تھے ان میں سے تین گھوڑے آنحضرت ﷺ کے تھے۔ اس غزوہ کے موقعہ پر آپ نے حضرت ابن ام مکتومؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔

آنحضرت ﷺ کے آگے آگے حضرت علیؓ پرچم لئے ہوئے بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وہی پرچم حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا جو غزوہ خندق کا پرچم تھا اور جو خندق سے واپسی کے بعد ابھی تک کھولا بھی نہیں گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کچھ صحابہ کے ساتھ بنی نجار کے محلے میں سے گزرے تو اس وقت بنی نجار کے لوگ ہتھیار لگائے تیار کھڑے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس ہو کر گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں دحیہ کلبیؓ ایک سفید خچر پر سوار آئے تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ زرہ پہنے ہوئے سفید گھوڑے پر سوار آئے تھے اور ہمیں حکم دے گئے تھے کہ ہم ہتھیار لگا کر تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی وہ کہہ گئے تھے کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس آئیں گے۔ لہذا ہم نے ہتھیار لگائے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

آپ نے فرمایا۔

"وہ جبرئیلؑ تھے جن کو بنی قریظہ کے قلعوں کو ہلا ڈالنے کے لئے اور ان کے دلوں کو رعب و خوف سے بھر دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔!

حضرت علیؓ جو آگے روانہ ہو چکے تھے جب مہاجرین و انصار کے ایک دستے کے ساتھ بنی قریظہ کے قلعہ کے سامنے پہنچے اور قلعہ کی دیوار کے نیچے انہوں نے پرچم نصب کیا تو انہوں نے سنا کہ بنی قریظہ کے یہودی رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں انتہائی بیہودہ کلمات اور گالیاں بک رہے ہیں مسلمان یہ آوازیں سنتے ہی خاموش ہو گئے اور پھر یہودیوں کو پکار کر کہنے لگے کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو آتے دیکھا تو انہوں نے پرچم کی نگرانی حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کے سپرد کی اور پھر خود آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ ان خبیثوں اور بدبختوں کے قریب بالکل نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا شاید تم نے میرے متعلق ان کی زبان سے بری باتیں سنی ہیں۔ حضرت علیؓ

نے عرض کیا۔

"ہاں یا رسول اللہ۔ لیکن اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو اس قسم کی باتیں ہرگز نہ کہتے!"

یہود بندروں اور خنزیروں کے بھائی...... اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ ان کے قلعہ اور حویلیوں کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے یہودیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے بندروں کے بھائیو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی بربادی نازل فرما کر تمہیں رسوا اور ذلیل نہیں فرما دیا۔ (قال) ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے کچھ معزز لوگوں کو بلند آواز سے پکارا تاکہ وہ آپ کی آواز سن لیں اور فرمایا۔

"اے خنزیروں اور بندروں کے بھائیو! اور اے غیر اللہ کے پوجنے والو، کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا کر کے تم پر بربادی نازل نہیں فرمادی کہ تم لوگ مجھے برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہو۔!"

اس پر وہ لوگ حلف اٹھانے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم تم تو نا تجربہ کار اور جاہل نہیں تھے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ تم تو بدزبان نہیں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت اسید ابن حضیر یہودیوں کے قریب گئے اور کہنے لگے۔

"تمہیں قلعہ بند ہو جانے سے اس سے زائد کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ تم بھوک پیاس سے یہیں مر جاؤ گے اور تمہاری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے بھٹ میں چھپی لومڑی کی ہوتی ہے۔"

یہودیوں نے کہا ابن حضیر ہم تمہارے غلام ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ رونے اور گڑگڑانے لگے۔ حضرت اسید نے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت اسید کا یہودیوں کے پاس پہنچنا ممکن ہے حضرت علیؓ سے بھی پہلے ہو مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے بعد پہنچے ہوں۔

یہود کو بندرو خنزیر کہنے کی وجہ...... آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو بندروں اور خنزیروں کا بھائی اس لئے فرمایا تھا کہ یہودیوں نے جب سبت یعنی سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کر کے مذہبی پابندی کو توڑ دیا کیونکہ بنی اسرائیل پر اسی طرح مچھلی کا شکار بھی حرام تھا جیسے دوسرے اعمال تھے۔ تو حق تعالیٰ نے ان کے نوجوانوں کی شکلیں بگاڑ کر انہیں بندروں کی صورت بنا دیا تھا یہ سزا بنی اسرائیل کو اس لئے دی گئی تھی کہ انہوں نے سبت یعنی سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی تھی جبکہ حق تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ یہود اس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنے آپ کو دوسرے سب کاموں سے فارغ رکھا کریں۔

یہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے زمانے کا ہے۔ غرض جب یہودی نوجوانوں اور بوڑھوں کی شکلیں بگڑ گئیں تو وہ حیران و پریشان ہو کر اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ تین دن تک چلتے رہے جن میں نہ انہوں نے کچھ کھایا نہ پیا آخر اسی سرگردانی میں مر گئے۔ یہ واقعہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص جس کی شکل مسخ کر دی گئی یعنی بگاڑ دی گئی ہو وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اس سے نسل کا سلسلہ چل سکتا ہے۔

کتاب کشاف میں ہے کہ ایک قول کے مطابق ایلہ کے رہنے والوں نے جو مصر اور مدینہ کے درمیان ایک بستی تھی۔ جب سنیچر کے دن بھی سرکشی کی تو داؤدؑ نے ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے کہا اے اللہ ان لوگوں پر لعنت فرما اور انہیں لوگوں کے لئے عبرت کی نشانی بنا دے۔ اس بددعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر کی شکل کا بنا دیا گیا۔ پھر جب عیسیٰؑ کی قوم نے دستر خوانی نعمتوں کے بعد بھی کفر

کیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعا کی کہ اے اللہ جس شخص نے دستر خوانی نعمتوں کے بعد بھی کفر کیا اس کو ایسا عذاب دے کہ سارے عالم میں کسی کو نہ دیا گیا ہو اور ان پر اسی طرح لعنت فرما جس طرح سبت والوں پر تو نے لعنت فرمائی تھی۔ اس بددعا کے نتیجہ میں وہ لوگ خنزیر کی صورت بنا دیئے گئے۔ ان لوگوں کی تعداد پانچ ہزار تھی مگر ان میں ایک بھی عورت یا بچہ نہ تھا۔ یہاں تک کشاف کا حوالہ ہے جو قابل غور ہے۔ غرض پھر ان لوگوں پر تین دن ایسی حالت میں گزرے جس میں انہوں نے نہ کھایا نہ پیا آخر اسی حالت میں مر گئے۔

حکم رسول اور عصر کی نماز...... ادھر صحابہ کی ایک جماعت ایسی تھی جو کسی نہ کسی مشغولیت کی وجہ سے بنی قریظہ کی طرف اعلان سنتے ہی کوچ نہ کر سکے کہ وہاں عصر کی نماز پڑھیں مگر انہوں نے عصر کی نماز موخر کی یہاں تک کہ وہ لوگ عشاء کے بھی بعد وہاں پہنچے جبکہ انہوں نے اب تک عصر کی نماز صرف اس لئے نہیں پڑھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلے میں پڑھنی تھی لہذا یہاں پہنچ کر انہوں نے عشاء کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ بعض صحابہ نے کہا کہ ہم تو عصر کی نماز پڑھ کر چلیں گے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم اس وقت نماز چھوڑ دیں اور وقت نکلنے کے بعد قضا پڑھیں۔ بلکہ آپ کا منشاء حقیقت میں یہ تھا کہ لوگ کوچ کرنے میں جلدی کریں لہٰذا انہوں نے گھروں ہی میں نماز پڑھ لی اور پھر کوچ کیا۔ مگر حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنی کتاب یعنی قرآن میں سرزنش نہیں کی نہ ہی رسول ﷺ نے ان لوگوں سے باز پرس کی کیونکہ دونوں ہی قسم کے لوگوں نے اپنی اپنی جگہ پر آپ کے حکم کو معنی پہنائے تھے۔

کتاب ھُدیٰ میں کہا گیا ہے کہ دونوں قسم کے حضرات کو ان کے ارادے میں ثواب ملے گا البتہ جن لوگوں نے وقت پر عصر پڑھ لی ان کو دونوں فضیلتیں حاصل ہوئیں اور جن لوگوں نے عصر کی نماز کو موخر کر دیا یعنی اس کو تاخیر سے پڑھا ان کو اس سے سرزنش نہیں کی گئی کہ ان کے پاس یہ عذر تھا کہ ہم نے حکم کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے یہ بات اس کی دلیل ہے کہ فروعی اور جزئی مسائل میں مجتہدوں کا جو اختلاف ہوتا ہے وہ اجتہادی ہوتا ہے اور اس اختلاف میں وہ صحیح ہوتے ہیں۔

ادھر ابن تین نے دعویٰ کیا ہے کہ جن لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی انہوں نے سواریوں کی پشت پر پڑھی تھی وہ کہتے ہیں کہ اگر صحابہ سواریوں سے اتر کر نماز پڑھتے تو آنحضرت ﷺ کے حکم کی جو روح تھی یعنی جلدی کوچ کرنا وہ پوری نہ ہوتی مگر صحابہ کے مسائل کے سمجھنے کی جو مناسبت تھی یہ بات اس کے لحاظ سے قرین قیاس نہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس بارے میں شبہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ سواریوں سے نہ اتریں۔ نیز میں نے اس واقعہ سے متعلق کسی بھی حدیث میں یہ نہیں دیکھا کہ صحابہ نے سواریوں کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھی تھی۔ اب کچھ لوگ اس کی وجہ جلدی کو بتلاتے ہیں تو جلدی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ صحابہ نے چلتی ہوئی سواریوں کی پشت پر نماز پڑھی ہوگی سواریوں کو روک کر ان کے اوپر نماز پڑھنے سے جلدی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

بنی قریظہ کا شدید محاصرہ...... غرض رسول اللہ ﷺ نے پچیس رات تک۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ پندرہ دن تک بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ ایک قول ایک مہینہ کا بھی ہے۔ اس عرصہ میں صحابہ کا جو کھانا تھا وہ کھجوریں تھیں جو حضرت سعد ابن عبادہؓ ان کو بھیجتے تھے یعنی ان کے یہاں سے کھجوریں آیا کرتی تھیں۔ اسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین کھانا کھجور ہے۔

کعب کی یہود کو فہمائش...... آخر یہودی محاصرہ کی تنگی سے پریشان ہوگئے اور ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کا رعب اور خوف پیدا کر دیا۔ ادھر جب احزابی لشکر مدینے کے سامنے سے واپس ہو گیا تھا تو حیی ابن اخطب بنی قریظہ کے پاس ان کے قلعہ میں آگیا تھا کیونکہ اس نے کعب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کا ساتھ دے گا جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

آخر جب بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو سزا دیئے اور جنگ کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے تو بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید نے ان سے کہا کہ اے گروہ یہود! تم پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اس سے نجات کے لئے میں تمہارے سامنے تین صورتیں رکھتا ہوں ان میں سے جو تم پر آسان ہو اختیار کر لو۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ تو کعب نے کہا کہ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی پیروی قبول کر لیں اور ان کی نبوت کی تصدیق کریں کیونکہ خدا کی قسم تم یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں کہ یہ وہی ہیں جن کا ذکر تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ اس طرح تمہاری جانیں تمہارے مال اور تمہاری عورتیں و بچے سب محفوظ ہو جائیں گے۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ۔ حقیقت میں ہم لوگوں نے محمد ﷺ کو آج تک صرف عربوں سے حسد کی بنا پر نہیں مانا کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔ میں بد عہدی کو خود ناپسند کرتا تھا مگر یہ ساری نحوست اور بربادی صرف اس شخص کی لائی ہوئی ہے جو یہاں بیٹھا ہے یعنی حیی ابن اخطب۔ کیا تمہیں یاد ہے ایک دفعہ جب ابن خراش تمہارے پاس آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ اس بستی سے ایک نبی ظاہر ہو گا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے مددگار بننا اور پہلی کتاب اور آخری کتاب یعنی توریت اور قرآن کے ماننے والوں میں سے بننا (یعنی توریت کو تم مانتے ہی ہو قرآن کی تصدیق کرنا)۔ بنی قریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر دیکھتے تھے اور اس کو سنایا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو آپ کا حلیہ اور چال ڈھال بتلایا کرتے تھے نیز کہا کرتے تھے کہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ ہو گی اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ بنی قریظہ، بنی نضیر اور فدک اور خیبر کے یہودی آپ کے ظہور سے بھی پہلے سے آپ کا حلیہ اور آپ کی چال ڈھال کو جانتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ ہو گی۔

<u>کعب کی تجویزیں</u>...... غرض جب کعب نے یہ پہلی صورت قوم کے سامنے رکھی تو لوگوں نے کہا کہ توریت کے مذہب کو ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے اور نہ اس کی جگہ کسی دوسری کتاب کو مانیں گے۔ پھر کعب نے کہا کہ اگر تم اس کو نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر دیں اور اس کے بعد محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے مقابلے کے لئے تلواریں سونت کر قلعہ سے باہر نکل جائیں۔ اس طرح ہمارے پیچھے عورتوں بچوں کا کوئی بوجھ نہیں ہو گا اور ہم اطمینان سے لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو بلا سے ہو جائیں ہمارے پیچھے کوئی نسل یعنی بچے وغیرہ تو نہیں ہوں گے جن کا ہمیں خیال رہے اور اگر ہم فتح یاب ہو گئے تو خدا کی قسم عورتیں اور بچے ہمیں بہت مل جائیں گے۔

اس تجویز پر لوگوں نے کہا کہ کیا ہم ان بے چارے معصوموں کو قتل کر ڈالیں ان کے بعد پھر زندگی کا کیا مزہ رہے گا۔ کعب نے کہا اگر تم اس سے بھی انکار کرتے ہو تو تیسری بات یہ ہے کہ آج سنیچر کی رات ہے اور ممکن ہے کل ہمارا یوم سبت ہونے کی وجہ سے محمد ﷺ اور ان کے اصحاب آج غافل ہوں (کیونکہ سب جانتے ہیں کہ یہودی یوم سبت یعنی سنیچر کے دن کوئی خون ریزی وغیرہ نہیں کرتے) اس لئے قلعہ سے نکلو اور ان پر حملہ کر دو ممکن ہے ہم محمد اور ان کے اصحاب کو غفلت میں مار لیں۔

قوم نے کہا کیا ہم اپنے مقدس یوم سبت میں خون ریزی اور فساد کریں اور ایسی حرکت کریں جو ہمارے سے پہلوں میں کسی نے نہیں کی سوائے ایک گروہ کے جس کو سب ہی جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس حرکت کے نتیجہ میں ان کی صورتیں مسخ کردی گئی تھیں اور چہرے بگاڑ دیئے گئے تھے۔

عمرو ابن سعدی کی فہمائش...... (قال) عمرو ابن سعدی نے بنی قریظہ سے یہ کہا کہ محمد ﷺ کے ساتھ تمہارا جو معاہدہ تھا تم نے اس کو توڑ ڈالا ہے مگر میں تمہارے ساتھ اس میں شریک نہیں تھا۔ اب اگر تم محمد ﷺ کے دین میں داخل نہیں ہونا چاہتے تو اپنے یہودی مذہب پر ہی قائم رہو مگر مسلمانوں کو جزیہ کی رقم دے کر ان کی ذمہ داری میں آجاؤ۔ خدا کی قسم یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ جزیہ کی پیشکش قبول کرلیں گے یا نہیں مگر کوشش کر دیکھو۔ لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہم عربوں کو اپنی جانوں کی حفاظت کا خراج دے کر ان کی غلامی قبول نہیں کر سکتے۔ اس سے تو کہیں بہتر یہ ہے کہ ہم قتل ہو جائیں اس پر عمرو ابن سعدی نے کہا کہ بس تو پھر میں تم سے بری ہوں۔

اس کے بعد عمرو اسی رات قلعہ سے باہر نکلا راہ میں آنحضرت ﷺ کے حفاظتی دستہ کی طرف اس کا گزر ہوا اس دستہ کے سردار محمد ابن مسلمہؓ تھے۔ محمد ابن مسلمہ نے عمرو کو دیکھ کر پوچھا کون ہے۔ اس نے کہا میں عمرو ابن سعدی ہوں! ابن مسلمہ نے کہا جاؤ۔ اے اللہ! مجھے معزز لوگوں کی عزت افزائی سے محروم نہ فرمایئے۔ یہ کہہ کر ابن مسلمہ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کچھ معلوم نہیں کہ اس شخص کا کیا حشر ہوا اور یہ کہاں گیا۔ ایک قول ہے کہ پھر بعد میں اس کا ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا۔ اس بات کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اس شخص کو اس کی وفات کے ذریعہ نجات دے دی۔

ایک قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بنی قریظہ کا محاصرہ کرنے سے پہلے عمرو نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اے بنی قریظہ میں نے ایک عبرتناک منظر دیکھا جب مجھے بنی نضیر کے اپنے بھائیوں کے مکانات خالی نظر آئے جب ایک وقت تھا کہ ان کی عزت و شوکت مدتوں سے چلی آرہی تھی، ان کی سمجھ بوجھ اور عقل اور فراست کا شہرہ تھا لیکن اب وہ اپنا مال و دولت اور جائیدادیں چھوڑ کر جا چکے ہیں جن پر غیروں نے قبضہ کرلیا ہے وہ لوگ بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے نکلے۔ توریت کی قسم ایسی تباہی اس قوم پر ہرگز کبھی نہیں آئی جس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت ہو۔ بنی قینقاع کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو چکا ہے حالانکہ ان کی بڑی تعداد تھی اور اپنے اسلحہ اور ہتھیاروں کی کثرت پر انہیں ناز تھا مگر انہیں آنحضرت ﷺ سے گفت و شنید کرنی پڑی اور آخر ان سب کو یثرب یعنی مدینے سے جلا وطن کر کے ہی چھوڑا گیا۔ اے قوم کے لوگو! تم سب کچھ دیکھ چکے ہو اس لئے آؤ میری بات مانو ہم محمد ﷺ کی اطاعت اور پیروی کرلیں۔ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ وہ نبی ہیں اور ان کی نبوت کے متعلق ہمارے علماء بشارتیں اور خوش خبریاں دیتے آرہے ہیں۔

اس طرح عمرو ابن سعدی اپنی قوم کو جنگ کی تباہ کاریوں، گرفتاری و غلامی اور جلا وطنی سے ڈراتا اور سمجھاتا رہا۔ پھر وہ کعب ابن اسید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ قسم ہے اس توریت کی جو میدان سینا کے کوہ طور پر موسیٰ پر نازل ہوئی تھی کہ اسی بات میں سارے جہان کا عزو شرف ہے (جو محمد ﷺ کہتے ہیں)

یہود کی زود پشیمانی اور آنحضرت ﷺ کا انکار...... ابھی یہ لوگ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد اور ان کی حویلیوں کے محاصرہ کی خبر ملی۔ اس وقت عمرو نے کہا کہ میں یہی بات تم سے کہتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا تو ایک قول کے مطابق بنی قریظہ نے آپ کے پاس نباش ابن قیس کو قاصد بنا کر بھیجا اور کہلایا کہ جس شرط پر آپ نے بنی نضیر کو جانے کی اجازت دے دی تھی اسی پر ہمیں بھی اجازت دے دیجئے کہ سوائے ہتھیاروں کے جو سامان اونٹوں پر بار ہو سکے ہم وہ لے کر یہاں سے جلاوطن ہو جائیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کا خون معاف کرنے اور ان کی عورتوں و بچوں کو لونڈی غلام نہ بنانے سے انکار فرمادیا۔ تب یہود نے دوسرا پیغام بھیجا کہ اچھا نہ ہم مال و اسباب لے جائیں گے اور نہ ہتھیار لے جائیں گے اور نہ ادر ہی کوئی چیز لیں گے (صرف اپنی جانیں بچا کر لے جانا چاہتے ہیں) مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی انکار فرمادیا اور کہلایا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حکم پر باہر نکل آئیں۔ آخر نباش یہی جواب لے کر واپس آگیا۔

<u>ابولبابہ کو بلانے کی درخواست</u>...... اس کے بعد بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلایا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں جن کا نام رفاعہ ابن منذر تھا تاکہ ہم اپنے معاملہ میں ان سے مشورہ کریں۔ یہ ابولبابہ قبیلہ اوس اور بنی قریظہ کے دوست اور حلیف تھے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ابولبابہ بنی قریظہ کے بھی خواہوں میں سے تھے کیونکہ ان کا مال و دولت اولاد اور خاندان کے لوگ بنی قریظہ میں تھے۔ غرض آنحضرت ﷺ نے ابولبابہؓ کو بنی قریظہ کے پاس بھیج دیا جیسے ہی یہود نے ان کو دیکھا وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور عورتیں و بچے روتے ہوئے ان کی طرف جھپٹے کیونکہ وہ سب محاصرے کی تنگی سے پریشان ہو چکے تھے اور مال و متاع ختم ہو رہا تھا۔ حضرت ابولبابہ کو ان کی حالت دیکھ کر ان پر رحم آیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اے ابولبابہ تمہاری کیا رائے ہے آیا ہم محمد ﷺ کے حکم پر قلعہ سے نکل کر ان کے پاس چلے جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر اشارہ سے بتایا کہ ذبح کئے جاؤ گے (یعنی آنحضرت ﷺ کا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا ہے)

ایک روایت کے مطابق یہود نے ان سے کہا تمہاری کیا رائے ہے محمد ﷺ تو اس کے سوا کوئی بات نہیں مانتے کہ ہم ان کے حکم پر ان کے سامنے پہنچ جائیں۔ ابولبابہ نے کہا کہ بس تو پہنچ جاؤ مگر اشارہ سے بتایا کہ ذبح کر دیے جاؤ گے اس لئے مت جاؤ۔

<u>ابولبابہ کو خیانت کا احساس</u>...... ابولبابہ کہتے ہیں کہ اس اشارہ کے بعد ابھی میں اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ خدا کی قسم میں نے اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ لہٰذا ان کے یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کا حکم ماننے سے روکا جائے چنانچہ ان کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ لآیہ پ۹ سورہ انفال ع ۳۔ آیت ۲۷

ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو اس کا مضر ہونا جانتے ہو۔ (ی) ایک قول ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا. عَسَى اللَّهُ أَن يَتُوبَ عَلَيْهِمْ. إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ لآیہ
پ ۱۱ سورہ توبہ ع ۱۳ آیت ۱۰۲

ترجمہ: اور کچھ اور ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے۔ سو اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمادیں یعنی توبہ قبول کرلیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں۔

یہ آیت پہلے کے مقابلہ میں موقعہ کے زیادہ مناسب ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں ہی آیتیں ابولبابہ کے متعلق نازل ہوئی تھیں پہلی آیت ان پر ملامت کو متوجہ کرنے کے لئے اور یہ دوسری آیت ان کی توبہ کے سلسلے میں نازل کی گئی۔ یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں اللہ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے امید قائم رکھنا اپنی جگہ مسلم ہے۔

ابولبابہ سے روایت ہے کہ جب بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس مجھے بلانے کا پیغام بھیجا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ کیونکہ انہوں نے اوس میں سے تمہیں بلایا ہے چنانچہ میں ان کے پاس گیا تو کعب ابن اسید مجھے دیکھ کر اٹھا اور کہنے لگا کہ اے ابوبشیر تمہیں ہمارا حال معلوم ہے اس محاصرے سے ہم لوگ پریشان ہو چکے ہیں اور تباہی کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ ادھر محمد ﷺ اس وقت تک ہماری حویلیوں سے جانے کو تیار نہیں جب تک ہم ان کے حکم پر ان کے سامنے نہ پہنچ جائیں۔ اب اگر وہ ہمیں چھوڑ دیں تو ہم سرزمین شام یا خیبر میں جا کر بس جائیں۔ ہم کبھی ان کے خلاف کچھ نہیں کریں گے اور نہ ان کے مقابلے میں کوئی لشکر جمع کریں گے۔ اب تمہاری کیا رائے ہے ہم نے سب کو چھوڑ کر مشورہ کے لئے تمہیں ہی بلایا ہے کیا ہم محمد ﷺ کے حکم پر ان کے پاس پہنچ جائیں۔ ابولبابہ نے کہا ہاں! اور حلق سے ذبح کئے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ابولبابہ کہتے ہیں کہ فوراً ہی مجھے اپنی حرکت پر ندامت ہوئی اور میں نے اناللہ پڑھی۔ کعب نے میری کیفیت دیکھ کر پوچھا کہ ابولبابہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا میں نے اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی۔ اس کے بعد میں بنی قریظہ سے واپس ہوا جبکہ اپنی حرکت پر میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پشیمانی اور خود کو سزا...... یہاں سے ابولبابہ سیدھے چلے گئے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر نہیں ہوئے یہ سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے جہاں انہوں نے مسجد کے ستونوں سے ایک ستون کے ساتھ خود کو باندھ لیا۔ یہ ستون سار یہ تھا اس کو اسطوانہ کہا جاتا ہے۔ یہ ستون وہ تھا جو حضرت ام سلمہؓ کے حجرے کے دروازے کے سامنے تھا جو رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ ابولبابہ نے یہاں سخت دھوپ اور گرمی میں خود کو ستون سے باندھ لیا اس ستون کو اسطوانہ مخلقہ بھی کہا گیا اور اسطوانہ توبہ بھی کہا جاتا ہے مگر اسطوانہ مخلقہ زیادہ ثابت ہے اس اسطوانہ کے پاس ہی آنحضرت ﷺ اکثر نوافل پڑھا کرتے تھے صبح کی نماز کے بعد آپ اسی ستون کے پاس تشریف فرما ہوتے وہ فقیر فقراء مسکین اور بے گھر لوگ اسی ستون کے قریب جمع رہتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر وہ آیات تلاوت فرماتے جو اس رات نازل ہوتیں۔ غرض آپ ان سے باتیں کرتے اور وہ لوگ آپ سے باتیں کرتے۔

انہوں نے اپنے آپ کو بھاری زنجیر سے ستون کے ساتھ باندھا۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اس وقت تک میں نہ کوئی چیز کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک یا تو مجھے موت نہ آجائے اور یا میرے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادے۔ ساتھ ہی انہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کیا کہ اب نہ میں کبھی بنی قریظہ کے محلے میں جاؤں گا اور نہ اس شہر کو دیکھوں گا جس میں میں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس بات کی خبر پہنچی تو اگرچہ آپ نے ان کو اپنے پاس آنے کو فرمایا تھا مگر یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ وہ اگر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا لیکن اب جبکہ وہ خود کو سزا دینے کے لئے ایسا کر گذرے ہیں تو میں ان کو اس وقت تک اپنے ہاتھ سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرمالے۔

مگر علامہ بیہقی نے لکھا ہے جو کتاب الدر میں بھی ہے کہ انہوں نے خود کو اس لئے باندھا تھا کہ انہوں

نے غزوہ تبوک میں شرکت سے پہلو بچایا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب یہود کے سامنے ابولبابہ نے گردن کی طرف اشارہ کر کے ان کو قتل کی اطلاع دی تو رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی اطلاع مل گئی چنانچہ ان کی واپسی کے بعد آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس ہاتھ سے غافل ہے جس کے ذریعہ تم ان کو قتل کی اطلاع دے رہے تھے۔ اس واقعہ کو کچھ عرصہ گذر گیا اور ابولبابہ آنحضرت ﷺ کے زیر عتاب رہے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو ابولبابہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو غزوہ سے جان بچا کر پیچھے رہ گئے۔ جب آنحضرت ﷺ اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ابولبابہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا مگر آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت ابولبابہ سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر انہوں نے خود کو ساریہ ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ بعض حضرات کو یہ روایت نہایت عجیب معلوم ہوئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ یہ عجیب و غریب دعوی کرتے ہیں کہ ابولبابہ نے غزوہ تبوک سے گریز کرنے کی بناء پر ایسا کیا تھا۔

بنی قریظہ کی سپر اندازی...... غرض آخرکار بنی قریظہ کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر آپ کے پاس حاضر ہو گئے اور آپ کے حکم پر ان لوگوں کو باندھ کر ان کی مشکیں کس دی گئیں اور **ان سب کو ایک طرف جمع کر دیا گیا ان سب کی تعداد چھ سو تھی ایک قول ہے کہ سات سو پچاس تھی جو سب لڑنے والے تھے۔ یہی تعداد** حییٔ ابن اخطب کے حوالے سے پیچھے گذری ہے۔ نیز یہ بات اس قول کے بھی مخالف نہیں ہے جس کے مطابق وہ لوگ آٹھ سو اور سات سو کے درمیان تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ چار سو تھے مگر یہ بات بھی گزشتہ قول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے اس کے بعد جو تعداد ہو وہ ان کے متعلقین یعنی بوڑھوں اور بیوی بچوں کی ہو جن کو اس قول میں شمار نہیں کیا گیا۔

ابن سلام کی ہمدردی...... غرض اس کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو حویلیوں سے نکال کر ایک طرف جمع کیا گیا ان بچوں و عورتوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان پر عبداللہ ابن سلام کو نگراں بنایا گیا (یہ بنی قریظہ کے لوگ قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے) ان لوگوں کو ان پر رحم آیا اور وہ مسلسل آکر آپ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہیں اور ہمارے حلیف ہیں۔ آپ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارے بھائیوں یعنی خزرج کے حلفوں یعنی بنی قینقاع کے ساتھ رحم کا معاملہ فرما چکے ہیں۔ یعنی آپ سے پہلے بنی قینقاع کی جان بخشی کر کے ان کو سامان سمیت مدینے سے چلے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی اور وہ لوگ قبیلہ خزرج کے حلیف اور دوست تھے اور عبداللہ ابن ابی قبیلہ خزرج ہی سے تھا۔ بنی قینقاع کے لوگ آنحضرت ﷺ کے حکم پر قلعہ سے نکل کر آپ کے سامنے حاضر ہو گئے تھے پھر ان کے بارے میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو اور سفارش کی تھی جس پر آنحضرت ﷺ نے اس شرط کے ساتھ ان کی جان بخشی کر دی تھی کہ وہ لوگ فوراً مدینے سے جلاوطنی ہو کر کہیں چلے جائیں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اوسیوں کی ہمدردی اور سعد ابن معاذ کا حکم...... اسی بناء پر اب قبیلہ اوس کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے جس طرح بنی قینقاع کی جان بخشی کر کے ان کا فیصلہ قبیلہ خزرج کے حوالے فرما دیا تھا اسی طرح اب بنی قریظہ کی جان بخشی کر کے ان کو ہمارے حوالے فرما دیں گے۔ **مگر جب قبیلہ اوس نے آپ سے سفارش کی تو آپ نے بنی قریظہ کو وہ رعایت دینے سے انکار فرما دیا جو بنی قینقاع کو دی تھی پھر آپ نے اوس والوں سے فرمایا کہ**

اے گروہ اوس! کیا تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان یہودیوں کا فیصلہ تمہارے ہی قبیلہ کا کوئی آدمی کر دے۔ اوسیوں نے کہا بے شک ہم اس بات پر راضی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو وہ شخص سعد ابن معاذ ہیں یعنی جو قبیلہ اوس کے سردار ہیں وہ ان یہود کے متعلق جو بھی فیصلہ چاہیں کر دیں۔

ایک قول ہے کہ آپ نے اوسیوں سے فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے جسے تم چاہو ان کا فیصلہ کرنے کے لئے چن لو۔ اوسیوں نے اس اختیار پر اپنے سردار سعد ابن معاذ کو چن لیا اس وقت یہی سردار قبیلہ تھے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک قول ہے کہ یہود نے کہا کہ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر حاضر ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے اس بات کو مان لیا۔ اس وقت حضرت سعد ابن معاذؓ مسجد میں حضرت رفیدہ کے خیمہ میں تھے۔ چونکہ حضرت سعد غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک تیر لگنے سے زخمی ہو گئے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی قوم اوس سے کہا تھا کہ ان کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تاکہ قریب رہیں اور میں بیمار پرسی کرتا رہوں۔ حضرت رفیدہ کا خیمہ مسجد میں تھا جہاں وہ ایسے زخمی صحابہ کی تیمارداری کیا کرتی تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا (آنحضرت ﷺ نے خندق کے موقعہ پر ان کو اپنے سے قریب رکھنے کے لئے حضرت رفیدہ کے خیمہ میں پہنچوا تھا)

سعدؓ سے اوسیوں کی سفارش...... غرض یہود کے اس پیغام پر قبیلہ اوس کے لوگ حضرت سعدؓ کے پاس اس خیمہ میں پہنچے انہوں نے حضرت سعد کو اٹھا کر ایک گدھے پر سوار کر لیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس لائے وہ لوگ اپنے سردار سے کہتے جاتے تھے کہ اے ابو عمرو! اپنے غلاموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ کا اختیار اسی لئے دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ لہذا آپ یہودیوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کیجئے۔ آپ ابن ابی کو دیکھ ہی چکے ہیں کہ ان کے حلیفوں یعنی قینقاع کے ساتھ کیا ہوا اور وہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ غرض اس طرح جب قبیلہ اوس کے انصاری حضرت سعدؓ پر برابر اصرار کرتے رہے تو انہوں نے کہا۔

"سعد کے لئے وہ وقت آچکا ہے کہ اللہ کے معاملے میں اب اسے کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں ہے۔!"

یہ سن کر ان کی قوم کے بعض لوگوں نے (ان کے ہونے والے فیصلے کا اندازہ کر لیا اور) کہا کہ ہائے یہودی قوم۔ آخر حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے اس وقت مسلمان آنحضرت ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ۔ اپنے سردار کو اتارو (کیونکہ وہ زخمی تھے) حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ سب سے بڑا سردار تو اللہ ہی ہے۔ ایک روایت میں انہوں نے اس کے بعد کہا کہ۔ اپنے بہترین آدمی یعنی مہاجر اور انصاری مسلمانوں میں بہترین آدمی کے اعزاز میں کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ لوگ کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھے۔ ساتھ ہی انہوں نے پھر حضرت سعد سے کہا کہ ابو عمرو! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آپ کے غلاموں کے متعلق اختیار دیا ہے کہ ان کے بارے میں آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ جب حضرت سعدؓ کی سواری سامنے آئی تو ہم میں سے ہر شخص ان کے اعزاز میں کھڑا ہو گیا اور ہم نے دو صفیں بنالیں یہاں تک کہ حضرت سعدؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا سعد ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کرو۔ سعد نے عرض کیا کہ فیصلہ کا حق تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے۔ آپ نے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں حکم دیا ہے کہ یہود کے بارے میں فیصلہ کرو۔ تب حضرت سعدؓ نے دوسری طرف بیٹھے ہوئے لوگوں سے یعنی اس طرف کے لوگوں سے جدھر آنحضرت ﷺ نہیں تھے کہا۔

"اس بارے میں تم لوگوں کو میں اللہ کے نام کا عہد دے کر پابند کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے بارے میں میرا فیصلہ آخری اور قطعی ہوگا!"

لوگوں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے اس طرف دیکھا جدھر رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس طرف جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی اسی کے پابند ہوں گے۔ یہ بات حضرت سعدؓ نے صرف ان لوگوں کی طرف دیکھ کر کہی جو آپ کے ادھر ادھر بیٹھے ہوئے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے احترام میں انہوں نے آپ کی طرف رخ نہیں کیا (یعنی مقصد یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ بھی میرے فیصلے کو قطعی اور آخری سمجھیں) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعدؓ نے بنی قریظہ سے کہا کہ کیا تم لوگ میرے فیصلہ پر راضی ہو گے۔ انہوں نے کہا ہاں! حضرت سعد نے اللہ کے نام پر عہد و پیمان لیا کہ میں جو کچھ بھی فیصلہ کر دوں وہ آخری ہوگا۔

<u>سعد کا فیصلہ</u>...... اس کے بعد حضرت سعد نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہر اس شخص کو قتل کر دیا جائے جس کے زیر ناف بالوں پر استرا لگ چکا ہے۔ ان کا مال و دولت بطور مال غنیمت کے لئے لیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔ بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ۔ ان کی جائیدادیں یعنی مکانات صرف مہاجر مسلمانوں کو دیئے جائیں جن میں انصاریوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔"

یہ سن کر انصاریوں نے کہا کہ مہاجرین ہمارے بھائی ہیں ان کے ساتھ ہمارا حصہ بھی ہونا چاہئے۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں یہ لوگ تمہارے ضرورت مند نہ رہیں۔ فیصلہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں کے بارے میں سات آسمانوں کے اوپر اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ۔ آسمان کو رقعہ اس لئے کہا گیا کہ وہ ستاروں سے ٹکا ہوا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں سات آسمانوں کی بلندیوں کے الفاظ آئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس فیصلے کی شان بہت بلند اور اونچی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سحر کے وقت فرشتے نے آکر مجھے اس فیصلہ کی اطلاع دی تھی۔

<u>مال غنیمت</u>...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی حویلیوں میں جو کچھ ہتھیار وغیرہ اور مال و متاع ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ سب سامان نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔ اس سامان میں ایک ہزار پانچ سو تلواریں تھیں، تین سو زرہیں دو ہزار نیزے اور پانچ سو ترکش اور کمانیں تھیں۔ اس کے علاوہ بے شمار مال و دولت برتن بھانڈے اور پانی ڈھونے والے اونٹ وغیرہ اور کثیر تعداد میں مویشی اور بکریاں تھیں پھر اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا گیا اس میں قیدی اور یہاں تک کہ گھریلو چیزیں بھی شامل تھیں۔ غرض ان سب چیزوں کے پانچ حصے کئے گئے۔ ان میں سے چار حصے لوگوں میں تقسیم کئے گئے گھوڑے سوار کو تین تین حصہ کے برابر دیا گیا یعنی ایک حصہ سوار کا اور حصہ دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک ایک حصہ دیا گیا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ پہلا فئی کا مال ہے جو حصہ وار دیا گیا۔

اس غزوہ میں جو عورتیں شریک ہوئیں ان کو بھی تھوڑا تھوڑا حصہ دیا گیا ایسی عورتیں یہ تھیں۔

آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ، ام عمارہ، ام سلیط، ام علاء سمیراء بنت قیس، ام سعد ابن معاذ اور کبشہ بنت رافع مگر ان عورتوں کو حصہ دار نہیں دیا گیا۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس مال کا ایک جزء لیا جو پانچواں حصہ تھا۔ بعض علماء نے یوں لکھا ہے کہ یہ پہلا فئی کا مال ہے جس میں دو دو حصے کئے گئے اور اس کو پانچ کے دو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا اور ایک حصہ اللہ کے نام کا مخصوص کیا گیا پھر آپ نے اس میں سے دو حصہ لیا جو آپ کے لئے نکلا تھا اور پھر اسی طریقہ پر غنیمتوں کی تقسیم ہونے لگی۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ پہلا فئی کا مال ہے جس میں دو دو حصے کئے گئے تو اس بارے میں شبہ ہے کیونکہ یہ صورت بنی قینقاع کے غزوہ کے موقعہ پر بھی پیش آچکی تھی کیونکہ اس غزوہ میں جو فئی کا مال حاصل ہوا تھا اس کے بھی پانچ حصہ کئے گئے تھے جن میں سے ایک یعنی پانچواں حصہ آنحضرت ﷺ نے لیا تھا اور باقی چار حصے صحابہ میں تقسیم کئے گئے تھے۔

بنی قریظہ کے یہاں سے شراب کے مٹکے بھی برآمد ہوئے تھے مگر ان کو الٹ کر بہادیا گیا اور اس کے پانچ حصے یا تقسیم نہیں کی گئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اس سے پہلے ہی حرام ہو چکی تھی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کے مردوں کو اسامہ ابن زید کے مکان میں پہنچادیا جائے اور عورتوں کو حرث نجاری کی بیٹی کے مکان میں رکھا جائے کیونکہ یہ مکان عرب کے آنے والے وفدوں کے قیام کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ایک قول ہے کہ عورتوں کو کبشہ بنت حرث ابن کریز کے مکان میں پہنچادیا گیا تھا۔ یہ عورت مسیلمہ کذاب کی بیوی تھی پھر اس کے بعد عامر ابن کریز اس عورت کا مالک بن گیا تھا۔ اسی عورت کے مکان میں بنی حنیفہ کا وفد آکر ٹھہرا تھا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ ساتھ ہی بنی قریظہ سے جو مال و اسباب حاصل ہوا تھا اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اس کو بھی اٹھالیا جائے البتہ مویشیوں کو چرنے کے لئے وہیں چھوڑ دیا گیا۔

قتل کے فیصلے کی تکمیل...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے کو واپس ہوئے پھر آپ مدینے کے بازار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے گڑھے کھدوائے۔ اس کے بعد آپ نے یہودی قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ قیدیوں کو وہیں لایا گیا جن کی گردنیں مار مار کر ان گڑھوں میں ڈالا گیا۔ کسی شخص نے بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید سے اس وقت کہا کہ کعب تم دیکھ رہے ہو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے۔ کعب نے کہا۔ "تم لوگوں نے ہمیشہ ہی ناسمجھی کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم میں سے جو شخص چلا جاتا ہے وہ کبھی نہیں لوٹتا۔ خدا کی قسم اس وقت تمہارا قتل عام ہو رہا ہے جبکہ میں نے تم لوگوں کو اس کے علاوہ دوسری بات کی دعوت دی تھی مگر تم نے میری ہر بات رد کر دی۔"

لوگوں نے کہا کہ چھوڑو یہ وقت غصہ اور ناراضگی کا نہیں ہے ان لوگوں میں یہ بحث ہوتی رہی یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت قتل سے فارغ ہو گئے۔ بنی قریظہ کا یہ قتل آگ کی روشنی میں کیا گیا۔ ان لوگوں کی لاشوں کو گڑھوں میں گرا کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ ان لوگوں کے قتل کے وقت ان کی عورتیں چیخ چیخ کر رونے لگیں انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے بال نوچ لئے اور منہ پیٹ لئے سارا مدینہ ان کے شور و بکاء سے گونج اٹھا۔

حیی کا آخری کلام...... یہود کے جن لوگوں کو قتل کے لئے لایا گیا ان میں حیی ابن اخطب بھی تھا اس کے دونوں ہاتھ گردن پر رکھ کر رسی سے باندھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا۔ کہ اے خدا

کے دشمن کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے ہمارے قابو میں نہیں ڈالا۔ حییٰ نے کہا بے شک اللہ کو یہی منظور تھا کہ میں آپ کے قابو میں آجاؤں مگر خدا کی قسم میں آپ کی دشمنی کے لئے اپنے آپ کو ملامت نہیں کر سکتا البتہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو رسوا اور خوار کرنا چاہے وہ خوار ہو کر رہتا ہے۔

علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حییٰ سے فرمایا کہ کیا اللہ نے تجھ پر ہمیں کامیاب نہیں کر دیا تو حییٰ نے کہا بے شک ہم نے ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی مگر حقیقت یہ ہے کہ جو آپ کو رسوا کرنا چاہے وہ خود رسوا ہو جاتا ہے۔ تو گویا حییٰ کا یہ جملہ جو ہے کہ جو آپ کو رسوا کرنا چاہے گا۔ دوسرے جملہ کی طرح ہے اور شعر میں بیان کیا گیا ہے اس کا پہلا جملہ یوں تھا کہ جس کو اللہ رسوا کرے وہ رسوا ہوتا ہے کیونکہ حییٰ کے یہ کلمات نظم کئے گئے ہیں (اور نظم کے الفاظ میں فرق ہے)۔

غرض اس کے بعد حییٰ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا کہ لوگو! کچھ مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے جو سزا مقرر فرمائی تھی اور جو تباہی اس کا مقدر بن چکی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اس کے بعد حییٰ بیٹھ گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔ (قال) بنی قریظہ کے سردار کعب ابن اسید کو جب قتل کے لئے سامنے لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اے کعب! اس نے کہا کیا ہے ابوالقاسم! آپ نے فرمایا تم نے ابن خراش کی نصیحتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جو میری تصدیق کرتا تھا۔ اس نے تمہیں نصیحت کی تھی کہ میری اطاعت اور پیروی کرنا اور اگر تم میرا زمانہ پاؤ تو مجھ سے اس کا سلام کہنا۔ کعب نے کہا بے شک توریت کی قسم ابوالقاسم ایسا ہی تھا اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہود کے لوگ مجھے شرم دلائیں گے کہ میں سر پر تلوار دیکھ کر ڈر گیا تو میں آپ کی اطاعت کر لیتا اس لئے میں یہودی مذہب پر ہی مرتا ہوں۔! اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم پر اس کو آگے لایا گیا اور گردن مار دی گئی۔ یہودیوں کے اس قتل کے نگراں حضرت علیؓ اور حضرت زبیر ابن عوامؓ تھے (یعنی یہ دونوں یہود کو قتل کر رہے تھے)

اقول۔ مولف کہتے ہیں: کتاب امتاع میں ہے کہ سعد ابن عبادہ اور حباب ابن منذرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ اوس کے لوگ یہودیوں کے اس قتل عام کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں کیونکہ بنی قریظہ کے لوگ اوسیوں کے حلیف اور دوست تھے۔ یہ سن کر اوس کے سردار حضرت سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ نہیں اوس کے قبیلے میں ایک شخص بھی اس بات پر ناخوش نہیں ہے اسی میں خیر ہے جو شخص اس کو ناپسند کرتا ہے اللہ اس سے راضی نہیں ہے۔ اسی وقت حضرت اسید ابن حضیر کھڑے ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! اوسیوں کا کوئی گھرانہ ایسا نہ چھوڑیئے جس میں یہ یہودی تقسیم نہ ہو جائیں (اور ہر گھرانے کے لوگوں کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائیں) چنانچہ ان یہودیوں کو انصاریوں میں تقسیم کیا گیا اور انہوں نے ان کو قتل کیا۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔

یہاں جو یہ جملہ ہے کہ۔ انہوں نے ان کو قتل کیا۔ تو ان سے مراد ظاہری طور پر قبیلہ اوس کے لوگ ہی ہیں اور یہاں انصار سے مراد صرف اوس کے لوگ ہی ہیں۔ اس سے کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے قبیلہ اوس کے ان لوگوں سے مراد جنہوں نے اس قتل عام کو ناپسند کیا ان میں کی ایک مخصوص جماعت رہی ہو اور جو یہودی اس جماعت کے گھروں میں بھیجے گئے ہوں ان کو ان اوسیوں نے ہی قتل کیا ہو اور باقی تمام یہودیوں کو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے قتل کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ایک یہودی عورت کا قتل...... یہودی عورتوں میں سوائے ایک عورت کے کسی کو قتل نہیں کیا گیا ایک عورت جس کا نام بنانہ اور ایک قول کے مطابق مزنہ تھا عورتوں کے درمیان سے نکال کر قتل کی گئی۔ اس نے حضرت خلاد ابن سوید پر محاصرہ کے دوران اوپر سے چکی کا پاٹ پھینکا تھا جس سے وہ ختم ہوگئے تھے یہ حرکت اس نے اپنے شوہر کی ہدایت پر کی تھی کیونکہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کی بیوی اس کے بعد زندہ رہے اور کسی دوسرے شخص سے شادی کرے (لہٰذا اس سے یہ قتل کرا دیا تاکہ بدلے میں وہ بھی قتل کر دی جائے) آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان خلاد ابن سوید کا حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو دو شہیدوں کا اجر ثواب ملا ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے سنان ابن محصن کا حصہ بھی نکالا جو یہود کے محاصرے کے زمانے میں وفات پاگئے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہودی عورتوں میں ایک کے سوا کوئی قتل نہیں کی گئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم جس وقت رسول اللہ ﷺ بازار میں یہودیوں کو قتل کرا رہے تھے اس وقت وہ میرے پاس بیٹھی ہوئی مجھ سے باتیں کر رہی تھی اور بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی (اس کا نام بنانہ تھا اور) یہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ دراصل جس وقت یہودی قتل کئے جا رہے تھے اس وقت یہ لڑکی بنانہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں آبیٹھی تھی۔ غرض حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ ہنسی مذاق کر رہی تھی کہ اچانک کسی نے پکار کر پوچھا کہ بنانہ کہاں ہے۔ اس نے کہا کیا واقعی مجھے پکارا جا رہا ہے۔ عائشہؓ نے کہا چھوڑو تم سے کیا واسطہ۔ اس نے کہا شاید مجھے قتل کیا جائے۔ میں نے کہا کیوں۔ اس نے کہا کہ اس جرم کی وجہ سے جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے حضرت عائشہؓ کے پوچھنے پر بتلایا کہ مجھے میرے شوہر نے ہلاکت میں ڈال دیا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیسے۔ تو اس نے کہا کہ میرے شوہر نے محاصرہ کے دوران مجھے حکم دیا کہ محمد ﷺ کے اصحاب پر پتھراؤ کرو جو قلعہ کے باہر نیچے دیوار کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں فصیل پر گئی تو مجھے خلاد ابن سوید نظر آئے۔ میں نے ایک پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا جس سے وہ وہیں مر گئے۔ اب ان کے لئے میں مجھے قتل کیا جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ میں بنی قریظہ کے ایک شخص کی بیوی ہوں مجھ میں اور میرے شوہر میں اس قدر محبت تھی کہ مشکل سے کسی شوہر بیوی میں ہو گی۔ اب جبکہ ہمارا محاصرہ کر لیا گیا اور اس میں انتہائی تنگی اور سختی پیدا ہو گئی تو ایک دن میں نے بڑی حسرت کے ساتھ اپنے شوہر سے کہا کہ آہ یہ وصال کے تابناک دن ختم ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ اب ہجر و فراق کی گھڑیاں ہمارا انتظار کر رہی ہیں تمہارے بعد یہ زندگی کیسے گزرے گی۔ میرے شوہر نے کہا اگر تم اپنی محبت کے دعوی میں سچی ہو تو میرے ساتھ آؤ حویلی کے نیچے دیوار کے سائے میں مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر زبیر ابن بطاء نے کہا تم ان کے اوپر پتھر مارو اگر کسی کے پتھر پڑ گیا تو وہ وہیں مر جائے گا۔ اور اس کے بعد اگر مسلمان ہم پر غالب آگئے تو وہ تمہیں بھی اس مسلمان کے بدلے میں قتل کریں گے جس کے نتیجہ میں تم میرے پاس پہنچ جاؤ گی) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا (اور خلاد ابن سوید کو قتل کر دیا)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد مسلمان اس کو لے گئے اور اس کی گردن مار دی گئی حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم مجھے اس کی خوش مزاجی اور اس وقت ہنسنے ہنسانے پر تعجب ہے حالانکہ وہ جانتی تھی کہ عنقریب وہ قتل کی جائے گی۔

یہودی کا احسان اور مسلمان کی احسان شناسی...... پیچھے زبیر ابن بطاء کا نام گزرا ہے لفظ زبیر میں زپر زبر

ہے اور ب پر زیر ہے بنی قریظہ میں ایک شخص زبیر ابن بطاء تھا اسکے پوتے کا نام بھی زبیر ہی تھا جو اسکے بیٹے عبدالرحمٰن کا بیٹا تھا اس پوتے عبدالرحمٰن کا نام بھی دادا کی طرح زبیر تھا۔ ایک قول جو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں پیش کیا ہے یہ ہے کہ اس لفظ زبیر میں ز پر پیش ہے اور ب پر زبر ہے یہ شخص بہت بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگ بعاث کے موقعہ پر ثابت ابن قیس پر ایک احسان کیا تھا۔ یہ جنگ بعاث وہی جنگ ہے جو آنحضرت ﷺ کے مدینے آنے سے پہلے اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ میں انجام کار اوس کو خزرج پر فتح حاصل ہوئی تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ اس نے جنگ کے موقعہ پر ثابت کو پکڑ لیا تھا اور اس کی پیشانی پر زخم لگا کر پھر اسے چھوڑ دیا تھا (اب بنی قریظہ کی گرفتاری اور قتل کے موقعہ پر ثابت نے زبیر کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہا، چنانچہ ثابت زبیر کے پاس آئے اور بولے کہ اے ابو عبدالرحمٰن کیا مجھے پہچانتے ہو۔ زبیر نے کہا کیا میں تمہیں بھول سکتا ہوں۔ ثابت نے کہا میں تمہارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر کیا تھا۔ زبیر نے کہا کہ شریف آدمی شریف کے احسان کو یاد رکھا کرتا ہے۔ میں حقیقت میں آج تمہارا محتاج ہوں۔

زبیر کا لقب ابو عبدالرحمٰن تھا اس کے بیٹے عبدالرحمٰن نے رفاعہ کی ایک عورت سے شادی کر لی تھی مگر ایک مرتبہ اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر فریاد کی کہ میرے شوہر کا عضو تناسل کپڑے کی بتی کی طرح موم ہے (یعنی وہ شخص قوت مردمی سے محروم ہے) للذا میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے علیحدہ کر دے۔

غرض زبیر سے بات کرنے کے بعد ثابتؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ زبیر کا مجھ پر ایک احسان ہے اور میں اس کے احسان کا بدلہ دینا چاہتا ہوں للذا آپ اس کا خون مجھے ہبہ کر دیجئے (یعنی زبیر کو میرے حوالے کر دیجئے کہ چاہے قتل کروں یا چھوڑ دوں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تمہارا ہو گیا۔ اب ثابتؓ زبیر کے پاس آئے اور بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہاری جان مجھے ہبہ کر دی ہے اور میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔ زبیر نے کہا کہ مجھ جیسا ایک بوڑھا آدمی بغیر بیوی بچوں کے زندہ رہ کر کیا کرے گا۔ ثابت کہتے ہیں میں پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اس کے بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دیئے گئے۔ اس کے بعد میں نے زبیر کو آکر بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے بیوی بچوں کو بھی مجھے ہبہ کر دیا ہے اور میں ان کو تمہیں دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا حجاز کے اس گھرانے کے پاس اگر مال و دولت نہ رہے تو ایسی زندگی سے کیا فائدہ۔ ثابتؓ کہتے ہیں میں پھر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ! اس کا مال و متاع بھی دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ بھی تمہیں دیدیا ہے اور وہ اب تمہارا ہے تب زبیر نے کہا۔

"اے ثابت! تم نے میرے احسان کا بدلہ اتار دیا ہے اور اب میرا کوئی اخلاقی قرض تم پر نہیں ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس شخص کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے جس کا چہرہ ایک روشن آئینے کی طرح تھا جس میں قبیلہ کے خدوخال نمایاں رہتے تھے اور جس کا نام کعب ابن اسید تھا۔

یعنی بنی قریظہ کا سردار تھا۔ میں نے کہا وہ قتل ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اس شخص کا کیا بنا جو شہریوں اور دیہاتوں کا سہارا تھا یعنی جو فقر و فاقہ اور قحط سالی کے دوران لوگوں کا سہارا تھا اور ان کے پیٹ بھرتا تھا اور جس کو حیی ابن اخطب کہا جاتا تھا۔ میں نے کہا وہ بھی قتل ہو چکا ہے۔ پھر زبیر نے پوچھا۔ اور اس قائد کا کیا ہوا جو کوچ کے وقت ہماری قافلہ سالاری کیا کرتا تھا اور خوف کے وقت ہماری پشت پناہی کرتا تھا اور جس کا نام عزال ابن

سموال تھا۔ میں نے کہا وہ بھی قتل ہو چکا ہے۔ پھر اس نے کہا۔ اور بنی کعب ابن قریظہ اور بنی عمرو ابن قریظہ کے وہ لوگ کیا ہوئے جن کے دم سے دونوں خاندانوں کی مجلسیں آباد تھیں۔ میں نے کہا وہ سب بھی قتل ہو چکے ہیں۔ تب زبیر نے کہا۔

"تو اے ثابت! میں تم سے تمہارے احسان کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بھی میری مرحوم قوم کے پاس پہنچا دو۔ خدا کی قسم ان سب لوگوں کے بعد اب زندگی کا مزہ ہی کیا رہا۔ کیا میں ان گھروں میں تنہا بھٹکتا پھروں جن کے در و دیوار میں ان کی خوشبوئیں رچی بسی ہوئی ہیں۔ ان گھروں کی ویرانیوں کو میں اپنی تنہائیوں سے کیسے آباد کروں گا۔ نہیں۔ مجھے اس زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں اتنی دیر بھی ان ویران بستیوں میں نہیں رہ سکتا جتنی دیر میں ایک ڈول کا پانی خالی ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ جتنی دیر میں ایک پیاسا ڈول سے پانی پیتا ہے۔ بس تم مجھے بھی میرے ان ہی دوستوں کے پاس پہنچا دو۔!"

ثابت کہتے ہیں کہ آخر میں زبیر کو مقتل میں لے کر آیا جہاں اس کی گردن مار دی گئی۔ ایک قول ہے ہے کہ کی اس درخواست اور خواہش پر ثابت نے کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں ہرگز قتل نہیں کروں گا۔ اس پر زبیر نے کہا مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مجھے قتل کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت زبیر ابن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔

حضرت ابو بکرؓ کو جب زبیر کا یہ جملہ پہنچا کہ مجھے میرے دوستوں کے پاس پہنچا دو تو انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ ان سے دوزخ کی آگ میں ہی ملے گا جہاں وہ ابدالآباد تک رہنے والے ہیں۔

کتاب اصل میں یہ حدیث حضرت ابو عبیدہ کے حوالے سے ہے جس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابتؓ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر زبیر مسلمان ہو جائے تو اس کے بیوی بچے اور اس کا مال تمہیں ہبہ ہے مگر چونکہ زبیر مسلمان نہیں ہوا تھا اس لئے اس کی بیوی اور اس کا مال سب فئی کے مال میں ہی شمار کیا گیا۔

<u>بنی قریظہ کے نابالغ بچے اور عورتیں</u>...... جہاں تک قتل ہونے والوں کا تعلق ہے تو صرف وہ لوگ قتل کئے گئے جو جوان اور بالغ ہو چکے تھے جو لوگ جوان نہیں ہوئے تھے ان کو غلام بنایا گیا۔ حضرت عطیہ قرظی کہتے ہیں کہ اس وقت میری عمر لڑکپن کی تھی چنانچہ قرظیوں کے قتل کے وقت مسلمانوں نے مجھے نابالغ قرار دیا اور میرے قتل سے باز رہے (بعد میں یہ مسلمان ہو گئے) اسی طرح رفاعہ سبزہ آغاز یعنی جوان ہو چکے تھے لہٰذا ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا گیا مگر انہوں نے سلمیٰ بنت قیس یعنی ام منذر کی پناہ حاصل کر لی جو آنحضرت ﷺ کی خالاؤں میں سے ایک تھیں یعنی آپ کے دادا عبدالمطلب کی خالاؤں میں سے ایک تھیں کیونکہ یہ ام منذر بنی نجار میں سے تھیں (جو عبدالمطلب کی ننہال تھی) غرض جب رفاعہ سلمیٰ کی پناہ میں آئے تو سلمیٰ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں رفاعہ کو مجھے ہبہ کر دیجئے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے رفاعہ کو سلمیٰ کے حوالے کر دیا جس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گئے تھے۔

اس طرح بنی قریظہ سے حضرت سعد ابن معاذؓ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کیونکہ غزوہ خندق کے دوران جب وہ ایک تیر سے زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک نہ اٹھائیے جب تک بنی قریظہ کے انجام سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت سعدؓ نے یہ دعا اس رات میں

مانگی تھی جس کی صبح کو بنی قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تھے جس کی تفصیل بعض روایات کی بنیاد پر پیچھے گذری ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت سعدؓ نے دو مرتبہ مانگی ہو۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک بنی قریظہ کے انجام سے مرے دل کو آرام نہ آجائے۔

نیچے قصیدہ ہمزیہ کے جو شعر نقل کئے جا رہے ہیں شاید ان میں شاعر نے بنی قریظہ کے ان گستاخانہ کلمات کا ذکر کیا ہے جو یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کہے جبکہ بنی قریظہ کے بعض سرکردہ لوگوں نے انہیں عہد شکنی اور بدکلامی سے روکا بھی تھا۔ اس عہد شکنی کا سبب حیی ابن اخطب تھا جس نے بنی قریظہ کو ورغلایا تھا اور انہوں نے احزابی لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف ساز باز کیا۔ قصیدہ ہمزیہ کے اشعار یہ ہیں۔

وتعدوا الی النبی حدودا
کان فیہا علیہم العدواء

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کے معاملے میں ان لوگوں نے حدود سے تجاوز کیا اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو ان پر حملہ آور ہونا پڑا

واطماء نوا بقول الاحزاب
اخوانہم اننا لکم اولیاء

بنی قریظہ کے لوگ احزابی لشکر کی اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ ہم تمہارے ذمہ دار اور پشت پناہ رہیں گے۔

وبیوم الاحزاب اذ راغت
الابصار فیہ وضلت الاماء

ترجمہ: بالآخر جنگ احزاب جس میں لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کسی کی یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔

وتعا طوافی احمد منکر القول
ونطق الاراذل العوراء

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں نہایت بیہودہ باتیں کی گئیں یہاں تک کہ ذلیل لوگ بھی بیہودہ گوئی پر اتر آئے۔

کل رجس یزیدہ الخلق السوء
سفا ہاوالملۃ العوجاء

ترجمہ: بدترین بیہودہ گوئی کی گئی جس کو پست اخلاق نے اور بڑھا دیا اور یہ سب ان لوگوں نے اپنی کج فہمی اور حماقت کی وجہ سے کیا۔

فانظروا کیف کان عاقبۃ القوم
وما ساق للبذی البذاء

ترجمہ: دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا ان کی بیہودہ گوئی نے کس قدر پستی تک پہنچادیا۔

وجد السب فیہ سماولم یدر
اذا لیم فی مواضع باء

ترجمہ: گالیاں دینا ان کے حق میں زہر بن گئیں اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ (لفظ سب یعنی گالی میں) ب

جو ہے وہ ہے (یعنی سم بمعنی زہر)

کان من فیه قتله بیدیه
فهو من سوء فعله الوباء

ترجمہ: جو لوگ آنحضرت ﷺ کے اشارہ پر قتل ہوئے وہ اپنے ہی بدترین افعال کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے ہیں۔

اوهو النحل قرصها یجلب
الحتف الیها وماله اتکاء

یا یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بد عقلی ایک مکھیوں کا چھتا ہے جو میٹھا نظر آتا ہے مگر اس کی طرف ہاتھ بڑھانے میں تباہی ہے جس میں چھتے کا کوئی قصور نہیں ہے۔

اس غزوۂ بنی قریظہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ آئندہ کبھی قریش تم سے لڑنے کے لئے نہیں نکلیں گے بلکہ تم ہی ان کی سرکوبی کے لئے نکلا کرو گے۔ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا۔ اور پیچھے گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ غزوۂ احزاب کے ختم ہونے کے بعد فرمایا تھا۔

سعد ابن معاذ کی وفات...... ادھر غزوہ احزاب کے دوران حضرت سعد ابن معاذ کے ہاتھ میں جو زخم آیا تھا وہ خراب ہونے اور بڑھنے لگا اس میں سے خون جاری ہو گیا آنحضرت ﷺ کو پتہ نہیں تھا کہ ان کے زخم سے خون بہہ رہا ہے آپ نے اسی حالت میں ان کو سینے سے لگایا اور خون آپ کے اوپر بھی لگ گیا۔

غرض آخر ایک روز اسی زخم کی بناء پر حضرت سعد ابن معاذ کی وفات ہو گئی یہاں تک کہ ان کی لاش کو حضرت رفیدہ کے خیمہ سے ان کے مکان پر پہنچا دیا گیا جبکہ آنحضرت ﷺ کو اب تک وفات کا بھی علم نہیں تھا۔ آخر رات میں حضرت جبرئیل ریشمی موتیوں کا عمامہ پہنے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھنے لگے کہ اے محمد ﷺ یہ کون مرد صالح ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ یہ کس شخص کی میت ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور جس کی وجہ سے عرش الٰہی ہل گیا ایک روایت میں عرش رحمٰن ہے۔ یعنی جس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور جس کی آمد کی خوشی میں عرش الٰہی ہلنے لگا۔ امام نووی نے کہا ہے کہ عرش کا ہلنا دراصل حضرت سعدؓ کی روح کے استقبال کے لئے فرشتوں کی مسرت تھی۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ عرش کے ہلنے کو فرشتوں کی مسرتوں سے تعبیر کرنے کی ضرورت تو جب ہی پیش آسکتی ہے جبکہ عرش کا ہلنا محال ہو۔ غرض جبرئیلؑ سے یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ تیزی کے ساتھ حضرت سعدؓ کی طرف روانہ ہوئے جہاں آپ نے ان کو مردہ پایا۔

حضرت سعدؓ کی فضیلت و تدفین...... حضرت سلمہ ابن اسلم ابن حریش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت سعدؓ کے مکان میں داخل ہوئے تو وہاں اس وقت کوئی نہیں تھا بلکہ حجرے میں تنہا لاش کپڑے سے ڈھکی ہوئی رکھی تھی مگر میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پنجوں کے بل (اس طرح) چل رہے ہیں (جیسے بڑے مجمع اور بھیڑ میں آدمی چلتا ہے) ساتھ ہی آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ ٹھہر جاؤ چنانچہ میں رک گیا اور واپس لوٹ گیا۔ آنحضرت ﷺ کچھ دیر لاش کے پاس بیٹھے اس کے بعد باہر نکل آئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے وہاں کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا لیکن آپ پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ آپ نے فرمایا

مجھے وہاں بیٹھنے کو بھی جگہ نہیں تھی یہاں تک کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتے نے اپنے ایک پر سے مجھے پکڑ کر بٹھایا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اسی قسم کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی پیش آرہا تھا۔ جبکہ یہ حضرت **ثعلبہ** ابن عبد الرحمٰن انصاریؓ کے جنازے کے ساتھ جا رہے تھے آپ اس وقت پنجوں کے بل چل رہے تھے۔ جب حضرت ثعلبہؓ کو دفن کیا جا چکا تو کسی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو پنجوں کے بل چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اس جنازے کے ساتھ چلنے کے لئے اس قدر فرشتے نازل ہوئے تھے کہ مجھے قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس کا واقعہ سیرت شامی میں مذکور ہے۔

جب حضرت سعد ابن معاذؓ کی لاش کو اٹھایا گیا تو حالانکہ وہ بھاری جسم کے تھے مگر اس وقت نعش بہت ہلکی ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت ان کو اٹھانے والے تمہارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں یعنی ملائکہ بھی اٹھانے والوں میں ہیں (اس لئے لاش کا وزن تمہیں ہلکا معلوم ہو رہا ہے) ان کے لئے ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے جو ان کے جنازے کے ساتھ تھے جن میں بہت سے فرشتے وہ تھے جو اس دن کے علاوہ کبھی زمین پر نازل نہیں ہوئے تھے۔

ضغطہ قبر...... حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ سعدؓ کی قبر کھودنے والوں میں بھی شریک تھا ہم جب بھی قبر کی مٹی کھود کر ہٹاتے تو ہمیں مشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص **کو** قبر کے بھینچنے سے نجات اور چھٹکارہ ہوتا تو سعد کو ہوتا کہ ان کو ایک ہی بار قبر نے بھینچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چھٹکارہ دلا دیا۔

حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ جب سعدؓ کو دفن کر دیا گیا اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ نے تسبیحات پڑھیں اور آپ کے ساتھ سب لوگوں نے پڑھیں۔ پھر آپ نے اللہ اکبر فرمایا تو سب لوگوں نے آپ کے ساتھ اس کی تکرار کی۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے تسبیح کیوں پڑھی اور تکبیر کیوں کہی۔ آپ نے فرمایا کہ اس نیک بندہ کو اس کی قبر نے بہت زور سے بھینچنا شروع کیا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے چھٹکارہ عنایت فرمادیا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی ایک بیوی سے سوال کیا گیا کہ سعد پر قبر کے بھینچنے کے سبب کے متعلق تمہیں رسول اللہ ﷺ کا کیا قول معلوم ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ پیشاب سے طہارت حاصل کرنے میں وہ کسی قدر کوتاہی کیا کرتے تھے۔ مگر یہ بات کتاب خصائص صغری کی اس روایت کے خلاف ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ ضغطہ قبر یعنی قبر کے بھینچنے سے محفوظ رہیں گے۔ یہی حال دوسرے انبیاء و پیغمبروں کا ہے۔ ان حضرات کے سوا کوئی نیک اور صالح آدمی بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گا۔

یہی بات علامہ قرطبی کی کتاب تذکرہ میں بھی ہے البتہ انبیاء کے علاوہ صرف ایک عورت فاطمہ بنت اسد ایسی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے قبر نہیں بھینچے گی کیونکہ ان خاتون کی قبر میں پہلے خود آنحضرت ﷺ لیٹے تھے۔ اس طرح گذشتہ روایت اور کتاب خصائص کی اسی روایت میں موافقت کی ضرورت

ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب سے میں نے آپ کو ضغطہ قبر اور اس کے بھینچنے کا ذکر کرتے سنا ہے۔ یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا۔

مومن اور کافر کے ضغطہ قبر...... "عائشہ! مومن کے لئے ضغطہ قبر کی ایسی کیفیت ہوگی جیسے ایک شفیق ماں اپنے بچے کے سر کو اپنے ہاتھوں سے دباتی ہے جو سر کے درد کی شکایت کر رہا ہو اور منکر نکیر کی ضرب ایسی ہوگی جیسے آنکھ میں سرمہ لگا دیا جائے۔ مگر اے عائشہ! فریاد کرنے والے مشرکوں پر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو قبر میں اس طرح بھیجا جائے گا جیسے پتھروں میں کچلا جاتا ہے!"

اب گویا ایسے مومن سے جس کی یہ شان ہو مراد وہ شخص ہوگا جس سے عمل میں کوتاہی نہ ہوئی ہو لہٰذا یہ بات گذشتہ قول کے خلاف نہیں ہے تاہم یہ اختلاف قابل غور ہے۔

علامہ بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ کا جنازہ دو ڈنڈوں کے بیچ میں رکھ کر اٹھایا گیا۔ اس سے ہمارے شافعی علماء نے مسئلہ نکالا ہے کہ جنازے کو چارپائی پر اٹھانے کے مقابلے میں یہ زیادہ افضل ہے جس کا لوگوں میں اب رواج ہو گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ کے جنازے کے آگے آگے چلے پھر آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ کی والدہ آئیں اور انہوں نے لحد کے اندر نظر ڈال کر مرحوم بیٹے کو دیکھا اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہیں ذخیرہ کرتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعدؓ کی میت کے پائینتوں پر کھڑے تھے اور وہیں آپ نے ان کی والدہ کو تعزیت پیش فرمائی۔ پھر جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے اس پر پانی چھڑکا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

حضرت سعدؓ کی والدہ بیٹے کا نوحہ و ماتم کرنے لگیں یعنی ان کی خوبیاں بیان کر کر کے رونے لگیں اس پر آپ نے فرمایا کہ ہر نوحہ کرنے والی جھوٹی ہے سوائے سعد کا نوحہ کرنے والی کے۔ کیونکہ سعد کے جو نیک اوصاف اور خوبیاں بیان کی جائیں وہ ان میں واقعہ موجود تھیں جبکہ دوسروں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔

اسی اثناء میں مقام دومۃ الجندل کے امیر نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی جبہ ہدیہ میں بھیجا جس کا تفصیلی واقعہ آگے بیان ہوگا۔ صحابہ نے اس جبہ کو دیکھا بے حد پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ جنت میں سعد ابن معاذؓ کے رومال بھی اس جبہ سے کہیں زیادہ بہتر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ رومال استعمالی کپڑوں میں عام طور پر معمولی کپڑا ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ ادنیٰ درجہ کے مصرف میں استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں حضرت سعدؓ کے کپڑے کہیں زیادہ اعلیٰ اور قیمتی ہیں آنحضرت ﷺ نے یہ جبہ حضرت عمر ابن خطابؓ کو ہبہ فرما دیا۔

ابولبابہ کی قبولیت دعا...... پیچھے حضرت ابولبابہ کی غلطی اور ان کی ندامت اور خود کو سزا دینے کا واقعہ گذرا ہے) اسی دوران میں ان کی توبہ قبول ہونے کے متعلق وحی نازل ہوئی۔ جس وقت آنحضرت ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی اس وقت آپ حضرت ام سلمہ کے حجرے میں تھے۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں نے صبح ہی صبح آنحضرت ﷺ کو ہنستے دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے! آپ نے فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی میں نے

عرض کیا تو کیا میں ان کو یہ خوش خبری سنادوں یا رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر تم چاہو تو ضرور سنادو۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔

ایک قول ہے کہ یہ واقعہ پردے کے حکم سے پہلے کا ہے مگر پیچھے بہتان تراشی کا جو واقعہ گزرا ہے اس کی تفصیلات کے لحاظ سے یہ بات درست نہیں ہے۔

غرض ام المومنین نے دروازے پر کھڑے ہوکر کہا اے ابولبابہ تمہیں خوشخبری ہو اللہ تعالٰی نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے

یہ سنتے ہی لوگ ابو لبابہؓ کی زنجیریں کھولنے کے لئے ان کی طرف جھپٹے مگر ابو لبابہ نے ان کو روکتے ہوئے کہا کہ ہر گز نہیں رسول اللہ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے مجھے کھولیں گے ایک قول ہے کہ ابو لبابہ کو یہ خوش خبری سنانے والی حضرت عائشہؓ تھیں۔

غرض پھر جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو ابو لبابہؓ کے پاس سے گذرتے ہوئے آپ نے ان کو کھولا ایک حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے بھی ابو لبابہ کو کھولنے کا ارادہ کیا تھا مگر انہوں نے منع کر دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہے۔ ایک حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو لبابہ کو اگر حضرت فاطمہؓ بھی کھول دیتیں تو ابو لبابہ اپنی قسم سے بری ہو جاتے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

غرض اس طرح حضرت ابو لبابہ چھ رات تک اس ستون کے ساتھ خود کو باندھے ہوئے کھڑے رہے۔ ایک قول سات رات کا ہے اور ایک قول سترہ رات کا بھی ہے۔ اسی طرح ایک قول پندرہ راتوں کا بھی ہے کتاب امتاع میں صرف یہی آخری قول نقل کیا گیا ہے۔

اس دوران ہر نماز کے وقت ان کی بیوی یا بیٹی ان کے اس پاس آتیں اور انہیں نماز پڑھنے کے لئے کھول دیتی تھیں۔ اسی طرح جب ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تو ان کو کھول دیتیں۔ فارغ ہونے کے بعد وہ ستون کے پاس واپس آجاتے اور نہیں پھر باندھ دیا جاتا۔ اس کے نتیجہ میں ان کے کانوں اور آنکھوں کی قوت بہت زیادہ کمزور ہونے لگی تھی۔ گذشتہ روایت اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ ان کی بیوی اور بیٹی باری باری ان کے پاس آیا کرتی تھیں (اور نماز وغیرہ کے لئے ان کو کھولتی تھیں)

ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ توبہ قبول ہو جانے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ اس علاقہ کو چھوڑ دوں جہاں مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے۔ مگر اس روایت میں یہ شبہ ہے کہ ابو لبابہ تو پہلے ہی اس بات کا حلف کر چکے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض پھر انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس گناہ کے بدلے میں اپنے مال و دولت سے بھی سبکدوش ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا یہ کافی ہے کہ تم اپنے مال کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دو۔ گویا آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ علاقہ چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

جہاں تک اس دوسری روایت کا جس کے مطابق ابو لبابہ نے یہ علاقہ چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس گذشتہ روایت کا تعلق ہے جس کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ سے خود ہی یہ عہد کر چکے تھے کہ بنی قریظہ کی سرزمین میں کبھی قدم نہ رکھوں گا تو ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہے۔

یہودی باندیوں کی فروختگی اور اسلحہ کی خریداری..... غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سعد ابن زید انصاریؓ کے ہاتھ بنی قریظہ کے قیدیوں یعنی غلام باندیوں کو فروخت کرنے کے لئے نجد کے علاقہ میں بھیجا تاکہ ان کے بدلے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدے جائیں۔

(قال) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ آپ نے حضرت سعد ابن عبادہؓ کو یہ قیدی دے کر ملک شام میں بھیجا تاکہ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے ہتھیار اور گھوڑے خرید لائیں۔ چنانچہ انہوں نے ان غلاموں کے بدلے میں کثیر تعداد میں گھوڑے خریدے۔ آنحضرت ﷺ نے ان گھوڑوں کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا۔

ان میں جو باندیاں بچی تھیں ان کو حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے خرید لیا تھا۔ پہلے ان باندیوں کی دو قسمیں کی گئیں کہ جوان لڑکیوں کو علیحدہ کر لیا گیا اور بوڑھی عورتوں کو علیحدہ کر لیا گیا۔ (خریدار دو ہی آدمی تھے ایک عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور دوسرے عثمان غنیؓ) اب حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت عثمانؓ کو اختیار دے دیا کہ ان دونوں قسموں میں سے جسے چاہیں پہلے وہ خرید لیں حضرت عثمانؓ نے بوڑھی عورتوں کو خرید لیا اور حضرت عبدالرحمٰن نے جوان لڑکیوں کو خرید لیا۔

پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی خرید کردہ بوڑھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ اتنا مال ان کو ادا کر دے تو وہ آزاد ہو گی۔ اب مال جو کچھ تھا وہ بڑھیوں کے پاس ہی تھا جوان لڑکیوں کے پاس کچھ نہیں تھا اس لئے حضرت عثمانؓ کو بہت نفع ہوا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: یہاں روایات مختلف ہیں جن کے درمیان موافقت کی ضرورت ہے۔ اگر سعد ابن عبادہ اور عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف کے واقعہ بنی قریظہ کی باندیاں ہی مراد ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان باندیوں کی تین قسمیں کی گئیں۔ ایک قسم سعد ابن زید کو دی گئی، ایک قسم سعد ابن عبادہ کو دی گئی اور ایک قسم وہ تھی جس کو عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے خریدا۔ بنی قریظہ کی باندیوں کے فدیئے بھی لئے گئے۔ اب گویا اس روایت سے کہ سعد ابن زید کو بنی قریظہ کی باندیاں دے کر نجد بھیجا گیا مراد یہ ہو گی کہ ان میں سے کچھ باندیاں ان کے ساتھ بھیجی گئی۔

اسی طرح اس روایت سے کہ سعد ابن عبادہ کے ساتھ بنی قریظہ کی باندیاں ملک شام بھیجی گئیں مراد یہ ہو گی کہ ان میں سے کچھ ان کے ساتھ شام سے بھیجی گئیں۔ لیکن اگر سعد ابن عبادہ کے واقعہ میں بنی قریظہ کی باندیوں کے بجائے دوسری باندیاں مراد ہیں تو بات صاف ہے۔ ابن عبادہ کے واقعہ میں باندیوں کے ساتھ بنی قریظہ کا لفظ نہیں ہے اس لئے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسری باندیاں مراد ہیں۔

ادھر میں نے کتاب امتاع دیکھی تو اس میں سعد ابن زید انصاری کا واقعہ ذکر ہی نہیں کیا گیا بلکہ صرف سعد ابن عبادہ کا واقعہ ذکر ہے۔ امتاع میں ہے کہ جب عورتوں و بچوں کو باندی غلام بنالیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان میں سے کچھ تعداد سعد ابن عبادہ کے ساتھ ملک شام کو بھیجی تاکہ انہیں بیچ کر اس رقم سے اسلحہ خرید لئے جائیں۔ یہاں تک کتاب امتاع کا حوالہ ہے۔ واللہ اعلم۔

باندیوں کے ساتھ انسانیت کا معاملہ...... آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ بنی قریظہ کی باندیاں جو فروخت کی جائیں تو ماں اور بچے کو جدا نہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا جب تک بچہ جوان نہ ہو جائے اسے ماں سے علیحدہ نہ کیا جائے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بلوغ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا لڑکی کو حیض آنا

اور لڑکے کو احتلام یعنی بد خوابی ہونا قاعدہ یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا چھوٹا بچہ ملتا تھا جس کی ماں نہ ہو تو اسے مشرکین عرب یا یہودیوں کو نہیں بیچا جاتا تھا بلکہ اسے کسی مسلمان کے ہاتھ بیچا جاتا تھا۔ اسی طرح ام ولد صغیر کو یعنی ایسی باندی جس کی گود میں آتو سے کوئی چھوٹا بچہ ہو اور اس کے بچے کو مشرکین عرب یا دینے کے یہودیوں کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا جاتا تھا کتاب امتاع میں ہے کہ ایسی باندیاں جو آپس میں بہنے ہوں جب بالغ ہو جائیں تو ان کو جدا کیا جاسکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ جوان نہیں ہیں تو ان کو بھی ایک دوسری سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

مگر ہمارے شافعی علماء کے نزدیک صرف اصول اور فروع یعنی جڑ اور شاخوں کے درمیان جدائی کرنا حرام ہے (یعنی ماں اور بچے کے درمیان) جب تک کہ وہ سمجھدار یعنی بالغ نہ ہو جائے۔ یہ مسلک آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے تحت ہے کہ جس نے ماں کو اس کے بچے سے جدا کر دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کے عزیزوں اور محبت کرنے والوں سے جدا کر دے گا۔ شاید گذشتہ روایت امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

ریحانہ بنت عمرو نبی کا انتخاب...... ان یہودی باندیوں میں سے آنحضرت ﷺ نے اپنے لئے ریحانہ بنت عمرو کو انتخاب فرمایا۔ یہ عمرو آنحضرت ﷺ کا غلام شمعون تھا جو بنی نضیر کے یہودیوں میں سے تھا مگر اس کی بیٹی بنی قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں نے ریحانہ کو بنی قریظہ میں سے قرار دیا ہے ان کا مطلب یہی ہے۔ یہ ایک خوبصورت عورت تھی آنحضرتؐ نے جب اس کو اسلام پیش کیا تو اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا آنحضرت ﷺ کو اس کے انکار سے غصہ آیا۔ مگر آپ نے غصہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ پھر بعد میں یہ مسلمان ہوگئی اس کے مسلمان ہونے کے بعد آپؐ خوش ہو گئے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب ریحانہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا اور آپ کو اس کی طرف سے ناراضی پیدا ہوئی۔ آپ نے ثعلبہ ابن شعبہ کو بلوایا۔ یہ ثعلبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بنی قریظہ کے قلعہ سے اس رات میں نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس آگئے جس کی صبح کو بنی قریظہ نے سعد ابن معاذؓ کے حکم پر ہتھیار ڈالے تھے جیسا کہ بعض روایات میں یوں ہی ہے۔ پھر یہ ثعلبہ اور ان کے بھائی اسید اسد اور ان کے چچازاد بھائی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس طرح ان کے جان و مال محفوظ ہو گئے تھے۔ مگر یہ لوگ بنی قریظہ میں سے نہیں تھے بلکہ یہ بنی ھُدیل میں سے تھے۔

غرض آنحضرت ﷺ نے ثعلبہ سے ریحانہ کے انکار کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں وہ تو مسلمان ہی ہے۔ یہ بات انہوں نے اپنے حسن ظن کے تحت کہی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گی۔

ریحانہ کا اسلام...... اس کے بعد ثعلبہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر ریحانہ کے پاس آئے اور ان پر اصرار کرتے رہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ تو رسول اللہ ﷺ تمہیں اپنے لئے منتخب فرمالیں گے۔ آخر ریحانہ مان گئیں اور مسلمان ہو گئیں۔

اس وقت آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے جوتے آپ کے پیچھے رکھے ہوئے تھے جو گر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جوتے مجھے خوش خبری دے رہے ہیں کہ ریحانہ مسلمان ہو گئی ہے چنانچہ واقعہ یہی تھا۔

اسی وقت آپ کو اطلاع دی گئی کہ ریحانہ مسلمان ہو گئی ہیں۔ آپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں ہی آپ کے پاس رہیں۔ انہوں نے آزادی اور نکاح کے اختیار کے باوجود آپ کی

ملکیت میں رہنا منظور کیا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ چاہے وہ اسے منظور کرلیں کہ آپ ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرلیں اور چاہے باندی کی حیثیت سے ہی آپ کی فراش رہیں مگر انہوں نے یہی پسند کیا کہ آپ کی ملکیت میں یعنی باندی کے طور پر رہیں گی۔

مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا تھا اور بارہ اوقیہ اور ایک نش ان کو مہر دیا تھا۔ نیز جب حضرت ریحانہ کو ایک حیض آگیا تو محرم ٦ھ میں آپ نے ان کے ساتھ عروسی فرمائی اور ان کو پردہ کرادیا گیا۔ مگر انہوں نے پردے کے متعلق آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک طلاق دے دی جس کے نتیجہ میں وہ بے تحاشہ روئیں۔ آخر آپ نے اس کے ساتھ رجعت فرمائی (یعنی ان کو معاف کر کے پھر قبول فرمالیا)۔

اس کے بعد وہ عمر بھر آنحضرت ﷺ کے پاس رہیں یہاں تک کہ جب آپ ١٠ھ میں حجتہ الوداع سے واپس تشریف لائے تو حضرت ریحانہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے ان کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن فرمایا۔

پیچھے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ریحانہ کے ساتھ اس وقت عروسی فرمائی جب کہ ریحانہ کو ایک حیض آگیا (گویا آپ نے ان کے حیض کا انتظار فرمایا تاکہ ریحانہ کے حمل سے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بات صاف ہو جائے اس کو شرعی اصطلاح میں استبراء یعنی براٗت کا انتظار کرنا کہتے ہیں

اس حدیث سے ہمارے یعنی شافعی فقہاء کے اس قول کو دلیل ثابت ہوتی ہے جس کے مطابق اگر کوئی شخص ایسی باندی کا مالک بن جائے جس کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی ایسا شخص بھی ہمبستری کر چکا ہو جس کے لئے وہ عورت حلال رہی ہو تو اس کے لئے استبراء سے پہلے اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس نے اسے آزاد ہی کیوں نہ کر دیا ہو۔

یہ بات پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ قریظہ اور نضیر حضرت ہارونؑ کی اولاد میں دو بھائی تھے جن کی اولاد بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے۔

☆☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆☆

سیرت حلبیہ کی جلد دوم الحمدللہ تمام ہوئی، اس کے بعد آخری جلد سوم ہے جس کا پہلا باب غزوہ بنی لحیان، ہے